اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور

بحمد اللہ کہ ایں کتاب لاجواب مطبوع طبائع ہر شیخ و شاب

رونق بخش زمین و آسمان

مسمّیٰ بہ

نورِ ایمان

مصنفہ

عالیجناب خان بہادر مولینا مولوی سید خیرات احمد صاحب وکیل

سکرٹری انجمن امامیہ گیا

حسب فرمائش

کتب خانہ اثنا عشری لاہور - موچی دروازہ

کوچہ مغل حویلی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضراتِ ناظرین ! اس کتاب کا ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے کہ جو سُنی اس کو پڑھے گا۔ وہ شیعہ ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں !!

نہ حقیقتہً یہ کتاب ان حضرات کے لئے ہے ہی نہیں۔ جن کی منطق یہ ہے:

صغریٰ۔ جو علیؑ کا دشمن وہ نبیؐ کا دشمن اور جو نبیؐ کا دشمن وہ خدا کا دشمن اور جو خدا کا دشمن ہے وہ کافر ہے۔

کبریٰ۔ امیر معاویہ حضرت علیؑ سے مدتوں لڑتے رہے اور حضرت علیؑ کے جانی دشمن اور اُن کے خون کے پیاسے تھے۔

نتیجہ۔ اس لئے حضرت معاویہ خدا کے دوست ہیں اور خدا اُن سے راضی ہے !!!

آج کل کا تو ایک بچہ بھی اس منطق پر ہنس دے گا۔

اسی طرح یہ کتاب اُن حضرات خوش اعتقاد کے لئے نہیں۔ جو اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ ایک روز جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مصنف تحفہ اثناعشری قرآن تلاوت فرما رہے تھے۔ اتفاقاً اس وقت سات آٹھ حافظ وہاں موجود تھے۔ ایک جگہ ایک لفظ کا اعراب جناب مولانا نے غلط پڑھا۔ اچانک ایک حافظ نے ٹوک دیا مولانا نے فرمایا۔ کہ صحیح اعراب وہی ہیں جو میں پڑھتا ہوں۔ اس پر سب حافظ حاضرین نے اختلاف کیا۔ اور قرآن شریف کی جلدیں منگوائی گئیں۔ ان میں بھی وہی اعراب پایا گیا۔ جو حافظ لوگ کہتے تھے۔ اس پر مولانا کو غصہ آیا۔ اور حضرت کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا۔ کہ ہم غلط پڑھتے ہیں ! تو آؤ دیکھو !! یہ فرما کر حضرت نے اپنے عبائے مبارک ان حافظوں پر اوڑھا دی اور سب کو فرمایا۔ کہ آنکھیں بند کر لو

اور بعدہٗ سب کو لے کر حضرت مولانا عرش بریں پر پہنچے اور وہاں سب حفاظ کو دکھلا دیا۔ کہ لوحِ محفوظ پر جو قرآن لکھا ہوا ہے۔ اس میں وہی اعراب ہیں جو حضرت مولانا فرماتے تھے!! اس کے تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے فرمایا کہ آنکھیں کھولو اور اپنی عبا اُٹھالی۔ تو سبھوں نے اپنے کو وہیں شہر دہلی اپنے محل میں پایا۔ اور سب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا!! یہ درجہ جناب مولانا کو صرف اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ وہ تحفہ اثنا عشری کے مصنف ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ شاہ بھی ہیں۔ ایسے بزرگوار خوش اعتقاد اگر نور ایمان کو حفظ ہی کر ڈالیں گے تو کیا ہو سکتا ہے۔

اسی طرح نور ایمان ان خوارج نجدا اور اُن کے ہم خیال والوں کے لئے نہیں ہے۔ جو جناب حضرت اُم الاسلام سابق الایمان حضرت خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام کے مزار مبارک کے ڈھانے کو اور جناب رسول خُدا صلعم کے گنبد مبارک پر گولہ باری کرنے کو امر بالمعروف اور اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ فِی قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا کے مصداق ہیں۔

اسی لئے حقیقتاً کتاب نور ایمان اُن نونہالان گلشن اسلام کے لئے ہے۔ جن کا دل و دماغ تعصب سے بالکل پاک ہے۔ جو علم ریاضی کے طریقہ استدلال زینہ بزینہ سے مشکل سے مشکل مسائل کو حل کر کے دکھلا دیتے ہیں۔ کہ مثلث قائمۃ الزاویہ کے مقابل ضلع کا مربع بقیہ دونوں ضلعوں کے مربعوں کے ضرور برابر ہوتا ہے۔ جو الجبرا کے دلائل عقلی سے اعداد معلوم کے عدد مجہول کو بآسانی نکال لیتے ہیں۔ جو طبیعات کے علم سے دودھ کا دودھ پانی کا پانی فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی طرح واقعات مفروضہ سے واقعات مختلفہ کے نکال لینے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ اسی لئے یہ نونہالان چمن اسلام ہماری اس کتاب کی ہر دلیل کو اسی معقول طریقے پر جانچیں گے اور نتیجہ نکالیں گے اور محض اپنی کانشنس سے بلا پاس و رعایت احدے تجویز کریں گے۔ کہ جن جن واقعات سے میں نے جو جو نتیجے نکالے ہیں وہ صحیح ہیں یا غلط۔ حق تعالیٰ جل شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ میری کتاب کو فریقین کے اربابِ عقل و دانش نے اُسی نقطۂ خیال سے دیکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آج سینکڑوں قلوب نور ایمان سے روشن ہو گئے اور اکثر جگہ خاندان کا خاندان راہِ راست پر آگیا۔ اور فرقۂ شیعہ میں تو یہ کتاب اس قدر مطبوع ہوئی۔ کہ ہر گھر میں نور ایمان کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ خدا کے فضل سے میری زندگی میں یہ کتاب چودہ مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اب خدائے جلشانہٗ کا

لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ آج میں حسب فرمائش جناب منیجر صاحب کاظم بک ڈپو رجسٹرڈ کے پندرھویں ایڈیشن کا دیباچہ لکھ رہا ہوں۔ اس لئے اب میں حق تعالےٰ کے فضل و کرم پر وثوق کر کے دعویٰ سے کہتا ہوں۔ کہ جو شیعہ اس کتاب کو سمجھ کر پڑھ لے گا۔ وہ ہرگز ہرگز سُنّی نہ ہو گا۔ حالانکہ قبل اشاعت اس کتاب کے دس بیس شیعہ ہر سال سُنّی ہوتے تھے۔

اس کتاب کی حیرت انگیز ترقی کا راز یہ ہے کہ میں نے اس کتاب کو ہار جیت کی نیت سے لکھا ہی نہ تھا بلکہ ہر ایک اعتراض کے منصفانہ پہلو کو بے ریے وریا لکھ کر جواب دیتا تھا۔ اس لئے کتاب کا سبب تالیف دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

سبب تالیف کتاب

واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے طفولیت اور شباب کے زمانہ میں بہت ذکی اور ذہین مشہور تھا۔ اور ابتدا سے اس وقت تک خُدا کے فضل سے تعصب سے ہمیشہ بری رہتا آیا اس لئے میں برادر سنت جماعت احباب اور بزرگوں کی خدمت میں شب و روز رہتا تھا۔ اور سب مجھ سے بے حد خوش رہتے تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی خُدا کے فضل سے میرے احباب میں سُنّیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ المختصر میری طفولیت اور شباب کے زمانہ میں میرے بزرگان حضرات سُنّت جماعت مخصوص جناب حافظ سید احمد رضا صاحب مرحوم وکیل گیا۔ اور جناب قاضی سید رضا حسین صاحب مغفور رئیس عظیم آباد اور جناب خواجہ وحید جان صاحب مرحوم رئیس۔ اور شاہ تصدق حسین صاحب مرحوم مختار گیا۔ اور بھی دیگر احباب مجھ سے اکثر مذہبی بحث کیا کرتے تھے اور میری ذہانت سے خوش ہوتے تھے۔ لیکن کہاں میں ایک کم عمر طالب علم اور کہاں وہ بزرگوار ذی علم تجربہ کار اکثر میں قائل ہو جاتا تھا۔ اور بعدہٗ غور کر کے اور سوچ کر کے اُن سوالوں کا جواب عرض کرتا تھا تو وہ بزرگوار خوش ہو کر فرماتے تھے۔ کہ یہ تو فقط تمہاری ذہانت ہے۔ بات یُوں نہیں ہے۔ بلکہ یُوں ہے۔ پھر تو مہینوں اُن بزرگواروں سے ایسی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ کبھی میں قائل ہو جاتا تھا اور کبھی وہ بزرگوار میری ذہانت پر ٹال دیتے تھے مگر سلسلۂ بحث کو نہ اُن بزرگواروں نے ترک کیا۔ اور نہ میں گھبرایا چنانچہ ایک روز کا واقعہ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ میں جناب قاضی صاحب مرحوم کے مکان پر حاضر ہوا۔ اور کسی ضرورت سے فوراً رخصت ہونے لگا۔ تو مرحوم مغفور نے فرمایا کہ واہ واہ

یہ کیا۔ ابھی نہ کھانا کھایا۔ نہ کچھ مذہبی بحث ہوئی۔ ابھی کیوں کر جا سکتے ہو اس لئے میں ٹھہر گیا۔ بعدہٗ دیر تک مذہبی بحث ہوتی رہی۔ بعدہٗ کھانا کھایا اور رخصت ہوا۔ میرا مذہبی بحث کرنا اور کھانا کھانا یہاں کے معمولات میں تھا۔

اتنا کہنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ کہ ان بزرگواروں کی ہرگز ہرگز کبھی یہ نیت نہ تھی کہ مجھ کو سُنّی بنائیں۔ بلکہ وہ بزرگوار فقط میری ذہانت کا تماشہ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ بعض وقت جب میں کسی اعتراض میں بند ہو جاتا تھا۔ تو جناب قاضی صاحب مرحوم خود مجھ کو شیعی مذہب کا جواب تبلاتے تھے۔

المختصر مدتوں یہ مذہبی چھیڑ چھاڑ جاری رہی اور ہر قسم کے اعتراض میرے دل و دماغ میں جاگزیں رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ نہ تو میں سُنّی ہو گیا اور نہ اُن بزرگواروں کی بحثوں اور دلیلوں کا جواب ہو سکا۔ اس لئے مدت تک یہ معاملہ مذبذب رہا۔ بعد ایک مُدت کے میرا ایمان اس بات پر تو مستقل اور مستحکم ہو گیا۔ کہ مذہب شیعہ مذہب برحق ہے لیکن ان بزرگوار مرحوم کے اعتراضات بھی دل و دماغ میں پیچیدہ رہے۔

اس کے بعد جب میں نے وکالت شروع کی۔ تو اس شہر گیا میں ایک معرکہ عظیمہ یہ پیش آیا۔ کہ فرقہ سنّت جماعت نے ہم لوگوں کا علمِ محترم بزور روک دیا۔ اس لئے ہم لوگوں نے گورنمنٹ میں میموریل بھیجے۔ اس لئے مجھ کو پانچ برس تک اس کی پیروی و کوشش میں دوڑ دھوپ اور سرگرانی کرنی پڑی۔ اور اس معرکہ کے متعلق مجھ کو اکثر دار جلنگ جہاں لفٹننٹ گورنر بہادر گرمیوں میں رہتے تھے۔ جانے کا اتفاق ہوتا گیا۔

ایک دفعہ جو میں وہاں گیا۔ تو اتفاق (بلکہ حُسنِ اتفاق سے) میرے وہاں پہنچنے کے ساتھ ہی بارش بارانِ رحمت شروع ہوئی اور اس کی ایسی کثرت ہوئی اور ایسی جھڑی لگی۔ کہ اتفاقیہ کسی دن گھنٹہ دو گھنٹہ کھل جاتا تھا۔ اس لئے میں سینی ٹوریم میں اپنے کمرہ میں بند رہتا تھا۔ اور بند رہتے رہتے دِل گھبرا گیا۔ اور دِل میں سوچتا تھا۔ کہ الٰہی کیا کروں اور اس تنہائی اور بے شغلی کا کیا شغل نکالوں۔

آخر خیال ہوا۔ کہ مذہب شیعہ سُنّی کے بارے میں مجھ سے اس قدر بحثیں ہوئی ہیں۔ ان کو ضبط تحریر میں لا کر محض اپنے کانشنس و علم و عقل سے دیکھوں۔ کہ میں اپنے مذہب کی حقیقت ثابت کر سکتا ہوں، یا نہیں۔ اس لئے میں بلقسم شرعی لکھتا ہوں کہ اس وقت میرے دل میں پاس مذہب مطلق نہ تھا۔ بلکہ ارادہ مصمم یہی تھا۔ کہ سب اعتراضوں کا جواب لے رہا اور بلا پاس داری مذہب لکھوں۔ اگر اس میں عہدہ برا ہو جاؤں تو کتاب

چھپواؤں ۔ ورنہ مسودے کو پھاڑ کر پھینک دُوں گا۔ اس لئے اس وقت میرا یہ عالم تھا۔ کہ ایک اعتراض کا جواب لکھتا تھا۔ اور پھر پلنگ پر لیٹ جاتا تھا۔ اور سوچتا تھا۔ کہ اس جواب پر کوئی اعتراض تو وارد نہیں ہوتا ہے۔ اگر کوئی اعتراض ذہن میں آیا۔ تو فوراً اس کو لکھ لیا۔ اور پھر لیٹ کر اس کا جواب سوچنے لگا۔ جب جواب ذہن میں آیا فوراً اس کو لکھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ناظرین پائیں گے۔ کہ میری کتاب میں اکثر میرے جواب پر میرا ہی اعتراض محی الدین کی زبانی موجود ہے اور یہی وجہ ہے۔ کہ ناظرین دیکھیں گے۔ کہ محی الدین کے جواب میں کچھ جھول یا لگاؤ نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ بیدھڑک سخت زبان میں اعتراض کر دیا گیا ہے۔ اور ہر چند محی الدین کے اعتراضات کے الفاظ تو میرے ہیں۔ لیکن حقیقتہً وہ اعتراضات بڑے بڑے ارباب عقل و دانش و علم مذہب سنت جماعت کے ہیں۔ یہ میری دیانت ہے کہ میں نے ان بزرگوار وں کے اعتراضات کو بے جھول اور بے لگاؤ لکھ دیا ہے۔ اس لئے معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کہ یہ اعتراضات ایک شیعہ کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔

قبل اشاعت نور ایمان کے وہ اعتراضات جن کو میں نے کھائی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ لاحل اور لاجواب سمجھے جاتے تھے۔ اور مجھے افسوس ہے۔ کہ اب حضرات مومنین ان کو ویسا سخت لاحل اور لاجواب نہ سمجھیں گے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قبل اشاعت اس کتاب کے تو وہ اعتراضات شیعوں کو سر اٹھانے نہ دیتے تھے۔ اور ہم لوگ مجبور رہ جاتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا۔ کہ بہت سے شیعہ ان کھائیوں میں گر کر غلطان پیچان ہو جاتے تھے۔ اور اکثر دلدل میں پھنس کر وہیں کے وہیں رہ جاتے تھے۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ مجھ سے کم علم لوگ وہ اعتراضات کر کے قہقہے اڑاتے تھے اور میں چپ رہ جاتا تھا۔

الغرض اب دارجلنگ کا یہ عالم ہے کہ سات دن تک میں وہاں مقیم رہا۔ اور ساتوں دن شب و روز بارش کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن اس بارش باران رحمت نے بارش باران نور کا کام کیا۔ یعنی خدا کے فضل سے سات دن کے شب و روز غور و خوض و تحریر سے میرا رسالہ نور ایمان سوائے ٹیبل کے مرتب ہو گیا۔ اور تب میں دارجلنگ سے واپس اُترا۔ دریافت سے معلوم ہوا۔ کہ میرے آنے کے بعد ہی بارش موقوف ہو گئی اور بہت دنوں تک موقوف رہی۔

الغرض اس مسودہ کو لے کر میں گیا پہنچا۔ اور ہر چند مجھ کو اپنی رائے پر وثوق تھا

تاہم اس خیال سے کہ اپنی بات تو ہر شخص کو اچھی معلوم ہوتی ہی ہے۔ میں نے اس مسّودہ کو اپنے احباب شیعہ کو سُنایا۔ سبھوں نے کمال پسند کیا۔ اس پر بھی اپنی تشفی نہوئی تب میں نے ہندو احباب کی ایک میٹنگ کی۔ اس زمانہ میں چار پانچ ہندو وکلاء بابو ہریہر ناتھ بابو ستیل پرشاد۔ بابو نند کشور لعل بابو لچھمی پرشاد بڑے قابل وکلاء تھے اور سب میرے بڑے دوست تھے۔ جب سب احباب جمع ہوئے اور سب شیعہ ممبران انجمن امامیہ بھی شریک ہوگئے۔ تو میں نے دونوں مذہبوں کے اصُول اور مسائل مختلفہ کو بیان کیا۔ وہ لوگ خود ہی واقف تھے۔ میرے بیان سے اور بھی مطلع ہوگئے تب میں نے اپنا رسالہ پڑھنا شروع کیا۔ اور ہر ایک بحث کے ختم ہونے پر جملہ حضرات حاضرین سے پوچھتا تھا۔ کہ جواب کافی ہوا یا نہیں۔ کسی صاحب نے اگر کوئی نقص نکالا۔ تو فوراً اس کی ترمیم کردی گئی۔ جب سب احباب حاضرین متفق اللفظ ہو کر فرماتے تھے۔ کہ پورا جواب ہوگیا۔ تو میں آگے بڑھتا تھا۔ اسی طرح رسالہ از اوّل تا آخر بالاستیعاب پڑھا گیا۔ اور سب احباب نے اپنے اپنے کانشنس سے مجھ کو یقین دلایا کہ جواب کافی ہوا۔ تب میری ہمت بڑھی۔ اور اس کے چھپوانے کا ارادہ کیا۔ اور بعدہٗ بمدد جناب مولانا سید محمد حسن صاحب قبلہ و جناب مولوی سید محمدؐ ابراہیم صاحب مرحوم تکمیل کو بھی مرتب کر دیا۔

پہلی فال نیک

سالے کو نیکوست از بہارش پیدا۔ اس رسالہ کی پہلی کامیابی کا پہلا قصہ یہ ہے کہ شہر بانکی پور یعنی عظیم آباد پٹنہ میں آنریبل مولوی سید فضل امام خاں بہادر ممبر بنگال کونسل ابن شمس العلماء مولوی سید وحید الدین خان بہادر ایک رئیس جلیل القدر و ذی الاقتدار تھے اور مجھے اُن سے قرابت بھی تھی۔ یعنی میں رشتہ میں ان کا چچا بھی ہوتا تھا جناب شمس العلماء مولوی وحید الدین صاحب مرحوم نے ایک کتاب موسومہ بہ تحقیق مشرب سُنی تصنیف کی ہوئی تھی۔ جس کا اتنا اثر ہوگیا تھا۔ کہ ان کا خاندان تفضیلیہ تھا۔ ہمارے نوجوان خاں بہادر مولوی سید فضل امام بھی ایسا ہی اعتقاد رکھتے تھے۔ ایک روز مجھے اُنہوں نے کہا۔ کہ چچا میرے سب عقائد تو درست ہیں۔ مگر یہ بات میرے دل نشین نہیں ہوئی کہ بوقت خلافت خلیفہ اوّل جناب امیر علیہ السلام نے تقیہ کیوں کیا ہزار لوگ مجھ کو سمجھاتے ہیں لیکن میری تشفی نہیں ہوتی۔ اس لئے میں اپنے مذہب سُنت جماعت کو ترک نہیں کر سکتا

اتفاقاً "نورِ ایمان" کا مسودہ میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس کو قیام گاہ سے منگواکر اُن سے کہا۔ کہ کسی تخلیہ کی جگہ میں چلئے۔ وہ اُٹھے اور مجھ کو ساتھ لئے ہوئے اپنے مکان کے پچھم جانب جو ایک خلوت بن رہی تھی۔ وہاں لے گئے۔ مَیں نے دوسری کھائی کا سوال سُنا کر ان سے پُوچھا۔ کہ یہی آپ کا اعتراض ہے نا؟ انہوں نے کہا۔ کہ ہاں یہی اعتراض ہے تب مَیں نے ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھا سمجھا کر دوسری کھائی کے جواب کو پڑھنا شروع کیا۔ بس جواب کے ختم ہوتے ہی خُدا بخشے وہ مرحوم اُٹھ کھڑے ہوئے اور کمال جوش سے مجھ سے معانقہ کیا۔ اور کمال شکر گذاری کے ساتھ اپنے تشیع کا وہیں اعلان کیا۔ اور بعدہٗ باہر آکر علیٰ رؤس الاشہاد کہہ دیا۔ کہ مَیں شیعہ ہو گیا۔ اور اُس وقت سے برابر درازیٔ عقیدت کے ساتھ نہایت خلوص اور جُوش وِلا سے شیعہ رہے۔ اور مجالس ۱۰۶ وغیرہ نہایت حسن اعتقاد سے کرتے تھے۔ اور ایک مرتبہ کربلائے معلّیٰ وغیرہ عتبات عالیات کے زیارت سے مشرف ہوئے۔ حق تعالیٰ مرحوم کو داخل بہشت بریں فرمائے۔

الغرض اس رسالہ کی یہ پہلی کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد میں نے اس رسالہ کو چھپنے کے لئے میر عابد علی صاحب مالک مطبع اثنا عشری لکھنؤ کے پاس بھیجدیا۔ جہاں یہ رسالہ نہایت آب و تاب سے چھپا۔ اور چونکہ اکثر حضرات سنّت والجماعت کو شیعہ مذہب کے فقہی مسائل معہ تقیہ اعمال محرّم پر بھی سخت اعتراضات تھے۔ اور اُن کے جوابات بھی نہایت مدلّل اور مسکت لکھے گئے تھے۔ اس لئے یہ رسالہ شائع ہوتے ہی مطبوع عام ہو گیا۔

نُورِ ایمان پر حملہ

۱۸۹۷ء میں مَیں ایک بلائے عظیم میں مُبتلا ہو گیا۔ یعنی میری ایک لڑکی جو نہایت نیک سیرت سعیدہ تھی اور جو سارے خاندان کی آنکھوں کا تارا تھی۔ سخت علیل ہو گئی اس کی علالت کی وجہ سے میرا سارا خاندان عالم اِنتشار میں تھا۔ اور میرا اور میرے قوت بازو مولوی سید یحییٰ حسین کا تو حواس ٹھکانے نہ تھا۔ بغرض علاج اس کو پٹنہ لے گئے۔ لیکن وہیں اس نے اِنتقال کیا۔ اِنّا لِلّٰہ وانا اِلیہ راجعون۔

جس وقت اس کی علالت بہت طول کھینچ گئی۔ اور یاس کی دِل شکن اور جگر افگار صُورت ظاہر ہونے لگی۔ اس وقت کمال انتشار کے عالم میں میر عابد علی صاحب مالک مطبع کا خط میرے پاس بمضمون ذیل پہنچا۔

سرکار (مرحوم مجھ کو سرکار ہی لکھا کرتے تھے) بڑا غضب ہو گیا۔ اہل خلاف میرے پاس جماعت باندھ کر آئے اور کہا۔ کہ تم نے ایسی کتاب چھاپی ہے۔ جس سے ہم لوگوں کے مذہب کی کمال توہین ہوتی ہے۔ اس لئے ہم لوگ تم پر فوجداری میں مقدمہ دائر کریں گے۔ اور تم کو پھر جیل خانے بھجوائیں گے۔

پس ہم تو سرکار آپ کی وجہ سے سخت بلا میں مبتلا ہو گئے۔ اب للّٰہ جان بچائیے ورنہ ہم تو جیل خانے جاتے ہیں۔ میر عابد علی صاحب مرحوم ایک پرانی وضع کے لکھنؤ کے مومن دیندار تھے۔ اور شاید کسی مقدمہ میں سابقاً سزا پا چکے تھے۔

حضرات ناظرین غور فرمائیں۔ کہ ایسے وقت مصیبت میں ایسے خط کے پڑھنے سے میرے قلب کا کیا عالم ہوا ہو گا۔ بھائی مرحوم کو وہ کارڈ دیا۔ وہ بھی دم بخود ہو گئے اور دنیا اندھیر معلوم ہونے لگی۔ شب بھر نیند نہ آئی۔ اور خیال بندھا رہا۔ کہ الٰہی جب اس کتاب پر فوجداری میں مقدمہ چل سکتا ہے۔ ہمارے درود وظائف کی مذہبی کتابوں زاد المعاد وغیرہ کا کیا حال ہو گا۔ آخر دوسرے دن میں نے میر صاحب کو خط لکھا۔ کہ میں نے تو اس کتاب کو نہایت مہذب عبارت میں لکھا ہے۔ اس پر کیونکر مقدمہ چل سکتا ہے۔ ذرا اپنے مذہب کے وکلاء سے تو دریافت کیجئے۔ میر صاحب نے جواب میں لکھا۔ کہ اپنے مذہب کے وکلاء بھی کہتے ہیں کہ ہاں بیشک مقدمہ چل سکتا ہے۔ یہ دقت وہ ہے کہ لڑکی مرحوم کے اشتداد علالت کی خبریں میرے پاس آ رہی ہیں۔ اس پر یہ نمک بر جراحت پڑ رہا ہے۔ میں نے خیال کیا۔ کہ شاید ممکن اودھ کا کوئی لوکل قانون ہو جس کی رو سے اس پر مقدمہ چل سکتا ہے۔ اس لئے میر صاحب کو لکھا۔ کہ فریق ثانی سے اور اپنے مذہب کے وکلاء سے دریافت کر کے لکھئے کہ کس قانون کی رو سے مقدمہ چل سکتا ہے انہوں نے جواب میں لکھا۔ کہ سب لوگ کہتے ہیں کہ دفعہ ۲۹۸ پنل کوڈ کے رو سے مقدمہ چل سکتا ہے۔

بس میں اس خط کو پڑھتے ہی آپے سے باہر ہو گیا۔ کیونکہ دفعہ ۲۹۸ کے میں ہر جملہ بلکہ ہر لفظ پر حاوی تھا۔ اور اس کے اصول اور اس کے نظائر سے مجھ کو پوری واقفیت تھی۔ اس لئے مجھ کو ایسا غصہ ہوا۔ کہ مجھ کو اپنی قلبی حالت ظاہر کرنے میں احاطۂ تہذیب سے گذر جانے کی مجبوری ہوئی۔ اس لئے میں نے میر صاحب کو لکھ دیا۔

میر صاحب!

تسلیم۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ پہلے خدانخواستہ میں جیل خانے جاؤں گا۔ تب آپ جائیے

گا۔ آپ بلا تامل میرا نام ظاہر کر دیجئے۔ اور جو لوگ آپ کو دھمکاتے ہیں۔ ان کو صرف اتنا کہہ دیجئے۔ کہ اگر وہ لوگ شریف ہوں گے تو مقدمہ چلائیں گے اور اگر کمینے ہوں گے تو مقدمہ نہ چلائیں گے۔

یہ خط راہ ہی میں ہو گا۔ یعنی اس خط کی روانگی کے دوسرے دن میر صاحب کا خط پہنچا جس میں لکھا تھا۔

سرکار عالی۔ مبارک باد۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت !! آج مجھ سے اور مخالفین سے تصفیہ ہو گیا۔ از روئے تصفیہ کے یہ بات قرار پائی۔ کہ جتنی جلدیں نور ایمان کی میرے پاس اور آپ کے پاس ہیں وہ سب کی سب دریائے گومتی میں بہا دی جائیں۔ اور حضور صرف پانچ سو روپیہ بطور جرمانہ کے مخالفین کو ادا فرمائیں۔ لہٰذا عرض ہے کہ جب روپے موجود ہوں تو کتابوں کے ساتھ عنایت فرمائیے۔ کہ سر سے یہ بلا ٹلے۔

مگر اس خط کے بعد میر صاحب کو وہ میرا خط مل گیا۔ میر صاحب نے خدا جانے کیونکر دل کو کڑا کر کے وہ میرا خط مخالفین کو دے ہی تو دیا۔ پھر تو مخالفین آگ بگولا ہو گئے۔ اور قسم کھا کر اُٹھے کہ ہم لوگ تم کو اور مصنف کو تباہ کر دیں گے۔

مسٹر محمود صاحب کے پاس استغاثہ اور اُن مرحوم کا فیصلہ

اس زمانہ میں مسٹر محمود صاحب مرحوم الہ آباد ہائیکورٹ کی ججی چھوڑ کر لکھنؤ میں بیرسٹری کرتے تھے اور چونکہ نہایت قابل شخص تھے۔ اس لئے ان کی بیرسٹری بہت فروغ پر تھی۔ یہ لوگ جن میں اکثر مولانا پگڑ بند بھی تھے۔ سب کے سب حیران و پریشان مسٹر محمود صاحب کی کوٹھی میں پہنچے اور استغاثہ کیا کہ شیعوں کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا کہ ہم لوگ بے پناہ ہوئے جاتے ہیں۔ للہ آپ مدد کیجئے۔ ایک رافضی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ہمارے آپ کے مذہب کی انتہا درجہ کی توہین ہے۔ مسٹر محمود صاحب نے فرمایا۔ کہ لائیے میں وہ کتاب دیکھوں۔ اگر واقعی اس کتاب میں کوئی مذہبی توہین ہو گی۔ تو میں ضرور آپ لوگوں کی حمایت کروں گا۔ چنانچہ اُن لوگوں نے ایک جلد "نور ایمان" کی دے دی۔ اور مسٹر محمود صاحب نے دو روز میں اول سے آخر تک اس کو اُسی روشنی میں پڑھا۔ جس میں وہ لکھی گئی تھی (مجھے پرائیویٹ طور سے یہ بھی معلوم ہوا تھا۔ کہ وہ اس کتاب کو پڑھ کر بہت محظوظ ہوئے تھے۔

المختصر تیسرے دن یہ مولانا پگڑ بند لوگ موصوف کی کوٹھی پر حاضر ہوئے۔ مسٹر محمود صاحب نے فرمایا۔ کہ میں نے اس کتاب کو از ابتدا تا انتہا دیکھ لیا۔ میرے نزدیک اس سے بڑھ کر تہذیب

کتاب شیعہ سُنی مذہب میں اب تک تو لکھی نہیں گئی ہے۔ اس پر مقدمہ کیوں کر چل سکتا ہے اور اگر اس پر مقدمہ چل سکتا ہے تو آپ کی تحفہ اثناء عشری اور آیات بینات پر کیوں مقدمہ نہ چلے گا۔ جب مولانا لوگ کچھ تیز ہوئے اور کہا۔ کہ اس کتاب میں حضرات خُلفا کرام کو غاصب ثابت کیا ہے۔ اس لئے کمال تعجب ہے۔ کہ اس پر بھی آپ ہم لوگوں کی مدد نہیں کرتے۔ تو مسٹر محمود صاحب نے بھی چیں بہ جبیں ہو کر کہا کہ آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی۔ کہ اس مختصر رسالہ کا جواب نہیں لکھتے اور مقدمہ چلانا چاہتے ہیں۔ اگر اس نے غاصب ثابت کیا ہے۔ آپ معصوم ثابت کیجئے۔ جب اس پر بھی مولانا لوگ کچھ اور تیز ہوئے اور کہا کہ افسوس ہے کہ مسلمان انگریزی دان اپنے مذہب اسلام سے یوں گریز کر رہے ہیں۔ تو مسٹر محمود صاحب نے غصہ میں آکر کہا۔ کہ آپ لوگ میرے مکان سے چلے جائیے۔ مَیں آپ لوگوں سے بات کرنا نہیں چاہتا۔ مجھ کو تو یہاں تک خبر ملی ہے کہ انہوں نے اپنے چپڑاسی سے نکلوا دیا۔

جب یہ سارا واقعہ انہیں لوگوں میں سے ایک شخص نے میر عابد علی صاحب سے کہا۔ تو میر صاحب نے مجھ کو لکھا۔ کہ ہاں سرکار اب میں بھی مستعد ہوں۔ میں نے آپ کا خط ان لوگوں کو سُنا دیا۔ اب وہ لوگ جو چاہیں سو کریں۔ مَیں مستعد ہوں۔ ع

"بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگزرد"

نُورِ ایمان کے جواب کی تیاری

جب مولوی لوگ مسٹر محمود صاحب کے پاس سے اس طرح نکلوائے گئے تو اُن کی حمیت جوش میں آئی۔ اور اُن لوگوں نے بیڑا اٹھایا۔ کہ جس طرح ممکن ہو اس کتاب کا جواب لکھنا چاہیئے۔ چنانچہ اس کام کے لئے کانپور میں ایک کمیٹی قائم ہوئی۔ اور جواب لکھنا شروع ہوا۔ چنانچہ میر عابد علی صاحب مرحوم نے مجھے لکھ بھیجا۔ کہ جواب چھپ رہا ہے۔ لیکن پھر نہ معلوم کیا بات ہوئی۔ کہ یہ کمیٹی فیل ہوگئی۔ تب ایک کمیٹی پٹنہ میں قائم ہوئی۔ جس میں ایک محدث ایک شاعر ناول نویس ایک مولوی علم کلام کے شامل ہوئے۔ یہاں تک کہ کچھ مسودہ چھاپہ خانہ میں بھی بھیجا گیا۔ مگر یہ کمیٹی بھی فیل ہوئی۔ تب ایک کمیٹی شدومد سے بمقام کلکتہ قائم ہوئی۔ اور وہاں جواب چھپنا شروع ہو گیا۔ جس کا پروف ہمارے عزیزوں نے دیکھا۔ لیکن یہ کمیٹی بھی آخر فیل ہوئی۔

ظاہراً ان کمیٹیوں کے فیل ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ کسی

مولوی صاحب نے کوئی کتاب تصنیف کی۔ اُس پر اُن کے حاشیہ نشینان نے واہ واہ سبحان اللہ سے ان کا دماغ آسمان پر چڑھا دیا۔ اب زمانہ یہ ہے۔ کہ اپنے مذہب کے لوگ بھی ہر بات کو نہایت نکتہ چینی اور عیب بینی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے نور ایمان پر بھی بہت سے نکتہ چینی کے اعتراضات شیعوں کے آئے اور اُن کے جواب دیئے گئے۔ چنانچہ ایک شخص کا خط مجھ کو یاد ہے۔

اعمالِ محرّم میں میں نے ایک جگہ مسٹر جسٹس ارنالڈ کے فیصلہ پر استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ فیصلہ جلد ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ میں بر صفحہ ۳۳۳ مندرج ہے اس پر ایک صاحب نے غضبناک ہو کر میر عابد علی صاحب کو لکھا کہ مصنّف نور ایمان نے مسٹر جسٹس ارنالڈ صاحب کے فیصلہ کا ایک جگہ حوالہ دیا ہے۔ لیکن اس وقت انڈین لا رپورٹ جلد ۱۲ بمبئی صفحہ ۳۳۳ میرے سامنے ہے۔ اس میں مسٹر جسٹس ارنالڈ کا نام تک نہیں ہے۔ یہ آج کل کے مصنفوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اس قدر غلط سلط بات لکھ کر اپنا بھی وقت ضائع کرتے ہیں اور ہم لوگوں کا بھی وقت ضائع کرتے ہیں؟ اس ہرزہ سرائی کا کیا نفع؟

میر عابد علی صاحب نے یہ کارڈ میرے پاس بھیج دیا۔ میں نے میر صاحب کو لکھ دیا کہ لکھ دیجئے۔ کہ جس فیصلہ کا میں نے حوالہ دیا ہے وہ بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ میں ہے انڈین لا رپورٹ میں نہیں ہے۔ مہربانی فرما کر بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۳ ملاحظہ کیجیے۔

بوجوہات بالا میں نے مابعد کے ایڈیشنوں میں اتنی عبارت اضافہ کر دی ہے جو انڈین لا رپورٹ بمبئی کے پہلے شائع ہوتا تھا۔

المختصر جب بیرونجات کے حضرات نے نور ایمان کے جواب شائع کرنے سے سکوت انسب سمجھا۔ تب اسی شہر گیا کے ایک مولوی صاحب نے اس کا جواب لکھا اور چھپوایا۔ اور اس کا نام منوّر الایمان رکھا۔ یہ مولوی صاحب بے چارے ایک پشاوری وہابی جو شیلے لکیر کے فقیر مولوی تھے۔ وہ بیچارے نورِ ایمان کا کیا جواب لکھتے۔ فقط جناب امیر علیہ السلام اور جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہا کی توہین و تنقیص سے کتاب بھر دی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اکثر رئیسانِ شہر گیا مذہب سنّت جماعت نے حکم دیا۔ کہ یہ شخص ہمارے مکان پر آنے نہ پائے اور بعدہٗ کتاب مذکور بالکل دفع کر دی گئی جس کا مجھ کو افسوس ہے اس لئے کہ بہت سی باتیں اس میں ایسی تھیں۔ جن سے میری دلیلیں قوی ہوتی تھیں۔ دوسرے صاحب نے ایک دوسری کتاب لکھی جس کا نام توضیح الایمان رکھا اس میں جناب امیر علیہ السلام اور جناب سیدہ علیہا السلام کی توہین اور ہتک حرمت اس سے بھی زیادہ تھی۔ مگر افسوس ہے کہ بیچارے مصنّف کی عمر

نے وفات کی اور وہ قبل اشاعت کتاب کے انتقال کر گئے۔ شاید ان کے بیٹے نے کتاب ناتمام چھپوائی۔ مگر وہ کیا ہوئی۔ اور کہاں گئی۔ اس کا کچھ پتہ نہیں۔ اس لئے ان کتابوں کا اب نشان کہیں باقی نہیں ہے صرف نام باقی ہے جس کو صرف میں اور دو چار آدمی اور جانتے ہونگے۔

نورِ ایمان کی مقبولیت اور حیرت انگیز ترقی

اس کتاب کی مقبولیت کی ایک اعلیٰ ترین دلیل جس کو تائید غیبی کہئے تو غالباً غلط نہ ہو۔ یہ ہے کہ میں نے اس کتاب کا نام "نورِ ایمان" اور اس کے ہیرو کا نام شہزادہ نورِ ایمان تو دارجلنگ ہی میں رکھا تھا۔ لیکن ہمیشہ میری خواہش رہتی تھی اور اب تک رہتی ہے کہ ہر ایک کتاب کے ٹائیٹل پیج کے سرنامہ پر آیت قرآنی ہو۔ تو نہایت خوب اور باعث خیر و برکت ہو۔ اس کتاب کے چھپنے کے وقت بھی میری یہی خواہش تھی۔ کہ ہزار غور کرتا ہوں۔ کوئی آیت نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ پہلی اڈیشن چھپ کر تیار ہو گئی۔ اور میر عابد علی مرحوم کا کارڈ پر کارڈ آ رہا ہے کہ ٹائیٹل پیج بھیجئے۔ لیکن میں سخت حیران ہوں کہ کیا بھیجوں۔ آخر میں نے بعد التجا بارگاہِ اقدس الٰہی میں التجا کی۔ کہ بار خدا مجھ کو اپنے خزانہ رحمت سے ایک آیت فرما غالباً یہ دعا قبول ہوئی۔ وہ اس طرح پر کہ ایک روز محض اتفاقیہ خلافِ معمول میں آیت الکرسی پڑھنے لگا۔ جب اس آیہ کریمہ پر پہنچا۔ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور۔ تو دل بیچین ہو گیا۔ اور مانگی مراد ملی فوراً ٹائیٹل پیج درست کرکے میر صاحب کے پاس بھیج دیا۔

بعدہٗ جو غور کی۔ تو صاف ظاہر ہوا۔ کہ میری دعا قبول ہوئی۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ میری کتاب کے پرواز کے نہایت موافق ہے۔ بلکہ تائید کرتی ہے۔ کیونکہ میں اپنے سُنّی بھائیوں کو مومن سمجھتا ہوں۔ فقط اس قدر سمجھتا ہوں۔ کہ وہ تاریکی میں ہیں۔ اس آیہ کریمہ نے تبلا دیا۔ کہ حق تعالیٰ جمیع مومنین کا ولی ہے اور ان کو ظلمت سے نکال کر نور میں داخل کرتا ہے۔ اس لئے میری بھی دلی خواہش ہے۔ کہ حق تعالیٰ ہمارے سُنّی مومنین بھائیوں کو توفیق عطا فرمائے۔ کہ وہ خلافت کمیٹی کی اندھیری اور مختلف السواد کوٹھڑی سے نکل کر اہل بیت طاہرین علیہم السلام کی فضاء نورانی میں داخل ہوں کہ صراط مستقیم اسی گھر کے نورانی طلعت سے ملتی ہے۔ اس آیہ کریمہ میں لفظِ نور نے نورِ ایمان کی رونق کو نورٌ علیٰ نور کر دیا ہے۔

پہلے اڈیشن اس کتاب کی میں نے مطبع اثنا عشری لکھنؤ میں ڈھائی ہزار جلدیں چھپوائیں دو برس میں وہ سب ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ بعدہٗ چونکہ لوگوں کو یہ کتاب بے حد پسند ہوئی۔ اور حقیقتاً میں نے یہ کتاب انہیں کے لئے لکھی تھی۔ اس لئے دوسرے ایڈیشن میں جابجا

تصویریں بھی دے دیں۔ یہ تصویریں لڑکوں کو بہت پسند ہوئیں۔ مگر ارباب علم و عقل نے مجھے چاروں طرف سے اس کی ممانعت کی۔ کہ ان تصویروں سے یہ کتاب بچوں کا کھیل ہو جاتی ہے۔ حالاں کہ یہ کتاب بڑوں بڑوں کے قلوب کو منور کرنے والی ہے۔ اس لئے اب آئندہ ایڈیشنوں میں تصویریں نہ چھاپی جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس کے بعد میرا یہ عالم ہوا۔ کہ ہر ایک ایڈیشن میں مضامین اضافہ ہوتے چلے اور واقعی اس کو امداد غیبی کہوں یا کیا کہوں کہ ہر ایک ایڈیشن میں نئے نئے مضامین اضافہ ہوتے گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کہاں تو ابتدا؁ً یہ کتاب چار پانچ جزو کی تھی کہاں اب ۲۱ جز سے زیادہ ہے۔ ایک لطف خاص یہ ہے کہ مضامین اضافہ شدہ کو میں جدید ایڈیشنوں میں اس چپیدگی سے درج کرتا تھا۔ کہ مطلق پتہ نہ ملتا تھا کہ مضمون اضافہ شدہ کہاں سے شروع ہوا اور کہاں ختم ہوا۔ چنانچہ اس وقت خود نہیں تبلا سکتا۔ کہ کون سی عبارت کس ایڈیشن میں کہاں سے اضافہ ہوئی ہے۔

تیسری ایڈیشن میر مہدی حسین نے چھپوائی۔ اور اس وقت میں نے اس کتاب کے جملہ حقوق تالیف و تصنیف کو نذر آقائے دو جہان جناب حضرت امام حسینؑ کر کے فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔ بعدہٗ چوتھے ایڈیشن مقبول پریس نے۔ پھر پانچویں ایڈیشن میر مہدی حسین ترمذی نے۔ پھر چھٹی ایڈیشن مقبول پریس نے۔ پھر ساتویں ایڈیشن میر محبوب حسن خان رئیس فیض آباد نے پھر آٹھویں ایڈیشن سید منیر حسن صاحب دہلوی نے۔ پھر نویں ایڈیشن میر مہدی حسین نے لاہور میں چھپوائی۔ اس لئے اب یہ کتاب اس قدر مطبوع طبائع خاص و عام ہے۔ کہ لکھنؤ اور یوپی میں کوئی گھر نور ایمان سے خالی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ خواتین بھی اس کو بشوق پڑھتی ہیں۔ اور لڑکیوں کو پڑھواتی ہیں پھر دسویں ایڈیشن مینجر صاحب کتب خانہ اثناء عشری رجسٹرڈ لاہور نے۔ اس کے بعد میر مہدی حسین نے بلا علمی میرے گیارھویں ایڈیشن شائع کی پھر مینجر صاحب کتب خانہ اثناء عشری رجسٹرڈ لاہور نے بارھواں ایڈیشن پھر تیرھواں ایڈیشن پھر چودھواں ایڈیشن شائع کی۔ پھر مینجر صاحب کاظم بک ڈپو رجسٹرڈ دہلی نے پندرھویں ایڈیشن شائع کی۔ جس میں میرا فوٹو زمانہ حال کا ہے۔ اس ایڈیشن میں بہت خفیف اضافہ ہوا ہے۔ مگر جس قدر اضافہ ہوا ہے وہ ایسا قلب و دل اور دلچسپ ہے کہ جو شخص سنتا ہے پھڑک جاتا ہے۔ یعنی بر صفحہ ۲۰۸ ایک ایسی عبارت اضافہ ہوئی ہے۔ جو نہایت دلچسپ ہے اور مصنفین حال کا پورا جواب ہے ب خدا کے فضل سے سولھواں ستارھواں ایڈیشن بھی ختم ہیں اور اب ۱۸-۱۹-۲۰-۲۱ واں

ایڈیشن پھر مینیجر صاحب کتب خانہ اثنا عشری رجسٹرڈ مغل حویلی موچی دروازہ لاہور چھپواتے ہیں۔ حق تعالیٰ خیر و برکت عطا فرمائے۔

نُورِ ایمان کی خاص صفت

اس کتاب پر اگر مجھ کو ناز ہے۔ تو اس کا ہے۔ کہ کہیں کوئی جملہ یا لفظ دِل شکن یا خلاف تہذیب نہیں ہے چنانچہ طبع ششم کی تاریخ طبع کا جو میں نے قطعہ لکھا ہے اس میں اِس بات کو یوں ظاہر کیا ہے ؎

نازاس پر ہے کہ تھا ہردم تعصب سے الگ ۔۔۔ بلکہ تعظیم و ادب کا پاس رکھا ہر زبان!

سوءِ ظن جوشِ غم و غصّہ سے تھا ہردم بری ۔۔۔ گرچہ لکھنی تھی مجھے غیظ و غضب کی داستان

انگریزی میں ایک مثل مشہور ہے کہ جس شخص کا مقدمہ ضعیف ہوتا ہے۔ وہ اپنے فریق مخالف کو گالی دیتا ہے میں کہتا ہوں کہ جب میرا مقدمہ قوی ہے تو میں اپنے فریق مخالف کو کیوں گالیاں دُوں۔ مگر مجھ کو مشکل یہ آپڑی ہے۔ کہ جن حضرات کو ہمارا فرقۂ مخالف اپنے بزرگانِ دین سمجھ رہا ہے۔ اُن کی نسبت مجھ کو ثابت کرنا ہے کہ وہ ایسے نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ بلا دلیل کے بُرے کو بُرا ثابت کرنا مشکل ہے۔ تب اس بارے میں میں نے ان بیرسٹرانِ جلیل القدر کے طرزِ تقریر سے مدد لی۔ جو منجانب گورنمنٹ ایڈووکیٹ ہوتے ہیں اور ہر قسم کے مجرموں کا جرم ثابت کرتے ہیں۔ وہ لوگ کبھی کسی مجرم کو گالی نہیں دیتے۔ بلکہ صرف صاف صاف لیکن مہذب الفاظ میں ان واقعات کو ثابت کر دیتے ہیں جس سے مجرم کا جرم ثابت ہو۔ یہی طریقہ میں نے بھی اختیار کیا ہے اور اس کو قطعۂ تاریخ مذکور میں یوں ظاہر کیا ہے ؎

تاحدِامکان نہ لکھا ایک لفظ دل شکن ۔۔۔ ہاں بیانِ واقعہ میں ہوگئیں مجبوریاں

چنانچہ اس خیال سے میں نے اپنی کتاب چند احباب اہل علم سنّت جماعت کو دی کہ جو لفظ خلاف تہذیب وہ لوگ نکالیں گے اس کو میں ایڈیشن مابعد میں نکال دوں گا مگر شکر ہے کہ کسی صاحب نے کوئی لفظ نہ نکالا۔ اتنا البتہ عرض کرتا ہوں۔ کہ پہلے دو ایڈیشنوں کو حضرات سنّت جماعت نے بشوق دیکھا۔ لیکن تیسرے ایڈیشن نے اس کا دیکھنا ایک دم ترک کر دیا۔ بلکہ دوسروں کو ممانعت کی اس لئے بعد کے ایڈیشنوں میں اس بارے میں اتنا سخت نہ رہا۔ جتنا پہلے تھا۔ لیکن اس پر بھی دائرہ تہذیب سے کبھی باہر نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے ایڈیشنوں میں علی رضا کے جواب طویل ہوتے گئے ہیں۔ جس کے بغیر چارہ نہ

تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ بصد عجز و نیاز اعتراف کرتا ہوں کہ اس طریقۂ حسنہ کا مَیں موجد نہیں ہوں۔ موجد اس کے جناب مولانا شیخ احمد صاحب دیو بندی اعلی اللہ مقامہٗ ہوئے جنہوں نے متواتر رسالجات کی تصنیف میں تمام عالم کو دکھلا دیا کہ حقیقت ایمان کی اچھے لفظوں میں یوں ثابت ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ان مرحوم کی کتابیں انوار الہدیٰ وغیرہ مقبول عام ہو گئیں اور اُن کے فریق مخالف جہانگیر خاں پر علمار سنت جماعت نے کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ چونکہ مَیں نے یہ کتاب نور ایمان اسی طرز میں لکھی ہے۔ اس لئے مَیں نے ایک جلد اس کی اُن کے پاس بھیج دی۔ ان مرحوم نے جو جواب لکھا۔ اس کو اعلیٰ ترین سرٹیفکیٹ سمجھ کر بطور حرز جاں اپنے وثائق کے بکس میں رکھتا ہوں۔ اور آج اس کی نقل اس دیباچہ میں بنظر خیر و برکت لکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں۔ کہ حق تعالےٰ اس مرحوم کو داخل بہشت بریں فرمائے اور بزور محشر ساتھ غلامان حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کے محشور کرے۔

جناب میر صاحب مخدوم مکرم زاد الطافکم بعد تسلیم و نیاز آں کہ مجھے سخت ندامت ہے کہ مَیں آپ کے عالی نامہ کا جواب نہ دے سکا۔ اس بات کا خُدا شاہد ہے کہ مجھے توقف ترسیل جواب کا سخت افسوس ہے۔ مَیں پچھلے دنوں عدیم الفرصت بھی بہت رہا۔ آپ کے اخلاق کریمانہ سے مجھے امید ہے کہ آپ اس میرے قصور کو معاف فرمائیں گے۔ اور توقف جواب کو کسی میری استغنائی یا بے پروائی پر محمول نہ فرمائیں گے۔

دونوں کتابیں مرسلہ پہنچیں از حد مشکور فرمایا صراط المستقیم عمدہ کتاب لکھی گئی ہے اکثر احباب مومنین نے اپنے سفرنامہ جات لکھے ہیں۔ لیکن یہ کتاب قاصد زیارت عتبات عالیات کے لئے کمال رہبر ہے۔ اور مجھے یقین کامل ہے کہ مومنین کے لئے بہت ہی فائدہ بخش ہوگی۔ اور اس کا مطالعہ سفر عتبات عالیات کے لئے تحریص و ترغیب دلاتا ہے۔

نور ایمان کے کیا کہنے واقعی نور ایمان ہے۔ بہت عمدہ سلاست اور تہذیب کے ساتھ مناظرہ لکھا ہے جوابات معقول دلپسند ہیں۔ حجتیں قاطع دلائل مستحکم ہیں۔ لطف یہ ہے کہ کوئی امر مابہ النزاع کو بے تصفیہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور تصفیہ ان امور کا جن میں فریقین ضرور دست و گریباں ہوتے ہیں۔ ایسے ملائم الفاظ و عبارت میں کیا ہے۔ کہ کسی فریق کو ناگوار نہ ہووے۔ ایسی کتابوں کے شائع ہونے سے غالباً وہ

نقص رفع ہو جائے گا۔ جواب تک ہماری کتب میں موجود ہیں۔ کہ اہل سنّت کسی طرح بھی ہماری کتب کو دیکھنے اور پڑھنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

میں نے بھی اپنے رسائل میں اس امر کا التزام کرنا چاہا تھا۔ کہ عام طور پر ایسے الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے۔ کہ جن سے کسی کا دل دُکھ جائے۔ لیکن مجھ سے پورے طور پر یہ امر ممکن نہ ہوا۔ کیونکہ اکثر رسائل تو مجھ کو فریق ثانی کے جواب میں لکھنے پڑے پھر بعض اوقات باوجود کمال ضبط کے بھی جوش پیدا ہو ہی گیا۔ اور جواب ترکی بہ ترکی دینا پڑا اگر ہمارے لوگوں کی تصنیفات میں نقص ہے۔ تو یہ ہے۔ کہ فریق ثانی کے دل دکھانے والے عبارات ہیں۔ اور اس کی وجہ سے وہ لوگ اس کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ اور ہمارا مقصد اصلی فوت ہو جاتا ہے۔ یعنی جب ہمارے مخالف ہماری کتب کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں گے۔ تو ہم اپنی حقیقت ان پر کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔ مگر الحمدللہ کہ آپ کی تالیف شریف اس نقص سے بالکل پاک ہے۔ خُداوند کریم آپ کو اس کا اجر جزیل عطا فرمائے۔ بحق محمد و آلہ الامجاد۔

خاکسار

شیخ احمد از جے پور ۱۳ جنوری ۱۸۹۶ء

اس وقت مجھ کو بیساختہ ہنسی آئی ہے۔ کہ یہی وہ کتاب ہے۔ جس کے لئے مجھ پر لکھنؤ میں فوجداری کا مقدمہ چلایا جاتا تھا۔ اور یہی وہ کتاب ہے۔ کہ جس کے دریا بُرد ہونے اور مجھ کو پانسو روپیہ جرمانہ ادا کرنے کا حکم صادر ہوا تھا!!! لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ!!!

معراج شہادت

میں حق تعالیٰ کا شکر بھیجتا ہوں۔ کہ اس وقت تمام عالم کے اہل الرائے اور اہل التاریخ اس امر پر متفق معلوم ہوتے ہیں کہ جناب حضرت امام حسینؑ سے بڑھ کر رضائے پروردگار عالم کے لئے کسی نے کوئی کام نہیں کیا ہے۔ اس میں صرف حضرت کے اب و جد علیہم السلام مستثنٰے ہیں۔

مَیں کہتا ہوں۔ کہ اگر نبوّت جناب رسُول خُدا صلعم پر ختم نہ ہوتی۔ تو امام حسین علیہ السلام بلا تکلف کسی اُمّت کے پیغمبر ہو سکتے تھے۔ جس صبر و استقلال سے حضرت نے میدان کربلا میں رضائے پروردگار عالم کا خیال کیا ہے۔ اور اس ذریعہ سے اسلام کو قائم رکھا

ہے۔ اس کا جواب دنیا کی تاریخ میں نہیں ہے۔ ایک واقعہ نویں محرم کی شام کا ہے جس وقت آپ نے اپنے ہمراہیوں اور انصار کو جمع کر کے فرمایا ہے کہ یہ اشقیاء کوفہ و شام صرف میرے سر کے طلبگار ہیں۔ تم سے ان کو کوئی مخاصمہ نہیں ہے۔ اس لیے مَیں تم سب کو اجازت دیتا ہوں۔ کہ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ بلکہ میں اپنی بیعت اٹھالیتا ہوں حالانکہ اِس وقت آپ معہ اہل و عیال فوج مخالف میں گھرے ہُوئے تھے۔ اور تین دن سے بے آب و دانہ تھے۔

کوئی شک نہیں ہے۔ کہ اس واقعہ صبر و رضا و استقلال و خُدا ترسی کا دنیا کی تواریخ میں جواب نہیں ہے۔ اور حقیقتہً ایسا اولوالعزم اور خُدا ترس بندۂ خُدا کا کوئی دوسرا ذہن میں نہیں آتا۔ شکر خُدا کا ہے کہ انگریزی تعلیم نے اس امام عالی مقام کے مراتب میں مطلق دھبہ نہ آنے دیا۔ اور شیعہ مذہب کے اطفال و جوانان انگریزی داں بلکہ بیرسٹران جو انگلینڈ سے ہو آئے ہیں۔ سب کے سب تہ دل سے اس امام عالی مقام کے مراتب اور مدارج اعلیٰ کے پورے معترف ہیں۔ اس لیے سب کے سب اعمال عزاداری کو اپنا مستحسن فرض مذہبی سمجھتے ہیں

مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک واقعہ ایسا ہے۔ جس سے مومنین کے قلوب پر بھی کچھ غبار آجاسکتا ہے۔ یعنی جناب امام حسینؑ کو کوفیوں نے متواتر اشتیاقیہ خطوط لکھے اور آپ ان خطوط کے پہنچنے کے بعد کربلا تشریف لے گئے۔ اس سے دل میں وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ مخالفین کا یہ اعتراض کہ حضرت بطمع خلافت کوفہ کی طرف گئے شاید صحیح ہو۔

اس کا جواب مَیں نے ایسا لکھا ہے کہ اس اعتراض کو قریب ناممکن کے ثابت کر دیا ہے۔ اِس لئے میں جمہور مومنین ناظرین کرام سے بصد التجا استدعا کرتا ہوں کہ کتاب نور ایمان کے اعمال محرم میں اس مقام سے کیا یہ بات صحیح ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے کو آپ تہلکہ میں ڈالا تا آخر معراج شہادت ضرور پڑھ جائیں۔ تاکہ اُن کی تشفی ہو جائے۔ کہ جناب امام حسینؑ نے معرکۂ کربلا میں جتنے کارہائے نمایاں کئے وہ ہرگز بہ طمع خلافت نہ تھے

ایسے امام عالی مقام معصوم ابن معصوم علیہ السلام کی نسبت مومن کے دِل میں پرمگس کے برابر بھی وسوسہ رکیک رہنا موجب کمال افسوس ہے۔ بلکہ عصیان سے خالی نہیں۔ باقی اور فروعات عزاداری اور اعمال عزاداری پر جس قدر اعتراضات ہو سکتے ہیں۔ سب کا پورا جواب اعمال محرم میں دیا گیا ہے۔ مومنین جب چاہیں اس کو دیکھ لیں۔

مختصر حالات مصنف

حضرات ناظرین۔ میں رہنے والا موضع علی نگر پالی ضلع گیا کا ہوں۔ میری ولادت بتاریخ ۲ شوال ۱۲۶۳ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۸۴۷ء ہوئی اور خیرات احمد میرا تاریخی نام ہے میرے والد ماجد جناب حاجی میر اعظم علی صاحب مرحوم ایک مقدس اور ابرار بزرگ تھے۔ ایک مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ اور دو بار زیارت عتبات عالیات کربلائے معلےٰ و کاظمین و سامرہ و نجف اشرف سے مشرف ہو کر بماہ شوال ۱۳۰۰ھ نماز پڑھتے ہوئے داخل فردوس بریں ہوئے۔

جو کرسی نامہ اس فقیر کے خاندان میں سلف سے موجود چلا آتا ہے۔ اس کو حاشیہ پر لکھ دیتا ہوں جس سے ظاہر ہوگا۔ کہ ہم لوگ سادات موسوی ہیں۔ ابتدائے عمر میں میں جناب حضرت والد ماجد کے ساتھ عظیم آباد میں رہتا تھا۔ لیکن وہاں کی آب و ہوا موافق نہ ہوئی اس لئے مجھ کو میرے ماموں حاجی منشی سید محمد لطیف حسینؒ مرحوم جو مجھ کو مثل اپنی اولاد کے سمجھتے تھے۔ گیا لے آئے۔ اور اُن کے فرزند اکبر مولوی سید یحییٰ حسین مرحوم کو میں مثل حقیقی بھائی کے سمجھتا تھا۔ گیا میں کچھ دنوں عربی پڑھی۔ بعدہٗ بہ تحریک جناب حافظ سید محمد رضا صاحب مرحوم انگریزی شروع کی۔ اور دونوں بھائیوں کا نام اسکول میں لکھا گیا۔ بعدہٗ گیا اسکول سے انٹرنس پاس کر کے دونوں بھائی عظیم آباد گئے۔ اور پٹنہ کالج میں پڑھنے لگے ۱۸۶۹ء میں میں نے بی۔ ایل کا امتحان پاس کیا۔ اور برادر مرحوم نے وکالت

جناب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
سید قاسم رحمۃ اللہ علیہ
سید طالب مرحوم
سید مرتضےٰ مرحوم
سید سیف اللہ مرحوم
سید علاؤ الدین مرحوم
سید محی الدین مرحوم
سید محمد مرحوم
سید احمد مرحوم
سید یوسف مرحوم
سید حسن مرحوم
سید دولت مرحوم
سید آدم مرحوم
سید عالم مرحوم
سید عبد الغفور مرحوم
سید غلام نبی مرحوم
سید اکبر علی مرحوم
سید کمال علی مرحوم
سید خادم علی مرحوم
حاجی سید اعظم علی مرحوم
۴

۴
سید خیرات احمد

سید ہادی حسن سلمہ اللہ — سید سلطان احمد سلمہ اللہ تعالےٰ — سید باقر حسن مرحوم

سید ہادی حسن سلمہ اللہ: دختر سلمہا اللہ تعالیٰ — سید رضا حید سلمہ اللہ
سید سلطان احمد سلمہ اللہ تعالےٰ: سید نجم الحسن سلمہ اللہ تعالےٰ
سید باقر حسن مرحوم: سید نجم الحسن سلمہ اللہ تعالےٰ

کا امتحان پاس کیا۔ اور دونوں بھائی پھر گیا میں آکر وکالت کرنے لگے۔
میری پہلی بیوی لاولد انتقال کر گئیں۔ اس لئے اُن مرحومہ کی نشانی صرف موضع علی نگر پالی کا ایک عالی شان امام باڑہ ہے۔ جو اُن کے زر و مال سے تعمیر ہوا ہے اور جس کا کتبۂ تاریخ امام باڑہ میں چسپاں ہے۔
دوسری شادی ہم دونوں بھائیوں کی ایک جگہ ہوئی اور ہم دونوں کی بیویاں حقیقی بہنیں تھیں۔ ان بیوی سے حق تعالیٰ نے مجھ کو چھ اولادیں عطا کیں۔ دو بحالت شیر خوارگی ماں باپ کی بخشائش کے لئے جنّت کو سدھارے۔ اور ایک وہی لڑکی تھی جس کا ذکر اس دیباچہ میں آچکا ہے۔ بعدہٗ مجھ پر یہ کوہِ الم گرا۔ کہ میرے چھوٹے فرزند سیّد باقر حسین مرحوم عین عالمِ شباب میں جناب حضرت قاسمؑ کے حال کا مرثیہ پڑھتے ہوئے علیل ہو کر اور عالمِ رویا میں جناب حضرت عباسؑ کی زیارت سے مشرف ہو کر بمقام کلکتہ راہیٔ خلد بریں ہوئے اور ماں باپ کو زندہ درگور کر دیا۔ شکر خدا کا ہے۔ کہ اس مرحوم کی نشانی ایک فرزند دلبند جس کا نام سیّد نجم الحسن سلمہ اللہ تعالیٰ ہے۔ موجود ہے۔ اور یہ عزیز ہم لوگوں کی سرمایۂ زندگانی ہے۔ میرا بڑا بیٹا سیّد ہادی حسن سلمہ اللہ تعالیٰ اس وقت گیا میں بیرسٹری کرتا ہے۔ یہ عزیز مُدّت تک گیا کوآپریٹو بنک کا سیکرٹری رہا۔ اب پریزیڈنٹ ہے۔ اس بنک کا ایسا اچھا انتظام کیا۔ کہ گورنمنٹ نے خان بہادر کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ اس فرزند کے دو اطفال ایک لڑکی اور ایک لڑکا موجود ہیں۔ لڑکے کا نام سید رضا حیدر ہے۔ میرا دوسرا بیٹا سیّد سُلطان احمد سلمہ اللہ تعالیٰ اس وقت خدا کے فضل سے نہایت عروج اقبال پر ہے۔ چند سال ہوئے کہ پٹنہ ہائیکورٹ کا جج مقرر ہوا تھا۔ مگر قلت آمدنی کی وجہ سے اس سے الگ ہو کر اب بیرسٹری کرتا ہے۔ اور گورنمنٹ ایڈووکیٹ ہے اور اس وقت خدا کے فضل سے اس کی بیرسٹری نہایت فروغ پر ہے۔ اور ایک مکان نہایت عالی شان اس نے عظیم آباد پٹنہ میں تعمیر کیا ہے۔ جس کا نام سلطان پیلس ہے۔ یہ فرزند خدا کے فضل سے پٹنہ یونیورسٹی کا وائس چانسلر بھی ہے۔ اسی لئے ہمارے نورِ نظر لختِ جگر سیّد نجم الحسن سلمہ اللہ تعالےٰ کو اپنا فرزند قرار دیا ہے۔ اور اس لئے وہ ہر اعتبار سے سلطان احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا سمجھا جاتا ہے۔
یہ مختصر حال اس فقیر کے خاندان کا ہے۔ حق تعالیٰ بطفیل حضرات چہاردہ معصومینؑ میرے باغ کو ہرا بھرا رکھے۔ اور میرے لختِ جگر فرزندان کو طول عمر و اقبال عطا فرما دے۔
۱۸۷۹ء میں مَیں نے گیا میں وکالت شروع کی۔ اور ۱۸۹۰ء میں شرف زیارت عتبات عالیات و روضات مقدسات کربلائے معلیٰ و نجف اشرف و کاظمین و سامرہ مقدسہ سے

مشرف ہوا۔ حق تعالےٰ قبول فرمائے۔

بعدہٗ ۱۸۹۲ء میں ایک معرکۂ عظیمہ پیش آیا۔ یعنی اس شہر گیا میں علم محترم جناب حضرت عباس غازی علمبردارؑ کا نکلتا تھا۔ اس کو فرقۂ سنت جماعت نے بزور روک دیا تھا۔ جس کا قلق مومنین کے قلوب پر حد سے زیادہ ہوا۔ آخر ہم لوگوں نے ایک عاجزانہ درخواست خود حضرات سنت جماعت کی خدمت میں بذریعہ جناب مولانا شاہ امانت اللہ صاحب مرحوم کے جن کا تقریباً سارا شہر مرید و معتقد تھا۔ واسطے اجازت نکالنے علم محترم کی پیش کی۔ مگر افسوس کہ باوجود فہمائش و وعظ و پند مولانا مرحوم کے جمہور حضرات سنت جماعت نے ہم لوگوں کی استدعا منظور نہ کی۔ تب ہم لوگوں نے اپنی ایک انجمن قائم کی۔ جس کے سیکرٹری ہونے کا شرف اس خادم قوم کو اس وقت سے اس وقت تک حاصل ہے۔ اس انجمن نے بذریعہ گورنمنٹ اپنے حصول مدعا کی کارروائی شروع کی۔ اور اپنے موضع علی نگر پالی کی نسبت ایک مقدمہ عدالت دیوانی میں دائر کیا۔ یہ نزاع بہت طول کھینچی۔ اور پانچ برس تک مجھ کو حیرانی و پریشانی اور گردش کا سامنا رہا۔ اگر سب کو لکھوں تو ایک دفتر ہو جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ اسی مقدمہ کی وجہ سے مجھ کو دارجلنگ جانے کا اکثر اتفاق ہوا تھا۔ جہاں اس کتاب "نورِ ایمان" کا مسودہ لکھا گیا تھا۔

المختصر شہر گیا کا مقدمہ گورنمنٹ آف انڈیا سے اور علی نگر پالی کا مقدمہ کلکتہ ہائیکورٹ سے ہم لوگوں کے حساب خواہ فیصل ہوا۔ اور اس لئے ۱۸۹۷ء سے آج تک خدا کے فضل سے دونوں جگہ علم محترم نہایت عز و شان و شکوہ سے نکلتا ہے اور کلکتہ ہائی کورٹ سے جو مقدمہ ہم لوگوں کے حسب خواہ فیصل ہوا تھا۔ وہ بطور نظیر انڈین لا رپورٹ کلکتہ جلد ۲۴ صفحہ ۵۲۴ میں مندرج ہے اور نام مقدمہ کا شیخ عبد الحفیظ اپیلانٹ بنام سید لطیف حسین رسپانڈنٹ ہے

اس کے بعد ۱۹۰۰ء میں مَیں نے اپنے فرزند سید ہادی حسن اور سید سلطان احمد سلمہما اللہ تعالیٰ کی شادیاں بڑے حوصلہ اور اولوالعزمی سے انجام کیں۔ اور ۱۹۰۱ء میں مجھ کو گورنمنٹ سے خان بہادر کا خطاب ملا۔ اور وجہ اس کی یہ ظاہر کی گئی۔ کہ چونکہ مَیں نے علم محترم کے مقدمہ میں نہایت حلم و احتیاط سے پُر امن اور قانونی طریقے سے پانچ برس تک کارروائی کی۔ اس لئے یہ پُر امن طریقہ عمل گورنمنٹ کو بہت پسند ہوا۔ اور مَیں مستحق خطاب سمجھا گیا۔

اس کے بعد ۱۹۰۶ء میں اس شہر گیا کے ایک امام باڑہ کا مقدمہ ہوا۔ یہ امام باڑہ سو برس سے زیادہ سے اس شہر میں قائم ہے اور نہایت مقبول سمجھا جاتا ہے۔ اور لوگوں کی اکثر حاجتیں بر آتی ہیں۔ یہ امام باڑہ کسی وجہ سے ایک ہندو کے اختیار اور انتظام میں تھا۔ اس پر مقدمہ

دائر کرکے از روئے فیصلہ صاحب جج بہادر ضلع گیا مصدورہ ۱۹۰۶ء اس امام باڑہ کو ہم لوگوں نے اپنے قبضہ و اِنتظام میں لیا۔ چنانچہ اس وقت سے اس وقت تک یہ امام باڑہ ایک بورڈ کے انتظام میں ہے۔ جس کے دو شیعہ اور دو سُنّی ممبر ہیں۔ اور سیکرٹری اس کا دو سال تک شیعہ اور دو سال تک سُنّی انتظام کرتا ہے۔

جناب حضرت صاحبزادی بیگم صاحبہ مرحُومہ مغفورہ

تیسرا واقعہ عظیمہ یہ ہے کہ اس شہر گیا میں دو بزرگوار جناب مرزا اقبال بہادر عرف ننھے صاحب اور ان کی زوجہ محترمہ جناب صاحبزادی بیگم صاحبہ مرحومہ مصدر فیوض و برکات و منبع خیر و حسنات تھے۔ دونوں بزرگواروں کے زمینداری کی آمدنی لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ تھی اور ان کے مکان سے سالانہ علم محترم حضرت عباس علمبردار علیہ السلام کا نہایت عزّ و شان سے نکلتا تھا۔ اور اس وجہ سے بڑی عزاداری ہوتی تھی۔ ایک سال یہ خبر مشتہر ہوئی کہ علم محترم کو عوام سنّت جماعت بزور روک دیں گے۔ چنانچہ تاریخ معینہ جناب مرزا صاحب مرحوم و مغفور کو خبر ہوئی۔ کہ باہر سڑک پر اشرار قوم بہ نیت روکنے علمِ محترم کے جمع ہو رہے ہیں یہ خبر سُن کر جناب مرزا صاحب مرحوم و مغفور کمر ہمّت باندھ کر مُستعد ہو گئے کہ جان جائے یا جان رہے علمِ محترم انشاءاللہ تعالیٰ ضرور نکالیں گے۔ بعدہٗ غسل کرکے گویا شہادت کے لئے تیار ہو گئے۔ اور بعد تبدیل لباس کے بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہ کے پاس گئے اور بیگم صاحبہ سے فرمایا کہ مخالفین جماعت پر باندھ کر علمِ محترم کے روکنے کے لئے آگئے ہیں اور علمِ محترم پر اپنی جان فدا کرنے کو جا رہے۔ اس لئے تمہارے پاس آگئے ہیں۔ کہ تم اپنا دین مہر معاف کر دو۔ یہ سُن کر بیگم صاحبہ نے فرمایا۔ کہ ضرور جاؤ۔ اور علمِ محترم ضرور نکالو ہمارا دین مہر تم پر صدقے اور تم حضرت عباسؑ کے علمِ محترم پر تصدق جاؤ حق تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہے۔ یہ سُن کر جناب مرزا صاحب مرحوم و مغفور تلوار لے کر علم محترم کے آگے ہوئے اور جب علم محترم مکان سے باہر آیا۔ تو سب نوکر چاکر پیادے وغیرہ مسلح ہو کر شامل ہو گئے۔ جب مخالفین نے دیکھا۔ کہ اتنا بڑا رئیس خود شمشیر بکف آگے ہے اور اس کے ساتھ نوکر چاکر بھی مسلح ہو کر شامل ہیں۔ تو پھر کسی مخالف کی ہمت نہ پڑی کہ آگے بڑھے۔ اس لئے سب کے سب ساکت ہو گئے۔ اور بہتیرے واپس بھی گئے اور علم محترم نہایت اطمینان سے نوحہ خوانی و ماتم داری کے ساتھ امام باڑہ تک لایا گیا۔ اور وہاں کمال جوش سے ماتم داری ہوئی اور علمِ محترم ٹھنڈا کر دیا گیا۔ اور جمہور مومنین بعد

شربت نوشی اپنے اپنے گھروں کو واپس آئے۔ مرزا اقبال بہادر نے بعد حصول زیارت عتبات عالیات در ۱۸۶۷ء انتقال فرمایا۔ بعد انتقال مرزا صاحب مرحوم کے جناب بیگم صاحبہ کا جملہ جائداد شوہری پر قبضہ و دخل ہو گیا۔ پھر تو خیر و خیرات کی انتہا نہ تھی کیونکہ بیگم صاحبہ محترم مجسمۂ خیر و حسنات تھیں۔ باوجود اس قدر آمدنی کثیر کے سہ ماہہ روزہ رکھتی تھیں۔ اور اس قدر پابند شریعت تھیں۔ کہ کوئی فعل مباح بھی بغیر استصواب عالم دین کے نہیں کرتی تھیں اور جناب امام حسین علیہ السلام پر فدا تھیں۔ ہر ہفتہ مجالس عزا اپنے شوہر بزرگوار کے مقبرہ پر قائم کرتی تھیں۔ جس میں خیر و خیرات کی انتہا نہ تھی۔

ان کا عروج میری طالب علمی کے زمانہ میں ہوا تھا۔ اور میں اپنی یاد سے کہتا ہوں کہ جیسی رونق دین مبین کی اُن مرحومہ کے وقت میں ہوئی۔ ویسے سابقاً بھی نہ ہوئی تھی اور نہ اب تک ہوئی۔

جناب معظمہ ایک مرتبہ زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہو چکی تھیں۔ اس پر بھی بار دوم کربلائے معلیٰ تشریف لے گئیں۔ اور وہاں سے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ جاکر اور حج زیارت سے مشرف ہو کر بلائے معلیٰ واپس تشریف لائیں اور اس ارض مقدس پر انتقال فرمایا ان کے نصیب سے اس وقت روضۂ اقدس کربلائے معلیٰ کے حرم پاک کے اندر وہ چبوترہ جہاں زائرین اب تک قرآن خوانی کرتے ہیں۔ مرمت کے لئے کھولا گیا تھا وہیں دفن ہوئیں یاں کہئے۔ کہ داخل فردوس بریں ہوئیں۔ ع

بخت ایسے ہوں اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

جناب مرحومہ مغفورہ کے واقعات زندگانی سے ایک مطلع اخی معظم جناب میر علی محمد شاد مرحوم کا کس قدر چسپاں ہو جاتا ہے۔ اخی مرحوم فرماتے ہیں

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے یہ موتی نکلا تھا دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا

واقعہ یہ ہے کہ جناب معظمہ طفولیت ہی سے چاہ محبت حسین ابن علی علیہ السلام میں غرق تھیں۔ اور شباب میں زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہو کر وطن آئیں لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد یکایک قلب کو ایسا القا ہوا۔ کہ گھبرا کر معاش ملکیت وغیرہ کا بذریعہ وثائق رجسٹری شدہ بندوبست دوام کر کے بکمال استعجال و استقلال قلب بسمت کربلائے معلیٰ روانہ ہو گئیں۔

اثنائے راہ میں جناب والد ماجد مرحوم جناب معظمہ کو بمقام بانکی پور اسٹیشن رخصت کرنے

کے لیے گئے اور حسب معمول امام ضامن کی نذر کا روپیہ ماما کی معرفت بھجوا کر دعا کہلا بھیجی کہ حق تعالیٰ حضور کو صحیح و سالم لے جائے۔ اور صحیح و سالم زیارات سے مشرف فرما کر وطن مالوف واپس لائے۔ فوراً ماما واپس آئی اور کہا کہ بیگم صاحبہ نے فرمایا ہے کہ میر صاحب سے کہہ دو کہ میرے واپس آنے کی ہرگز ہرگز دعا نہ کریں۔ میں مرنے کو جاتی ہوں سبحان اللہ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ مرحومہ مغفورہ تے بمقام کربلائے معلیٰ انتقال فرمایا۔ اور روضہ اقدس میں اندر رواق پاک کے جہاں مومنین قرآن خوانی کرتے ہیں۔ دفن ہوئیں سبحان اللہ اس لیئے واقعات بالا سے جناب معظمہ کا بوجہ توقف بے جا کے گھبرا کر اپنے مطلوب یعنی کربلائے معلیٰ کی طرف جانا ثابت ہے اس لئے کوئی شک نہیں کہ

"دریا سے یہ موتی نکلا تھا۔ دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا"

الغرض ان بزرگوار کی جائداد کو گورنمنٹ نے در ۱۸۶۷ء مقدمہ دائر کر کے بقاعدہ اسٹیٹ دخل کر لیا۔ جب تک بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہ زندہ رہیں۔ علم محترم اُسی شان و شوکت سے نکلتا رہا۔ لیکن بعد انتقال اُن کے اُن کی بقیہ جائداد پر قبضہ اُن کے بھانجے مرزا جلال الدین بخت بہادر کا ہوا۔ جب وہ بیچارے بہت پریشان و مجبور ہو گئے۔ تب مخالفین نے علم محترم کو پھر ایک سال روک دیا۔ اور اُس پر کوئی شخص چون و چرا نہ کر سکا۔ اور ہم لوگ مدتوں تک عالم سکوت میں رہے۔ لیکن جب میں نے وکالت شروع کی تب علم محترم نکالنے کی بذریعہ عدالت اور گورنمنٹ کے کوشش کی اور چند سال کے بعد خدا کے فضل سے علم محترم اس شہر گیا میں دموضع علی نگر یا پالی میں نکلا جس کی تفصیلی حالت سابقاً لکھی جا چکی ہے۔ حق تعالیٰ ہمیشہ اپنا فضل و کرم رکھے۔ میرے بھائی و قوت بازو مولوی سید یحییٰ حسین ؒ نے زیارت عتبات عالیات کربلائے معلیٰ و نجف اشرف و کاظمین و سامرہ سے مشرف ہو کر ۱۹۲۱ء میں اس دنیائے فانی سے طرف عالم بقا کے رحلت کی۔ اور اس اپنے ضعیف و نحیف بھائی کو تنہا چھوڑ گئے اور بازو توڑ گئے۔ ان کی چہلم کی مجلس کے لئے مجھ کو اس مقبرہ میں جو حضرت صاحبزادی بیگم مرحومہ نے اپنے شوہر مرزا اقبال بہادر مرحوم کی قبر پر بنایا تھا۔ جانے کا اتفاق ہوا۔ اس کو نہایت خراب حالت میں دیکھ کر مجھ کو بیگم صاحبہ مرحومہ کا زمانہ یاد آیا۔ اور دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ اس مقبرہ کی ترمیم اور ترقی کے لئے گورنمنٹ سے امداد کی درخواست کرنا چاہیئے۔ چنانچہ انجمن امامیہ نے ایک میموریل گورنمنٹ میں بھیجا بعدہ اس بارہ میں قانون اور نظائر دیکھنا شروع کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ مومنین گیا بلکہ جمہور مومنین فرقہ شیعہ اثنا عشری کو پورا حق ہے۔ کہ گورنمنٹ کو اس امر پر مجبور کریں۔ کہ اس جائداد کی

آمدنی کو امور خیر میں موافق مذہب شیعہ کے صرف کرے۔ چنانچہ جب گورنمنٹ نے انجمن امامیہ کے میموریل کو نامنظور کیا۔ تو ہم لوگوں نے عدالت مجاز میں اس بیان سے نالش دائر کی۔ کہ جب مرزا اقبال بہادر نے انتقال کیا۔ تو وہ لاوارث نہ تھے۔ بلکہ ان کے وارث امام عصر علیہ السلام تھے۔ اس لئے جو جائداد کہ گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے وہ بموجب شرع محمدی فرقہ شیعہ جائداد ٹرسٹ متصور ہے اور اس لئے گورنمنٹ کو لازم ہے کہ اس کی آمدنی کو سوائے کار خیر مصرحہ قانون شیعہ اور کسی کام میں صرف نہ کرے یہ مقدمہ ٹرانسفر ہو کر پٹنہ ہائیکورٹ میں آیا۔ اور اس عدالت میں بتاریخ ۶ ؍ جولائی ۱۹۲۵ء بحث کے لئے پیش ہوا جس میں ہمارے ہر دلعزیز اور ذی علم سر سید علی امام صاحب مرحوم و مغفور نے نہایت قابلیت سے بحث کی۔ حق تعالیٰ ان کو جزاء خیر عطا فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ اور بروز محشر ساتھ غلامانِ جناب حضرت سید الشہدا کے محشور فرمائے۔

یہ مقدمہ از روئے فیصلہ ہائیکورٹ مصدرہ ۹ ؍ فروری ۱۹۲۶ء ہم لوگوں کے خلاف فیصل ہوا۔ تب ہم لوگوں نے اپیل پریوی کونسل کی درخواست کی۔ لیکن اس اثناء میں ہمارے فرزند سید سلطان احمد سلمہ اللہ تعالےٰ نے رائے دی۔ کہ گورنمنٹ سے نزاع کو طول دینا لاحاصل ہے۔ بہتر ہے کہ آپ درخواست اپیل پریوی کونسل اٹھالیجئے۔ تب ہم لوگ گورنمنٹ ہی میں کوشش کریں۔ کہ انجمن امامیہ کو عطیہ معقول واسطے ترمیم مقبرہ جناب مرزا اقبال بہادر مرحوم اور بھی واسطے تعمیر مسجد جدید کے مل جائے اور زر معقول بطور معینہ سالانہ مقرر ہو جائے کہ مسجد نو تعمیر میں نماز جمعہ و جماعت اور مقبرہ عالیہ پر اعمال مجالس ع۔ا جس طور پر سابقاً انجام پائے تھے۔ پھر جاری رہیں۔ میں نے اپنے فرزند کی اس رائے کو پسند کر کے درخواست اپیل پریوی کونسل اٹھالی۔ اور میرے فرزند سلمہ اللہ تعالےٰ نے کوشش شروع کی۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ اُن کی سعی مشکور رہی۔ اور ان کی تحریک کو جناب معلی القاب سر ہنری ویلر صاحب بہادر گورنر بہار و اڑیسہ نے منظور فرما کر کمال سعی کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا میں واسطے حکم ناطق کے بھیج دیا۔

حق تعالیٰ جلشانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اس تحریک کو منظور فرما کر مطابق سعی لوکل گورنمنٹ کے حکم ناطق صادر فرمایا۔ چنانچہ سیکرٹری گورنمنٹ بہار و اڑیسہ نے از روئے چٹھی نمبر $\frac{11082}{19}$ مورخہ ۱۹ ؍ نومبر ۱۹۲۷ء باضابطہ اطلاع دی ہے۔ کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے براہ فیاضی آمدنی سے جائداد مقبوضہ مرزا اقبال بہادر مرحوم کے مبلغ آٹھ ہزار روپیہ نقد واسطے مرمت مقبرہ مرزا صاحب موصوف اور واسطے

تعمیر مسجد کے عطا فرمایا ہے علاوہ اس کے مبلغ پانچ ہزار روپیہ سالانہ واسطے بجا آوری امور خیر متعلق مسجد و مقبرہ مذکور کے انجمن امامیہ کو ملا کرے گا۔ فالحمد للہ رب العالمین وله الشکر۔

حق یہ ہے کہ اس عطیہ گراں مایہ کی نسبت حق تعالیٰ جلشانہٗ کا جس قدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے اب اس ذریعہ سے ۷۰ برس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ اس شہر گیا میں رونق دین مبین کی زیادہ ہو جائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ برابر جملہ امور خیر مثل نماز جمعہ و جماعت و مجالس ۱۴ جو حضرت صاحبزادی بیگم صاحبہ مرحومہ مغفورہ کے وقت میں جاری تھے۔ انجام پاتے رہیں گے۔ اور ایک مجتہد جامع شرائط برائے دوام اس شہر میں مقیم رہیں گے۔

پھر میں حق تعالیٰ جلشانہٗ کا شکر اپنے ہر بُن مُو سے ادا کرتا ہوں کہ اس نحیف کی آخر زندگی میں چھ برس کی سعی و کوشش و غور و خوض کے بعد یہ امر خیر ایسا ہوا۔ کہ من نماند این بماند یادگار۔ حق تعالیٰ اس عبد ذلیل کی اس خدمت کو قبول فرمائے حق تعالیٰ جلشانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم لوگ ایسی سلطنت میں رہتے ہیں۔ جہاں ایمان و ایقان کی روز بروز ترقی ہو رہی ہے چنانچہ ہمارے شہر گیا میں گورنمنٹ آف انڈیا کی فیاضی سے ہم لوگوں کو مرزا اقبال بہادر مرحوم کی جائداد مقبوضہ سے اس قدر ملا اور ملتا ہے۔ کہ اس زر عطیہ سے ایک مسجد عالی شان اسی گیا میں تعمیر ہو گئی۔ جس کا نام مسجد اقصیٰ ہے۔ اس مسجد میں نماز جمعہ و جماعت برابر ہوتی ہے اور مقبرہ عالیہ مرزا اقبال بہادر مرحوم بطور کامل ترمیم کیا گیا جس میں مجالس دہسہ مرزا صاحب مرحوم اور ان کی اہلیہ معظمہ کی اور مجالس نوچندی پنجشنبہ بطور سابق ہوا کرتی ہیں۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے اور اس زر عطیہ کو برائے دوام قائم رکھے۔

بر زمانۂ دوران اس مقدمہ کے ہمارے فرزند ارجمند سید سلطان احمد سلمہ اللہ تعالیٰ نے عتبات عالیات کی زیارت کا قصد کیا۔ چنانچہ ہم اور وہ اور دونوں کی بیویاں اور نور چشم سید نجم الحسن سلمہ اللہ تعالیٰ مع ایک نوکر اور ماما کے بتاریخ ۷ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ وطن سے منصوری سوار ہو کر کراچی پہنچے۔ اور وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر پانچ دن میں بصرہ پہنچے اور وہاں سے ریل پر سوار ہو کر اوّلاً کاظمین شرف زیارت حضرات باب الحوائج و باب المراد علیہما السلام سے مشرف ہو کر روانہ سامرہ مقدسہ ہوئے۔ اور شب بھر میں ریل پر وہاں پہنچے۔ اور وہاں زیارت سے مرقد پاک جناب حضرت علی نقی و امام حسن عسکری علیہم السلام کے مشرف ہو کر مقام غیبت جناب حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہو کر پھر کاظمین واپس آئے اور بتاریخ ۲۸۔ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ کربلائے معلیٰ پہنچے۔ اور یہاں ۱۳۴۱ھ کے عشرہ محرم و اربعین کی مخصوصی میں شریک رہے۔ سبحان اللہ یہاں کا عشرہ محرم تمام دنیا سے زیادہ

بارونق ہوتا ہے۔ اور یہ بات جو مشہور تھی۔ کہ بزمانۂ عشرۂ محرم روضۂ اقدس پر بے رونقی رہتی ہے۔ بالکل غلط ہے۔ حقیقتاً ذات پاک جناب حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی مثل آفتاب کے روشن ہے۔ جب آفتاب کی روشنی تمام دُنیا میں پہنچتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ چرخ چہارم پر روشنی نہ ہو۔

اربعین اس مقام پاک کی قابلِ دید و قابل زیارت ہے اور زیارت اربعین شرعاً علامت مومنین قرار دی گئی ہے۔ روز اربعین بغداد و کاظمین و مسیتب وحلہ سے جلوس اور ماتم کے دستے آتے ہیں۔ اور سب سے آخر نجف اشرف کا جلوس آتا ہے۔ جس میں علماء اور فضلاء شریک رہتے ہیں۔ اور بڑے زوروں کا ماتم ہوتا ہے۔ دستہ کے ساتھ ذوالجناح حجلۂ قاسم گہوارہ علی اصغرؑ اور اہل بیت طاہرین کی ہودج وعماریاں شامل رہتی ہیں۔ اور تخمیناً ایک میل کا جلوس ہوتا ہے۔ اس لئے بروز اربعین کئی لاکھ آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے۔

المختصر بعد حصول شرف زیارت نجف اشرف و مسجد کوفہ و سہلا کے ہم لوگ پھر کربلائے معلیٰ پہنچے۔ اور وہاں سے بتاریخ ۲۲ صفر مرخص ہو کر براہِ بصرہ کراچی پہنچے اور وہاں سے بتاریخ ماہ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ داخل عظیم آباد ہوئے۔ حق تعالیٰ قبول فرمائے۔ رہبری بخت سے بماہ محرم ۱۳۴۳ھ حق تعالےٰ جلشانہٗ نے اپنا فضل و کرم فرمایا کہ میرے فرزند ارجمند لختِ جگر سید سلطان احمد سلمہ اللہ تعالیٰ نے مشہد مقدس کی زیارت کا قصدِ مصمم کر لیا چنانچہ بتاریخ ۱۹ محرم برخوردار موصوف اور میں اور دونوں کی اہلیہ اور نور چشم سید نجم الحسن سلمہ اللہ تعالےٰ اور دو نوکر اور ماما عظیم آباد پٹنہ سے روانہ ہو کر لاہور اور وہاں سے کوئٹہ اور کوئٹہ سے دزداب بسواری ریل پہنچے اور دزداب سے بسواری موٹر روانہ ہو کر بتاریخ ۱۱ صفر روز جمعہ بوقت عصر داخل مشہد مقدس ہوئے اور بعد حمام و تبدیل لباس زیارت سے روضۂ اقدس جناب حضرت علی ابن موسیٰ رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشرف ہوئے۔

اس روضۂ پاک کی عظمت و شوکت و شان حد بیان سے باہر ہے۔ دیکھنے ہی سے تعلق ہے۔ حق تعالیٰ جمیع مومنین و مومنات کو۔ اس بارگاہِ عالی شان کی زیارت سے مشرف فرمائے۔

بتاریخ ۲۹ صفر ہر سال اس روضۂ پاک پر حضرت کی شہادت کی مخصوصی ہوتی ہے۔ شکر خُدا کا ہے کہ ہم لوگ اس مخصوصی میں شریک ہوئے۔ اس مخصوصی کا ایک سین قابل دید ہے۔ یہ کہ بتاریخ مذکور روضۂ پاک کے صحن نادری میں چاروں طرف زوّار مومنین ہاتھوں میں شمعیں لئے ہوئے خاموش کھڑے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اس وقت چار ہزار مومنین کا مجمع رہتا ہے۔ اور سب کے سب دم بخود چُپ چاپ کھڑے رہتے ہیں۔ گویا

کسی بادشاہ کی آمد ہے۔ آٹھ بجے شب کو چالیس پچاس ایرانی مومنین کچھ پڑھتے ہوئے صحن کے چاروں طرف پھرتے ہیں۔ بعدہٗ متولی باشی جو لقب روضۂ پاک کے منتظم اعظم کا ہے لمعشام کے ساتھ آتے ہیں۔ اور صحن اقدس کے بیچ میں حوض پر جو برج طلائی ہے۔ اس پر چڑھ کر خطبہ حضور اقدس حضرت شاہِ خراسان علیہ السلام کا پڑھتے ہیں۔ اور اس وقت جملہ مومنین خاموش سکوت کے عالم میں رہتے ہیں۔ بعد ختم خطبہ متولی صاحب چاروں طرف پھر کر زوآروں کا خیر مقدم کرتے ہیں اور بعدہٗ مجمع منتشر ہو جاتا ہے۔ علاوہ اس کے حالات اس روضۂ پاک کے بہت طویل اور دلچسپ ہیں۔ مومنین کتاب تحفۂ رضویہ[1] جلد ا ملاحظہ فرما دیں۔

شکر خدا کا ہے۔ کہ اس کے بعد پھر ۱۳۴۶ھ میں سب لوگ زیارت مشہد مقدس سے ور اس کے بعد پھر سب لوگ ۱۳۴۷ھ میں زیارت دورہ کربلائے معلیٰ و نجف اشرف و کاظمین شریفین و سامرہ مقدسہ سے مشرف ہوئے۔ بعدہٗ ۱۳۴۹ھ میں یہ خاکسار ایک مومنہ کے ساتھ جمیع عتبات عالیات کی زیارت سے پھر مشرف ہوا حق تعالیٰ قبول فرمائے۔

المختصر یہ اس غریب گنہگار عاجز و ناتواں کا کارنامہ اور محض مختصر سوانح عمری ہے حق یہ ہے۔ کہ اب اس ضعیف و نحیف کو دنیادی وجاہت یا جاہ و جلال کی مطلق تمنا نہیں ہے س لئے گوشۂ عافیت میں اوقات بسر کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے لو لگائے ہوں کہ وہ معبود برحق اس بے نوا کی عاقبت بخیر کرے۔ اور حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ سے مشرف فرما کر اس عاصی کی مغفرت فرمائے اور بروز محشر اس عاصی کو ساتھ غلامان جناب حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کے محشور فرمائے۔

شکریہ احباب سُنّت جماعت

اس دیباچہ کو اگر میں بغیر اظہار ایک امر کے ختم کر دوں۔ تو کوئی شک نہیں کہ میں ناشکری کا مجرم قرار پاؤں۔ اس لئے میں تہ دل سے بکمال خلوص قلب عرض کرتا ہوں کہ میں جمہور حضرات سنت جماعت کا عموماً اور احباب و اعزہ صوبہ بہار کا خصوصاً شکر گذار ہوں۔ بلکہ ممنون احسان ہوں۔ کہ میں نے ایسی کتاب لکھی۔ اور ایسے ایسے کام کئے۔ مگر ہمارے کسی سُنّی بھائی نے ترک موالات کیا ارتباط و اتحاد۔ دردمندی و ہمدردی میں مجھ سے ذرا فرق نہ کیا۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کی ہمدردی اور دردمندی اس نحیف و ضعیف کے ساتھ روز افزوں ہے

---

[1] یہ کتاب منیجر کتب خانہ اثناء عشری (رجسٹرڈ) لاہور سے طلب کریں۔

اس لئے میں تہ دل سے دُعا کرتا ہوں۔ کہ حق تعالےٰ میرے سب احباب دردمندان و قدردانوں کو صحیح و سالم رکھے۔ اور طول عمر عطا فرماوے۔ اور سب کے مقاصد دارین بر لائے۔

سابق کے حضرات سنّت جماعت کے عقائد

بزمانۂ طالب علمی اس کمترین کے اس شہر گیا میں ایک بزرگ جناب شاہ عطاء حسین صاحب مرحوم و مغفور بڑے ابرار و مقدس شخص تھے اور سارا شہر اُن کا مُرید و معتقد تھا۔ ان کے مکان پر سالانہ بتاریخ ۱۲ ربیع الاوّل بڑی دھوم دھام سے مجلس میلاد حضرت سرور کائنات صلعم کی ہوتی تھی۔ جس میں سارے شہر کے عمائد مسلمان جمع ہوتے تھے۔ اور میں بھی برابر شریک ہوتا تھا۔ اور جناب شاہ صاحب مرحوم و مغفور مجھ سے کمال اُلفت فرماتے تھے ایک روز جناب مرحوم و مغفور نے بکمال اُلفت و خلوص مجھ سے فرمایا۔ کہ خیرات احمد تم میرے پاس اکثر کیوں آتے جاتے نہیں ہو۔ کیا اس وجہ سے نہیں آتے جاتے ہو۔ کہ تم شیعہ ہو۔ اور میں سنی ہوں۔ اگر ایسا ہے تو مجھ سے میرا عقیدہ سُن لو۔ کہ میرے یہاں روایت صحیحہ ہے۔ کہ ایک روز بزمانہ طفولیت حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ احیاناً دونوں لڑکوں میں کچھ بات بڑھی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عبداللہ سے کہا۔ کہ تو کیا اور تیری حقیقت کیا۔ تو میرا غلام اور تیرا باپ میرا غلام۔ اس بات کو سُن کر حضرت عبداللہ کو بڑا رنج ہوا اور رونے لگے۔ اور روتے ہوئے اپنے والد بزرگوار کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ کہ ”ابا جان دیکھئے۔ ہم کو حسین نے بہت سخت اور درشت کہا ہے اور کہا ہے کہ تو میرا غلام اور تیرا باپ میرا غلام۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ ہاں ایسا ہے۔ اچھا بیٹا تم جاؤ اور اُن سے کہو کہ اس کو لکھ دیجئے۔ یہ سُن کر حضرت عبداللہ حضرت امام حسینؑ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ ابا جان نے کہا ہے کہ آپ جو بولے ہیں اس کو لکھ دیجئے۔ حضرت امام حسینؑ نے فوراً قلم برداشتہ لکھ دیا۔ اور حضرت عبداللہ کو دے دیا۔ حضرت عبداللہ اس نوشتہ کو لئے ہوئے اپنے والد کے پاس آئے اور ان کو دے دیا۔ حضرت عمرؓ اس نوشتہ کو پڑھ کر بہت مسرور ہوئے۔ آنکھوں سے لگایا اور حضرت عبداللہ کو دے کر فرمایا کہ بیٹا اس کو بہ حفاظت رکھو۔ اور میں وصیت کرتا ہوں۔ کہ جب میں مرجاؤں تو اس کو میرے سینے پر رکھ دینا۔ پس بھیا خیرات احمد تم اپنے کو جن کا غلام سمجھتے ہو۔ ہم تو اپنے کو اُن کے غلام کا غلام سمجھتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ اُن ہی بزرگوار نے ایک مجلس میں ایک روز ایک روایت پڑھی کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے پوچھا۔ کہ یا حضرت آپ کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے۔ آں حضرت نے فرمایا۔ کہ حضرت ابو بکر سے اس شخص نے پوچھا کہ اُن کے بعد کس سے حضرت نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ سے اس پر وہ شخص متعجب ہو کر بولا کہ ان کے بعد کس سے حضرت لے فرمایا کہ حضرت عثمان سے۔ اس شخص نے کہا کہ "عجیب" آں حضرت نے پوچھا۔ کہ کیوں۔ تب اُس نے عرض کیا کہ حضورؐ نے سب کا نام لیا اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کا نام نہیں لیا۔ اس پر مجھ کو تعجب ہوا۔ تب حضرت نے فرمایا۔ کہ بھائی تو نے محبت سے سوال کیا تھا۔ اور محبت دو چیزوں میں ہوتی ہے۔ ایک چیز میں نہیں ایک ہی آدمی کی اس آنکھ سے اس آنکھ کو کیا محبت ہو گی۔ اس ہاتھ سے اس ہاتھ کو کیا محبت ہو گی۔ اس پاؤں سے اس پاؤں کو کیا محبت ہو گی۔ پس بھائی حقیقت یہ ہے۔ کہ ہم لوگ پانچوں اشخاص یعنی میں اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ ایک جان و پنج قالب ہیں۔ اس لئے ہم پانچوں اشخاص کا گوشت و پوست و روح و قالب ایک ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کے آپس میں محبت کا سوال ہو ہی نہیں سکتا۔

مشہد مقدّس کے سفر میں

میں جب برجن سے روانہ ہُوا۔ تو دل میں خیال کیا۔ کہ جب ایسے بادشاہ عالی جاہ کے دربار میں جاتے ہو۔ تو ایک سلام تو موزوں کر کے پیش کرو۔ کیا عجب ہے۔ کہ مقبول بارگاہ رضوی ہو جائے۔ چنانچہ اس خیال سے میں نے سلام موزوں کرنا شروع کیا۔ موٹر رواں ہے اور میں مصرعے لکھ رہا ہوں۔ یہاں تک کہ مشہد مقدس کی آخری منزل میں میرا سلام مرتب ہو گیا۔ اور بعدہٗ ایک پہاڑ کی چوٹی سے گنبد طلائی روضہ مبارک کا آفتاب عالمتاب کی طرح درخشاں معلوم ہوا۔ اس وقت میں اپنے قلب کا عالم بیان نہیں کر سکتا اسی سلام کے مطلع اور حسن مطلع کو پڑھتا تھا۔ بلکہ رٹتا تھا۔ اور روتا تھا۔ یہاں تک کہ داخل شہر طوس ہوا۔ حق تعالیٰ جلشانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک روز میں نے اس سلام کو تحت قبۂ مبارکہ روبروئے ضریح اقدس بآواز بلند پڑھا۔ اس وقت رُعب شاہی سے میرے قلب کا عجیب عالم تھا۔ اور میرے اردگرد جو حضرات مومنین ایرانی جمع ہو گئے تھے وہ بھی غالباً کچھ کچھ مطلب سمجھ کر رو رہے تھے۔ تبرکاً ہدیۂ ناظرین کرام کیا جاتا ہے۔

نذر سرکار والا تبار شمس بازغۂ فلک امامت و قمر ساطعۂ سپہر رسالت چشم و چراغ خاندان مصطفوی و نور نگاہ دیدۂ مرتضوی شاہنشاہِ عالم پناہ سلطان خراسان امیر الامرا الملقب بغریب الغربا فرزند دلبند حضرات خمسہ نجبا و پارۂ جسم جناب حضرت رسول خدا علیہم الصلوٰۃ والسلام اعنی جناب حضرت امام ضامن ثامن علی ابن موسیٰ الرضا صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہ و علیٰ آبائہ و اجدادہ الطاہرین المعصومین من یومنا ہذا الی یوم الدین کہ تحتِ قبہ مبارکہ روبروئے ضریح اقدس بماہ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ سنہ ہجری المقدس خواندہ شد۔

آج دن عمر کا کیسا میرے کام آیا ہے
درِ آقا پہ جو یہ گھر کا غلام آیا ہے

اللہِ الحمد کہ آنکھوں کی تمنا نکلی
سامنے روضۂ سلطان انام آیا ہے

جیتے جی سیر ارم تھی جو مقدر میں لکھی
اس لئے موت کا اب تک نہ پیام آیا ہے

تھا یہ منظور خدا عشق میں ہو لے کامل
عمر پا کر درِ دولت پہ غلام آیا ہے

کیجئے عفو کہ شرمندہ مقدر نے کیا
بعدِ مدت جو درِ شہ پہ غلام آیا ہے

آپ کے والد ماجد کا جو ہے خانہ زاد
وہ غلام آج شہا بہرِ سلام آیا ہے

اور اپنا ہے جگر بند جو سلطان احمد
جذب دل سے سوئے سلطان انام آیا ہے

کیا سعادت ہے کہ ہمراہ وہ لے کر ابوین
درِ دولت پہ غلام ابنِ غلام آیا ہے

طفل اِس کا بھی بصدِ شوقِ زیارت مولیٰ
روضۂ پاک پہ پڑھنے کو سلام آیا ہے

لے گئے دِل میں تمنائے زیارت والد
اُن کے بدلے بھی محبّ بہر سلام آیا ہے

ہو قبول اُن کی زیارت بقبولِ حسینؑ
دُور سے روضۂ اقدس پہ غلام آیا ہے

کیا عجب سب کی دعائیں ہُوں جو مقبول خُدا
واسطہ دینے میں حضرت کا بھی نام آیا ہے

السلام اے جگر و جانِ رسُول الثقلین
آپ کا ذکر صحائف میں تمام آیا ہے

آپ ہیں پنجتن پاک کے پیارے فرزند
لقب پاک امام ابن امام آیا ہے

منبع جُود و سخا مظہر انوار خُدا
مصدر صبر و رضا آپ کا نام آیا ہے

السلام اے گہر قلزم عالی نسبی
آپ کا فیض زمانے میں تمام آیا ہے

تھا جو منظور کہ ہو نام علیؑ شہ سے بلند
عرش سے بار سوئم آپ کا نام آیا ہے

پاس جس کے ہے کلید درِ ہر هشت بہشت
آٹھواں اپنا وہ دُنیا میں امام آیا ہے

اپنے جدؑ کے ہمہ تن آپ جو ہیں صبر و رضا
اس لئے آپ کے حِصّے میں یہ نام آیا ہے

لہ اول علی ابن ابی طالب علیہ السلام ۔ دوم علی ابن الحسینؑ ۔ سوم علی ابن موسٰی الرضا علیہ السلام ۔ ٣ہ یعنی حضرت امام حسینؑ

علم و تقویٰ جو ہُوا آپ کے جد کو تبلیغ[1]
آپ کو سینہ بسینہ وہ تمام آیا ہے

نام پاک آپ کا ہے ضامن ثامن مولیٰ
جو مصیبت میں پھنسا اس کو یہ کام آیا ہے

علم و حلم و ورع و جُود و سخا صبر و رضا
آپ کو ترکۂ اجداد کرام آیا ہے

جو ملا جس کو وہ سب آپ کے صدقے سے ملا
آپ کا نام ہر اک شخص کے کام آیا ہے

عرش و کرسی سے بھی اب طُوس کا پایہ ہے بلند
کہ یہاں بادشہ عرش مقام آیا ہے

روضۂ پاک کا ہے فیض عموماً جاری
سب غریبوں کے یہ دُکھ درد میں کام آیا ہے

کور[2] بینا تو توانا ہوئے مدقوق مریض
فیض اس روضہ میں یہ بہر عوام آیا ہے

کب بشر سے ہو بیاں اُس درِ اقدس کا شرف
ملک الموت جہاں بہر سلام آیا ہے

بخدا ہے ترے روضے کا وہی عزّ و وقار
یاں بھی جو آیا ہے وہ بہر سلام آیا ہے

مشہد پاک نہ مشہور ہو کیوں عالم میں
بن کے فردوس زمیں پر یہ مقام آیا ہے

عرش پر قبہ عالی کا جو پہنچا ہے دماغ
جھک کے خورشید فلک بہر سلام آیا ہے

لذت نعمت فردوس بریں بھی حاصل[3]
شہ کے مطبخ سے جو خادم کا طعام آیا ہے

تھا جو منظور خدا ارض خراساں کا عروج
وصل خالق کا یہاں شہ کو پیام آیا ہے

[1] کنایہ از آیہ کریمہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک [2] روایت مشہور از عہد نادر شاہ [3] مخصوص زوار کا ایک وقت کا طعام ان کے فرودگاہ پر مطبخ سرکاری سے آتا ہے۔ اور جملہ زوار بلا تخصیص مطبخ سرکاری میں جا کر کھانا کھاتے ہیں اور کھا سکتے ہیں۔

آپ غربت میں ہوئے زہر دغا سے جو شہید
زلزلہ اس سے زمانہ میں تمام آیا ہے

تربتِ حیدر کرار ہے کانپی اب تک[1]
چرخِ دوّار بھی چکر میں مدام آیا ہے

عرض کرتا ہے محبّ خدمت اقدس میں شہا
روسیہ اپنے گناہوں سے غلام آیا ہے

کیجئے حق سے دُعا مغفرتِ عاصی کی
التجا لے کے یہ اے عرش مقام آیا ہے

آپ کے صدقے سے ہوں سب کی مرادیں حاصل
آپ کے ہاتھ میں عالم کا نظام آیا ہے

آپ کے گھر کا ادنیٰ غلام
سید خیرات احمد محبّ غفر اللہ ذنوبہ

[1] مشہد مقدس سے ایک منزل اسی طرف کا نام تُربتِ حیدری ہے جہاں ۱۹۳۳ء میں زلزلہ آیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علیٰ نبیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ المتادبین بآدابہ

اما بعد

آہنگ نیا سوز نیا ڈھنگ نیا ہے — قائل ہیں عنادل بھی کہ یہ رنگ نیا ہے
جوہر نظر آتے گئے کھلتا گیا کس بل — شمشیر حقیقت پہ یہ اظہار ہوں ہے صیقل
یہ تیغ وہ ہے سان پہ جو چڑھتی گئی ہے — ہر بار جلا اور برش بڑھتی گئی ہے

سید علی رضا اور شیخ محی الدین۔ دو لڑکے پٹنہ کالج میں طالب علم تھے دونوں لڑکے نہایت مہذب اپنے اپنے مذہب میں پکے انٹرنس کلاس میں ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جس روز ۱۸۹۲ء مسیحی کے انٹرنس کا امتحان ختم ہوا۔ دونوں لڑکے شام کے وقت بانکی پور کے میدان کی طرف سیر کے لئے گئے۔ اور قریب مغرب آپس میں یوں باتیں کرنے لگے۔ ہر ایک نام کے بعد الفاظ "نے کہا" محذوف ہیں۔

محی الدین۔ بھائی اقلیدس کی اَشکال کتابی کا ہم نے جواب دے دیا۔ مگر افسوس ڈیڈکشن[1] ایک بھی نہ بن سکا۔ باایں ہمہ اگر حق تعالےٰ نے الجبرا کے جھونکے سے بچا لیا۔ تو کسی درجہ میں ضرور پاس کریں گے۔

علی رضا۔ میں نے تو دو ڈیڈکشن بنائے ہیں۔ مگر ابھی تک ان کو جانچا نہیں ہے۔ کہ جواب صحیح ہیں یا غلط۔ غالباً صحیح ہوں۔ الجبرا کے سوالات بیشک مشکل تھے مگر میں ہر وقت متوقع افضال الٰہی رہتا ہوں السعی منی والاتمام من اللہ۔

محی الدین۔ لو بھائی اب آفتاب غروب ہوگیا۔ میں نماز مغرب پڑھ لیتا ہوں۔

علی رضا۔ بسم اللہ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔

محی الدین۔ پھر آپ کب پڑھیں گے؟

علی رضا۔ میں گھر پہنچ کر اطمینان سے پڑھوں گا۔ میری شرع شریف نے اطاعت الٰہی کے وقت کو وسیع رکھا ہے۔ میری شریعت میں مغرب کا وقت اس وقت سے نصف اللیل تک ہے یہ بھی ایک آسانی ہے۔ جس کو ہم لوگ اللہ کی رحمت سمجھتے ہیں۔

محی الدین۔ آپ کے مذہب میں تو آسانی بہت ہے مگر...... بھئی نماز کا وقت گذرا جاتا ہے۔ نماز پڑھ لوں تو عرض کروں گا۔ اللہ اکبر۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

علی رضا۔ لیجئے اب تو نماز سے آپ نے فراغت پائی۔ میں مشتاق ہوں۔ کہ مگر کے بعد کیا

[1] استنباط یعنی سوالاتِ بالائی۔

کہنا چاہتے تھے۔

محی الدین - بھائی میں کچھ کہنا چاہتا تھا - مگر نہ کہنا انسب سمجھتا ہوں

علی رضا - کیوں کیوں ؟

محی الدین - بھائی خیال ہوتا ہے - کہ شاید تم خفا ہو جاؤ - مذہبی چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں۔ اس قسم کی گفتگو میں جوش آ ہی جاتا ہے۔

علی رضا - استغفر اللہ ربی - آپ میرے مزاج سے واقف نہیں - میں خفا کیوں ہونے لگا؟ مجھ سے قسم لے لیجئے - اگر آپ گالیاں بھی دیں گے - تو میں برا نہ مانوں گا آپ اپنے قلب کو دیکھ لیں۔

محی الدین - اچھا تو میں قسماً کہتا ہوں - کہ تم تہذیب سے بلا نفسانیت جو کچھ کہو گے میں بگوش دل سنوں گا - اور برا نہ مانوں گا۔

علی رضا - تہذیب اور بے نفسی کی شرط بے ضرور ہے - انشاء اللہ میں احاطہ تہذیب سے کبھی باہر نہ جاؤں گا - بلکہ تم کو اختیار دیتا ہوں - کہ جی کھول کر جس زبان میں چاہے باتیں کرو - اور کوئی دقیقہ اپنے خیالات کا اٹھا نہ رکھو۔

محی الدین - بھئی جزاک اللہ خیرا - میں بھی یہی چاہتا تھا - کہ تم سے پوست کندہ باتیں کر کے تم کو راہِ راست پر لاؤں - بلکہ یہ خیال میرے دل میں بہت دنوں سے تھا مگر تہذیب مانع تھی۔

علی رضا - ضرور ضرور بسم اللہ جو کچھ فرمانا ہو فرمائیے۔

محی الدین - دیکھئے آپ وعدہ فرما چکے ہیں - کہ ہم برا نہ مانیں گے - میں کہنے کو تھا - کہ آپ کے مذہب میں آسانی تو ہے - مگر آپ کا مذہب ہی کیا ہے ؟

آپ کا مذہب شیعہ ہے نا ؟

علی رضا - بیشک شیعہ اثنا عشری ہوں۔

تبرّا کے کیا معنی ہیں اور آیا تبرّا اور گالی ایک چیز ہے؟

محی الدین - اب آپ ہی غور فرمائیے - کہ آپ سا مہذب سنجیدہ تعلیم یافتہ شخص ایسے مذہب باطل پر قائم رہے ؟ یہ بھی کوئی مذہب میں مذہب ہے - جس میں گالیاں بکنی جزو مذہب ہو ؟

نعوذ باللہ من ذالک - میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں - کہ ایسے مذہب کو جس کی بنیاد ایسی

بے تہذیبی پر ہے۔ کون شائستہ قوم پسند کرے گی ؎

دشنام بہ مذہبے کہ طاعت باشد مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

علی رضا۔ کیا خوب بھئی میں تو یہ سمجھتا ہوں۔ کہ گالی بکنے کو جزو مذہب قرار دے کر اس مذہب کو برا سمجھنا ویسا ہی ہے۔ جیسا یہ کہنا کہ مذہب اسلام خراب ہے کیونکہ نعوذ باللہ انا الحق کہنا۔ یعنی شرک کرنا جزو مذہب اسلام ہے۔ بھئی میرے مذہب کی تہذیب نے تو گانے تک کو حرام کر دیا ہے اور سوائے شریعت کے کسی طریقہ کا وجود نہیں ہے۔

محی الدین۔ کیا شیعہ تبرّا نہیں کہتے؟

علی رضا۔ ماشاء اللہ چشم بدور تبرا کے معنی گالی بکنا آپ نے کس لغت میں ملاحظہ فرمایا ہے؟

محی الدین۔ آپ فرمائیے۔ کہ تبرا کے کیا معنی ہیں؟

علی رضا۔ بھائی تبرا باب تفعل سے آیا ہے۔ اس کے معنی برات چاہنا ہے۔ یعنی میں فلاں سے دُوری چاہتا ہوں۔ یا یہ کہ رحمت خدا کی اس سے دُور رہے۔

محی الدین۔ تو بھئی کب جائز ہے۔ کہ کسی سے دُوری چاہا کریں۔ یا اس کی مذمت کرتے رہیں؟ میں تو ایسے فعل کو بالکل وحشیانہ سمجھتا ہوں۔

علی رضا۔ ہاں ہاں ایسا نہ کہو۔ کیا تم اُٹھتے بیٹھتے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم نہیں کہتے۔ پس غور تو کرو۔ کہ اعوذ باللہ کے کیا معنی ہیں۔ اور رجیم کے معنی کیا ہیں۔ علاوہ اس کے تمہیں معلوم ہے کہ افضل عبادت نماز ہے۔ اور نماز میں پڑھنے کے لئے افضل ترین سورہ سورۂ فاتحہ ہے۔ اس سورہ میں حق سبحانہٗ جلشانہٗ نے اپنے بندوں کو عبادت کے وقت حق تعالیٰ سے دُعا کرنے کی یوں ہدایت فرمائی ہے۔ کہ تم لوگ کہو۔ کہ پروردگار اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین یعنی خدایا دکھا تو ہم کو سیدھی راہ۔ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے نعمت بھیجی۔ نہ ان لوگوں کی راہ جن کو تو نے مغضوب کیا۔ اور جو گمراہ ہوئے۔ کیا اس دُعا سے صاف ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ ہر مسلمان شب و روز پانچوں وقت بُرے گروہ اور بُری جماعت سے دُوری چاہتا ہے۔ اور انکو مغضوب اور گمراہ کہتا ہے؟ اگر اس کو نعوذ باللہ تم فعل وحشیانہ سمجھتے ہو۔ تو آج سے سورہ فاتحہ چھوڑ دو۔ یا یا اس کا اقرار کرو۔ تبرا سب سنیوں کا جزو مذہب نہ ہو تو جزو عبادت ضرور ہے۔

پھر غور کرو۔ کہ اگر یہ دُعا اچھی ہے (اور جب کلام حق ہے تو یقیناً اچھی ہے) تو پھر ہم لوگوں کی یہ دُعا کیا بُری ہے۔ کہ خدایا چلا ہم لوگوں کو راہ محمد و آل محمد صلعم پر اور دُور رکھ ہم لوگوں کو ان لوگوں سے جو اُن کے حقوق کے غاصبین اور جو اُن کے ظالمین ہوئے۔

ہم تو کہتے ہیں۔ کہ اس دُعا میں تم کو بھی شریک ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت پانے والے تو یقیناً محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم ہیں۔ لیکن مغضوبین اور ضالین اور غاصبین اور ظالمین کون ہیں۔ اس کو علم الٰہی پر چھوڑ دو۔

مَیں تو پکار کر کہتا ہوں۔ کہ جو معنی تبرا کے مَیں نے ابھی تک بیان کئے ہیں۔ اس معنی میں تبرّا جزو مذہب اسلام ہے۔

محی الدین۔ قہہ قہہ قہہ۔ بھائی قصور معاف سڑی ہو تو آپ سا۔ تبرّا اور جزوِ اسلام! آپ بھی کیا بے تکی ہانکتے ہیں۔

علی رضا۔ سڑی کہنے کا آپ کو اختیار ہے۔ لیکن ہے یوں ہی جیسا میں کہتا ہوں۔ بلکہ مَیں اب اور دعویٰ سے کہتا ہُوں۔ کہ جھوٹوں سے انکار اور سچے کا اقرار کرنے کے اعتبار سے تبرّا جزوِ اسلام کیا معنی جزو اعظم اور رُکن اوّل اسلام ہے۔

محی الدین۔ بس خُدا کے لئے چُپ بھی رہیئے۔ ایسی ایسی مہملات باتیں اپنے مذہب والوں کو سنائیے۔ میرے سامنے ایسے بڑے بُول کا کیا نفع ہے؟

علی رضا۔ بہت خوب ذرا اپنی زبان مبارک سے کلمہ طیب کو ارشاد فرمائیے۔

محی الدین۔ لیجئے سنئے کون مسلمان ہے۔ جو ہر وقت اس کا مقر بالقلب و باللسان نہیں ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جو شخص اس کلمہ پاک کا اقرار قلب اور زبان سے نہ کرے وہ مُسلمان نہیں۔

علی رضا۔ خُدا آپ کا بھلا کرے۔ آپ ذرا کلمہ لا الٰہ الا اللہ (یعنی نہیں ہے کوئی خُدا لیکن خُدائے واحد) پر غور تو فرمائیے۔ کیا اس کلمۂ پاک کے الفاظ لا الٰہ سے یہ بات نہیں نکلتی ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے شرط اوّل یہ ہے کہ پہلے کل جھوٹے خُداؤں سے انکار یا تبرّا کرے۔ اور تب اللہ پاک کا اقرار کرے۔ اور کہے کہ کوئی خُدا نہیں ہے۔ مگر اللہ پاک؟ کیا اس کلمۂ پاک سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ اسلام کی پہلی تعلیم یہ ہے کہ کل جھوٹے اور خود ساختہ خُداؤں سے فقط قلباً نہیں۔ بلکہ زبان سے بھی انکار یعنی تبرّا کرنا واجب ہے۔

اگر ایک شخص عمر بھر تک اللہ اکبر کہتا رہا ہو۔ لیکن کبھی اُس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار بالقلب و باللسان نہ کیا ہو۔ تو اُس کے مسلمان ہونے میں شک ہے کیونکہ اس بات کا شک رہ جاتا ہے۔ کہ فرعون و شداد کا مُنکر تھا یا نہ تھا۔ اگر اُن کے جھوٹے ہونے کا ایمان نہ رکھتا تھا یا اُن کو سچا خُدا سمجھتا تھا۔ تو یقیناً کافر تھا۔ پس جھوٹے اور خود ساختہ خُداؤں سے انکار

کرنا اور اُن سے تبرّا کرنا جز و ایمان و اسلام ہے۔ اس لئے مَیں کہتا ہُوں۔ کہ اسلام کا پہلا رکن اور اس کی بنیاد کی پہلی اینٹ تبرا ہے۔ ذرا آپ اپنے مولوی صاحب سے پوچھیئے۔ تو کہ ایک سٹری یُوں کہتا تھا۔ آپ کیا فرماتے ہیں ؟

محی الدین۔ انکار کرنا بات اور ہے، اور تبرّا بات اَور ہے۔ اِس کلمۂ میں تبرّا کہاں ہے۔ مُجھ کو تو اِس لفظ سے خلقی نفرت ہے۔

علی رضا۔ یہ تو آپ لفظی تکرار کرتے ہیں۔ انکار کرنے اور تبرّا کرنے کے معنی تو حقیقتاً ایک ہی ہیں۔ لیکن اگر آپ کو یہی ضد ہے تو خیر ذرا کلمۂ ردِ شرک تو فرمائیے۔

محی الدین۔ اللّٰھم انی اعوذبك من ان اشرك بك شیئًا وانا اعلم به واستغفرك لما لا اعلم به تبت عنه وتبرات ان اشرك وبالمعاصی کلها۔ خلاصہ ترجمہ۔ خُدایا میں پناہ مانگتا ہُوں۔ اِس بات سے کہ تیرے ساتھ کسی چیز کو شریک گردانوں اور استغفار کرتا ہوں۔ اور توبہ کرتا ہوں۔ اور تبرّا کرتا ہوں شرک اور جمیع عصیان سے۔

علی رضا۔ لیجئے تسلیم اِس کلمۂ پاک میں تو تبرّا تک مذکور ہے۔ علاوہ اِس کے سُورہ توبہ پارہ یازدہم میں مذکور ہے کہ پہلے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا آذر کے لئے طلب مغفرت کی۔ لیکن جب ان کو کہہ دیا گیا۔ کہ انه عدوٌ للّٰه تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تبرّا منہ یعنی جب حضرت ابراہیمؑ کو کہہ دیا۔ کہ یہ خُدا کا دُشمن ہے۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے اِس سے تبرّا کیا (دیکھو پارہ یازدہم سورہ توبہ) کیا اب بھی آپ فرمائیں کہ اس لفظ سے آپ کو خلقی نفرت ہے؟ اور اگر ایسا کہیئے۔ تو کیا آج سے نعوذ باللہ اس کلمہ پاک کا پڑھنا چھوڑ دیجیے گا ؟ اِس تقریر کو سُن کر محی الدین دیر تک ساکت رہا۔ اور جب کچھ جواب نہ چلا۔ تو اس تقریر سے کترا کر کہنے لگا۔

آیا مستحق نفرین پر نفرین کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قرآن اس بارے میں کیا کہتا ہے؟

محی الدین۔ مگر کسی فردِ بشر پر لعنت کرنا کب جائز ہو گا ؟

علی رضا۔ بھائی لعنت اَور ہے اور گالی اور ہے۔ پس اب یہ تو فرمائیے۔ کہ گالی بکنے کو آپ نے شیعوں کا جزو مذہب قرار دیا تھا۔ وہ کس دلیل سے۔

محی الدین۔ یہی لفظ لعنت کہنے سے کیونکہ یہ گالی نہیں ہے۔ تو کیا ہے ؟

علی رضا۔ خُدا کے لئے یُوں بیدھڑک نہ بول اٹھو۔ یہ لفظ تو قرآن میں سینکڑوں جگہ ہے۔ پس معاذ اللہ کیا تم کہو گے۔ کہ قرآن گالیوں سے بھرا ہے؟

محی الدین۔ قرآن پر تو میرا ایمان ہے اور تہذیب کا اُس پر خاتمہ ہے۔ مگر بھائی مَیں نے سُنا ہے کہ جاہل شیعہ فحش گالیاں بھی بکتے ہیں

علی رضا۔ جو ایسا کرتے ہیں حرام کرتے ہیں۔ مگر اس سے مذہب پر کوئی دھبہ نہیں آ سکتا دیکھو ہندوستان کی شادیوں میں کس قدر گالیوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ لونڈیاں ہیں کہ گلے پھاڑ پھاڑ کر فحش بکے جاتی ہیں۔ رنڈیاں الگ گالیاں گاتی ہیں۔ اس پر انعام پاتی ہیں۔ سالے بہنوئیوں میں کس قدر پھکڑ چلتی ہے۔ مگر یہ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ عقد (نکاح) جو سنت نبوی ہے۔ بذاتہ بری چیز ہے۔ کیونکہ اس تقریب میں گالیاں بکثرت استعمال کی جاتی ہیں۔ یا یہ کہ گالی جزو عقد (نکاح) ہے؟

محی الدین۔ یہ کیونکر کوئی کہہ سکتا ہے۔

علی رضا۔ تو پھر اب تو یہ نہ کہو گے۔ کہ گالی بکنا شیعوں کا جزو مذہب ہے یا تبرا اور گالی ایک چیز ہے؟

محی الدین۔ بیشک اب مَیں یہ نہ کہوں گا۔ کہ گالی بکنا شیعوں کا جزو مذہب ہے مگر کسی پر لعنت کرنا عام اس سے کہ اس کے معنی گالی ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکر جائز ہو سکتا ہے اس میں تو بے تہذیبی بھری ہے۔ بلکہ صاف بیہودہ پن ہے۔

علی رضا۔ ہاں ہاں ایسا نہ کہو۔ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں نافرمانوں پر برابر لعنت کی ہے۔ افسوس کہ مجھے اس وقت پارہ اور سورہ یاد نہیں ہے۔ ایک جگہ کسی قوم پر لعنت خُدا اور ملائکہ اور سائر النّاس اجمعین بھی فرمایا ہے مگر جملۂ لعنت اللہ علی الکاذبین تو زبان زد خلائق ہے۔ پس کیا تم کہو گے۔ کہ معاذ اللہ حکم خدا اور قول خدا میں کوٹ کوٹ کر بے تہذیبی بھری ہے؟ تم تو ابھی کہتے تھے۔ کہ قرآن پر تہذیب کا خاتمہ ہے۔ اور جب خداوند عالم نے آدمیوں کو لعنت کی اجازت دی۔ تو معاذ اللہ کیا تم کہو گے۔ کہ حق تعالیٰ نے بیہودہ پن کی تعلیم فرمائی۔

محی الدین۔ مَیں توبہ کرتا ہوں۔ واقعی یہ کلمہ قرآن میں بہت جگہ واقعہ ہوا ہے اور وہ آیت جس کا تم ایما کرتے ہو۔ غالباً یہ ہے۔ جو سورہ بقر پارہ دوم میں واقع ہے ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار اولٰئک علیھم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔

علی رضا۔ بھئی جزاک اللہ خیراً میں یہی کہنا چاہتا تھا۔ علاوہ اس کے سورہ مائدہ پارہ ششم میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون ۔ یعنی بنی اسرائیل میں جن لوگوں نے کفر کیا۔ اُن پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰؑ نے لعنت کی۔ اس آیت میں حق تعالیٰ جلشانہٗ نے حضرت عیسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام کے کفار پر لعنت کرنے کو نہایت رضامندی سے ذکر فرمایا ہے۔ پس لعنت کرنے کو بیہودہ پن کہنا تو انبیاء اولوالعزم پرالزام لگانا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ پھر سنئے کہ پارہ سیزدہم سورۂ رعد میں حق تعالےٰ فرماتا ہے والذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولٰئک لھم اللعنۃ ولھم سوء الدار ۔ یعنی جو لوگ توڑتے ہیں اقرار اللہ کا پکا کرنے کے بعد اور فساد کرتے ہیں۔ ملک میں ان کے لئے لعنت ہے۔ اور اُن کے لئے بُرا گھر ہے۔ پس اگر کوئی شخص کہے۔ کہ مفسدوں پر لعنت ہے۔ تو حقیقتاً وہ قرآن کا ترجمہ کرتا ہے اور اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص نے ملک میں فساد کیا ہے اس پر لعنت ہے تو اس کہنے میں وہ حقیقتاً آیت قرآنی کی تصریح کرتا ہے پس میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آیت قرآنی کے معنی پڑھنا یا اس کی تصریح کرنا خلاف تہذیب یا بیہودہ پن کیوں ہوگا؟ اور اگر اس قدر کہنے کے بعد بھی حضرات سنّت جماعت کا یہی مذہب ہو۔ کہ لعنت اور گالی ایک چیز ہے۔ تو اُن کا یہ مذہب بھی ضرور ہوگا۔ کہ قرآن گالیوں سے بھرا ہوا ہے کیونکہ قرآن مجید میں یہ لفظ بکثرت موجود ہے۔ اس صورت میں قصور معاف ایک شعر مجھ سے بھی سُن لیجیے۔

قرآن بہ مذہبے کہ باشد دشنام   مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

پس اب میں پھر آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ مستحق لعنت پر لعنت کرنا خلاف تہذیب یا بیہودہ پن تو نہیں۔

محی الدین۔ بھئی ذرا چپ ہو جاؤ۔ سنو گھنٹہ بجتا ہے۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ چھ۔ سات۔ آٹھ بجرائے۔ لو سنا آٹھ بج گئے۔ اب چلو۔ سویرے کھانا کھا کر آرام کریں۔ آج امتحان سے فراغت ہوئی ہے۔ آج بارے نظیر واکے تین بجے جگانے سے نجات ملے گی۔

علی رضا۔ بہتر ہے چلو مجھے بھی مغرب پڑھنی ہے۔ بہت دنوں کے بعد آج باتیں کرنے کی آزادی ملی ہے۔ تمہارا مکان قریب ہے۔ چلو آج وہیں شب بسر کریں۔

محی الدین۔ چشم ما روشن و دل ما شاد۔

اس کے بعد دونوں صاحبزادے اور اور باتیں کرتے محی الدّین کے مکان پر آئے علی رضا نے مغربین پڑھی اور محی الدّین نے عشاء پڑھ کر علی رضا کے ساتھ کھانا نوش کر کے گیارہ بجے دونوں سو رہے۔ جب تین بجے۔

محی الدّین۔ بھائی علی رضا جاگتے ہو؟

علی رضا۔ ہاں ہاں جاگ رہا ہوں۔ تین مہینے سے جو اس وقت جاگنے کی عادت ہو گئی تھی۔ بیساختہ اپنے وقت پر آنکھ کھل گئی۔

محی الدّین۔ اور دیکھئے روزانہ کیا دق کرتا تھا۔ آج نظیروا کا کہیں پتہ نہیں کیا خراٹے لے رہا ہے۔

نظیروا۔ نہ سرکار ہم ہوں جاگے ہیں۔

محی الدّین۔ بھائی علی رضا میرے لئے تو تمہاری آج شام کی باتیں نظیروا کا کام کر رہی ہیں، میرے ذہن میں ایک مدت سے یہ پیچیدہ مسئلہ ہے کہ کوئی برا ہے یا بھلا ہے۔ اپنے لئے مجھے کیا۔ میں کیوں اُس کو برا کہوں؟ مگر تمہارے یاد دلانے سے اب جو خیال کرتا ہوں۔ تو واقعی مستحق لعنت پر حق تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے۔ پھر مجھے کلام کیا۔ لیکن بھئی میں کیا کروں۔ خدا معاف کرے مجھے تو ابھی تک کچھ اپنی ہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

علی رضا۔ مستحق لعنت پر تو سب نے لعنت کی ہے اور یہ ایک بات فطرتی ہے کہ جب کبھی ظالم کا ذکر آجاتا ہے تو خود بخود نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھو چنگیز خاں وغیرہ وغیرہ ظالموں کا نام جب آجاتا ہے تو قلب بیساختہ بے چین ہو جاتا ہے۔ علاوہ اُس کے طرفہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایام طفولیت میں یہ فقرہ سکھایا تھا۔ اُن کے افعال کو خیال کرو۔ کہ شیعوں کو کیا کچھ نہیں کہتے ہیں۔ کیوں وہ اس قول پر عمل نہیں کرتے کہ شیعہ بُرے ہیں یا بھلے اپنے لئے ہمیں کیا۔ ہم کیوں اُن کو برا کہیں؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس وقت تبرّے کا مذکور ہوتا ہے۔ اس وقت سر رشتہ سخن ایسے اشخاص کی طرف رُخ کئے رہتا ہے جن کو تم معصوم اور اپنا پیشوا سمجھتے ہو۔ اور اس وجہ سے اپنے زعم میں بمقابلہ آیۂ کریمہ کے اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہو ورنہ میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ اس وقت سے صبح تک جب رد سخن پھیر دیا جائے گا۔ تو جن کو مستحق لعنت تم سمجھو گے۔ اُن پر تم خود لعنت کرو گے۔

محی الدّین۔ اگر یہ صحیح ہو۔ تو بھی میرا خیال یہ ہے کہ صحابہ کرام۔

علی رضا۔ (بات کاٹ کر) بس معاف! یہاں پر صحابہ کرام سے کوئی بحث نہیں۔ ابھی تو صرف ان لوگوں سے بحث ہے جن کو فریقین برا کہتے ہیں۔

محی الدین۔ ارے نظیروا، پانی لا وضو کریں۔ نماز کا وقت قریب ہے۔
نظیروا۔ ابھی سو رہو۔ بابو ابھی رات بہت ہے۔ جب سیٹھ جی کی مسجد میں اجان ہوئی ہے۔ تب پڑھیو۔
علی رضا۔ کون سیٹھ؟
نظیروا۔ کریمن سیٹھ۔
محی الدین۔ ہائے ارے کمبخت یہ صبح صبح کس کم بخت کا نام لیا۔ اب آج دن بھر کا خدا حافظ ہے۔ ایک مرتبہ اس مردود کا نام صبح کے وقت اسی لونڈے نظیروا نے لیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا۔ کہ دو گھنٹہ تک بنچ پر کھڑے رہے تھے۔
علی رضا۔ آخر یہ ہے کون شخص؟
محی الدین۔ بڑا مردود لعنتی ہے۔ بخیل ایسا کہ لاکھوں روپیہ کی دولت گھر میں موجود تب بھی چنے پر اوقات۔ صورت دیکھو تو سمجھو کہ درگاہ کا فقیر ہے۔
علی رضا۔ اے لیجئے تسلیم۔ اب بھی آپ فرمائیں گے۔ کہ مستحق لعنت پر لعنت کرنے میں آپ کی اپنی رائے کو خداوند عالم کے قول پر ترجیح ہے۔ خیالی مستحق لعنت پر لعنت کرنے میں آپ کی زبان کہاں کی تہذیب حاصل کرے گی۔
محی الدین۔ واہ واہ یہ کوئی مذہبی بات ہے یہ تو معمولی فقرہ ہے جو ہر شخص کہتا ہے اس کو مذہب سے کیا علاقہ؟
علی رضا۔ بھائی خدا کے لئے ذرا غور کرو بے چارہ سیٹھ اپنے نفس کے لئے جو کچھ ہو تمہارا اصلاً اس نے کچھ بگاڑا نہیں ہے۔ وہ مسلمان ہے۔ کم سے کم ایک مسجد اس نے بنوائی ہے اس کو تم نے خیالی وسوسہ پر اس قدر صلوات سنا دی۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ تم اپنے قصور سے بنچ پر کھڑے ہوئے ہو پس خیالی امر پر تو تم کو اس قدر غصہ ہے اب کہو۔ کہ تمہارا کیا حال ہو۔ اگر اس وقت خدا نخواستہ وہی سیٹھ تمہارے امتحان کے جواب کے کاغذوں کو پرنسپل کے بکس سے نکال کر جلا دے؟
محی الدین۔ لو یہ نام ہی کا اثر ہے۔ یا کیا کہ تمہاری زبان سے ایسا منحوس لفظ نکلا۔ ارے بھائی اگر وہ ایسا کرے۔ تو اس روز یا سیٹھ نہیں یا ہم نہیں۔
علی رضا۔ اگر تم اس کو نہ پاؤ۔ یا وہ مر جائے؟
محی الدین۔ رات دن کمبخت کو بد دعا کریں۔ ہاں ہم تمہارے انداز کلام کو سمجھ گئے بھائی بات یہ ہے کہ ہم جو بد دعا کریں گے۔ اس کو بھی اپنی نفسانیت پر محمول کریں گے۔

علی رضا۔ بھئی میری مشکلوں کو تم کیوں کر سمجھو گے۔ غور کرو کہ اللہ رسُول ملائکہ کی سَند کافی نہیں۔ اب ہم کو صرف تمہاری عادات سے اپنا دعویٰ ثابت کرنا ہے۔ اس کو بھی تم نے اپنی نفسانیت پر ٹالا۔ آخر بہر کیف اب مَیں تم سے پوچھتا ہُوں۔ کہ اگر تمہارے جواب کے کاغذوں کو سیٹھ جلا دے۔ تو تمہارا غصّہ فطری ہو گا۔ ذرا غور تو کرو۔ کہ اگر تمہارے سامنے لشکرِ یزید خیمہ مبارک حضرتِ امام حسین علیہ السلام جلاتا۔ تو اس کے ساتھ تم کیا کرتے؟

محی الدین۔ ایک کا بھی سر بدن پر نہ رکھتے۔ یہاں تک کہ خود کام آتے۔

علی رضا۔ کیوں؟ انہوں نے جو کیا اپنے لئے۔ آپ کا کیا بگاڑا؟

محی الدین۔ واہ آپ بھی کیا سید ہے ہیں۔ شیعہ کہلاتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ انہوں نے کیا بگاڑا! ارے بھائی اُن کے ظلم سے تو ؎

افسوس کہ کربلا میں گھر زہرا کا ایسا اُجڑا کہ پھر نہ آباد ہُوا

علی رضا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر معرکۂ کربلا میں آپ رہتے تو لشکرِ یزید کا سر کاٹ لیتے لیکن اب تو وہ زندہ نہیں ہیں۔ اب کیا کریں گے؟

محی الدین۔ اب کیا کریں گے؟ کچھ نہ کریں گے۔ سکوت کریں گے؟

علی رضا۔ کیا آپ چاہیں گے۔ کہ وہ سب کے سب بہشت میں داخل کر دیئے جائیں؟

محی الدین۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر وہ لوگ بہشت میں جائیں۔ تو دوزخ کس کے لئے ہے؟

علی رضا۔ تو کیا آپ یہ دعا نہ کریں گے۔ کہ خدایا یہ لوگ تیری رحمت سے دُور رہیں۔ یا یہ کہ خدایا اِن پر عذاب نازل کر؟

محی الدین۔ کیوں نہیں؟ ہر وقت و ہر آن دل و جان سے۔

علی رضا۔ بس بھائی تبرا یہی ہے۔ اور لعنت کا مقصد یہی ہے۔

محی الدین۔ ذرا ٹھہر جائیے اگر یہ تبرا ہے تو مَیں پھر یہ کہوں گا۔ کہ اس کی کیا ضرورت۔ اس سے تو بہتر درگذر کرنا ہے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس۔

علی رضا۔ تب مَیں کہوں گا۔ کہ اگر آپ معرکۂ کربلا میں رہتے۔ تو کبھی لشکرِ یزید کا سر قلم نہ کرتے۔ اس وقت بھی آپ کہتے کہ اس سے تو بہتر درگذر کرنا ہے۔ آیہ کریمہ کے استدلال میں آپ اپنے کو بھُول گئے۔ احکام خدا اور اقوال خُدا سے تو بھی علیحدہ بحث ہے۔ بایں ہمہ بھائی غصہ کا تحمل کرنا اور بات ہے اور انصاف چاہنا اور بات ہے۔

غضب ہے کہ کوئی شخص معاذ اللہ خانہ کعبہ کو ڈھائے۔ نبی کا گھر مٹائے ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بے گناہ قتل کرے اور ہم اس کی داد بھی خدا سے نہ چاہیں؟ یہ بھی نہ کہیں کہ خدایا ان لوگوں نے ہمارے پیشوا پر سخت ظلم کئے ہیں۔ ان کے ساتھ عدل کر ان پر عذاب نازل کر۔ ان کو اپنی رحمت سے دور رکھ۔ یہ بھی نہ کہیں کہ خدایا مجھے ان سے دور رکھ بروز محشر۔ مجھ کو ان کے سائے سے بچا؟ میں ان سے دوری چاہتا ہوں۔

محی الدین۔ لیکن تمہاری دعا یا بددعا کی کیا ضرورت ہے۔ خداوند عالم تو ان کی سزا خود کرے ہی گا۔

علی رضا۔ تو معرکہ کربلا میں ان کے سر کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو آخر ایک روز مرتے ہی؟

محی الدین۔ سچ ہے ہم تو سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اس وقت بھی ہم کو سکوت بہتر تھا۔

علی رضا۔ اے معاذ اللہ! شمر ذی الجوشن حضرت امام حسینؑ کی گردن پر خنجر پھیرے اور تم تماشا دیکھو۔ اور اس پر بھی بروز محشر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منہ دکھانے کا حوصلہ رکھو!

محی الدین۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ بھائی علی رضا خدا نخواستہ میں ایسا بے دین نہیں ہوں۔ کہ قتل حضرت امام حسینؑ گوارا کروں۔ میں یزید اور لشکر یزید پر ہمیشہ لعنت کرتا ہوں اور ہر وقت دعا کرتا ہوں کہ خداوند عالم ان ملاعین کو اسفل السافلین میں جگہ دے۔ اس وقت جتنی باتیں ہوئیں۔ وہ صرف تمہاری جودت طبع کی آزمائش کے لئے ورنہ میں بندۂ ناچیز اور حق تعالےٰ جلشانہ کے احکام و اقوال میں دخل نعوذ باللہ من ذالک!!

واقعہ کربلا کا داغ تو میرے دل سے قیامت تک نہ مٹے گا۔ اس معرکہ میں رہتا تو جو کچھ کرتا۔ اس کا خداوند عالم علیم ہے۔ اس وقت اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ جو ان ملاعین سے نفرت نہ رکھے۔ اس کے ایمان میں خلل ہے۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ تم نے میری انتہائی درجہ کی ہٹ دھرمی پر بھی میری تسکین کر دی۔ سچ ہے۔ کسی کو قتل کرنا ایک قسم کی عقوبت ہے۔ پس جب اس وقت ہم ان ملاعین کی عقوبت کی دعا سے بھی دریغ کریں گے۔ تو معرکہ کربلا میں ان سے جہاد کرنے کا دعویٰ بالکل زبان آرائی ہے۔

علی رضا۔ لیجئے تو پھر اب تو یہ نہ کہئے گا۔ کہ کوئی برا ہو یا بھلا ہو۔ اپنے لئے ہم اس کو برا کیوں کہیں۔

محی الدین۔ ہرگز نہیں۔ اب میرے دل میں ذرا شک نہیں ہے کہ مستحق لعنت پر ہر شخص لعنت کرے گا۔ جیسا شیطان کو رجیم اور یزید کو لعین کہتے ہیں۔ مگر اس سے آپ یہ ہرگز نہ سمجھئے گا۔ کہ نعوذ باللہ صحابہ کرامؓ

علی رضا (بات کاٹ کر) پھر صحابہؓ کرام! بھائی تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تم گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ تمہارا ذہن اس طرف کیوں دوڑ جاتا ہے۔

محی الدین۔ بھائی جھگڑے کی بات تو وہی ہے۔ علاوہ اس کے میں پھر بھی کہتا ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص قابل لعن ہو۔ تو بھی بجائے اُس کے ہم اس پر لعن طعن کریں ہم اپنے نبی صلعم پر درود کیوں نہ بھیجیں۔ کہ بجائے تضیع اوقات کے میرا وقت اچھے کام میں صرف ہو؟

علی رضا۔ اگر آپ یہ بات محض خلوص دل سے بلا پاسداری اس شخص قابل لعن کے کہتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اگر آپ کے دل میں ذرا بھی اس کا پاس ہے یا اس کے ساتھ ہمدردی ہے۔ تو بڑی مشکل ہوگی۔ کیونکہ اس حالت میں آپ کا طریقہ منافقانہ ہوجائے گا۔ اس لئے کہ منافق اسی کو کہتے ہیں۔ کہ جو بظاہر خدا اور رسولؐ سے ملا رہے۔ اور بہ باطن دشمنان خدا اور رسول سے ارتباط رکھے اور ان کا پاس و لحاظ ہو پس جب تک دشمنان خدا سے آپ اپنی نفرت اور بیزاری کا اظہار نہ کریں گے تب تک حدِ نفاق سے نکل نہیں سکتے۔

اس کو خوب یاد رکھئے کہ دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے بالقلب اور باللسان بیزاری رکھنا بھی اچھا کام ہے۔ اور جو وقت اس میں صرف ہوتا ہے وہ ہرگز بُرے کام میں صرف نہیں ہوتا۔ جیسا میں کہہ چکا ہوں۔ کہ اللہ اکبر کہنے سے لا الہ الا اللہ کہنا ہرگز کم نہیں ہے۔ اور نہ غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین پڑھنے میں تضیع اوقات ہوتی ہے۔

پھر غور فرمائیے۔ کہ حقتعالیٰ کا حکم ہے۔ کہ جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ضرور کہو۔ دیکھو سورہ النحل پارہ چہاردہم۔ اگر کوئی شخص تمہاری طرح یہ کہے کہ ہم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنے میں کیوں اپنی اوقات ضائع کریں۔ ہم بجائے اس جملہ کے دو مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں گے تو بات اس کی شرعاً قابل قبول نہ ہوگی۔ بلکہ وہ شخص عاصی سمجھا جائے گا۔ اور اگر وہ شخص جملہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنے سے اس وجہ سے انکار کرتا ہے۔ کہ اس کے دل میں پر مگس کے برابر بھی شیطان کا پاس ہے یا اس کے ساتھ ہمدردی ہے تب تو بقول علماء فریقین وہ مسلمان ہی نہیں ہے

کریمن رسیٹھ کی مسجد کا مؤذن) اللہ اکبر اللہ اکبر..... الصلوٰۃ خیرٌ من النوم الخ

علی رضا۔ لو اُٹھو نماز پڑھ لو۔

دونوں صاحبزادوں نے اپنے اپنے طریقہ پر نمازیں ادا کیں اور مصافحہ کے بعد ناشتے چائے کی ٹھہری۔ اس کے بعد علی رضا اپنے گھر گئے اور شام کے وقت بانکی پور کے میدان میں پھر ملے۔ بعد صاحب سلامت کے پہلے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں۔ پھر

محی الدین۔ میں نے اپنا خیال جس پر مجھے یقین کامل ہے۔ آپ پر ظاہر کر دیا۔ اس پر بھی کہتا ہوں۔ کہ صحابۂ کرام کی عزت و وقعت میں کوئی شخص مطلق حرف نہیں لا سکتا۔

علی رضا۔ یہ بحث بڑی طویل ہے۔ ہزاروں کتابیں تصنیف ہوئیں۔ سینکڑوں مناظرے ہوئے۔ مگر کوئی اپنی جگہ سے نہ ڈگا۔

محی الدین۔ تو کیا اس کا تصفیہ ناممکن ہے؟

علی رضا۔ میرے نزدیک تو محض آسان ہے۔ انصاف شرط ہے۔

محی الدین۔ بسم اللہ فرمائیے۔ مگر یہ یاد رہے کہ حضرات صحابۂ کرام یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت عثمانؓ کیسے جاں نثار دوست حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تھے۔ کیسی کیسی معرکہ آرائی کی ہے اور کس قدر مذہب اسلام کو رونق دی ہے۔

علی رضا۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں کسی امر کو فرو گذاشت نہ کروں گا۔ ان کو تو میں محض فرد عی امر جانتا ہوں۔ مگر میں اِس سوچ میں ہوں۔ کہ کس اصول پر میں تم سے گفتگو کروں۔ کیونکہ مجھے خوف ہے۔ کہ تم کسی اصول پر قائم نہ رہو گے۔ اور اس وقت مجھے بہت دقت ہو گی۔ اگر کہو تو تمہاری باتوں کا جواب شروع کر دوں۔

محی الدین۔ نہیں تمہارا جس طرح جی چاہے باتیں کرو۔ مجھے تو دیکھنا ہے کہ تم کیونکر چاند پر خاک ڈالتے ہو۔ اور ایسے ایسے اظہر من الشمس امور سے کیونکر گریز کرتے ہو۔

علی رضا۔ سنو میں خیال کرتا ہوں۔ کہ سُنی شیعہ کے قضیئے کا دار و مدار امرِ خلافت پر ہے اگر خلافت خلفاء ثلاثہ کی صحیح تھی۔ اور وہ حضرات خلفائے برحق تھے۔ تو مذہب شیعہ کچھ بھی نہیں۔ لیکن اگر خلافت صحیح نہ تھی تو انصاف اس کا مقتضی ہے کہ میری طرح تم بھی کہو۔ کہ مذہب سُنی کچھ بھی نہیں۔ لیکن میں اپنی بحث میں تمہیں وسعت دوں گا۔ یعنی تم کو موقع دوں گا۔ کہ تم خود ان امور کو خلفاء کی تائید میں پیش کر کے دیکھ لینا۔ کہ وہ کہاں تک اُن کی حفاظت کرتے ہیں اور کیونکر خلافت ناحق کو برحق کر دیتے ہیں۔

محی الدّین (دل میں) اللہ اکبر ان حضرت نے تو بنیاد ہی نئی ڈالی ہے۔ اے دِل تو اپنے اعتقاد میں کامل رہ۔ اور ہوشیار ہو جا۔

خلافت جناب رسُول خُدا صلعم سے کیا مُراد ہے اور خلیفۂ رسُولؐ کے اوصاف ضروری کیا کیا ہیں؟

محی الدّین (زبان سے) اس اصول میں مجھے کلام نہیں۔

علی رضاؔ۔ اَب یہ سمجھنا چاہیئے کہ خلافت حضرت رسول مقبول صلعم سے کیا مراد ہے آیا اس سے مُراد امور سلطنت کیلئے تخت نشینی ہے۔ جیسے ہمایُوں کے تخت پر اکبر اور شاہجہان کے تخت پر اورنگ زیب؟ یا اس سے یہ مراد ہے کہ جس کام کے لئے خداوند عالم نے رسُول مقبُولؐ کو بھیجا۔ اس کی نیابت کے لئے یعنی حقتعالےٰ کے احکام پہنچانے اور پھیلانے کے لئے۔ خُدا کی سچی محبت دلوں میں پیدا کرنے کے لئے نُورِ ایمان چمکانے کے لئے حق اللہ وحق العباد بتانے کے لئے منہیات سے بچانے کے لئے وغیرہ وغیرہ۔

محی الدّین (دِل میں) انصاف تو یہ ہے کہ امُورِ آخرت کے لئے۔ لیکن یہ حضرت تہ سے چلتے ہیں۔ تو مجھے بھی تہ سے چلنا چاہیئے۔

محی الدّین (زبان سے) بھائی مَیں تو سمجھتا ہُوں۔ کہ دونوں کاموں کے لئے۔

علی رضاؔ۔ ہاں آپ کی یہی رائے ہے۔ تو بہتر ہے۔ غالباً اس امر میں ہم سے تم کو اختلاف نہ ہوگا۔ کہ اگر رسولِ خُدا صلعم نے اپنی حیات میں کسی کو اپنا جانشین اور وصی کیا ہو تو بیشک وہی مستحق خلافت تھا۔ کیونکہ ایسا امرِ عظیم حضرت رسُول صلعم نے بغیر حکم خُداوند عالم کے صرف اپنی رائے سے ہرگز نہ کیا ہوگا۔ پس اگر بحکم خُدا وصیت کی۔ اور کسی کو اپنا جانشین قرار دیا۔ تو کس کی مجال ہے۔ کہ اس کے خلاف زبان کھولے؟

محی الدّین۔ لاریب فیہ کیا مجال ہے۔

علی رضاؔ۔ شیعہ تو وصیت رسُول خُدا صلعم بحکم ربانی آیت قرآنی سے بحق جناب امیرؑ ثابت کرتے ہیں۔ تمہارے یہاں کوئی حدیث ایسی ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ میں سے کسی کی خلافت کے لئے جناب رسُولِ مقبولؐ نے وصیت کی تھی؟

محی الدّین۔ مجھے معلوم نہیں ہے۔ دریافت کر کے کہُوں گا۔ ہاں احادیثِ فضائل صحابہ کرامؓ بے شمار ہیں۔

علی رضا۔ فضائل سے یہاں بحث نہیں۔ یہاں وصیت سے بحث ہے۔ حدیث وصیت تو یقیناً کوئی نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر وصیت ہوتی تو پہلے حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ اس کو ضرور جانتے اور اس کی تعمیل کو اپنا فخر سمجھتے۔ کیونکہ یہ لوگ طمع دنیاوی اور نفسانیت سے پاک تھے علاوہ اس کے اگر حضرت رسول اللہ کی وصیت ہوتی تو الیکشن یعنی انتخاب کی ضرورت نہ ہوتی۔ پس قیاس وصیت کو الیکشن بالکل قطع کر دیتا ہے۔

محی الدین۔ ظاہراً تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

علی رضا۔ خیر اس وقت تو فرض کرو۔ کہ وصیت کسی کے لئے نہ تھی۔ اور تمہاری رائے ہے کہ یہ خلافت امور دنیا و دین دونوں کے لیے تھی۔ تب باعتبار دنیا یہ سمجھ لینا ہوگا کہ ملک اسلام ملک حضرت رسول اللہ کی تھی۔ اور اس کے تحت سلطنت پر آپ مثل شاہان دنیا جلوہ افروز تھے۔ پس اس حالت میں باعتبار رسم دنیا اور شرع شریف کے آپ کے بعد یہ حق آپ کے وارث کا ہوگا۔ اس لئے بعد انتقال آپ کے جناب فاطمۃ الزہراؑ فریضہ وارث و مستحق تخت و تاج ہوئیں۔ اور چونکہ حضرت خاتون جنتؑ اور جناب امیر المومنینؑ میں کمال اتحاد تھا۔ اس لئے باعتبار دنیا بھی حضرت امیرؑ مستحق ہوئے اور کسی حالت میں یا کسی شریعت کی رو سے حضرت ابوبکر صدیقؓ جو آنحضرتؐ کے خسر تھے۔ حضرتؐ کے وارث ہو نہیں سکتے تھے۔ اور باعتبار دین چونکہ حضرت علیؑ کو جناب رسول خداؐ سے کمال تقرب تھا۔ یہاں تک کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو انفسنا میں داخل کیا۔ یعنی اپنا نفس ناطقہ قرار دیا۔ حضرتؑ ہی مستحق ہوتے ہیں۔

محی الدین۔ (دل میں) خدا کی پناہ۔ اس نے تو اس راہ کو بھی کاٹا۔ مگر میں سمجھ لیتا ہوں۔

محی الدین (زبان سے) اس معاملہ کو یوں سمجھنا چاہیے کہ حضرت رسول اللہؐ نے ایک کامن ولتھ (یعنی سلطنت جمہوری) چھوڑی۔ اس لئے وراثت یا قرابت کو اس میں دخل نہیں اس کے پریزیڈنٹ ہونے کے لیے عوام جس کو پسند کریں۔ وہی نائب رسولؐ ہو۔

علی رضا۔ تب نائب رسولؐ ہونے کے لئے خدا یا رسول خداؐ سے کچھ تعلق نہ رہا۔ اور تمہاری رائے میں ایسے امر عظیم کا انتظام عوام کالانعام کے ہاتھ میں چھوڑ دینا مصلحت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ جس طرح حقتعالٰے نے موت و حیات کو اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا ہے۔ اسی طرح رسولوں کا مقرر کرنا بھی اپنے اختیار میں رکھا ہے۔ آج تک اجماع امت سے کوئی شخص رسولؐ یا نبیؐ نہ بنا اور نہ اس وقت ساری مخلوق خداؐ کو جو سارے کرۂ ارض پر بستی ہے۔ اختیار ہے کہ اجماع کر کے ایک پیغمبر بنا ڈالیں۔ تب میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ کہ تقرری نائب رسولؐ میں جس کے فرائض اور لوازم حقوق اور مراتب تقریباً وہی ہیں۔ جو نبیؐ کے ہیں کیوں خداوند عالم یا کم سے کم اس کے رسولؐ

سے بالکل قطع نظر کیا جائے گا؟ انبیائے سلف کے وقت میں تو اس قسم کے عہدے برابر خداوند عالم جلشانہ کی طرف سے ملتے تھے جناب موسیٰؑ اپنے اختیار سے کسی کو اپنا وزیر تک مقرر نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ان کو درگاہ پاک رب العزت سے التجا اور دعا کی ضرورت ہوئی اور آپ نے دعا کی و جعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی یعنی خدایا میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر فرما۔ یہ دعا حضرت موسیٰؑ کی مقبول ہوئی اور حضرت ہارون حضرت موسیٰؑ کے وزیر مقرر ہوئے۔ دیکھو سورہ طٰہٰ پارہ شانزدہم قرآن مجید میں اس تقرری کا پھر اعلان ہوا۔ یعنی درگاہ پاک کبریائی سے ارشاد ہوا۔ و جعلنا معه اخاه ھارون وزیرا یعنی ہم نے اس کے بھائی ہارونؑ کو اس کا وزیر مقرر کیا۔ دیکھو سورہ فرقان پارہ نوزدہم۔

تو کیا یہ بات نہایت تعجب خیز حیرت انگیز و حسرت آمیز نہیں معلوم ہوتی کہ جناب موسیٰؑ کے وقت تک تو حق تعالیٰ کی جبروتیت ایسی ہو کہ بلا اس کے حکم کے ایک رسول اولوالعزم اپنا وزیر تک مقرر نہ کر سکیں۔ لیکن ہمارے نبی اکرم رسول آخر الزمان اپنی حیات میں کسی کو اپنا وزیر مقرر نہ فرمائیں۔ اور بعد حضرت کے انتقال کے ایسی طائف الملوکی پھیلے اور خداوند عالم ایسا مجبور اور بے اختیار سمجھا جائے کہ عوام لوگ اس کے رسول افضل المرسلین خاتم النبیین صلعم کا نائب مقرر کریں۔ اور اس خلاق عالم سے بالکل قطع نظر کرکے اس جبار قہار کو مطلق چون و چرا یا دخل در معقولات کی اجازت نہ دیں!!! لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

کیا اس طرح پر نائب رسول مقرر کر لینے میں حق تعالیٰ جلشانہ کے اختیارات خاص یعنی (PREROGATIVE) پر پورا حملہ نہیں ہے اور کیا اس طریقہ سے نائب رسول مقرر کرنے میں اس حاکم حقیقی کی پوری توہین و تحقیر نہیں ہوتی؟ میں تو سمجھتا ہوں۔ کہ نبی یا ولی آدمی کے بنائے نہیں بنتا۔ جس کو خدا بنائے۔ وہی نبی یا ولی بنتا ہے۔ عوام الناس جو ان کی حقیقت اور فضیلت کا مطلق موازنہ نہیں کر سکتے ہیں۔ کیا بنا سکتے ہیں؟ تمہارے مذہب میں بھی ہم نے آج تک نہ سنا۔ کہ کسی شخص کو لوگوں نے اجماع کرکے درویش کامل بنا دیا ہو۔ جو بنا وہ اپنی ریاضت سے بنا۔ پس جماعت یا قوم کسی شخص کو ایک ادنیٰ درویش نہیں بنا سکتی۔ تو نائب رسول کیا بنائے گی ذرا غور کرو۔ کہ خدا کی راہ سخت ہے۔ اس میں تکلیف۔ ایذا۔ صعوبت۔ صبر و تحمل ہے۔ عوام اس کو کب گوارا کریں گے۔ وہ تو جب چاہیں گے آرام و راحت عیش و عشرت چاہیں گے۔ اس لئے اپنا افسر بھی اسی کو مقرر کریں گے۔ جو ان کے مطلب کا ہو۔ یعنی جو پابندی شرع سے دور رہے۔ تہذیب انسانی سے کنارہ کرے۔ اور حیوانی آزادی میں وسعت دے۔

محی الدین۔ نہیں وہ ایسا کیوں کریں گے۔ وہ ضرور سبھوں میں افضل شخص کو منتخب کریں

گے۔

علی رضا۔ اس کا ثبوت تو اسی وقت کے الیکشن کے واقعات ہیں۔ یعنی تمہاری کتابوں میں موجود ہے۔ کہ اس وقت فضیلت روحانی کا مطلق لحاظ نہ تھا۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے گروہ سے ایک آدمی کو نامزد کرتا تھا۔ اور مہاجرین و انصار میں پورا اختلاف تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے فرقہ کی تائید پر تھا۔ اور قابلیت خلیفہ کا تو مطلق لحاظ نہ تھا۔ چنانچہ جملہ علمائے اہل سنت جماعت وجہ تعجیل خلافت خلیفہ اوّل یہی لکھتے ہیں کہ اگر آپ فوراً خلیفہ نہ بنائے جاتے۔ تو خوف تھا۔ کہ کوئی دُوسرا شخص خلیفہ بن جاتا۔ دیکھو فتوحات اسلام صفحہ محاربہ صدیقیہ۔ تو کیا تم چاہتے ہو کہ بلا لحاظ قابلیت ظاہری و باطنی جس کو لوگ چاہتے خلیفہ ہو جاتا۔

محی الدین۔ مَیں یہ چاہتا ہوں۔ کہ نائب رسُولؐ وہ شخص ہو۔ جو مدبر سن رسیدہ آزمودہ کار ہو۔ یعنی جس سے امور سلطنت کی رونق بڑھے۔

علی رضا۔ تو میں تم سے بصدقِ دل پوچھتا ہوں۔ کہ کیا تمہارے نزدیک مسٹر گلیڈسٹون اور پرنس بسمارک رسول اللہ کی نیابت کے لئے ایسے شخص تھے؟ اگر تم واقعی چاہتے ہو۔ تو انتظام سلطنت کا درست ہوتا۔ یا نہ ہوتا۔ لیکن روشنی ایمان کی جو رسُول اللہؐ نے پھیلائی تھی۔ وہ تو رخصت تھی۔ کہاں نماز کی اُٹھ بیٹھ؟ کہاں صوم کا فاقہ۔ کہاں صفا و مروہ کی دوڑ دھوپ وغیرہ وغیرہ میں تو سمجھتا ہوں کہ کیسا ہی مدبر ہو۔ اگر تارک الصّلوٰۃ ہے تو منصب کے لئے کسی کام کا نہیں۔ اور کیسا ہی سن رسیدہ ہو۔ اگر شریعتِ رسُول اللہ کا عالم باعمل نہیں۔ تو محض بے حقیقت ہے۔

محی الدین۔ تو مَیں پوچھتا ہُوں۔ کہ تم کیا چاہتے ہو؟

علی رضا۔ بھائی مَیں چاہتا ہوں۔ کہ رسولؐ اللہ کی نیابت کے لئے وہ شخص لائق ہے۔ جو مثل رسُول اللہؐ کے معرفت خدا رکھتا ہو۔ جس کو مثل رسُولِ خدا کے خدا سے تقرب ہو اور مثل رسُولؐ خدا کے خُدا کا پیارا ہو۔

محی الدین۔ تمہارے جوابوں سے تو میرا دل بھر آتا ہے۔ برائے خدا بتلاو۔ کہ خدا کس کو پیار کرتا ہے؟

علی رضا (آبدیدہ ہو کر) بھائی خُدا اس کو پیار کرتا ہے۔ جو خدا کو پیار کرتا ہے۔ جو تلواروں کی چھاؤں میں اس کی عبادت کرتا ہے۔ جو اس کی راہ میں اپنا گھر بار لٹا دیتا ہے جو خُود گُرسنہ رہتا ہے۔ اور یتیم و اسیر کو سیر کرتا ہے۔ اب اور کیا کہوں جو اپنے قاتل کو پہلے سیر کر لیتا ہے۔ تب خود نان جویں سے صوم افطار کرتا ہے۔ یہ کہتے کہتے علی رضا کو ایسی رقت طاری ہوئی۔ کہ آگے تاب گفتگو نہ رہی۔ اور محی الدین بھی یہ سمجھ کر کہ یہ اوصاف حضرت علی علیہ

السلام کے ہیں خوب روئے اور دونوں صاحبزادے مغموم و محزوں اپنے اپنے گھر گئے۔
دوسرے دن بعد نماز صُبح محی الدین علی رضا کے مکان پر آئے اور بعد سلام و مزاج پُرسی۔
محی الدین۔ بھائی کل جو تم نے اوصافِ نائب رسول بیان کئے تھے۔ وہ مجمل تھے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تم بہ تفصیل بیان کرو۔ کہ جیسا نائب رسُولؐ تم چاہتے ہو اُس میں کیا کیا اوصاف ضروری ہیں؟
علی رضا۔ مَیں نے تو اوصاف جامع و مانع بیان کئے۔ اگر تم تفصیل چاہتے ہو تو سُنو کہ نائب رسُولؐ کے لئے علاوہ ان صفات باطنی کے اوصاف ظاہری اِس قدر ضروری ہیں۔

(۱) رسُولؐ کا سچا دوست اور مقرب بارگاہ ہونا۔
(۲) شریعت رسُولُ اللہ کا عالم باعمل ہونا۔
(۳) معصُوم ہونا یعنی جس نے عمر بھر میں کوئی گناہ نہ کیا ہو۔
(۴) عادل ہونا۔
(۵) طمع دُنیا نہ رکھنا۔
(۶) شجاعت ظاہری و باطنی رکھنا۔
(۷) حلیم اور متحمل ہونا۔
(۸) اُمت نبی کا دونوں جہاں میں خیر خواہ ہونا۔ اور اُن کے گاڑھے وقت میں کام آنا۔
(۹) ہر وقت راضی برضائے حق تعالےٰ جلشانہٗ رہنا۔

محی الدین۔ معصُوم ہونے کی شرط بہت سخت اور بے ضرورت معلوم ہوتی ہے۔
علی رضا۔ تمہیں کیا یہ بار تو مجھ پر ہے۔ دو شخصوں میں اگر ایک ایسا ہے۔ جس میں یہ نو صفتیں پائی جاتی ہیں۔ اور دوسرے میں صرف آٹھ تو یقیناً شخص اوّل افضل ہوگا۔ مخصوص اگر افضل صفات میں افضل ہو۔ یہ تو بدیہیات میں ہے۔
محی الدین۔ اس میں تو کوئی شک نہیں۔
علی رضا۔ اب میں تم سے پوچھتا ہُوں۔ کہ حضرت علیؑ میں یہ نو صفتیں اور سابق کی تین صفتیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟
محی الدین۔ تم بھی کیا بے فائدہ تضیع اوقات کرتے ہو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل

ہیں کون سُنّی شک کرتا ہے۔ پھر اس قدر تمہیدات کی کیا ضرورت ہے؟

علی رضا۔ اس بارے میں یوں تو جس سے باتیں ہوئی ہیں۔ سب تمہاری طرح بول اُٹھے ہیں۔ مگر جب تقابل کیا گیا ہے۔ تو ایسی ایسی نکتہ چینیاں ہوئی ہیں۔ کہ آخر ہر صفت کے اعتبار سے جناب امیر علیہ السلام میں داغ لگانے کی کوشش بلیغ کی گئی ہے۔

محی الدین۔ مَیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کا قائل ہوں۔

علی رضا۔ میں تمہارے صدق دِل سے پوچھتا ہوں۔ کہ حضرات خلفاء ثلاثہ سے ان بارھوں اوصاف میں سے کسی میں حضرت امیرؑ کم تو نہ تھے؟

محی الدین۔ کیوں کر کہوں؟ سب حضرات فضائل میں برابر تھے؟

علی رضا۔ پھر پوچھتا ہوں۔ کسی امر میں کسی طرح کم تو نہ تھے؟

محی الدین۔ کس قدر دق کرتے ہو۔ کم نہ تھے کم نہ تھے۔

علی رضا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نبیؐ اور ولی کی اعلیٰ صفتوں میں سے ایک عصمت ہے۔ اب میں کہتا ہوں۔ کہ کل علمائے شیعہ کا جناب امیرؑ کے معصوم ہونے پر اتفاق ہے۔ پس تم اپنی کتابوں سے اگر ممکن ہو۔ تو حضرات خلفائے کرامؓ کا معصوم ہونا ثابت کرو۔ ایک مہینہ کی مہلت دیتا ہوں۔ لیکن ابھی سے کہے دیتا ہوں کہ اگر تم میرے قول کے خلاف ثابت نہ کرو گے۔ تو ایک بڑے امر عظیم میں حضرت علیؑ حضراتِ ثلاثہ پر فوق لے جائیں گے اور بالفرض اگر سب امور میں برابر بھی ہوں۔ تو بھی اس وجہ سے افضل ہو جائیں گے۔

محی الدین۔ بہت خُوب مَیں تعطیل میں اس کو اپنے علماء سے خوب تحقیق کروں گا۔

علی رضا۔ حضرت علیؑ کے فضائل ہمارے اور تمہارے علماء کیا بیان کریں گے۔ حضرت کے فضائل تو دوسرے مذہب والوں نے بہ شد و مد بیان کئے ہیں تاریخ عروج و زوال سلطنت روم میں گبن صاحب انگریزی مورخ نے بہ صفحہ ۹۲۸ جو لکھا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

"علی کا نسب اور تقرب اور سیرت جن اوصاف نے اس کو سب مُلک والوں سے اعلیٰ درجہ پر پہنچایا۔ عرب کے تختِ خلافت کے لئے اس کے دعوؤں کو قرینِ انصاف ٹھہرا سکتے تھے۔ ابو طالب کا بیٹا اپنے خاص استحقاق سے سردار خاندان ہاشمیہ اور موروثی شہزادہ شہر مکہ اور محافظ خانہ کعبہ کا تھا۔ نورِ رسالت تمام ہو گیا تھا۔ مگر فاطمہ کا شوہر اس کے باپ کی توریت اور دُعا کی بہت کچھ امید کر سکتا تھا۔ اہل عرب سلطنت نسائی کو قبول کر چکے تھے۔ اور دونوں نواسے رسولؐ کے اس کے کنار میں پرورش پاتے تھے۔ اور اس کے منبر پر بطور ثمرۂ زندگانی جلوہ افروز ہوتے تھے۔ اور سردار جوانان بہشت تھے۔ علی جو سابق الایمان

تھا۔ پورا حوصلہ کر سکتا تھا۔ کہ سب کا سردار اور پیشوا اس عالم اور عالم جاودانی میں ہو اور اگرچہ بعضے سنجیدہ اور استوار طبع تھے۔ لیکن ایمان اور زہد میں کوئی خلیفہ اس سے بڑھ نہ سکا۔ علی میں اوصاف شاعری۔ بہادری۔ دینداری کے مجتمع تھے۔ اس کے مذہبی اور اخلاقی اقوال میں اس کی فراست اب تک زندہ ہے۔

جو شخص اس کی زبان یا اس کی تلوار کے مقابل میں آیا۔ وہ اس کی شجاعت اور فصاحت سے مغلوب ہوا۔

ابتدائے زمانہ بعثت سے تا تجہیز و تکفین یہ سچا دوست جس کو رسولؐ خوش ہو کر اپنا بھائی اور اپنا نائب اور اپنا معتقد ہارون موسیٰ ثانی کہتا تھا۔ رسولؐ سے کبھی جدا نہ ہوا ابو طالبؑ کے بیٹے پر آخر میں لوگوں نے یہ الزام لگایا۔ کہ اس نے اپنے طلب حق میں غفلت کی۔ اگر ابتدا ہی میں طلب حق کرتا۔ تو مقابل کے سب دعویدار ٹھنڈے ہو جاتے اور فیصلۂ قدرت سے اس کی خلافت مستحکم ہو جاتی۔ لیکن یہ بے خوف جوان مرد اپنے نفس پر قانع رہا۔

حاسدوں کے حسد اور غالباً خوف اختلاف نے محمدؐ کے ارادوں کو روکا۔ اور اس کا بستر مرض عائشہ چالاک سے جو ابو بکرؓ کی بیٹی اور علیؑ کی دشمن تھی۔ محاصرے میں تھا۔"

علیٰ ہذا القیاس مسٹر سیڈلا صاحب مورخ کا قول ہے کہ اگر ابتداء ہی میں امر خلافت اصول وراثت کے موافق علیؑ کے حق میں مان لیا جاتا۔ تو وہ خوفناک غلط دعویٰ جن کی وجہ سے اسلام اپنے خون میں آپ نہایا ہرگز اٹھنے نہ پاتے۔ فاطمہؓ کے شوہر کی ذات میں حق خلافت بذریعہ وراثت شرعی رسول صلعم کے اور بھی بذریعہ انتخاب کے مجتمع تھا۔ اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس کی عظمت و جلالت کے آگے جو نہایت پاک اور اعلیٰ تھی۔ سب کے سب مطیع ہو جاتے تھے۔ لیکن افسوس کہ یہ ہونا نہ تھا۔" دیکھو مسٹر امیر علیؒ کی اسپرٹ آف اسلام صفحہ ۴۳٦۔

محی الدین۔ مگر ساتھ اس کے یہ بھی تو ہے کہ صحابہ کرام مخصوص حضرت عمرؓ کو حضرت علیؑ پر یہ فضیلت تھی۔ کہ آپ بڑے مدبر تھے۔ آپ کے عہد میں اسلام نے بڑی رونق پائی اور اسلام دور دور ملکوں تک پھیلا۔ یہ بات حضرت علیؑ کے وقت میں نہ ہوئی۔

علی رضا۔ باعتبار واقعات کے تو میں اس کا جواب آگے چل کر دوں گا۔ لیکن باعتبار اصول کے میں کہتا ہوں۔ کہ وسعت ملک اور مدبری دلیل فضیلت روحانی نہیں ہے غور کرو کہ اس وقت سلطنت روس میں دین عیسائی کس قدر پھیلا ہوا ہے۔ کہ بالٹک سے کمسکٹکا تک اور بحر ابیض سے کوہ ہمالیہ تک ایشیا اور یورپ میں دین عیسائی پھیلا ہوا ہے۔ لیکن خود حضرت

عیسیٰؑ کے وقت میں دین حضرت کا بہت ہی محدود تھا۔ تو کیا تم کہو گے کہ معاذ اللہ زار رُوس کو فضیلت روحانی یا تقرب ربانی میں حضرت عیسیٰؑ پر فوقیت ہے؟ علاوہ اس کے جس قدر ملک اسلام خلیفہ دوم کے وقت تک پھیلا۔ ویسا خود حضرت رسول مقبول صلعم کے وقت میں نہ تھا۔ تو کیا اس سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت رسول مقبول صلعم سے حضرت عمرؓ افضل تھے۔

یاد رکھو کہ مذہبی امور میں یعنی روحانی سلطنت میں دنیاوی ترقی یا دنیاوی رفاہ عام کا کوئی اعتبار نہیں۔ دنیاوی حیثیت سے تو فرعون کی سلطنت بھی بڑی وسیع اور جابرانہ تھی اور رفاہِ عام کا کام تو شداد نے ایسا کیا تھا۔ کہ دنیا میں باغ ارم بنایا تھا۔ لیکن روحانی سلطنت میں یہ سب ہیچ ہے۔

آیا قصہ ابو شحمہ کا صحیح ہے؟ اور آیا حضرت عمرؓ واقعی عادل تھے؟

محی الدین ۔ لیکن بھائی عدالت حضرت فاروقؓ کی ایسی تھی۔ اور پاس شریعت آپ کو اس قدر تھا۔ کہ ہر غریب کی فریاد سنتے۔ اور حدِ شرع جاری فرماتے تھے اور یگانہ بیگانہ کا مطلق لحاظ نہ فرماتے تھے۔ اس بارے میں قصہ حضرت ابو شحمہ کا قابل یاد ہے۔ حضرت ابو شحمہ حضرت فاروق کے بیٹے تھے۔ ایک روز حضرت فاروق مسجد میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک عورت ایک بچہ نو پیدا گود میں لے کر آئی۔ اور کہا کہ اس پوتے کی حضور پرورش فرمائیں حضرت کو تعجب ہوا۔ اور پوچھا۔ یہ میرے کس بیٹے کا بیٹا ہے؟ اس نے کہا کہ ابو شحمہ کا۔ حضرت نے کہا حلال یا حرام کا۔ اس نے کہا میری جانب سے حلال کا۔ اور اس کی جانب سے حرام کا۔ آپ نے پوچھا یہ کیونکر؟ اس نے کہا ایک دن قبل حرمت شراب کے میں چلی جاتی تھی۔ جب قریب باغ بنی تجار کے پہنچی۔ تب آپ کا بیٹا شراب پیے ہوئے بدمست میری جانب آیا۔ اور دست اندازی شروع کی۔ بعدہٗ باغ بنی تجار میں لے جا کر مجھ سے زنا کیا، اور اس سے یہ لڑکا پیدا ہوا۔ حضرت فاروقؓ یہ سن کر گھر میں آئے اور پوچھا ابو شحمہ کہاں ہے۔ آپ کی بی بی نے کہا۔ کھانا کھاتا ہے۔ آپ دسترخوان پر جا کر بعد استفسار حال ان کو کھینچتے ہوئے باہر لائے اور اپنے غلام افلح کو کہا۔ کہ تازیانے مار اور مطلق میری پاسداری نہ کر۔ افلح نے ابو شحمہ کے کپڑے اتروا کر مارنا شروع کیا۔ ابو شحمہ بہت زاری کرتے تھے۔ لیکن حضرت

فاروقؓ نے کچھ خیال نہ کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو شحمہ جاں بحق تسلیم کر گئے اور حضرت فاروقؓ دیکھتے رہے۔

اس قصہ سے تو مطلق شک نہیں رہتا۔ کہ حضرت فاروقؓ نے بپاس شریعت بڑا کام کیا۔ اور درجات عالی کے مستحق ہوئے۔

علی رضا۔ بھئی میری کتابوں میں تو اس قصہ کا وجود کہیں نہیں۔ لیکن ذرا تم غور تو کرو کہ شراب تو چھ سات برس قبل از وفات جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرام ہو چکی تھی۔ اور حضرت کے بعد دو برس تک حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ رہا۔ تب حضرت کے زمانہ میں قبل حرمت شراب کا نوزائیدہ بچہ پیدا کیونکر ہوگا۔ اور گود میں کیوں پھرے گا؟ ہاں اس وقت البتہ صحیح ہو سکتا ہے کہ اس روز کے برس ڈیڑھ برس قبل تک شراب حرام نہ سمجھی جاتی ہو۔ علاوہ اس کے اگر قصہ اسی قدر ہے جس قدر تم کہتے ہو۔ اور اس سے زیادہ اور کوئی کارروائی حضرت عمرؓ نے نہ کی تو اس وجہ سے حضرت عمرؓ کو بڑا عادل کہتے ہو۔ لیکن ہم بلکہ دنیا کے قانون دان اور علماء شرع کہیں گے۔ کہ حضرت عمرؓ نے بجائے عدل کے اس کارروائی میں قتل عمد کیا۔ اور بے چارے ابو شحمہ کا خون ناحق آپ کی گردن پر رہا۔ کوئی قانون اور کوئی شریعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی اور نہ دے سکتی ہے۔ کہ بلا ثبوت شرعی یا قانونی کے کوئی شخص کسی کو سزا دے اور قانون شریعت اسلام اس بارے میں زیادہ سخت ہے۔ شریعت اسلام میں ثبوت زنا کا بہت سخت اور مشکل رکھا گیا ہے اور جب تک زنا ویسے ثبوت سے ثابت نہ ہو۔ تب تک حد شرع جاری نہیں ہو سکتی۔ ایسی حالت میں مجرد ایک زانیہ کے بیان پر بلا کسی شہادت کے حضرت عمرؓ کا اپنے بیٹے کو مار ڈالنا مثل اس کے ہے۔ کہ حضرت کو بیٹھے بیٹھے ایک جھونک اٹھا اور اپنے سوتے ہوئے بیٹے کی گردن پر چھری پھیر دی۔ کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو گیا اس کو عدالت سے کیا واسطہ!!

لیکن یہ قصہ کچھ ایسا فیبل (کہانی) معلوم ہوتا ہے کہ جس پہلو کو دیکھتا ہوں عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے اور اس پر مجھے اپنی رائے ظاہر کرنے میں ہنسی کو ضبط کرنے میں بڑی دقت ہو رہی ہے۔ لیکن چونکہ میں نے وعدہ کیا ہے۔ اس لئے ہنسی کو ضبط کر کے کہتا ہوں۔ کہ اگر واقعی وہ لڑکا گود میں تھا۔ تو جیسے اس عورت نے کہا تھا۔ کہ قبل حرمت شراب کے آپ کے بیٹے نے زنا کیا تھا۔ اور اس سے یہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ تو آپ فوراً فرماتے۔ کہ کیوں ری بد ذات یہ کیا بکتی ہے۔ شراب کو حرام ہوئے تو آج پندرہ برس سے زیادہ کا عرصہ ہوا۔ اس وقت کا پیدا ہوا بچہ تیری گود میں کیونکر رہے گا؟ کوئی ہے اس کو نکالو۔ اور بعدہٗ حضار سے ہنس

کر فرماتے۔ کہ دیکھئے یہ دیوانی شیر خوار بچہ کو کہتی ہے کہ پندرہ برس قبل پیدا ہوا تھا۔ اور اگر یہ کہئے کہ واقعی وہ لونڈا اس وقت اس کی گود میں نہ تھا۔ اور واقعی ابو شحمہ نے قبل حرمت شراب کے یہ حرکت کی تھی۔ تو اور طرفہ مزا ہوتا ہے۔ یعنے متواترات سے ثابت ہے۔ کہ قبل حرمت شراب کے حضرت عمر خود شراب پیتے تھے۔ تب ابو شحمہ نے یہ حرکت تو اس وقت کی۔ جس وقت باپ بیٹا دونوں شراب ڈھالتے تھے۔ اور اس پر حد کب جاری ہوئی کہ جب باپ صاحب خلیفہ ہوئے۔ یعنی پندرہ برس کے بعد!! بھائی یہ معاملہ تو مثل اس کے ہے میں برائے مثال کہتا ہوں۔ معاف کیجیے گا کہ جس وقت حضرت ابو بکرؓ وعظ فرما رہے تھے۔ اس وقت ایک شخص نے آپ سے کہا۔ کہ حضرت عمرؓ قبل اسلام کے جناب رسول مقبول صلعم قتل کے لئے تلوار کھینچ کر آئے تھے۔ بس اتنا سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ منبر سے اتر کر ایک جلاد کو لیے ہوئے حضرت عمرؓ کے مکان میں آتے۔ اور جلاد سے کہتے کہ ان کو قتل کر۔ اس پر حضرت عمرؓ بہت زاری کرتے۔ مگر حضرت ابو بکر ایک نہ سنتے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ قتل ہو جاتے۔ اور تب کہا جاتا۔ کہ حضرت ابو بکرؓ نے بپاس شریعت بڑی عدالت کی!!

بھائی خدا کے لئے غور کرو کہ کیا ممکن نہیں کہ جس طرح حضرت عمرؓ بعد کفر کے اسلام لائے۔ اسی طرح بے چارے ابو شحمہ نے بعد زنا کے توبہ کی ہو۔ پھر غور کرو۔ کہ اس حالت میں حضرت عمرؓ نے اس عورت سے اتنا کیوں نہ کہا۔ کہ سن تو او بذات جب تیرے ساتھ پندرہ برس قبل زنا ہوا تھا۔ تو تو نے حضرت رسول اللہ کے پاس استغاثہ نہ کیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ خلیفہ اول کے عہد میں تو کہاں تھی۔ کہ آج پندرہ برس کے بعد اس قدر اول فول بکتی ہے؟

خلاف اس کے حضرت نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا۔ فوراً منبر سے اترے اور مکان میں گئے۔ اور مجرد اس زانیہ کے بیان پر اپنے بیٹے کو بلا کسی شہادت کے قتل کر ڈالا!! ہر چند ہم جانتے ہیں۔ جیسا ہم آیندہ بخوبی ثابت کریں گے کہ حضرت عمر کو مسائل شرعی سے بہت کم واقفیت تھی۔ تاہم یہ بات ایسی موٹی ہے۔ کہ اس کے لئے کامن سنس (معمولی عقل) کافی ہے۔

قصور معاف کرو میں محض مثالاً کہتا ہوں۔ کہ اگر کوئی رنڈی تمہارے والد سے کہے کہ محی الدین نے اس سے زنا کیا ہے اور اس پر تمہارے والد بلا سمجھے سوچے اور تحقیقات و تفتیش کے تم کو سو بید مار دیں۔ تو تم کہو کہ تمہاری ساری برادری والے تمہارے والد کو کیا کہیں گے؟

علاوہ اس کے اگر قبل حرمت شراب کے ابوشحمہ کا سن پندرہ برس کا بھی یعنی فوراً بالغ ہونے کا بھی سمجھ لو۔ تو اس وقت ان کا سن کوئی تیس برس کا ہوگا۔ اور خود اُن کے بال بچے ہوں گے۔ ایسے مرد عیال دار کو ایسے سمری ٹرائل (تجویز سرسری) پر قتل کرنا واقعی سوائے حضرت عمرؓ کے اور کسی سے ممکن نہیں۔

الغرض ان سب وجوہات سے مجھے یہ شک ہوتا ہے۔ کہ بیچارے ابوشحمہ کی جان کسی اور وجہ سے گئی اور غالباً انہوں نے کوئی دُوسرا قصور کیا تھا۔ جس کا ظاہر ہونا خلاف مصلحت تھا۔ اس لئے وہ یوں ڈسپوز آف کر دیئے گئے (ٹھکانے لگا دیئے گئے) ورنہ یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ کہ حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت ہوکر مجرّد ایک زانیہ کے بیان کو کالوحی من السماء سمجھ کر بلا تحقیقات کرنے اور بے شہادت لینے کے اپنے بیٹے کو مار ڈالتے۔ یہ کون عدالت میں عدالت ہے؟ اور یہ کون شریعت میں شریعت ہے؟ کہ نہ خُدا خُوش نہ رسُولؐ خُوش؟ پس اگر واقعہ اسی قدر ہے۔ تو خُدا کے لئے شریعت اسلام کو بدنام نہ کرو۔ اور نہ یہ کہو۔ کہ حضرت عمرؓ نے بپاس شریعت ایسی عدالت کی۔ کیونکہ اگر غیر مذہب والے سن پائیں گے۔ کہ شریعت اسلام میں مجرّد ایک زانیہ کے متزلزل اور خلاف عقل بیان پر بھی لوگ قتل کئے جاتے ہیں۔ تو وہ لوگ میری شریعت کی بڑی توہین و تفضیح کریں گے۔ تم اگر کہو۔ تو یہ کہو کہ حضرت عمر نے کسی وجہ سے اپنے بیٹے کو بلا ثبوت جرم قتل کرڈالا۔ اور اس لئے آپ بڑے عادل تھے۔

الغرض یہ قِصّہ تو بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ زمانہ حال کے محققین تمہارے مذہب والے بھی اِس قصّہ کو محض مشکوک کہتے ہیں۔ مصنّف کتاب "سیرۃ الفاروق" اپنی کتاب کے صـ۱۵۲ طبع ثانی میں فرماتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اپنے بیٹے ابوشحمہ کو جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ شراب پینے اور زنا کرنے پر مارنے کا واقعہ اس قدر اختلاف کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ابن عباسؓ سے جو روایت منسوب کی جاتی ہے۔ اگر صحیح ہو۔ تو حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع پہنچنا۔ اور اپنے بیٹے سے عجب طریقہ سے اقرار کروانا۔ اور پھر دُرّے لگوانا۔ اور غلام کا یہ سُن کر رونا۔ مگر حضرت کا دُرّے لگانے کے واسطے اُسے مجبور کرنا۔ لڑکے کا چیخنا اور بے تابی سے گر جانا۔ لوگوں کا اور خود حضرت عمر کا رونا لڑکے کا پانی مانگنا اور حضرت عمرؓ کا نہ دینا۔ اور آخر آخری دُرّے پر اُس کے دم کا نکل جانا ایک دردناک افسانہ کا مضمون ہے۔ مگر مختلف

روایات کی اصلیت اس قدر معلوم ہوتی ہے۔ کہ اُن کے ایک بیٹے عبدالرحمٰن المعروف بہ ابو شحمہ نے مصر میں عمرو ابن عاص کی حکومت میں اس قسم کا کوئی قصور کیا تھا۔ وہاں اس کو حد لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو۔ حضرت عمر نے اس کو مارا۔ اور اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد وہ فوت ہو گیا"۔

اب فرمائیے۔ کہ آپ کے حضرت فاروق رضؓ کی عدالت جس پر آپ کو ناز تھا۔ کیا ہو گئی۔ اور کدھر تشریف لے گئی۔

مصنف کتاب سیرت الفاروق ایسے بزرگ ہیں کہ حضرت عمر رضؓ کی فضیلت بیان کرنے میں کسی داستان اور کہانی کو بھی اٹھا نہیں رکھتے۔ مگر یہ قصہ ایسا مہمل ہے کہ وہ بھی اس کو بے سروپا سمجھتے ہیں۔

علیٰ ہٰذا القیاس مولانا شبلی نعمانی اپنی کتاب "الفاروق" میں حضرت عمر کے رتی رتی کا حال لکھتے ہیں۔ لیکن اس قصہ کو ایسا مہمل سمجھتے ہیں۔ کہ مطلق ذکر نہیں کرتے اسی کتاب کے حصہ دوم صفحہ ۲۰۴ میں صرف اس قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

"اولاد ذکور کے یہ نام ہیں۔ عبداللہ۔ عبیداللہ۔ عاصم۔ ابو شحمہ۔ عبدالرحمٰن۔ زید مجیر۔ ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں"۔

اس کے بعد ان تینوں کے حالات لکھتے ہیں۔ اور ابو شحمہ کو تاریکی میں چھوڑ دیا ہے۔ اگر اس قصہ کی کچھ اصلیت ہوتی۔ تو ممکن نہ تھا۔ کہ اتنا بڑا مصنف اس سے یوں درگذر کرتا۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ یہ قصہ یا تو خالق باری پڑھانے والے میاں جیون نے لڑکوں کے ڈرانے کے لئے گڑھا ہے۔ یا ابو شحمہ کی جان کسی اور وجہ سے گئی جس کا ظاہر کرنا مصنفین مناسب نہیں سمجھتے۔ بایں ہمہ چونکہ تمہارے ایسے دعویٰ کی بات کٹ جانے سے تمہارا دل چھوٹا ہو جائے گا۔ اس لئے صرف تمہاری خاطر سے کہتا ہوں۔ کہ اگر یہ قصہ صحیح ہے اور اعتراضات شرعی سے پاک ہے (جس کا مطلق یقین نہیں) تو انصاف یہ ہے کہ یہ فعل اگر کسی رحم دل اور نرم قلب آدمی سے وقوع میں آتا۔ تو بیشک وہ پورا نمبر پانے کا مستحق ہوتا۔ لیکن مجھے کمال افسوس ہے کہ میں حضرت عمر کو ابتداء ہی سے بڑا سنگدل اور سخت قلب جانتا ہوں۔ اور اس لئے آپ کو سو میں پچیس نمبر دینے میں بھی تامل ہوتا ہے۔

اس وقت تو کہتے ہو کہ آپ نے بپاس شریعت اپنے بیٹے کی ایسی سخت سزا دی لیکن اس وقت کہاں پاس شریعت تھا۔ کہ آپ نے اپنی بیچاری بہن کو جس وقت وہ

غریب تلاوت قرآن کرتی تھی۔ مع اس کے شوہر کے تلوار سے زخمی کیا اور بیچاری لبینہ نامی ایک مسلمان عورت کو بجرم اسلام لانے کے اُدھ موا کر دیا تھا (دیکھو سیرۃ الفاروق صفحہ ۱۹)

اس وقت تک بقول فریقین آپ مسلمان تک ہوئے تھے۔ بس ان افعال سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ خلقی بڑے سنگدل اور سخت قلب تھے۔ اور اس بارے میں آپ کی توجہ یگانوں اور بیگانوں پر یکساں تھی۔ المختصر حضرت عمر بھی عجیب کیریکٹر کے گذرے ہیں۔ کہ لوگ جھوٹی بھی ان کی تعریف کرتے ہیں۔ تو ان کی شقاوت اور سنگدلی کی پس جب سنگدلی اور بے رحمی آپ کی سرشت ہی تھی۔ تو اس فعل سے آپ کو بڑا درجہ نہیں مل سکتا ہے۔ اگلے زمانہ میں میاں جی لوگ لڑکوں کی وہ سزا کرتے تھے۔ کہ توبہ بھلی۔ مگر اس وجہ سے وہ لوگ بڑے عادل یا مجاہد شمار نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ کسی نازک دماغ شہزادی کو اگر کہا جائے۔ کہ غلاظت کا ٹوکرا سر پر رکھ کر ایک مکان سے دوسرے مکان میں لے جاؤ۔ تو اس کے لئے موت ہے۔ دنیا بھر کی دولت اگر اس کام کے بدلے اس کو دی جائے۔ تو یقیناً قبول نہ کرے گی۔ لیکن بھنگن کے لئے جو دن رات یہی پیشہ کرتی ہے۔ آٹھ آنہ ماہانہ کافی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جلاد یا بھٹیارے یا ذباح یا ڈاکو یا ٹھگ جن کا شب و روز جان مارنے کا پیشہ ہے۔ اگر اپنے کسی قرابت مند قریب کو بھی قتل کریں۔ تو ان کو کوئی عاقل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ بوجہ مُسادات ہو جانے کے ان کے دل پر ویسی چوٹ نہیں پڑتی جیسی رحم دل لوگوں پر پڑتی ہے حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ بہت کچھ سُنا۔ کہ آپ نے اپنے بیٹے کو مارا۔ اپنی بہن اور اپنے بہنوئی کو مارا۔ ضعیفوں کو مارا۔ قیدیوں کے قتل کرنے کے لئے مستعد ہوئے۔ بے چاری حاملہ عورت کے مارنے کا فتوےٰ دیا۔ مگر اس کی حسرت ہی رہ گئی۔ آپ نے اپنے جسم مبارک پر خدا کی راہ میں کبھی پھول کی چھڑی بھی نہ کھائی۔ سُنا تو یہ سُنا۔ کہ غزوہ خندق میں " عمر ابن عبد ود کہ عرب کے بہادروں میں ہزار پہلوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ للکارا۔ کہ کون میرے مقابل آسکتا ہے رسُولِ خُدا نے فرمایا۔ کہ کون اس کی سرکوبی کرے گا تمام اصحاب مع حضرت عمرؓ خاموش رہے " دیکھو فتوحات اسلام غزوات نبویہ صفحہ ۳ " خلاف اس کے جناب امیرؑ کے بارے میں اسی کتاب کی عبارت اسی صفحہ میں یہ ہے کہ حضرت نے بہت اصرار کر کے جناب رسُولِ مقبُول صلعم سے اجازت لی۔ اور تنہا اُس دیو نژاد سے مقابلہ کیا۔ اور جب اس

نے ایک سر کا وار کیا۔ تو اسے سپر پر روکا۔ مگر سپر حضرت کی کٹ گئی۔ اور جبین مبارک پر زخم لگا۔ مگر ساتھ ہی نعرہ اللہ اکبر کہہ کر ایک ضربت جو لگائی۔ تو سر اس مردود کا دس قدم کے فاصلے پر جا گرا۔ المختصر میں یہ کہتا ہوں کہ درجات عالی کے مستحق البتہ وہ لوگ ہیں۔ جو عموماً رحم دل اور دردمند ہیں۔ رضائے پروردگار کے لئے سخت ایذا سہہ کر راضی برضا رہتے ہیں بہ نظر مثال دو روایتیں سن لو۔

مشہور ہے کہ جب حضرت امیرؑ نے جنگ نہرواں میں فتح پائی۔ تو قیدیوں میں شمر لعین بھی گرفتار ہو کر آیا۔ اور حسب معمول ہاتھ پاؤں باندھ کر مقید بہ زندان کیا گیا۔ ایک روز اتفاقاً محبس کی طرف سے جناب امام حسینؑ کا گذر ہوا۔ حضرت نے اس مردود کو اس سختی میں دیکھا۔ تو بے چین ہو گئے۔ اور جلد اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں تشریف لے جا کر بکمال لجاجت فرمایا۔ کہ بابا میں حضور سے ایک احتیاج رکھتا ہوں۔ اگر قبول ہو تو عرض کروں۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا کہو۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ کہ بابا میں نے ابھی شمر کو رسی میں بندھا ہوا دیکھا ہے اس سے میرا دل بے چین ہو گیا ہے۔ اور مجھ سے اس کی ایذائیں دیکھی نہیں جاتیں۔ میں بہ منت عرض کرتا ہوں۔ کہ حضور اجازت دیں تو میں اس کو رہا کر دوں۔ جناب امیرؑ یہ سن کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا بیٹا تم کس کی سعی کرتے ہو۔ یہ شقی تم پر انتہا کی سختی کرے گا۔ امام حسینؑ نے فرمایا جو کچھ ہو۔ جب وہ وقت آئے گا تو میں سمجھ لوں گا۔ اس وقت تو میرے ہاتھ سے ایک بندۂ خدا کو تکلیف سے نجات ملے۔ الغرض حضرت علیؑ نے اجازت دی۔ اور فرمایا۔ کہ خیر تم کو اختیار ہے یہ حکم سنتے ہی حضرت امام حسینؑ خود محبس میں تشریف لے گئے۔ اور اپنے ہاتھ سے شمرؔ لعین کے بازو اور گردن کی رسیاں کھول دیں۔ اور اپنے سامنے آب و غذا سے سیر کر کے اسے رہا کر دیا۔ اب انتہائے رحم دلی سنئے۔ کہ جب بروز عاشورا وہی شمر لعین حضرت کے سینۂ اقدس پر بہ قصد قتل چڑھا۔ تو حضرتؑ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اس لعین نے پوچھا کہ اے حسینؑ کیوں روتے ہو۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں تیرے لئے روتا ہوں۔ کہ تو بوجہ ارتکاب اس فعل عظیم کے ہمیشہ کے لئے مستحق نار ہوا جاتا ہے۔ رحم دلی تو ایسی تھی کہ بوقت قتل اپنے قاتل پر ترس کھایا۔ اب صبر و رضا کو دیکھئے۔ کہ جب نوجوان بیٹے شبیہہ پیغمبر حضرت علی اکبرؑ کے سینہ مبارک پر برچھی لگی تو برچھی کے پھل کو خود حضرت نے سینۂ علی اکبرؑ سے نکالا۔ اور جب اپنے لخت جگر کے زخم دل سے خون بہتے دیکھا۔ تو صبر و شکر کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن فرمایا۔ اور جب علی اصغرؑ پسر شیر خوار کے گلوئے نازنین

پر تیرِ ستم لگا۔ اور وہ بچہ حضرت کی گود میں تڑپ کر شہید ہُوا۔ تو حضرت نے اپنے ہاتھ سے اُس کی قبر کھود کر دفن کیا۔ اور بعد ان سب قربانیوں کے بھی جب درگاہِ کبریائی میں کچھ کہا۔ تو بزبان حال یہ کہا ؎

کوئی تحفہ تیرے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

پس بھائی یہ حضرات البتہ ایسے ہیں۔ کہ جن کے مدارج ہمارے اور تمہارے قیاس سے باہر ہیں۔

محی الدین۔ یہ فضائل تو صبر و رضا کے ہیں۔ کوئی واقعہ ایسا بیان کرو۔ کہ ان حضرات کے اپنے بیٹوں کی بوجہ بدکاریوں کے ویسی سزا کی ہو۔ جیسے حضرت عمرؓ نے کی۔

علی رضا۔ اس میں تو میں بالکل مجبور ہوں۔ کیونکہ میرے آقا کے شہزادے کوئی بدکار ہوئے ہی نہیں نہ کسی نے شراب پی۔ نہ کسی نے زنا کیا۔ بلکہ جو ہوئے وہ طیب و طاہر پاک و صاف ہوئے۔ اور دُنیا کی مکروہات سے ہمیشہ بری رہے۔ تم ہی تبلاؤ کہ حضرات پنجتن پاک کی کون اولاد بدکار ہوئی؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ آئمہ طاہرین کے علاوہ بھی سب مقدس و ابرار تھے۔ غالباً تم کو بھی انکار نہ ہوگا۔ کہ حضرت عباسؑ و حضرت علی اکبرؑ و حضرت قاسمؑ و حضرت عونؑ و محمدؑ علیہم السلام ایسے بزرگوار تھے۔ کہ بعد انبیاء و آئمہ ہدیٰ کے آپ ہی لوگ خاصان خدا میں سے ہیں ؎

گویا وُہ دنیا میں نہیں عرش مقام ان کا ہے
آج تک عالم ایجاد میں نام اُن کا ہے

کیا یہ بات سچ ہے کہ حضرت عمرؓ کا ازدواج (نعوذ باللہ) حضرت ام کلثومؑ بنت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے ہوا تھا؟ کیا اس بات کے کہنے سے حضرت عمرؓ کی انتہا درجہ کی سبکی اور بے عزتی پائی نہیں جاتی!

محی الدین۔ شہدائے کربلا کے مدارج میں مجھے کلام نہیں۔ لیکن حضرت فاروقؓ کو بڑا فخر یہ ہے کہ علاوہ اس کے کہ آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ جناب سرور کائنات کے

حرم میں داخل تھیں۔ حضرت فاروق کی شادی حضرت اُمّ کلثوم بنت جناب فاطمہ زہرا
سے ہوئی تھی اس لیے حضرت فاروق کو خاندان نبوت سے دوہرا توسل حاصل تھا۔
علی رضا۔ نعوذ باللہ من ذالک میں ایسے اتہام کو گالی گلوچ میں شمار کرتا ہوں۔ ہرگز
جناب اُمّ کلثوم بنت حضرت فاطمہ زہراؑ حضرت عمرؓ کے نکاح میں نہ آئیں۔ اور نہ آسکتی تھیں۔
اور نہ کوئی عقل سلیم اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ ایسے ازخود رفتہ ہو گئے ہوں کہ
دن سن اور فطرت سب کا خیال برطرف کر کے ایسے بے جوڑ ازدواج کی طرف متوجہ ہوئے
ہوں۔ ہم لوگوں پر آپ لوگوں کا بڑا الزام یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کو بُرا سمجھتے ہیں۔
لیکن آپ لوگ اس بات کو فرض کر کے حضرت عمرؓ کی سیرت پر ایسا دھبہ لگاتے ہیں۔ کہ
اگر ہم اس کو زبان پر لائیں۔ تو آپ کہیں گے۔ کہ ہم اپنے وعدہ سے منحرف ہو گئے۔ اس
لئے ہم یہ التماس کرتے ہیں۔ کہ یا تو اس قصہ کو ترک کیجیے۔ یا مجھے اجازت دیجیے۔ کہ میں
بلانفسانیت ان الزاموں کو جو حضرت عمرؓ پر عائد ہوتے ہیں۔ بیان کروں۔
محی الدین۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ میرے پیشوا کی شان میں کوئی لفظ بے ادبانہ
استعمال کریں۔ اور میں اس کو جائز رکھوں۔ لیکن میں بحث کو بھی ترک نہیں کر سکتا کیونکہ
اس سے حضرت فاروقؓ کی بڑی عظمت ثابت ہوتی ہے۔
علی رضا۔ مجھے اس بحث سے ہرگز گریز نہیں۔ اس لئے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے
کہ جناب حضرت سیدہؑ کا توسل ایک بڑی نعمت ہے۔ تب خود حضرت کے شوہر بزرگوار کا
درجہ تو بہت ہی اعلیٰ ہو جاتا ہے لیکن انہی حضرت عمرؓ نے ان دونوں بزرگواروں کے ساتھ
ایسا سلوک کیا۔ کہ ایک کو خانہ نشین کر دیا۔ اور دوسرے کے کفن دفن تک میں شریک نہ
ہوئے۔ جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے۔ اس مقام پر مجھے مشکل یہ ہے کہ جب ہم کسی
شخص کو کسی جرم کا مجرم قرار دیں۔ تو بغیر استعمال اس لفظ کے کیونکر الزام دے سکتے ہیں
اسی گفتگو میں آپ دیکھئے۔ کہ آپ کہتے ہیں۔ کہ اس واقعہ سے حضرت عمر کی بڑی عظمت ثابت
ہوتی ہے۔ اور میں کہتا ہوں۔ کہ اگر یہ واقعہ فرض کیا جائے۔ تو بجائے عظمت کے حضرت
عمر کی بڑی . . . . بھئی میں مجبور ہوں۔ اب تم بتلاؤ۔ میں کیا کروں . . . . . اگر اس
لفظ کا استعمال کروں۔ تو تم مجھ پر الزام دو گے۔ کہ میں اپنے وعدۂ تہذیب سے گزر گیا۔
اور اگر اس لفظ کا استعمال نہ کروں تو اپنے دعویٰ کو کیونکر ثابت کروں۔ محی الدین نے دیر
تک دل میں غور کی۔ کہ واقعی یہ سچ ہے کہ اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص پر کسی بات کا
الزام دھرنا چاہے۔ تو بغیر استعمال اس لفظ کے اپنے دعوے کو ثابت نہیں کر سکتا۔

اس لئے ہو۔

محی الدین ۔ خیر تو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔ کہ اگر بلا نفسانیت اور طعن و تشنیع تم اپنے خیالات کو ظاہر کرو گے ۔ تو میں برا نہ مانوں گا۔

علی رضا ۔ جزاک اللہ میں بقسم کہتا ہوں ۔ کہ مجھے مطلق نفسانیت نہیں ہے اور نہ میں طعن و تشنیع کو اچھا سمجھتا ہوں۔ میں صرف ان نتائج کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو اس واقعہ کے فرض کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ میں کہنا چاہتا تھا۔ کہ اگر یہ واقعہ مان لیا جائے تو بجائے عظمت کے حضرت عمرؓ کی بڑی بے عزتی اور سبکی ثابت ہوتی ہے

محی الدین ۔ یہ کیونکر ؟

علی رضا ۔ تم خود کہہ چکے ہو۔ جیسا کہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ جناب رسول مقبولؐ کے حرم میں داخل تھیں۔ اس لئے حضرت ام کلثوم حضرت حفصہ کی اپنی سوتیلی نواسی تھیں ۔ تب حضرت عمر کا اپنی سوتیلی پر نواسی کو پیرانہ سالی میں زوجہ بنانا ایسا مکروہ واقعہ ہے ۔ جو کسی شریف خاندان میں آج تک سُنا نہیں گیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اِس بے جوڑ بے قافیہ ازدواج سے کوئی مہذب آدمی ایسا نہ نکلے گا ۔ جو حضرت عمرؓ کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھے ۔ تم خود غور کرو ۔ کہ از آدم تا ایں دم کونسا ایسا بے حیا اور بے غیرت گذرا ہے ۔ جس نے تین بیٹیوں کے ہوتے ہوئے اپنی بیٹی کی نواسی سے (سوتیلی ہی سہی) یعنی پر نواسی سے جب کہ خود پیر فرتوت ہو۔ اور جب کہ وہ لڑکی صغیر سِن زمانہ رشد کو بھی نہ پہنچی ہو۔ شادی کی ہے یا ایسے بے جوڑ ازدواج کی خواہش کی ہے یہ بات بجائے خود اس قدر نفرت انگیز ہے۔ کہ اگر کسی شریف کی نسبت کہی جائے ۔ تو وہ اس کو سخت گالی سمجھ کر عجب نہیں ۔ کہ دست بہ قبضہ ہو۔ اور اس میں تو شک ہی نہیں ۔ کہ اگر کوئی شیعہ کہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی پر پوتی سے شادی کی تھی ۔ تو سارے سُنی بھائی اس کو سخت تبرا سمجھ کر عجب نہیں ۔ کہ اس بیچارے کو راہ چلنے نہ دیں۔ اگرچہ ایسی نسبت حضرت عمرؓ کو آپ کی ایسی پر پوتی سے دی جائے ۔ جو آپ کے مادر جلو پوتے کی لڑکی ہو۔ مثلاً فرض کیجئے ۔ کہ ابو شحمہ نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس کے ساتھ ایک لڑکا سابق شوہر سے ساتھ آیا تھا ۔ وہ ابو شحمہ کو ابا کہتا ہو گا ۔ فرض کیجئے کہ اس لڑکے کو ایک لڑکی پیدا ہوئی ۔ وُہ تو حضرت عمر کو بوڑھے دادا ابا بڑے دادا ابا کہتی ہو گی ۔ اگر اس لڑکی سے حضرت عمر بحالت صغر سنی اس کے ازدواج کی خواہش کریں ۔ تو اس کو حضرات شرفا سنت جماعت کیا کہیں گے ۔ ہم حضرت عمر کو اچھا نہیں سمجھتے ۔ لیکن ایکبارگی ایسا برا بھی نہیں سمجھتے ۔ کہ ان

کی نسبت یہ خیال کریں۔ کہ انہوں نے اپنی پیرانہ سالی میں اپنی نواسی پر نظر ڈالی۔ اور ایسی خلافِ فطرت خواہش ظاہر کی ہو۔ جو سوائے بہائم کے کسی مخلوقِ خدا نے نہ کی ہے۔ آپ لوگوں کو اختیار ہے۔ کہ مجرد حضرت علیؓ سے توسّل ثابت کرنے کے لئے ایسی بات بنائیے اور اپنے پیشوا پر ایسا داغ لگائیے۔ جس سے دنیا بھر کے کل شریف النفس لوگ ان سے نفرت کریں۔

محی الدین۔ مگر حضرت فاروقؓ کی یہ خواہش جب خلاف شرع نہ تھی۔ تب ہم کو کچھ تردد نہیں۔ اگر ساری دنیا کا آدمی اس کو برا سمجھے۔ دُنیا کے لوگ تو ہماری شریعت ہی کو بُرا سمجھتے ہیں۔

علی رضا۔ بھئی تمہیں واللہ۔ دُنیا بھر کے لوگوں کو جانے دو۔ تم خود کہو۔ کہ تمہارے نزدیک یہ بات خلافِ فطرت اور خلافِ طریقۂ شرفا ہر قوم و قبیلہ معلوم ہوتی ہے یا نہیں؟ اور یہ جو کہتے ہو۔ کہ جب شریعت میں جائز ہے۔ تو ہم کو لوگوں کے طعن و طنز کی کیا پروا۔ ہماری شریعت ہی کو لوگ بُرا کہتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اور یہ سمجھ کا پھیر ہے جو میں کہہ رہا ہوں ہرگز خلاف شرع نہیں ہے اور نہ ہماری شریعت نفرت انگیز ہے۔ ہماری شریعت نے تہذیب اور اخلاق اور فطرت کا بہت خیال رکھا ہے۔

ایک یہی مسئلہ ازدواج کا ہے۔ کہ حقتعالےٰ نے قرآن میں صرف محرمات کا یعنی اِن عورتوں کا بیان فرمادیا ہے۔ جن سے نکاح حرام ہے اور اس امر کو کہ غیر محرم میں کس سے شادی کرنا چاہیئے۔ اور کس سے نہ چاہیئے۔ بالکل اپنی مخلوقات کی مصلحت اور فریقین کی رضامندی پر چھوڑ دیا ہے۔ اور مصلحت وقت میں ہر شخص فطرت۔ دن سن حیثیت ذاتی و صفائی کا ضرور خیال کرتا ہے۔ اور چونکہ ازدواج سے توالد و تناسل اور آرام و راحت و صلح خاندان مراد ہے۔ اس لئے بے ضرورت اور بے جوڑ شادیوں سے جس سے زن و شوہر میں یا سوتنوں میں جنگ و جدال ہوا کرے۔ اشارۃً منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حقتعالےٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم مثنیٰ وثلٰث وربٰع فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ یعنی تمہیں اختیار ہے کہ نکاح کرو۔ دو۔ تین۔ چار (عورتوں سے) لیکن اگر تمہیں خوف ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک سے (نکاح کرو)۔

تواریخ سے ثابت ہے کہ بوقت وفات حضرت عمر کے ان کی تین بیبیاں موجود تھیں اور کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر نے دو برس قبل وفات اپنی نکاح کیا تھا۔ اس لئے بوقت نکاح بیانیہ کلثوم کے تین بیبیاں حضرت کی موجود تھیں۔ اور اس وقت آپ کا سن شریف ساٹھ

برس کے قریب تھا۔ تب یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت نے کیا سمجھ کر ایسا حوصلہ کیا ہوگا۔ کہ ساٹھویں برس کی عمر میں آپ تین بیبیوں کے علاوہ ایک لڑکی صغیر سِن کے ساتھ عدل کر سکیں گے۔ اس لئے میرا دِل قبول نہیں کرتا۔ کہ حضرت عمر نے جو خلیفۂ وقت تھے۔ اور جو غالباً اس آیت قرآنی سے واقف ہوں گے۔ اپنی صغیر سِن پر نواسی سے ساٹھ برس کی عمر میں تین بیبیوں کے ہوتے ہوئے نکاح کرلے کو عدل سمجھا ہو۔

محی الدین۔ آپ اصل حقیقت کو نہیں جانتے۔ حضرت عمر نے یہ عقد اپنے حظ نفس کے لئے نہیں کیا تھا۔ بلکہ حضرت نے یہ عقد خاندان رسالت سے توسل حاصل کرنے کے لئے کیا تھا۔ جیسا کہ شیخ شہاب الدین نے حضرت عمر کا قول لکھا ہے۔ کہ حضرت نے فرمایا مالی حاجۃُ الی النساءِ ولکن اتبعنی الوسیلۃ الی محمد علیہ السلام یعنی مجھے عورت کی حاجت نہیں ہے۔ مَیں فقط وسیلہ طرف حضرت محمد صلعم کے چاہتا ہُوں۔

علی رضا۔ یہ تو اور مہمل ہے۔ یعنی جب عدل کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔ تو ایک صغیر سِن لڑکی کی راہ روکنی اور اسے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر شوہر کی حیات کے دن گننے کے لئے یا اپنے لاشہ پر بَین کرنے کے لئے اپنے گھر میں لانا ہرگز داخل محبت نہیں۔ بلکہ داخل عداوت ہے کیونکہ اس ازدواج سے تو آئے دن خلش اور رنجش بڑھتی رہے گی۔ اور خاندان میں بجائے آرام وراحت کے ہزار طرح کی بے تکلفی اور بے عنوانی رہا کرے گی کیونکہ تجربہ سے دیکھا گیا ہے۔ کہ جب بے جوڑ شادی ہوتی ہے۔ تو زن و شوہر کے اوقات تلخ کٹتے ہیں۔ اور اگر اس گھر میں پہلے سے اور بھی بیبیاں موجود رہتی ہیں۔ تو وہاں رات دن جھگڑا پھیلا رہتا ہے۔ اور مجرّد واسطے حصُول وسیلہ کے ایک صغیر سِن لڑکی کی راہ روکنی تو ایسی ہے جیسی ایک نقل مشہور ہے۔ یعنی آفریدیوں کے ملک میں ایک پیر میاں گئے۔ اور ہزاروں آفریدیوں کو اپنا مرید کیا۔ اور وہ لوگ حضرت کے بڑے معتقد ہو گئے۔ جب ایک برس کے بعد پیر میاں نے اپنے وطن واپس آنے کا قصد کیا۔ تو آفریدیوں نے کہا کہ ایسے بزرگ کا قدم جب یہاں سے چلا جائے گا۔ تو ساری خیر و برکت جاتی رہے گی۔ یہ سوچ کر اُن لوگوں نے (رباط کیا تھی) پیر میاں کو قتل کر ڈالا۔ اور بعدہٗ ان کا مقبرہ عالیشان تیار کیا۔ جس میں ہر سال بڑی دھوم دھام سے اُن کا عرس کرنے لگے !!!

یہ قِصہ صحیح ہو یا خیالی ہو۔ یہاں پر مثال کے لئے نہایت مماثل ہے۔ اور یہ جو کہتے

ہو۔ کہ حضرت عمر نے یہ شادی صرف بہ نظر حصول توسل ساتھ جناب رسالت مآب صلعم کے کی تھی۔ یہ تو بالکل تحصیل حاصل ہے۔ تم خود کہتے ہو۔ کہ آپ کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپ کی بیٹی حفصہ جناب رسول مقبول کے حرم میں داخل تھیں۔ تب پھر کونسی ایسی ضرورت لاحق ہوئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنی پیرانہ سالی میں اس تحصیل حاصل مقصد کا قصد کیا۔ اور ایک کم سن لڑکی کے بیاہنے پر تل گئے۔ اور اتنا بھی خیال نہ کیا کہ تین بیبیاں تو گھر میں موجود ہیں۔ وہ جو تھی لڑکی جو آئے گی۔ اس کا نباہ کیونکر ہو گا۔ اور اس کے ساتھ کیونکر عدل کر سکوں گا۔ اور اگر یہ کہو۔ کہ حضرت عمر کو اس تقرب یا وسیلہ کا بطور قند مکرر استحکام مقصود تھا۔ تو یہ امر بعنوان احسن نہایت معقول طریقے سے موافق طریقہ شرفاء قوم و قبیلہ انجام پا سکتا تھا۔ یعنے اس وقت خدا کے فضل سے جناب رسول مقبولؐ کے دو فرزندان یعنی حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ جو سرواران جوانان بہشت تھے موجود تھے۔ حضرت عمر اپنی بیٹی یا پوتی ان شہزادوں میں سے کسی کو یا دونوں کو دیتے۔ جس سے دوہرا تہرا توسل آپ کو خاندان رسالت سے حاصل ہوتا۔ نسل کی ترقی ہوتی۔ سیادت آپ کے خاندان میں آتی۔ اور یہ وسیلہ قیامت تک قائم رہتا۔ ایسا نہ کر کے خود آپ کا بعالم پیری ایک صغیر سن پر نواسی سے شادی کرنا میرے نزدیک صرف خلاف عقل و عدل ہی معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ نہایت بے غیرتی اور بے شرمی کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے میرا دل کبھی قبول نہیں کرتا۔ کہ حضرت عمر نے ایسی خلاف فطرت اور بے جوڑ شادی کی خواہش کی ہو۔ جس سے دنیا بھر کے لوگ ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ خدا کے لئے کچھ نہیں۔ تو اتنا تو سوچو۔ کہ اگر نعوذ باللہ یہ واقعہ سچ ہے۔ تو کیسا معلوم ہوتا ہو گا۔ کہ ہر صبح کو حضرت حفصہ حضرت ام کلثوم کو کہتی ہوں گی۔ السلام علیک یا اُمی و بنت بنتی و اُم کلثوم۔ اور اس کے جواب میں حضرت اُم کلثوم کہتی ہوں گی وعلیک السلام یا بنتی و اُم اُمی حفصہ یعنی حضرت حفصہ اپنی زبان میں حضرت اُم کلثوم کو میری نواسی اماں اور حضرت ام کلثوم حضرت حفصہ کو میری بیٹی نانی کہتی ہوں گی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ واضح ہو کہ بی بی حفصہ حضرت علی کی خلافت تک زندہ تھیں۔ دیکھو حافظ عبد الرحمٰن صاحب کی کتاب المرتضےٰ صہ ۲۸۔

مجھے تعجب ہے کہ جناب مولانا شبلی صاحب نے اپنی کتاب "الفاروق" میں جس میں آپ نے علاوہ تصنیف و تالیف کے مضمون آفرینی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے اور جس کی تالیف میں جناب کو ویسی کاوش کرنی ہوئی ہو گی جیسی شعرا کو بزمانۂ مشاعرہ غزل طرح و غیر طرح کہنے میں ہوتی ہے اور جس میں آپ نے حضرت فاروق کو دنیا بھر کے اعلیٰ طبقہ کا مہذب

اور تعلیم یافتہ ہیرو بنایا ہے۔ یہ داغ حضرت پر کیوں رہنے دیا۔ اور ایسے مکروہ اور مہمل قصّہ کو اپنی کتاب میں درج کرکے اپنے ہیرو کو اچھے اور شریف النفس لوگوں کے نزدیک ایک بے حیا اور بے غیرت حرصی آدمی کیوں بنا دیا۔ جناب مولانا شبلی صاحب سے دور اندیش مصنف کا جو سرسیّد کے سکول کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اور جو ہر بات میں فطرت کا دم بھرتے ہیں۔ اپنے ہیرو پر یہ داغ لگانا۔ کہ انہوں نے ۶۰ برس کی عمر میں تین بیبیوں کے رہتے ہوئے اپنی بیٹی کی صغیر سن سوتیلی نواسی سے بیاہ کی خواہش کی تھی۔ محل تعجب ہے۔ غالباً جناب مصنف نے اس پہلو کو خیال نہ کیا۔ اور نافہم مولویوں کے فقرے میں آکر اس جنجال میں پڑ گئے میں دعویٰ سے کہتا ہوں۔ کہ جناب مولانا شبلی صاحب دنیا کی تواریخ دیکھ کر فرمائیں کہ حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک کوئی شخص کسی قوم یا قبیلہ شریف یا رذیل میں ایسا بے حیا۔ بے غیرت۔ ذلیل بشر گذرا ہے۔ جس نے اپنے ساٹھویں برس کی عمر میں کئی بی بیوں کے رہتے ہوئے اپنی سوتیلی پرنواسی سے بحالت صغرسنی اس کی شادی کی ہے؟ اگر تواریخ سے جناب مولانا ایک بھی ایسی مثال نکال دیں۔ تو البتہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ جو الزام حضرت عمر پر دیا گیا ہے۔ وہ بے مثال نہیں ہے۔ میں نے تو آج تک نہ سُنا کہ کوئی سسر اپنے داماد کا نواسی داماد ہوا ہو۔

محی الدین۔ یہ سب قیاسات ایک طرف ہیں۔ اور واقعہ ایک طرف ہے۔ آپ یہ تو فرمائیے کہ روایات متواترات کو آپ کیونکر باطل کر سکتے ہیں۔

علی رضا۔ یہ قصّہ تو ایسا مکروہ اور ناگفتہ بہ ہے کہ اگر نعوذ باللہ بقول عُلمائے سنّت جماعت کے صحیح مان لیا جائے۔ تو دو بڑے رُکن اسلام کی سیرت پر ایسا داغ آتا ہے۔ اور اُن کی ایسی توہین اور تذلیل ہوتی ہے کہ جو شخص سُنے گا۔ وہ ان کے کیرکٹر (سیرت) سے انتہا کی نفرت کرے گا۔ پس اگر واقعی تم اس مکروہ قصّے پر زور دینا چاہتے ہو۔ تو پہلے یہ مان لو۔ کہ حضرت عمر ایک بڑے بے حیا اور بے غیرت حرصی شخص تھے۔ اور آپنے اپنی پیرانہ سالی میں ایک ایسے کام کی خواہش کی۔ جو از آدم تا ایندم کسی شریف کیا معنی کسی رذیل تک نے نہ کی تھی۔ اور اگر تمہارے عُلماء اس بحث پر تُل جائیں۔ تو واللہ رنگ تقریر عجب نرالا اور نہایت دل چسپ ہوگا۔ اور غیر مذہب والوں کے لئے تو یہ بحث نقل محفل ہو گی یعنی حضرات سنّت جماعت جو حضرت عمر کو اعتقاداً بڑا عالی وقار عالیشان۔ عالی خیال۔ پاکیزہ خیال سمجھتے ہیں۔ اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ کہ واقعتاً حضرت موصوف بڑے بیحیا اور بے غیرت تھے۔ اور ایسے سفیہہ النفس تھے کہ جس لڑکی کو ان کی اپنی بیٹی نواسی

کہتی تھی۔ اس سے بعمر شصت سالگی شادی کی خواہش تھی۔ چھی چھی !! توبہ توبہ !!
اور شیعہ لوگ جن پر تبرائی ہونے کا الزام ہے۔ وہ اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش
کریں گے۔ کہ حضرت عمرؓ ایسے بُرے اور سفیہ النفس نہ تھے! فاعتبروا یا اولی الابصار !!
برائے خدا تم خود غور کرو۔ کہ اگر اس وقت کوئی بوڑھا جولاہے ڈھینے کی قوم کا بھی پیرانہ
سالی میں اپنی بیٹی کی نواسی سے (سوتیلی ہی سہی) شادی کی خواہش کرے۔ تو اس کی برادری والے
والے بوڑھے کی کیا گت کر ڈالیں گے؟
بس ایسے مکروہ قصے کے لئے عقلاء سنت جماعت کا رمولوی صاحبان سے مجھے بحث
نہیں) اپنی کتاب کے صفحات کو سیاہ کرنا میری سمجھ سے باہر ہے۔
غور تو کرو۔ کہ اگر نعوذ باللہ یہ قصہ سچ ہے تو حضرت حفصہ نے اپنے پدر بزرگوار کے اس ارادے
کی خبر سن کر کیا کہا ہوگا۔ ہندوستان کی بیٹیاں تو فوراً بول اٹھیں گی۔ باوا دیوانے کیا ہو گئے ہیں؟
میری نواسی سے اُن کو شادی کرتے ہوئے کچھ بھی حیا آتی ہے !!!
میں نے اہل عرب سے اس بات کو عام طریقے سے دریافت کیا ہے۔ وہ لوگ بھی ایسے
ازدواج کی خواہش کو ویسا ہی مکروہ سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ہم لوگ سمجھتے ہیں۔ تمہارا جی چاہے تو
کسی مرد عرب سے جس نے دو شادیاں کی ہوں اور جس کو پہلی زوجہ سے نواسی ہو۔ پوچھ
دیکھو۔ کہ تمہاری نواسی سے تمہارے خسر صاحب یعنی محل ثانیہ کے باپ اپنی پیرانہ سالی میں
شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تم کیا کہتے ہو؟ پھر دیکھو۔ تو کہ اس مرد عرب کا چہرہ کیسا سرخ ہو جاتا
ہے اور تم کو کیسی سناتا ہے بخیر یہ ہے کہ یہ قصہ ہی محض غلط اور لغو اور مہمل ہے۔ آپ کی
کتابوں میں اس بے جوڑ بے قافیہ شادی کا حال جس میں لڑکا ساٹھ برس کا بوڑھا اور لڑکی
چار پانچ برس کی دختر نابالغہ ہے۔ یوں بیان کیا گیا ہے۔
ان عمر ابن الخطاب خطب علیاً بنتہ ام کلثوم فذکر لہ صغرھا فقیل لہ انہ ردّک
لغاو روہ فقال لہ علیؑ ابعث بھا الیک فان رضت فھی امراتک فارسل الیہ فکشف
عن ساقھا فقالت لہ لولا انت امیر المومنین للمعت عینک یعنی حضرت عمر ابن
خطاب نے جناب امیرؑ سے اُم کلثوم کی خواستگاری کی۔ تو حضرت نے اس کی صغر سنی کا عذر
کیا۔ تب لوگوں نے کہا۔ کہ جناب امیرؑ نے تمہاری بات اٹھا دی۔ تب حضرت عمر نے پھر خواستگاری
کی۔ اس پر جناب امیرؑ نے اس لڑکی کو اُن کے پاس بھیجدیا۔ اور کہا کہ اگر یہ راضی ہو جائے۔ تو یہ
تمہاری عورت ہے۔ جب وہ لڑکی وہاں پہنچی۔ تو حضرت عمر نے اس کی ساق کھولی۔ اس لڑکی
نے کہا۔ کہ اگر تم امیر المومنین نہ ہوتے۔ تو میں تمہاری آنکھ پر طمانچے مارتی۔ دیکھو کتاب استیعاب

اور کتاب مناقب السادات میں شیخ شہاب الدین دولت آبادی نے باب ششم شرح خصاف سے لکھا ہے۔ لما خطب عمر ام کلثوم واعتذر علیؑ وقال انها صغیرة فقال مالی حاجة الی النساء ولکن اتبعنی الوسیلة الی محمد علیه السلام وهو یقول کل سبب او نسب ینقطع بالموت الا سببی ونسبی فزوجها علی اباه لمهرای بعین الف درهم فانساق ذالك الی عمر وهی ابنة ای بع الی خمس فجعلها عمر الی جنبه فرفها میزها ومسح یده علی راسها فجرد ساقها فرفعت ها وکارت ان تلطمه وقالت لولا انت امیر المومنین للصمت علی خدك فقال عمر ردوها فانها هاشمیه قریشیة۔ یعنے جب عمر نے ام کلثوم کی خواستگاری کی۔ اور حضرت علیؑ نے یہ عذر کیا۔ کہ وہ صغیرہ ہے۔ تو کہا کہ مجھے حاجت عورت کی نہیں ہے۔ لیکن میں وسیلہ طرف محمدؐ کے چاہتا ہوں۔ کیونکہ حضرت نے فرمایا ہے کہ کل نسب اور سبب بعد موت کے قطع ہو جاتے ہیں۔ الا میرا نسب اور سبب تب علیؑ نے چالیس ہزار درہم پر اس کا عقد کر دیا۔ کہ جس وقت سن اس کا چار پانچ برس تھا تب بٹھایا عمر نے اس کو اپنے پہلو میں۔ اور اس کی چادر سر سے اتاری۔ اور اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر پھیرا۔ اور ساق پا کو اس کے کھولا۔ تب اس لڑکی نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور قریب تھا کہ خلیفہ کے منہ پر طمانچے مارے اور کہا کہ اگر تو امیر المومنین نہ ہوتا۔ تو میں تیرے منہ پر طمانچے مارتی۔ تب عمر نے کہا۔ کہ اس کو واپس کر دو۔ کیونکہ یہ زن ہاشمیہ قریشیہ ہے۔

بھئی محی الدین ذرا غور کرو کہ اس وقت جناب شاہنشاہ جاپان تحقیقات مذہب فرما رہے ہیں۔ اگر موصوف الیہ سیرت واخلاق محمدیؐ و تہذیب مرتضویؑ اور اصول اسلام کو پسند فرما کر یہ کہیں۔ کہ بیشک اسلام سب سے اچھا مذہب ہے اور اس پر ان کا وزیر اعظم بودھ مذہب والا یہ بول اٹھے۔ کہ حضور یہ کیا فرماتے ہیں۔ اسلام تو ایسا میلا مذہب ہے کہ ایک بڑا رکن اسلام جو محمدؐ صاحب کا بڑا عالی شان نائب سمجھا جاتا ہے اس نے ساٹھ برس کے سن میں تین بیبیوں کے ہوتے ہوئے اپنی بیٹی کی نواسی سے شادی کی تھی۔ اور اس کے ساتھ علانیہ ایسی حرکت کی تھی۔ جو کوئی شریف نہیں کرتا۔ اور اس لئے اس لڑکی نے اس کے منہ پر طمانچے مارنے کا قصد کیا تھا۔ اور دوسرے رکن اسلام نے (معاذ اللہ) اپنی بیٹی کو بازاری سودے کی طرح بطور نمونہ کے اس کے پاس بھیج دیا تھا۔ تو شاہنشاہ جاپان کے دل کی کیا حالت ہو گی۔ اگر شاہنشاہ جاپان نے علمائے سنت جماعت سے یہ سوال کیا۔ کہ میرا وزیر جو بولتا ہے۔ سچ ہے۔ اور اگر سچ ہے۔ تو انسان کی تواریخ میں کسی ملت اور مذہب میں اس کی مثال مل سکتی ہے۔ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ ان حضرات کا کیا عالم ہو گا۔ اور اس سوال

کے جواب میں کیسا فشار ہو گا۔ خُدا سمجھے ان راویوں سے جنہوں نے ایسے ایسے واہیات اور مہمل قصّے گڑھ کر اسلام کو محض بے آبرو اور شرمناک رنگ میں دکھا کر ڈبو دیا ہے۔ اور ایسے پاک مذہب کو محض میلا اور نفرت انگیز جامہ پہنایا ہے اور ہمارے آقا گوہر درج شرافت اور قمر برج سیادت امیر المومنین امام المتقین حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو نعوذ باللہ ایسا بے غیرت اور بے شرم دکھایا ہے۔ کہ اس برگزیدہ خدا نے اپنی بیٹی صاحب تطہیر کو نعوذ باللہ بطور نمونہ کے بھیج دیا۔ اور وُہ بھی ایسے شخص کے پاس جس کی صورت سے آپ کو نفرت تھی۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جب ابو بکرؓ نے حضرت علیؑ کے پاس آنے کی خواہش کی تھی۔ تو حضرت علیؑ نے بوجہ کراہت حضوری حضرت عمرؓ کے کہلا بھیجا۔ کہ آپ تنہا آئیں۔ تو مضائقہ نہیں لیکن کوئی دوسرا آپ کے ساتھ نہ آئے۔ الغرض یہ قصّہ اس قدر مہمل ہے کہ کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اس کو مان نہیں سکتا۔ اور مسلمان کے لئے تو ایسی بات کا ماننا خلفائے راشدین کی سیرت پر داغ لگانا ہے:

باعتبار واقعات کے بھی ان روایات سے اس لڑکی کا بنت فاطمہ زہراؑ ہونا غیر ممکن ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ واقعہ ۱۷ھ سے ۲۰ھ کے اندر بیان کیا جاتا ہے اور صاحب مواقف لکھتے ہیں۔ کہ جب جناب فاطمہ زہراؑ نے باغ فدک کا دعوےٰ کیا تھا۔ تو حضرت اُم کلثوم نے گواہی دی تھی۔ اس لئے اگر بوقت انتقال جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے سن حضرت اُم کلثوم کا نو سے پانچ برس کا بھی فرض کیا جائے اور دو برس زمانہ خلافت خلیفہؓ اوّل۔ اور چھ سات برس زمانہ خلافت خلیفہؓ ثانی اس پر اضافہ کیا جائے تو اس وقت سن ان معظمہ کا چودہ برس سے اٹھارہ برس تک ہوتا ہے۔ تب یہ بات کہ ایسی لڑکی کو جناب امیر نے بطور نمونہ کے بھیجدیا تھا۔ اور اس لڑکی کے ساتھ حضرت فاروق نے بقول بعضے قبل از نکاح ویسی حرکت کی تھی۔ جو مذکور ہوئی۔ اور یہ حرکت آپ نے بحالت صحت ذات و ثبات عقل ایسی علانیہ اور بے محابا کی کہ لوگوں نے دیکھا۔ اور کتابوں میں لکھا۔ کس قدر مہمل اور خلاف عقل و قیاس معلوم ہوتی ہے اور اگر سن اس لڑکی کا وقت نکاح کے چار یا پانچ برس کا فرض کیا جائے۔ جیسا کہ حضرات سنّت جماعت کی کتابوں میں لکھا ہے۔ تو اسی وقت یہ قصّہ فیصل ہے۔ کیونکہ جناب حضرت فاطمہ زہراؑ نے ۱۱ھ میں وفات پائی ہے۔ تب جو لڑکی ۱۷ھ میں چار یا پانچ برس کی ہو گی۔ وہ ۱۲ھ یا ۱۳ھ میں یعنی دو ایک برس بعد وفات جناب سیدہؑ کے پیدا ہوئی ہو گی۔ اس لئے وہ بنت فاطمہؑ ہو نہیں سکتی۔
المختصر جب متاخرین فرقہ سُنّت جماعت نے غور فرمایا۔ کہ کوئی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ

کی دو برس قبل از وفات حضرت فاروق کے صغیر سن ہو نہیں سکتی۔ تب اِس راہ سے کترا کر ایک دوسرا قصہ گڑھا۔ یعنی یہ لکھ دیا۔ کہ ام کلثومؓ سے حضرت عمرؓ کو ایک لڑکا پیدا ہوا۔ تھا جس کا نام زید ابن عمرؓ تھا۔ مگر خیریت یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا۔ کہ زید ابن عمرؓ مع اپنی مادر اُمِّ کلثوم کے زمانہ خلافت معاویہ میں مر گیا۔ اور دونوں ماں بیٹے کی نمازِ جنازہ حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ ابن عمرؓ نے پڑھائی۔ لیکن متواترات سے یعنی کتاب روضۃ الشہدا و تحریر الشہادتین وغیرہ سے ثابت ہے۔ کہ جناب حضرت اُمِّ کلثومؑ بنت جناب فاطمہ زہراؑ معرکہ کربلا میں ساتھ اپنے برادر بزرگوار حضرت امام حسینؑ کے موجود تھیں۔ اور بعد شہادت حضرت امام حسینؑ کے اسیر ہوکر کوفہ و شام میں گئیں اور بعد رہائی مدینہ تشریف لائیں۔ اور اپنے شہید بھائی کی عزاداری کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جو اُمِّ کلثوم زوجہ حضرت عمرؓ فاروق تھیں۔ وہ ہرگز بنت فاطمہ زہراؑ نہ تھیں۔ حضرات مصنفین نے ایک نام ہونے کی وجہ سے ایسا دھوکہ کھایا ہے۔ اور اس غلط بنیاد پر ایک عمارت بے سقف و جدار قائم کی ہے۔ اگر یہ ام کلثوم نعوذ باللہ زوجہ خلیفہ ثانی ہوتیں۔ تو ابن زیاد و یزید بہ پاس خاطر خلیفہ دوم کچھ نہ کچھ ان کا احترام ضرور کرتے اور کم سے کم مصنفین اور مورخین واسطے دکھلانے اتحاد اور ہمدردی درمیان خاندانِ خلیفہ ثانی و اہلبیت طاہرینؑ کے کچھ نہ کچھ اس کا تذکرہ فرماتے۔ مگر کسی محدث یا مورخ یا مصنف نے کسی کتاب میں ایسا نہیں لکھا ہے۔ کہ کوئی زوجہ حضرت خلیفہ ثانی کی معرکۂ کربلا میں موجود تھیں۔ یا اسیر ہوئیں۔

الغرض یہ قصہ عقلاً و نقلاً شرفاً و شرعاً بالکل بے سر و پا اور بے بنیاد ہے واقعہ صرف اسی قدر ہے۔ کہ ایک عورت اسمار بنت عمیس تھی۔ جس کا نکاح پہلے حضرت جعفر طیارؓ سے ہوا تھا۔ بعدہٗ حضرت ابوبکرؓ کے نکاح میں آئی اور اُن سے اس عورت کو ایک لڑکی ام کلثوم پیدا ہوئی۔ اور تب اسمار بنت عمیس مذکورہ جناب امیرؑ کے نکاح میں آئی۔ اور اُمِّ کلثوم دختر حضرت ابوبکرؓ بھی اپنی ماں کے ساتھ جناب امیرؑ کے گھر میں آئی۔ لیکن حضرت بی بی عائشہ کو اپنے باپ کی بیٹی کا بھی حضرت علیؑ کے گھر میں رہنا ناگوار ہوا۔ اس لئے آپ نے حضرت عمرؓ خلیفہ وقت کے ذریعہ سے اس کو طلب کرایا۔ جناب امیرؑ اس لڑکی کے جانے پر بھی راضی نہ تھے۔ مگر جب حضرت عباسؓ نے سمجھایا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے قصہ طول کرنا بے کار ہے۔ تو حضرت علیؑ نے اس لڑکی کو خلیفہ ثانی کے پاس بھیج دیا۔ چنانچہ حسب نقل بعض متکلمین کے مصنف کتاب بوارق نے بسند کتاب استیعاب و کنز الاعمال

اس حکایت کو یوں لکھا ہے :۔ اُمِ کلثوم دخترِ ابوبکر بود مادرش اسماء بنتِ عمیس کہ اوّلاً زنِ جعفر طیار بود باز بہ نکاحِ ابوبکر آمد عبدالرحمٰن نام پسر و دختر اُمِ کلثوم نام زائیدہ بعد ازاں بہ نکاحِ علی ابن ابی طالب درآمد اُمِ کلثوم ہمراہ مادر آمدہ عمر ابن خطاب با اُمِ کلثوم دخترِ ابوبکر نکاح کرد۔

ہر چند نکاح کرنا حضرت عمر کا اُس لڑکی سے بھی خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ لیکن واقعہ اسی قدر ہے کہ اس لڑکی کو حضرت عمر نے منگوایا تھا۔ اور اسی کو طوعاً و کرہاً جناب امیرؑ نے خلیفہ ثانی کے پاس بھیجا تھا۔ لیکن چونکہ اُس لڑکی کا نام بھی اُمِ کلثوم تھا اس لئے یاروں نے اس پر خوب طبع آزمائیاں اور خامہ فرسائیاں کیں۔ اور خوب بے پر کی اُڑائی۔

اب مَیں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ خود غور کرو۔ کہ تمہارے نزدیک آیا یہ قصہ قرینِ عقل و قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یا وہ قصہ جو تمہاری کتابوں میں مذکور ہے اور جس سے دو خلفائے عالیجاہ کی انتہا درجہ کی توہین و تذلیل ہوتی ہے۔ اور دونوں کی سیرتوں پر بڑا دھبہ آتا ہے۔

محی الدین۔ یہ امر متعلق بہ تحقیقاتِ واقعاتِ تاریخی ہے۔ اس کو مَیں اپنے علماء سے دریافت کروں گا۔

فضائل مخصوصہ جناب امیرؑ جو کسی دُوسرے صحابی کو نصیب نہ ہوئے

علی رضا۔ دیکھو ہم نے تم سے تین اقرار لے لیے ہیں۔ کہ فضائل اثناء عشر میں حضرت علی کسی صحابہ سے کم نہ تھے۔ اور اب ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ فضائل مفصلہ ذیل جو حضرت علیؑ کو اعلیٰ درجہ پر پہنچاتے ہیں حضرت ہی کی ذات خجستہ صفات کے لئے مخصوص ہیں۔ اور کسی صحابی کو حاصل نہ ہوئے۔ علاوہ اس کے علوم باطنی اور معرفت الٰہی جس کی نسبت کل حضرات اہل تصوف بھی معترف ہیں۔ خاص حضرت علیؑ ہی کا حصہ تھا۔ پس اپنے علماء سے اس کو بھی تحقیق کرنا۔ کہ یہ سب فضائل حضرت کو حاصل تھے یا نہیں؟

۱۔ حضرت علیؑ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ دیکھو سوانح عمری حضرت علی ابن ابی طالب صفحہ ۸۶

۲۔ حضرت علیؑ نے کنار رسولؐ میں پرورش پائی۔ دیکھو سوانح عمری علی مرتضیٰ صفحہ ۸۷

۳۔ حضرت علیؑ سابق الایمان ہوئے اور ایام طفولیت ہی سے مسلمان رہے۔ دیکھو سوانح عمری

علی مرتضیٰ صفحہ ۸۸

۴ - حضرت علیؓ کو حضرت رسول اللہؐ نے انفسنا میں داخل کیا۔ اور لحمک لحمی دمک دمی فرمایا۔ دیکھو سوانح عمری علی مرتضیٰ صفحہ ۶۴۔

۵ - حضرت علیؓ مظہر العجائب کہلائے۔ اور حضرت رسولؐ کو حضرت علیؓ سے طلب اعانت کی ہدایت ہوئی یعنی ناد علیاً مظہر العجائب۔ تجدہ عوناً لک فی النوائب کہا گیا۔

۶ - شب معراج حق سبحانہٗ عزّ شانہٗ نے جناب امیرؓ کی آواز میں جناب رسول مقبول صلعم سے بات کی۔ دیکھو سوانح عمری علی مرتضیٰ صفحہ ۶۴

۷ - حضرت علیؓ کا ازدواج حضرت سیدۃ النساء العالمین سے ہوا مشہور ہے۔

۸ - حضرت علیؓ نے فرمان واجب الاذعان خداوندی منان یعنی سورہ برات بمقابلہ ہجوم کفار بد شعار و تم غفیر منافقین ناہنجار بکمال کشادہ پیشانی پڑھا۔ دیکھو سوانح عمری حضرت علی مرتضیٰ صفحہ ۶۲ لطف مزید یہ ہے کہ یہ سورہ لے کر پہلے حضرت ابو بکرؓ بھیجے گئے تھے۔ مگر وہ اثنائے راہ میں تھے کہ حضرت جبرئیلؑ یہ حکم لائے۔ کہ اس کام کو سوائے تمہارے یا جو شخص تم میں سے ہے۔ اور کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔ اس لئے حضرت ابو بکرؓ واپس آئے اور حضرت علی علیہ السلام نے ادائے تبلیغ کی۔

۹ - حضرت علیؓ خانہ کعبہ میں رسولوں کے سرتاج صاحب معراج کے دوش مبارک پر سوار ہوئے ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۵۲ و سوانح عمری علی مرتضیٰ صفحہ ۵۰۸

۱۰ - حضرت علیؓ شکم مادر میں تعظیم رسولؐ کرتے تھے۔ اور پہلی غذا آپ کی لعاب دہن رسولؐ تھی۔ اور دنیا میں سب سے پہلے آپکی نظر حضرت رسول اللہ صلعم پر پڑی۔ دیکھو سوانح عمری علی مرتضیٰ صفحہ ۴۸

۱۱ - نماز اور عبادت میں آپ پر درود بھیجنا جزو عبادت ہوا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اور آپ کے چہرہ مبارک پر نظر کرنا عبادت تھا۔ دیکھو سوانح عمری صفحہ ۲۳۲)
اور خود حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ جناب رسول مقبولؐ نے فرمایا النظر الی علی عبادۃ۔ دیکھو فتوحات اسلام محاربہ صدیقیہ صفحہ ۱۳

۱۲ - جناب رسول مقبولؐ اور حضرت علیؓ ایک نور سے پیدا ہوئے۔ دیکھو سوانح عمری علی مرتضیٰؓ صفحہ ۵ و صفحہ ۵۳

محی الدین۔ ۱ ۲ ۳ کو تو میں جانتا ہوں۔ بقیہ کو اپنے علماء سے تحقیق کروں گا۔

علی رضا۔ ہر چند میرے برآر مطلب کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ مگر تاہم شب گذشتہ کو میں نے ایک ٹیبل تیار کیا ہے جس سے بذریعہ کتب اہلسنت ثابت کیا ہے کہ فضائل اثنا عشر میں بھی حضرت علیؓ کل صحابہ رضہ سے افضل تر تھے۔ برخلاف اسکے خلفائے ثلاثہ سب صفتوں میں بالکل فیل ہوئے ہیں۔ یاد رکھو کہ جز و کثیر اس ٹیبل کا تمہاری کتب سے تیار کیا ہے۔ کیونکہ مذہب شیعہ کی کتابیں تو تمہارے نزدیک بالکل بے کار ہوں گی۔

ٹیبل مدارج حضرت علی علیہ السلام

فضیلت	حضرت علی علیہ السلام	حضرت ابوبکر
۱ معرفت خدا	۱۔ حضرت علی علیہ السلام سابق الایمان تھے۔ اور ابتدائے شعور ۲۔ سے آپ نے خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا۔ گویا کالبد آپ کا نُور ایمان سے بنا تھا۔ ۲۔ حضرت علی کا قول تھا لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔ ترجمہ:۔ اگر میری آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے جائیں۔ تو اس سے میرے یقین میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ یعنی میرا باطنی یقین وجود باری تعالیٰ کا اوروں کی روایت کے برابر ہے۔	بروز ہجرت آپ خداوند عالم کو ایسا بھولے۔ کہ قریش کی آہٹ پاتے ہی بچوں کی طرح رونے لگے اور کہنے لگے۔ کہ قریش کثیر ہیں۔ ہم صرف دو آدمی ہیں۔ کیونکر جان بچے گی تب حضرت رسول مقبولؐ نے یاد دلایا۔ ان اللہ معنا یعنی اللہ کو یاد کیجئے۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔
۲ تقرب خدا	۱۔ حضرت علیؑ کی شان میں حضرت رسولِ مقبولؐ نے فرمایا النظر الی وجہ علی عبادۃ یعنی علی کی زیارت عبادت میں داخل ہے۔ دیکھو متدرک فتوحات اسلام محارہ بہ صدیقیہ ص۱۳ ۲۔ حضرت علیؑ کا نام ساق عرش پر کندہ ہے۔ ۳۔ بروز قیامت لوائے حمد حضرت علی مرتضےٰؑ کے ہاتھ میں ہوگا اور تمام انبیاء اس کے نیچے ہو کر چلیں گے۔ دیکھو معارج النبوۃ ۴۔ حضرت علیؑ کی شان میں آیات قرآنی بکثرت موجود ہیں۔ الف۔ سورہ دہر بسند تفسیر کشاف ب۔ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ بسند ازالۃ الخفاء ج۔ انما ولیکم اللہ د۔ تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم۔ دیکھو کتاب المرتضےٰ صفحہ ۹ و ص۱۱۳۔	

و نقائص خلفائے ثلثہ

حضرت عمرؓ

حضرت فاروقؓ چھبیس برس کی عمر تک کافر بُت پرست تھے۔

ہے مدت مدید تک آپ حضرت رسولؐ کے دشمن جانی رہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ حضرتؐ پر تلوار کھینچ کر آئے تھے ازالۃ الخفا۔ فتوحات اسلام محاربہ نادر و تیہ صفحہ اول

ہے ربیع الابرار علامہ زمخشری و کتاب مستطرف و فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بعد اسلام شراب نوشی کی۔ اور عالم نشہ میں عبدالرحمن بن عوف کو ہڈی سے مارا اور دو شعر پڑھے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ خدا سے کہہ دو کہ ہم کو شراب پینے سے بچا دے اور ہمارا کھانا بند کرے اور ہم نے آج سے روزہ رکھنا چھوڑ دیا ہے۔

حضرت عثمانؓ

حضرت بہت زمانہ تک ایمان سے معرا رہے

ہے آپ نے صد ہا جلدیں کلام پاک کی جلوا دیں۔ دیکھو تاریخ تذکرۃ الکلام صفحہ ۲۲۳

کیفیت

تم ہرگز یہ نہ سمجھنا۔ کہ اس کے کہنے سے ہمارا یہ مطلب ہے۔ کہ جو شخص ایک وقت کافر ہو وہ مسلمان ہو نہیں سکتا ہرگز نہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ یا حضرت عمرؓ کا ابتدائے اسلام سے تا وفات جیسا ایمان رہا۔ اس سے حضرت علیؑ کا ایمان کسی وقت کم نہ تھا بلکہ زیادہ تھا۔ بفرض محال اگر برابر بھی ہو۔ تو بھی غور کر کے دیکھو تو۔ کہ سب حضرات کی مدت ایمان کو منہا کرنے سے باقی کیا رہ جاتا ہے۔ کہ علوم متعارفہ کے اصول سے صرف سابق کی حالت خلفائے دوم و سوم کے حصہ میں باقی رہ جاتی ہے۔ یا کچھ زیادہ؟

حضرت ابوبکر	# حضرت علی علیہ السّلام	فضیلت ۳ برگزیدہ خدا یعنی خدا کا پیارا ہونا
نہایت العقول میں ہے کہ خلفاء خاطی اور غیر معصوم تھے۔	۱۔ بروز جنگ خیبر حضرت رسولِ مقبولؐ نے فرمایا کہ جس کو ہم کل علم دیں گے۔ وہ کرار غیر فرار ہے اللہ اس کو دوست رکھتا ہے۔ اور وہ اللہ کو دوست رکھتا ہے۔ بعد اس کے وہ علم حضرت علی کو دیا۔ فتوحات اسلام صفحہ ۲۶ ۲۔ جب عقد حضرت امیرؑ کا ساتھ سیدۃ النساء العالمینؑ کے ہونے کو تھا۔ تو حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا فھذا رجل یحب اللہ و یحب الرسول و یحبانہ۔ یعنی وہ یہ شخص ہے۔ جو اللہ و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ معارج النبوۃ ۳۔ رسولؐ نے حضرت فاطمہ زہراؑ سے فرمایا۔ ان اللہ عزوجل اطلع علیٰ اھل الارض فاختار رجلین احدھما ابوک والاخر بعلک یعنی خداوند عالم نے اہل ارض کو جانا اور دو شخصوں کو چن لیا ایک تمہارے باپ کو اور دوسرے تمہارے شوہر کو۔ دیکھو شواہد النبوۃ۔ دیوان جناب امیر علیہ السلام صفحہ ۲۶ ۴۔ ایک دن جناب رسول خداؐ کے پاس ایک بھنا ہوا طائر بریاں تھا۔ حضرت نے خدا سے دعا کی۔ کہ خدایا بھیج پاس میرے اس شخص کو جو تیرا بڑا پیارا ہے۔ کہ میں اس کے ساتھ طائر نوش کروں۔ یہ مجرد ختم ہونے اس دعا کے حضرت علی تشریف لائے اور جناب رسول خداؐ نے حضرت علی کے ساتھ وہ طائر نوش فرمایا۔ دیکھو مشکوٰۃ المصابیح باب المناقب	
۱۔ جنگ احد و جنگ حنین میں رسول اللہ کو تنہا چھوڑ کر بھاگے دیکھو معارج النبوۃ وغیرہ۔ ۲۔ حضرت رسول اللہ کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوئے۔	۱۔ جب قریش نے حضرت رسولِ مقبولؐ کو کئے بد صحبت ستایا تو حضرت نے مکہ سے ہجرت کا قصد کیا یہ خبر سن کر قریش نے قسمیں کھائیں کہ سارے اہلبیت کو اور پیغمبر خداؐ کو آج کی شب مار ڈالیں گے۔ چنانچہ اس قصد سے حضرتؐ کے مکان کا تلواریں لئے ہوئے محاصرہ کر لیا اس وقت حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا۔ کون ایسا ہے جو خدا کے لئے اور خدا و رسول کی جان بچانے کے لئے میرے فرش پر تلواروں کی چھاؤں میں آرام کرے۔ حضرت علیؑ لبیک کہہ کر مستعد ہو گئے اور بستر رسولؐ پر جو قریش کی تلواروں کے محاصرہ میں تھا۔ آرام کیا۔ اس وجہ سے جناب رسول خداؐ کو ہجرت فرمانے میں آسانی ہوئی۔ دیکھو مسٹر امیر علی صاحب کی کتاب اسپرٹ آف اسلام صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۲۶۔ ۲۔ جب دشمنوں نے بروز جنگ احد حضرت رسول اللہ کو گھیر لیا۔ اور تیر لگانے لگے تو اس وقت حضرت علی سینہ سپر تھے۔ دیکھو شرح تجرید علامہ قوشجی صفحہ ۳۸۴ ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۵۴ مدارج النبوۃ حال جنگ احد۔ ۳۔ جنگ احد میں حضرت رسول خدا نے حضرت علی کو کہا انہ منی وانا منہ اور حضرت جبرئیلؑ نے کہا انا منکما دیکھو مدارج النبوۃ حال جنگ احد و مشکوٰۃ المصابیح۔	۴۔ حضرت رسول خداؐ کا سچا دوست ہونا

حضرت عمرؓ	حضرت عثمانؓ	کیفیت
۱۔ حضرت عمرؓ کا بے گناہوں کو قتل کرنا اور اکثروں پر ظلم شدید کرنا مشہور و معروف ہے اور اللہ نہیں دوست رکھتا ہے ظالمین کو۔ دیکھو سیرۃ الفاروق صفحہ ۳۵ ۲۔ آپ نے اپنی بہن کو بوجہ اسلام لانے کے تلوار سے زخمی کیا۔ فتوحات اسلام محاربہ فاروقیہ صفحہ ۷	تحفہ اثنا عشریہ میں لکھا ہے۔ کہ بعد قتل حضرت عثمان کے حضرت علی علیہ السلام فرماتے تھے۔ قتلہ اللہ وانا معہ	
۱۔ حضرت عمرؓ کا خود قول ہے۔ کہ میں قبل اسلام حضرت رسول اللہؐ کی ایذا رسانی میں اشد الناس تھا اور ابوجہل سے کم نہ تھا۔ دیکھو سیرۃ الفاروق صفحہ ۱۹ و صفحہ ۲۰ ۲۔ بوقت صلح حدیبیہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو رسول اللہ کی نبوت پر ایسا شک کبھی نہ ہوا تھا۔ جیسا آج ہوا۔ دیکھو مدارج النبوۃ۔ ۳۔ جنگ احد میں حضرت رسول اللہؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دیکھو شرح تجرید علامہ قوشجی صفحہ ۳۸۴ مدارج النبوۃ حال جنگ احد۔ ۴۔ جنگ حنین سے بھی گریز فرمایا۔ ۵۔ حضرت رسول اللہؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوئے۔	۱۔ جنگ احد میں حضرت رسول اللہؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ شرح تجرید علامہ قوشجی صفحہ ۳۸۴ ۲۔ حبیب السیر میں ہے۔ کہ آپ ایسے بھاگے کہ تین دن تک آپ کا پتہ نہ لگا۔ اور مدارج النبوۃ میں ہے۔ کہ مسلمانان روبہ ہزیمت آوردند و حضرت رسولؐ را تنہا گذاشتند۔ ۳۔ حضرت رسولؐ نے مروان بن حکم کو مدینہ سے مردود کر کے نکالا تھا۔ مگر آپ نے اس کو اپنا وزیر مقرر کر لیا۔	ہائے افسوس جب خلفائے ثلاثہ اس حد میں بھی گھٹ گئے تو افضل کیونکر ہو سکتے ہیں ؟

فضیلت	حضرت علی علیہ السلام	حضرت ابوبکرؓ
	۴۔ اسی جنگ میں حضرت علی کی شان میں لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار نازل ہوا۔ ۵۔ حضرت علیؑ اس جنگ سے بھاگنے کو کفر سمجھتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا۔ لو اکفر وابعد الایمان ان لی بنت اسوة مدارج النبوة۔ ۶۔ حضرت علیؑ ابتدائے شعور سے آخر وقت تک حضرت رسول اللہ کے ساتھ رہے اور خدمت آخری یعنی تجہیز و تکفین تدفین بجا لائے۔ ۷۔ حضرت علیؑ کی شان میں رسولِ مقبولؐ نے فرمایا انی تارک فیکم الثقلین الیٰ اخرہ۔ ۸۔ ترمذی میں عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداؐ نے اپنے یاروں میں سے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کیا۔ حضرت علیؑ آئے اور عرض کی کہ حضورؐ نے مجھے کسی کی اخوت میں نہ دیا تو حضرت نے فرمایا علی تم دین و دُنیا میں میرے بھائی ہو یار ہو۔ دیکھو مشکوٰة المصابیح۔ ۹۔ خود حضرت رسولِ مقبولؐ کا قول تھا۔ کہ علیؑ میرا ویسا دوست جاں نثار ہے۔ جیسے موسیٰؑ کا ہارونؑ تھا۔	
۵۔ شریعت رسول اللہؐ کا عالم با عمل ہونا	ہم اس مد میں حضرت علیؑ کا رتبہ صرف ایک حدیث ہے جو اصحاب علم و یقین کے لئے کافی اور جامع ہے ثابت کر کے قصداً اس خانہ کو یہ کہہ کر سادہ چھوڑتے ہیں۔ ع خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست یعنی حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا انا مدینة العلم و علیؑ بابہا کیا پردہ زمین پر کوئی سُنّی عالم ہے جو اس سے انکار کرے۔ کہ حضرت علیؑ فصیح العرب تھے اور یہ کہ حضرات ثلاثہؓ کے وقت میں ہر مشکل امر میں حضرت علیؑ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اور آپ کا فتویٰ قول فیصل ہوتا تھا۔ علاوہ اس کے مشہور ہے کہ جب بعد خلیفہ دوم کے لوگوں نے حضرت علیؑ کو خلیفہ بنانا چاہا تو یہ شرط کی کہ آپ سیرت شیخین پر عمل کیجئے۔ آپ نے قطعاً انکار کیا۔ اور فرمایا۔ کہ میں اپنے علم و یقین پر عمل کروں گا۔ دیکھو امیر علی صاحب کی کتاب اسپرٹ آف اسلام ص۲۱۷ ایضاً تاگور لکچر ۱۸۷۳ء ص۶	۱۔ حضرت ابوبکرؓ نے چور کا بایاں ہاتھ کٹوایا علمائے اہلسنت قبول کرتے ہیں۔ کہ یہ حکم خلاف شرع تھا۔ ۲۔ حضرت نے فجات سلمی کو جو مسلمان تھا آگ میں جلوا دیا۔ یہ امر خلاف شرع ہے دیکھو شرح تجرید فتح الباری وغیرہ

حضرت عمرؓ	حضرت عثمانؓ	کیفیت
۱ حضرت عمرؓ نے ایک زن حاملہ کے رجم کا حکم دیا حضرت علیؓ نے تنبیہ کی۔ کہ اس کا رجم جائز نہیں۔ تب حضرت عمرؓ باز آ گئے۔ دیکھو شرح مواقف کنز الاعمال ودر رجال مشکوٰۃ شیخ عبدالحق وسیرۃ الفاروق صلـ۱۷ ۲ حضرت عمرؓ نے ایک زانیہ مجنونہ کو سنگساری کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ نے منع کیا۔ اور حدیث نبوی یاد دلائی۔ حضرت عمرؓ نے کہا لولا علی لھلک عمر۔ یعنی اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک تھا۔ دیکھو استیعاب وسیرۃ الفاروق صلـ۱۷ ۳ حضرت عمرؓ حدِ شراب خوری نہیں جانتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے بتلا دیا۔ دیکھو کنز العرفان۔	۱ آپ بھی حضرت رسولِ خدا کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوئے ۲ جناب امیرؑ نے آپ کے کردار کو دیکھ کر فرمایا کہ جناب رسولِ خدا صلعم کے لئے آپ سے ایک غیر اچھا ہے۔ دیکھو بیان جناب امیر علیہ السلام صـ۲۹ ۳ حضرت عثمان کے بارے میں اس قدر لکھنا کافی ہے کہ جمہور علمائے اہل سنت کا قول ہے کہ حضرت عثمانؓ مجتہدین میں داخل نہیں ہیں۔ ۴ بوجوہ بالا آپ نے بلا تامل سیرت شیخین پر عمل کرنے کو قبول کر لیا۔	مجھے سخت تعجب ہے کہ جب مسئلہ قتل و قصاص میں خلفائے ثلاثہ کا یہ حال تھا۔ تو پھر حضرت علیؑ سے علم و فضل میں مقابلہ کا کیونکر حوصلہ کر سکتے تھے۔ ۲ یہ فضیلت تو ایسی ہے کہ بغیر اس کے نیابت رسول صلعم کا حوصلہ مہمل ہے۔ پس خلفائے ثلاثہ کا اس فضیلت میں تھرڈ کلاس ہونا تو قطع نظر تقابل کے ان کو بے حقیقت کر دیتا ہے کیونکہ حاکم بغیر قانون دان کبھی بھی منصف اور اچھا حاکم نہیں ہو سکتا۔

فضیلت	حضرت علیؑ	حضرت ابوبکرؓ
		۳۔ حضرت ابوبکر مسئلہ کلالہ اور میراث جدہ سے ناواقف تھے۔ اس لئے علمائے اہلسنت قبول کرتے ہیں کہ امام کے لئے علم تمام احکام کا شرط نہیں ہے۔ دیکھو تحفہ اثنا عشری۔ ۴۔ حضرت ابوبکر مسئلہ میراث عمہ اور خالہ سے ناواقف تھے۔ دیکھو کنز العمال۔ ۵۔ حضرت ابوبکر نے چھٹا حصہ ترکہ متوفی کا نانی کو دادی کو رہتے ہوئے دلایا عبدالرحمٰن ابن سہیل نے اس کی تصحیح کی۔ دیکھو استیعاب۔ ۶۔ زین الفتی تفسیر ہل اتی میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت ابوبکر سے تین سوال کئے (۱) کونسی چیز اللہ کے لئے نہیں ہے۔ (۲) کونسی چیز اللہ کے نزدیک نہیں ہے (۳) کونسی چیز اللہ نہیں جانتا ہے۔ حضرت ابوبکر اس کے جواب میں عاجز رہ کر اس یہودی کے ساتھ حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ حضرت علیؑ نے فوراً جواب دے دیا اور فرمایا (۱) اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے (۲) اللہ کے نزدیک فقر و جور نہیں ہے (۳) اللہ اپنے نفس کے لئے بیٹا بیٹی نہیں جانتا۔ یہ سن کر وہ یہودی مسلمان ہوا۔ اور کہا کہ بیشک تم وصی رسول اللہ کے ہو۔ ۷۔ نہایت العقول امام فخر الدین رازی میں مندرج ہے کہ خلفائے ثلثہ کل مسائل شرعی سے پوری واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ ۸۔ حضرت ابوبکر نے جب خالد کو مالک بن نویرہ پر لشکر کشی کے لئے بھیجا۔ تو تاکید کی کہ اگر مالک گرفتار ہو تو اس کو عزت کے ساتھ رکھنا اور قتل نہ کرنا۔ مگر خالد نے اس کو قتل کیا۔ حضرت عمر نے کہا کہ خالد نے ایک مسلمان کا خون ناحق کیا۔ اور خلاف کتاب خدا کیا ہے مگر حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس نے بہت ٹھیک کیا۔ اب علمائے اہلسنت فرمائیں۔ کہ کون خلیفہ مسلم مسئلہ تھا۔ اور کون برعکس دیکھو تاریخ خلفائے کرام ص
۶۔ معصوم ہونا	حضرت علی علیہ السلام کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوا۔ یعنی حق تعالیٰ نے پارہ ۲۲ سورہ احزاب میں فرمایا ہے۔ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا ؕ	۱۔ نہایت العقول میں ہے کہ خلفا خاطی اور غیر معصوم تھے۔ اور شیطان ان پر تسلط کرتا تھا۔ حالانکہ قرآن میں ہے کہ شیطان مومنین پر غالب نہیں آتا۔ بلکہ صرف گمراہوں پر تسلط کرتا ہے۔ سورہ حجر پارہ چہاردہم دربارہ شیطان کے یہ آیہ ہے ان عبادی لیس لک علیهم سلطان الا من اتبعک من الغاوین و ان جهنم لموعدهم اجمعین ؕ یعنی میرے بندوں پر تجھے ہرگز غلبہ نہ ہوگا۔ لیکن ان گمراہوں پر جو تیری پیروی کریں گے۔ اور تحقیق جہنم ان کے وعدے کی جگہ اور اسی طرح سورہ نحل میں ہے انه لیس له سلطان علی الذین امنوا علی ربهم یتوکلون انما سلطانه علی الذین یتولونه والذین هم به مشرکون ؕ یعنی اس کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو لوگ کہ ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اس کا زور انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق سمجھتے ہیں۔ اور جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ	حضرت عثمانؓ	کیفیت
۳ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ زیورات خانہ کعبہ اور اس کے مال و متاع کو خرچ کریں۔ حضرت علیؓ نے منع کیا اور عدم جواز کا مسئلہ بتایا۔ کتاب ربیع الابرار زمخشری و جلال الدین سیوطی۔ ۵ حضرت عمرؓ خود با استقاط حمل کو نہیں جانتے تھے۔ جس کے حمل کا اعتراف آپ نے برسر منبر کیا۔ اور اس کو ایک شخص نے بتلایا۔ ازالۃ الخفا۔ ۶ حضرت عمرؓ مسئلہ نکاح زنان عدہ بحالت جہل عاقدین سے ناواقف تھے اور اس لئے درمیان ایک مرد اور ایک عورت کے ہمیشہ کے لئے جدائی کا فتویٰ دیا اور مہر اس کا داخل بیت المال کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ حکم غلط ہے حقیقتاً مہر عورت کا ہے اور بعد انقضاء عدہ کے فریقین کو اختیار ہے۔ چنانچہ اس طرح پر فیصلہ ہوا۔ ذخائر العقبیٰ۔ ۷ حضرت عمرؓ مسئلہ قصاص سے جس حالت میں کہ بعض وارث نے معاف کیا ہو۔ ناواقف تھے چنانچہ ایک مرتبہ باوجود معاف کرنے ایک وارث کے آپ نے قتل کا حکم دیا۔ ابن مسعودؓ نے بتلا دیا کہ ایسی حالت میں قصاص جائز نہیں۔ بلکہ دیت لی جائے گی چنانچہ اسی کے موافق فیصلہ ہوا۔ دیکھو کنز العمال ازالۃ الخفا۔ ۸ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر غلطی مسائل کی کی ہے اس کا احصار نہیں ہو سکتا۔ ۹ ایک بار حضرت عمرؓ بڑے بڑے مہر باندھنے کی ممانعت کر رہے تھے کہ ایک بڑھیا نے کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھی وآتیتم احدٰھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئاً۔ اور کہا کہ خلیفہ ہو کر قرآن نہیں سمجھتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا عمر سے سب کا علم زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ ضعیف عورتوں کا۔ اور پھر ممانعت نہ کی۔ دیکھو مسدس حالی طبع ششم ص۵۵ نوٹ۔	۳ ابن اثیر نے نہایہ میں حضرت عائشہؓ کا قول لکھا ہے کہ آپ حضرت عثمانؓ کو شیخ احمق کہتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ نعثل کو قتل کرو۔ ۴ آپ اپنے اہل قرابت کے بڑے طرفدار تھے۔ اور اپنے سابق کے عمل تیز فہم نہ تھے اور دھوکے میں جلد آجاتے تھے۔ تاریخ خلفائے کرام ص۳۳	
۱۰ ایک شب حضرت عمرؓ نے ایک مکان سے گانے کی آواز سنی۔ حضرت دیوار پھاند کر اس مکان میں بے اجازت مالک مکان کے چلے گئے۔ اور فرمایا کہ تم لوگ خلاف شرع کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم لوگ عوام ہیں جو کچھ کرتے ہوں مگر اس وقت حضور نے تین گناہ خلاف حکم صریح خدا اور رسولؐ کئے ہیں۔ (۱) خلاف حکم خدا و رسولؐ سیدھے در سے نہ آئے۔ (۲) خلاف حکم خدا و رسولؐ بلا میری مرضی کے میرے گھر چلے آئے۔ (۳) خلاف حکم رسولؐ و خدا آپ نے تجسس کی جو آپ نے قبول کیا۔ دیکھو سیرۃ الفاروق ص۱۱۲	۱ نہایت العقول میں ہے کہ خلفاء خاطی اور غیر معصوم تھے۔ اور شیطان ان پر تسلط کرتا تھا۔ ۲ اپنے قبیلہ کی پالائش میں مسلمانوں کا حق تلف کرنا آپ کا مشہور ہے۔	

فضیلت	حضرت علیؑ علیہ السلام	حضرت ابوبکرؓ
	۱ؔ ابن مردویہ کا قول ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا خمسۃ منا معصومون انا و علیؑ و فاطمۃؑ و الحسنؑ و الحسینؑ علیہم السلام ۲ؔ مودت سید علی ہمدانی میں عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا۔ کہ میں اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ اور نو اولاد حسینؑ مطہر و معصوم ہیں۔ ۳ؔ مسند ابن حنبل اور مناقب ابن مغازلی شافعی اور مودت سید علی ہمدانی اور مستدرک اور جمع بین الصحاح میں ہے کہ فرمایا رسولؐ خدا نے کہ انا و علیؑ من نور واحد و الحسنؑ و الحسینؑ نوران من نور رب العالمین و الفاطمہ بضعۃ منی	
۷ عادل ہونا	حضرت علیؑ کے عدل کی تعریف کون کر سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ جب ابن ملجم نے آپ کے سر مبارک پر ضربت کاری لگائی اور بعدہٗ گرفتار ہو کر آیا۔ تو حضرت نے فرمایا۔ کہ جب تک میں زندہ رہوں اس کو وہ آب و غذا دو جو مجھے دو اور اگر میں جاں بحق ہو جاؤں تو اس کو صرف ایک ضربت لگانا کیونکہ اس نے صرف ایک ضربت لگائی ہے۔ چنانچہ جب تک آپ زندہ رہے اپنے قاتل کو آب و طعام سے سیراب کرتے رہے سبحان اللہ و روحنا فداہ اسی کو ایک شاعر نے کیا خوب موزوں کیا ہے۔ یا علیؑ آپ کے کرم کی ہے وہ دھوم بھیجا شربت برائے قاتل شوم اس عنایت سے ہو گیا معلوم دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری	۱ؔ سعد بن عبادہ صرف اس جرم پر قتل کیا گیا۔ کہ اس نے دعوئے خلافت کیا تھا، اور اگر یہ کہا جائے کہ سعد نے خلاف حکم خدا و رسولؐ ایسی خواہش کی تھی۔ اس لئے اس سزا کو پہنچے۔ تو میں آنا مزود پوچھوں گا۔ کہ حضرت ابوبکر کی خواہش کے لئے کہاں حکم خدا و رسولؐ تھا۔ اور اگر تھا۔ تو آپ نے عمر اور ابو عبیدہ کو کیوں نامزد کیا تھا۔ ۲ؔ مالک بن نویرہ قتل کیا گیا۔ اور اس کی خوبصورت بی بی کو خالد نے بے عزت کیا مگر خالد کا کوئی محاسبہ نہ ہوا۔ اور مگر دیت بیت المال سے دلوائی گئی۔

حضرت عمرؓ	حضرت عثمانؓ	کیفیت
۲ـ جس وقت حضرت کا ایمان لانا بیان کیا جاتا ہے اس وقت جناب رسول مقبولؐ نے فرمایا تو مسلمانوں کے ستانے سے کب باز آئے گا۔ جب خُدا تجھ پہ غضب نازل کرے گا۔ سیرۃ الفاروق صـ۲۳ ۳ـ حضرت جھوٹ بولتے تھے۔ سیرۃ الفاروق صـ۲۲ میں خود حضرت کا قول ہے کہ کل جو میں بولا وہ صحیح نہ تھا۔ اور وہ خدا کی کتاب اور اس کے وعدے کے خلاف تھا۔		
عدالت آپ کی ایسی تھی۔ کہ عمال پولیس کی طرح دھمکی دے کر اقرار جرم کراتے تھے۔ اور بعدہٗ قصاص کا حکم دیتے تھے۔ ذخائر العقبیٰ میں منقول ہے۔ کہ ایک عورت سے آپ نے دھمکی دے کر اقرار جرم کروایا۔ اور اس کے قصاص کا حکم دیا جب اسے قتل کرنے کو لئے جاتے تھے۔ تو راہ میں اس کے نصیب سے حضرت علیؑ ملے۔ حضرت نے سب حال دریافت کیا اور بعدہٗ اس کو لئے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے اور پوچھا کہ تم نے اقرار اس کا دھمکی دے کر لیا تھا۔ آپ نے اقرار کیا۔ تب مولاؑ نے حدیث نبوی یاد دلا کر فرمایا۔ کہ اس پر قصاص نہیں ہو سکتا چنانچہ اس وجہ سے وہ عورت رہا ہوئی۔	۱ـ حضرت عثمان میں قوت فیصلہ تو مطلق تھی ہی نہیں۔ اور ہر امر میں مستعجل طرف خلط غالب کے ہو جاتے تھے۔ دیکھو تاریخ تذکرۃ الکرام صـ۲۳۹ ۲ـ آپ نے بیت المال کا خزانہ کل اپنے اقربا پر تقسیم کر دیا تھا۔ دیکھو تاریخ خلفائے کرام صـ۲۶۹ ۳ـ ہرمزان کو عبیداللہ ابن عمر نے قتل کیا تھا۔ جب ہرمزان کے ورثا نے آپ کی عدالت میں مقدمہ رجوع کیا۔ تو آپ نے باوجود ثبوت جرم بپاس خاطر عبیداللہ کو رہا فرما دیا۔ اور دیت بیت المال سے دلوا دی۔ ۴ـ آپ کے اسراف پر حضرت عمار یاسر نے اعتراض کیا۔ تو اس پر آپ کے اقران نے ان پر بہت ظلم کیا۔ مگر آپ نے ان ظالموں کے ساتھ کچھ نہ کیا۔ تاریخ تذکرۃ الکرام صـ۲۳۶	

فضیلت	حضرت علی علیہ السلام	حضرت ابوبکرؓ
۸۔ طمع دُنیا نہ رکھنا	۱۔ علامہ قوشجی نے شرح تجرید صفحہ ۳۸۸ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ زاہد ترین مردم تھے۔ بعد رسولؐ خدا کے۔ اور متواترات سے ہے کہ لذات دنیا کو حضرت علیؑ نے ترک کیا اور باوجود قدرت اور کشادہ حالی کے فرماتے تھے کہ میں نے دُنیا کو طلاق دیے ہیں عیش دُنیا بہت کم ہے اور خطرہ اس کا زیادہ ہے۔ ۲۔ حضرت کو اس دنیا کی نعمتوں کی خوشی نہ تھی۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ زندگانی ابر کا سایہ ہے یا سونے والے کی نیند دیکھو تاریخ تذکرۃ الکلام صفحہ ۱۶۷	حضرت ابوبکر نے ایک اونٹ نو سو درہم پر خرید کیا تھا۔ اس کو حضرت رسول کے ہاتھ نو سو درہم پر بیچا۔ مدارج النبوۃ
۹۔ شجاعت ظاہری و باطنی رکھنا	۱۔ حضرت علیؑ نے جنگ بدر فتح کی۔ دیکھو شرح تجرید علامہ قوشجی صفحہ ۳۸۰ فتوحات اسلام صفحہ ۱۰۶۹ ۲۔ حضرت علیؑ نے غزوہ اُحد فتح کیا۔ ازالۃ الخفا صفحہ ۲۵۲ فتوحات اسلام صفحہ ۱۸ کتاب المغازی واقدی صفحہ ۵۱ تاریخ ابوالفدا جلد اول صفحہ ۱۳۵ شرح تجرید علامہ قوشجی صفحہ ۳۸۶ ۳۔ حضرت علیؑ نے جنگ خیبر فتح کی۔ اور اس جنگ میں جب شیخین نے پسپائی کی تو حضرت رسول مقبولؐ نے فرمایا کل ہم علم اس کو دیں گے۔ جو کرار غیر فرار ہے۔ بعدہٗ علم حضرت علیؑ کو دیا۔ مدارج النبوۃ و ازالۃ الخفا فتوحات اسلام صفحہ ۳۴ ۴۔ حضرت علیؑ نے جنگ خندق فتح کی۔ اور عمرو ابن عبدود کو قتل کیا۔ ازالۃ الخفا صفحہ ۲۵۵ فتوحات اسلام صفحہ ۳۰ اسی جنگ میں رسول مقبولؐ نے فرمایا۔ کہ ایک ضربت علیؑ کی دونوں جہان کی عبادت سے افضل ہے۔ شرح تجرید۔ مدارج النبوۃ و معارج النبوۃ۔ ۵۔ حضرت علیؑ نے بے خوف سورہ برات بمقابلہ ہجوم غفیر کفار بکشادہ پیشانی پڑھا۔	۱۔ جنگ اُحد سے رسول اللہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے دیکھو شرح تجرید علامہ قوشجی صفحہ ۲۱۸ معارج النبوۃ ۲۔ بروز ہجرت قریش کی آہٹ پاکر بچوں کی طرح رونے لگے۔ یہاں تک کہ حضرت رسول اللہؐ کو منع کرنے کی نوبت پہنچی۔ حقیقتاً بڑی خیریت ہوئی۔ کہ حضرت کے رونے کی آواز قریش کے کان تک نہ پہنچی۔ ورنہ قیامت تھی۔ ۳۔ جنگ خیبر میں شکست کھا کر واپس آئے شرح تجرید علامہ قوشجی۔ ۴۔ جنگ حنین میں حضرت ابوبکر نے پہلے اپنی جماعت کی کثرت دیکھ کر کہا کہ میں مغلوب نہ ہوں گا۔ مگر لڑائی شروع ہوئی تو بھاگ گئے یہاں تک کہ حضرت رسول اللہ کے ساتھ سوائے نو آدمیوں کے اور کوئی نہ تھا۔ اور ان نو آدمیوں میں خلفائے ثلاثہ داخل نہیں ہیں۔ دیکھو تاریخ ابوالفدا صفحہ ۱۵۴ کتاب المغازی واقدی صفحہ ۱۴۱۔

حضرت عمرؓ	حضرت عثمانؓ	کیفیت
حضرت عمرؓ بطمع شتر حضرت رسول مقبولؐ پر تلوار کھینچ کر آئے۔ سیرۃ الفاروق صـ۲۳	حضرت عثمان بڑے مسرف تھے۔ اس پر بھی بڑی دولت جمع کی تھی۔ اور بعد وفات آپ کی بہت سامال آپ کے گھر میں نکلا تاریخ خلفائے کرام صـ۲۴۲ اورنگ صاحب تاریخ خلفا صـ۱۶۱	
۱؎ بروز جنگ خندق جب عمرو ابن عبدود مقابلہ کو آیا۔ تو حضرت رسول اللہ صلعم نے لشکر اسلام کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ کوئی ہے کہ اس کے مقابلہ کو نکلے۔ جب کوئی نہ نکلا تب حضرت رسولؐ نے خاص کر حضرت عمر کو کہا۔ لیکن حضرت عمر نے صاف انکار کیا۔ کہ مجھ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ ۲؎ سال ششم ہجرت میں جب جناب رسول خدا صلعم مکہ تشریف لے گئے۔ تو بمقام حدیبیہ پہنچ کر فرمایا کہ ایک شخص کو قریش کے پاس صرف یہ پیغام لے کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ کہ رسول اللہ صلعم کو سوائے حج کے اور دوسرا کوئی مطلب نہیں ہے۔ بعدہٗ آپ نے اس کام کے لئے حضرت عمر کو کہا۔ حضرت عمر نے صاف انکار کیا۔ اور کہا کہ مجھ کو کفار قریش مار ڈالیں گے۔ مدارج النبوۃ سیرۃ الفاروق صـ۵۱ و صـ۵۲۔	۱؎ آپ کا کسی جنگ میں کوئی کارنمایاں یا شجاعت ظاہری و باطنی دکھانا ظاہر نہیں ہوتا ہے ۲؎ جنگ اُحد سے حضرت رسول اللہ صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے اور تین دن غائب رہے۔ ۳؎ بوقت صلح حدیبیہ جب مکہ گئے۔ تو تین دن تک غائب رہے تحفہ اثنا عشریہ مطاعن عثمان۔	مجھے سخت تعجب ہے کہ علاوہ صفات باطنی کے فضائل مندرجہ نمبر ۱ و ۲ و ۳ بہ اعتبار دنیا خلیفہ رسول کے لئے ضرور ہیں پس جب ان صفات میں بھی حضرت علیؑ افضل تھے تو پھر علمائے اہل سنت کس دلیل سے فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ صرف بوجہ قرابت کے فضیلت رکھتے تھے اور اعتبار سے خلفائے ثلاثہ افضل تھے ہم حیران ہیں کہ اب اور اعتبار کس چیز کا نام ہے میرے مذہب کے ایک محقق منشی سید سجاد حسین نے کتاب مشعل ہدایت میں بہ قسم شرعی لکھا ہے کہ خلفائے ثلاثہ میں سے کسی نے کسی معرکہ یا غزوہ میں نہ تو خود ایک زخم کھایا نہ کسی کو ایک زخم لگایا۔ اگر ممکن ہو تو اپنے علماء سے کہو۔ کہ اس کے خلاف ثابت کریں۔

	حضرت علی علیہ السلام	حضرت ابو بکرؓ
	عہ حضرت علی نے جنگ حنین فتح کی اور خضر دل کو قتل کیا اور اسی جنگ میں اللہ نے مجاہدین کی تسکین فرمائی کما قال اللہ تعالیٰ وانزل اللہ السکینۃ رسولہ وعلی المومنین	تفسیر بیضاوی بہ تفسیر آیہ کریمہ و یوم حنین تا وثم ولیتم مدبرین ۔ یعنی بروز حنین جب لشکر اسلام کی کثرت نے تم کو تعجب میں ڈالا تمہارا تعجب بکار آمد نہ ہوا ۔ اور باوجود کشادگی کے زمین تم پر تنگ ہوئی اور تم پیٹھ پھیر بھاگے
عہ ۱۰ حلیم اور متحمل ہونا	عہ مشہور ہے کہ حضرت علیؑ ایک وقت جہاد میں ایک کافر کے قتل کو جو مستعد ہوئے ۔ تو اس نے حضرت کے روئے مبارک پر تھوک پھینکا ۔ حضرت نے فوراً اس کو چھوڑ دیا ۔ لوگوں نے سبب پوچھا ۔ تو آپ نے فرمایا ۔ کہ میں جہاد قربتاً الی اللہ کرتا تھا ۔ پس اگر میں بعد اس بے ادبی کے اس کو قتل کرتا ۔ تو وہ میری نفسانیت پر محمول ہوتا ۔ عہ ایک روز حضرت علی علیہ السلام نے دیکھا ۔ کہ ایک عورت پیٹھ پر مشک رکھے چلی آتی ہے اور کچھ حضرت ہی کی شکایت کر رہی ہے ۔ حضرت نے فوراً مشک اپنے دوش پر لے لی اور وجہ شکایت دریافت کی ۔ تو اس عورت نے کہا ۔ کہ میرا خاوند جہاد میں مارا گیا ۔ اور حضرت علیؑ میری خبر نہیں لیتے ۔ حضرت علیؑ مشک لئے اس کے گھر گئے ۔ اور کہا ۔ کہ جو خدمت تیرے متعلق کرو میں کروں گا ۔ ضعیفہ نے کہا کہ کھانا پکاؤ اور بچوں کو بہلاؤ ۔ حضرت علیؑ خود تنور روشن کر کے روٹیاں لگانے لگے ۔ جب دھواں حضرت کی چشم مبارک تک پہنچا تو حضرت نے فرمایا ذق یا علیؑ اس پر بھی تنور سے علیحدہ نہ ہوئے تا آنکہ روٹیاں پکائیں اور بچوں کو کھلائیں ۔ بعدہٗ ایک مومنہ اس ضعیفہ کے گھر آئی اور کہا ۔ اری تو نے یہ کیا غضب کیا امیر المومنین سے ایسی خدمت لی ۔ یہ تو امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب ہیں مگر وہ ضعیفہ بہت پشیمان ہوئی اور آپ سے قصور معاف کرایا ۔	عہ سعد ابن عبادہ اس جرم پر قتل ہوئے کہ انہوں نے حضرت ابو بکر کے لئے ووٹ نہیں دیا ۔ کیا علم کے یہی معنی ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی رائے بیقینی متعلق تقرری کسی خلیفہ کے نہ دے تو قتل کیا جائے ؟ عہ بروز صلح حدیبیہ جب حضرت رسول مقبولؐ نے صلح چاہی ۔ تو شیخین نے مخالفت کی ۔ عروہ نے جناب رسولؐ خدا سے کہا ۔ کہ یہ چند اوباش جو آپ کے گرد ہیں ان کا آپ کو خوب تجربہ ہوا ہوگا ۔ کہ وقت پر کس قدر ثابت قدم رہتے ہیں ۔ اس پر حضرت ابو بکر اس قدر برہم ہوئے ۔ کہ عروہ کو گالیاں دینے لگے ۔ مدارج النبوۃ رکن چہارم صفحہ ۱۴۲ چھاپہ دہلی ۔

حضرت عمرؓ	حضرت عثمانؓ	کیفیت
۳۔ جنگ احد میں رسول اللہؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے اور پہاڑی پر مثل پہاڑی بکریوں کے کودتے پھرتے تھے۔ دیکھو تاریخ احمدی ص۱۲۱۔ ۴۔ جنگ خیبر سے شکست کھا کر واپس تشریف لائے۔ ۵۔ جنگ حنین سے فرار کر گئے۔ دیکھو تاریخ احمدی۔ ص۱۱ بحوالہ صحیح بخاری۔		
۱۔ آپ کی سنگدلی تو مشہور ہے۔ ایک مرتبہ قبل اسلام کے آپ نے ایک عورت مسلمہ لبینہ نام کو پکڑ لیا اور صرف بقصور اسلام لانے کے اس کے اس کو مارنا شروع کیا جب مارتے مارتے تھک جاتے۔ تب چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ میں نے تجھے چھوڑا نہیں ہے۔ میں تھک گیا ہوں غرض آپ ٹھہر ٹھہر کر اس کو ایذا پہنچاتے تھے دیکھو سیرۃ الفاروق ص۱۹ برائے خدا اس مومنہ کی مصیبت اور ایذاؤں پر ذرا غور کرو جس کو ایک مرد تنومند موٹا تازہ بیس پچیس برس کی عمر کا اس قدر ایذا دے رہا ہے کہ مارتے مارتے تھک جاتا تب خود دم لیتا ہے اور پھر تازہ دم ہو کر مارنا شروع کرتا ہے!!! الامان و الحفیظ!!! جس بڑھیا کو ایک کڑیل جوان مارتے مارتے تھک جاتا ہے اور پھر دوسرا آتا ہے اس ضعیفہ کی تکلیف جسمانی و روحانی احاطہ قیاس سے زیادہ معلوم ہوتی ہے!!! دیکھنا چاہیئے بروز حشر اس ضعیفہ کی آہ کیا اثر دکھاتی ہے کیونکہ اس کا معاف کرنا کسی کتاب سے ثابت نہیں اور یہ حق الناس ہے۔ اس شقی کی شقاوت کا دوسرا ایسا ہی قصہ آیات محکمات جلد ۲ حصہ دوم میں بصفحہ ۲۰۹ مرقوم ہے۔ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ ۲۔ آپ نے مکہ کے قیدیوں کی نسبت بھی رائے دی۔ کہ یہ سب قتل کئے جائیں۔ اور اسی طرح جب آپ کی رائے ہوتی تھی۔ تو قساوت اور ظلم کی طرف دیکھو سیرۃ الفاروق صفحہ ۴۵۔	۱۔ حلیم ہونا حضرت عثمان کا تو اس سے ظاہر ہے کہ محمد بن ابابکر سے آپ کو کچھ رنج تھا جب بظاہر اس سے مقابلہ نہ کر سکے تو اس کو حاکم مصر کا مقرر کر کے اُدھر روانہ کیا اور اسی کے ساتھ ایک قاصد کی معرفت حاکم مصر کو لکھا کہ محمد بن ابابکر جب وہاں پہنچے تو اس کو مار ڈالو۔ قضا را یہ خط خود محمد بن ابابکر کو مل گیا۔ پھر تو وہ ایسا برہم ہوا کہ خدا کی پناہ دیکھو تاریخ الخلفاء کرام ص۴۲ اور مسٹر امیر علی کی اسپرٹ آف اسلام انگریزی ص۲۴۵ ہرچند اس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے ایسے خط لکھنے سے انکار کیا مگر کل قصہ پڑھنے سے تم خود سمجھ لو گے کہ اصل واقعہ کیا تھا دیکھو تاریخ احمدی ص۲۴۱ ۲۔ سچی بات بھی جو آپ کی شان کے خلاف کہی جاتی تھی۔ اُس پر آپ کو غصہ ہوتا تھا چنانچہ منقول ہے کہ جب لوگوں نے آپ پر یہ الزام لگایا۔ کہ آپ مسرف تھے تو آپ کو سخت غصہ ہوا۔ اور آپ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا۔ کہ بیت المال کے خرچ کا خلیفۂ وقت کو اختیار ہے۔ کہ جو شخص جھوٹ بیان	

فضیلت	حضرت علی علیہ السلام	حضرت ابوبکرؓ
	ع۲ حضرت عائشہ ابتدائے ازدواج سے اپنے تا آخر حضرت علیؑ کی کیسی مخالف اور جانی دشمن رہیں یہاں تک کہ خود میدانِ جنگ میں مقابلہ کو آئیں۔ مگر قربانِ حلم مولائے مومنینؑ کہ جب حضرت عائشہ جنگ جمل میں گرفتار ہوئیں۔ تو حضرت نے ان کو اعزاز کیا۔ اور ان کو بعزت تمام مدینہ بھجوا دیا۔ تاریخ تذکرۃ الکرام صفحہ ۲۵۰	
۱۱ اُمتِ نبی صلعم کا دونوں جہان میں خیر خواہ ہونا	ع۱ ماہرینِ تفسیر و تاریخ پر مخفی نہیں۔ کہ حضرت علیؑ تین روز تک مع عیال و اطفال کے فاقہ کش رہے لیکن یتیم و مسکین و اسیر کو سیر کرتے رہے۔ ع۲ حضرت علیؑ رات کو روٹیاں کمر پہ باندھ کر گلی کوچوں میں محتاجوں کو تلاش کر کے دیتے تھے چنانچہ بعد شہادت آپ کی بہت سے مجبور و اپاہج لوگوں نے کہا۔ کہ چند روز سے نہ معلوم میرا خبر لینے والا کہاں ہے ع۳ روایت صحیح میں ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے اپنے نصف حسنات اپنے شیعوں کو بخشے ہیں لہ ع۴ سب سے بڑھ کر احسان آپ کا آپکے فرزند دلبند حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر آپ کا راضی برضا رہنا ہے منقول ہے کہ جب محضر قتل حضرت امام حسین علیہ السلام آپ کے سامنے رکھا گیا۔ تو آپ اولاً بوجہ دردِ فرزندی کے ساکت رہے۔ مگر جب یہ کہا گیا۔ کہ صلہ اس کا نجات امتیان عاصی ہے تو فوراً آپ نے رضینا بقضا کہہ کر دستخط کر دیا۔ روحنا لہ الفداء	اُمتِ نبیؐ کی خیر خواہی تو درکنار۔ بنت رسول صلعم کے ساتھ ایسی حق تلفی کی۔ کہ مدت العمر اس معصومہ نے آپ سے بات نہ کی۔ بس اسی سے قیاس کرنا چاہئے کہ عقبیٰ میں آپ کی خود ایسی حالت رہے گی۔ کہ آپ دوسروں کی دستگیری کر سکیں۔

حضرت عمرؓ	حضرت عثمانؓ	کیفیّت
	کرے۔ اس پر اللہ کا قہر ہو۔ ابن عمار یاسرؓ جو بموجب قول جناب رسول مقبولؐ سر سے پاؤں تک ایمان سے معمور تھے۔ اور حضرت عثمان کی باتوں پر اعتراض کیا۔ اس پر...... حضرت عثمان کے اقران نے ان کو اس قدر مارا۔ کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ اور حضرت عثمان دیکھتے رہے۔ دیکھو تاریخ تذکرۃ الکرام ص۲۳۸ حضرت ابوذر غفاریؓ چونکہ حضرت علیؑ کے دوست تھے۔ اس لئے ان کو مجنون اور پشت برہنہ اونٹ پر شام سے پکڑوا منگایا۔ اور جب قدرت خدا سے وہ بچ گئے اور مدینہ پہنچ گئے تو ان کو شہر بدر کر کے بمقام زبدہ قید کر دیا۔ جہاں وہ طرح طرح کی ایذا اور مصیبت جھیل کر شہید ہوئے۔ دیکھو تاریخ خمیس اور تاریخ اعثم کوفی ص۲۳۰	
دنیا میں ہمدردی آپ کی کبھی نہ سُنی ہوگی۔ بلکہ ہمیشہ آپ کی سنگدلی اور درشتی پر فخر کیا جاتا ہے۔ اور باعتبار دین کے تو اس میں بھی کلام ہے۔ کہ آپ نے اپنی ذات شریف کو اس قابل رکھا ہے یا نہیں۔ کہ آپ عاقبت میں دُوسروں کی خیر خواہی کر سکیں۔	حضرت عثمان کی تو سوائے اس کے اور کوئی بات سُنی نہیں گئی کہ آپ نے اپنے اقران کا بہت پاس کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ امیر معاویہ اور یزید کو ملک شام میں بڑی قوت حاصل ہوئی۔ لیکن نتیجہ اس کا ایسا بُرا ہوا۔ کہ توبہ بھلی۔	۱؎ اس روایت کو ہم نے قصداً شیعوں کی کتابوں سے لیا ہے۔ اس لئے کہ سُنیوں کی کتابوں میں اس کا نشان نہیں ہے اور وہ اس نعمت سے محروم رہیں۔

حضرت ابوبکرؓ	حضرت علی علیہ السلام	فضیلت
علامہ سیوطی نے در منثور میں لکھا ہے کہ شب احتساب کو حضرت رسول مقبول صلعم نے فرمایا۔ کہ جو کوئی اس وقت لشکر مخالف کی خبر لائے گا۔ تو قیامت میں وہ شخص میرے ساتھ ہو گا۔ بعدہ حضرت نے خاص طور پر حضرت ابوبکر کو جانے کو کہا۔ مگر حضرت ابوبکر نے بخوف جان جانے سے صاف انکار کیا۔	۱ مشہور ہے کہ بہ صبح شہادت جب آپ نماز ادا کرنے کو چلے تو مرغابیاں حضرت کے پائے مبارک میں لپٹ گئیں مگر آپ نے کچھ خیال نہ فرمایا اور ان کو چھڑا کر مسجد میں تشریف لائے اور خود اذان فرمائی اور خود ابن ملجم کو جگایا۔ ۲ اگر کوئی شخص بغور حضرت علیؑ کے شب ہجرت رسول اللہ صلعم کے بستر مبارک پر خواب کرنے کو مسٹر امیر علی صاحب کی کتاب روح الاسلام صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۲۹ میں پڑھ کر خیال کرے تو بیشک کہہ اٹھے گا۔ کہ حضرت دل سے ویسے راضی برضا ہے۔ جیسے حضرت اسمعیل بروز عید قربان صاحب مدارج النبوۃ و حبیب السیر لکھتے ہیں کہ اسی واقعہ کی نسبت حضرت علی کی شان میں یہ آیہ نازل ہوا۔ ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله والله روف بالعباد ؕ ۳ حضرت علیؑ کا شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی خبر پا کر راضی برضا رہنا انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا اس امتحان میں کامل رہنا ہے۔ جس کا ذکر حقتعالی نے قرآن میں فرمایا ہے۔ پس حضرت بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے لئے خدا کی رحمت اور آسودگی اور برکت ہے۔ ۴ جس وقت کہ کفار قریش اپنی طاقت اور جمعیت کی وجہ سے بہت زوروں پر تھے۔ حضرت علی علیہ السلام نے بلا خوف سورہ برات بمقابلہ مجمع غفیر پڑھا۔ اور مطلق خوف نہ کیا۔ اور نہایت کشادہ پیشانی سے خدا و رسول خدا کے حکم کی تعمیل کی	۱۲ راضی برضا رہنا

حضرت عمرؓ	حضرت عثمانؓ	کیفیت
مقولۂ فریقین ہے کہ جہاد یا صلح کے وقت جو کچھ جناب رسولِ مقبولؐ صلعم فرماتے تھے وہ موافق حکمِ ربُّ العالمین فرماتے تھے۔ بروز صلح حدیبیہ حضرت رسولِ مقبولؐ صلعم نے حضرت عمرؓ کو ایک پیغام لے کر مکّہ جانے کو کہا۔ حضرت عمرؓ کو خوف جان نے اس قدر گھبرا کر راضی بر رضا رہنا در کنار حضرت رسُولِ مقبولؐ صلعم کے حکم کی صریح نافرمانی کی۔ اور صاف کہہ دیا کہ مَیں نہ جاؤں گا۔ مجھ کو کفارِ قریش مار ڈالیں گے۔ دیکھو سیرۃ الفاروق صد ۵۲ و صد ۵۳۔	جنگِ حنین میں جس وقت کہ ایک جھاڑی میں سے کچھ مشرک نکل کر حملہ آور ہوئے۔ تو آپ بخوف جان نکل بھاگے اور باوجودیکہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عباس بحکم حضرت رسولِ مقبولؐ کے پکارتے رہے۔ آپ نے ایک نہ سُنی، اور حضرت رسُول صلعم کو دشمنوں میں چھوڑ کر گھر کی راہ لی۔	

علی رضا۔ اس ٹیبل کو تم لو۔ اور ہر امر کی تحقیق و تفتیش کرو۔ اس ٹیبل کو دیکھ کر تم خفا نہ ہو۔ اور مجھ کو متعصب فضیلت پوش نہ کہو۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری کتابوں میں خلفائے ثلاثہ کی تعریفیں لکھی ہیں۔ مگر مجھے اُن صفات حمیدہ میں تقابل مدنظر تھا۔ اور یہ ثابت کرنا تھا کہ ہر صفت میں حضرت علیؑ کا درجہ اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور خلفاء ثلاثہ ہر صفت کے اعتبار سے کمتر ہیں۔ پس اگر مطاعن خلفاء ثلاثہ کے بارے میں کسی امر کی سند نہ پاؤ۔ تو اس خانہ کو سادہ سمجھو۔ تاہم میری بات نہیں جاتی۔ کیونکہ جب تک تم ایک دوسرا ٹیبل اسی طرح کا ایسا درست نہ کرو۔ کہ بارھوں فضیلتوں میں خلفائے ثلاثہ حضرت علیؑ سے افضل یا مساوی ثابت ہوں۔ تب تک یہ ٹیبل جس سے جناب امیرؑ کا افضل خلفاء ہونا مستقر ہوتا ہے۔ قائم رہ جائے گا۔ لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں۔ اس ٹیبل کو اس طرح درست کرنا کہ ہر فضیلت میں خلفائے ثلاثہ حضرت علیؑ سے افضل ہو جائیں غیر ممکن ہے۔ اگر ممکن ہو تو اپنے علماء سے کہو۔ کہ کوشش کر کے دیکھ لیں۔

محی الدین۔ انشاء اللہ میں ہر امر کی خوب تحقیق کروں گا۔ لو اب رخصت کل وطن جاتا ہوں السّلام علیکم۔

علی رضا۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بہ وطن رفتنت مبارکباد۔ بہ سلامت روی و باز آئی

اس مرتبہ جو محی الدین گھر پر آیا۔ تو اس کے اعزہ و اقارب کو سخت تعجب ہُوا۔ کہاں تو ہر وقت گپ شپ ہنسی قہقہے میں اوقات کٹتی تھی۔ یا اب یہ کیفیت ہے کہ ہر وقت سوچ میں رہتا ہے۔ جب کوئی اس سے کچھ باتیں کرتا ہے۔ تو وہ ہاں ہاں ضرور کئے جاتا ہے لیکن کسی تذکرہ کے متعلق اگر اس سے کوئی سوال کیا گیا۔ تو اس نے ایسا بے لگاؤ جواب دیا۔ کہ گویا سابق کا ایک لفظ بھی اس نے سُنا ہی نہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ خود مولوی برکت اللہ صاحب کو جو محی الدین کے والد تھے۔ ایسا ہی اتفاق ہُوا۔ انہوں نے بہت سمجھایا۔ کہ بیٹا تم امتحان دے چکے ہو۔ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے ہو گا۔ خُدا پر نظر رکھو۔ اس کا سوچنا کیسا اور خیال کیا۔ محی الدین ایک ہفتہ کے بعد گھر سے عظیم آباد اور آرہ اور الہ آباد اور سہارن پور تحقیق و تفتیش کرتا ہُوا پھر بانکی پور پہنچا۔ کہ یکایک کلکتہ گزٹ شائع ہُوا۔ اس کو دیکھا۔ تو اپنے کو سیکنڈ ڈویژن اور علی رضا کو فرسٹ ڈویژن میں پاس پایا۔ فوراً سجدہ شکر بجا لا کر علی رضا کو تار دیا۔ علی رضا نے تار پڑھتے ہی چار رکعت نماز شکرانہ کی ادا کی۔ اور ۱۵۔ دسمبر کو کالج میں نام لکھوانے کے لئے بانکی پور پہنچا۔ محی الدین بھی پہلی جنوری کو وارد بانکی پور ہُوا۔ اور

۱۵؍جنوری سے دونوں صاحبزادے فرسٹ ایر کالج کلاس میں داخل ہو گئے۔ ایک روز علی رضا بعد نماز مغرب محی الدین کے پاس آیا۔ اور صاحب سلامت مزاج پرسی کے بعد۔

علی رضا۔ کیوں بھائی اُن امُور کو تحقیق کیا؟

محی الدین۔ بھائی مَیں کیا کہوں۔ آج کل کے علمار کی تو عجیب حالت ہے۔ جہاں کسی مذہبی امرِ حق کی تحقیق چاہی۔ پس جواب تو بالائے طاق۔ لا مذہب ہونے کے سرٹیفکیٹ موجود ہیں۔ ان امور کی تحقیق میں مہینوں سرگردان رہا۔ مگر سوائے طعن و تشنیع کے اور کچھ نہ پایا۔ جب مَیں نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے فضائل بیان کئے۔ تو بعضوں نے بکشادہ پیشانی اور بعضوں نے طوعًا و کرہًا کہا کہ صحیح ہیں۔ لیکن جب مَیں حضرت علیؓ کے فضائل کو ساتھ فضائل صحابہ کرام کے متقابل کرنے لگا۔ تو بعضوں نے کہا۔ کہ لونڈا رافضی ہو گیا۔ بعضوں نے کہا کہ اس کا مزاج بہک گیا ہے۔ بعضوں نے کہا۔ کہ یہ کرشان ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک صاحب نے والد ماجد کو خط لکھ بھیجا۔ کہ لیجئے مبارک محی الدین کو انگریزی پڑھانے کا نفع آپ کو کیا اچھا ملا۔ کہ اب صحابہ کرام کے منہ آتا ہے۔ بھائی مجبورًا اس طرف سے مایوس ہو کر خود جناب مولوی عطاء اللہ خاں صاحب بہادر کی لائبریری میں گیا۔ اور ایک ہفتہ تک کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ فضائل حضرت علیؓ کو تو ٹھیک تمہارے کہنے اور لکھنے کے مطابق پایا۔ اور نواقص خلفائے ثلثہ بھی اکثر صحیح پائے گئے۔ لیکن بعض امور کی نسبت کتابیں نہ ملیں۔ اس لئے کہہ نہیں سکتا۔ کہ صحیح ہیں یا غلط۔ ایک روز ایک بوڑھے مولوی صاحب نے جو وہاں موجود تھے۔ پوچھا میاں کیا کرتے ہو؟ مَیں نے کہا۔ کہ حضور صحابہ کرام کے فضائل کو بہ نیت تقابل ساتھ فضائل حضرت علیؓ کے دیکھ رہا ہُوں۔ انہوں نے فرمایا۔ میاں تمہارا کدھر خیال ہے۔ یہ نازک امور ہیں۔ اور تم ابھی بچے ہو۔ تم سے اس کی تفتیش مشکل ہے۔ علاوہ اس کے کتابوں کو دیکھو گے۔ تو کیا پاؤ گے؟ کیا شیعہ غلط کہتے ہیں؟ کتابوں میں تو اس سے بڑھ کر نظر آئے گا۔ اس راہ کو تم چھوڑ دو اور اپنا عمل اس شعر پر رکھو۔

گہر خر چہ داند گوہر چہار ۔۔۔ فروشندہ را بہ فضولی چہ کار

الغرض میرا یہ اعتقاد مستحکم ہے کہ فضائل صحابہ اربعہ کے بارے میں جزو کثیر تمہاری تحریر و تقریر کا صحیح ہے۔ اور بے شک حضرت علیؓ ان امور میں خلفائے ثلاثہ سے افضل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سابق زمانہ میں المامون خلیفہ بغداد کے وقت میں جو مناظرہ ہُوا تھا۔ تو میدان مناظرہ المامون کے ہاتھ رہا تھا۔ جو حضرت علیؓ کے افضل خلفاء ہونے کا مدعی تھا یہ مناظرہ کتاب المامون باب العقد میں ہے۔ دیکھو کتاب المامون مؤلفہ مولوی شبلی صاحب

ص۱۹۹ ساتھ ہی اس کے مجھے بھی تم سے بہت سے سوال کرنے ہیں۔ جیسا کہ چند سوال کو تم نے ابھی اٹھا رکھا ہے۔ پس اس ایک مہینہ کی دوڑ دھوپ میں مَیں نے بہت سے اعتراضات جمع کئے ہیں۔ ذرا ہوشیار رہنا۔

علی رضا۔ مَیں ہوشیار ہوں۔ میر تو ورد ہے۔ سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔ اَب مَیں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ فرض کرو کہ نبی صلعم کے انتقال کے بعد یہ رائے قرار پائی۔ کہ حضرت کا ایک نائب مقرر ہو جائے۔ اور تقرری اس کی الیکشن یعنی انتخاب سے ہو۔ اس میں چار اشخاص امیدوار نامزد کئے گئے۔ یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و حضرت علیؑ۔ اور فرض کرو کہ تم اس کے ایک ووٹر ہو۔ تو مَیں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ اب تو تم اوصاف یعنی شرائط نیابت رسولؐ سے بخوبی واقف ہو چکے۔ اور ہر صفت میں بعد تحقیق و تفتیش حضرت علیؑ کو افضل مان چکے۔ پھر تم کس کے لئے ووٹ دوگے

محی الدین۔ بھائی اس کا جواب کل کہوں گا۔

اس کے بعد گفتگو موقوف ہوئی۔ اور صحبت برخاست۔

شب بھر اس سوال کے جواب میں محی الدین حیران رہا۔ اور تین چیزوں کے درمیان سخت تکرار رہی۔ ایمان فرقہ حقہ اثنا عشریہ جس کا نام شہزادہ نور ایمان ہے۔ عربی گھوڑے پر سوار آہستہ آہستہ قلعہ جسم و جان کی طرف چلا آتا ہے۔ اس کو اس جاہ و حشم سے آتے دیکھ کر محی الدین کے تعصب اور دل اور زبان کے درمیان جو مکالمے ہوئے قابل سننے کے ہیں۔

تعصب۔ دِل سے کیوں حضرت کچھ خبر ہے۔ اس غنیم بلائے بے درماں نے تو ایسی تاخت ماری ہے۔ اور ایسا چاروں طرف سے گھیرا ہے کہ مجھے تو کہیں مفر معلوم نہیں ہوتا برائے خدا اس وقت آپ میری مدد کیجئے اور نہایت مضبوطی سے میری حفاظت کیجئے کہ آپ بھی بے داغ رہیں۔ اور مَیں بھی آپ کے سایہ میں سلامت رہوں۔

حضرت دل۔ ہش دُور ہو۔ مَیں شاہانہ مزاج رکھتا ہوں۔ میرے قلمرو میں پالیسی کا نام نہیں تیرے غنیم کو دیکھ چکا ہے

بالائے سرش زہوش مندی ۔۔۔ مے تافت ستارۂ بلندی

وہ نوجوان بلند اقبال شہزادہ ہے۔ اس کی چمکتی ہوئی پیشانی کا چم خم اور چاند سا مکھڑا تو صاف کہے دیتا ہے۔ کہ وہ کسی بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ وُہ تیرے روکے سے کہیں رُک سکتا ہے۔ قلعہ کے قریب تو آ گیا ہے۔ اگر مجھ تک پہنچ گیا۔ تو میرا قلعہ اس کا گھر ہے اور میرا ولی عہد ہے۔ تعصب زبان سے۔ کیوں بی صاحبہ آپ سنتی ہیں؟ میری تو یہ پریشانی اور حضرت

دل کا یہ سوکھا جواب، اب اس وقت میں آپ کے پاس فریاد لایا ہوں۔ برائے خدا آپ جان بچائیے۔ ورنہ میرا کہیں ٹھکانا نہیں۔

زبان۔ بیٹا تو کیوں گھبراتا ہے۔ میں تو تیری تابع فرمان ہوں۔ لونڈی کو عذر مجھے عذر نہیں۔ جو تو کہے وہی کروں گی۔ اگر حضرت دل نے جواب دیا۔ تو کیا مضائقہ۔ میں تو تیرے ساتھ ہوں۔ اگر تیرا غنیم قوی ہے۔ تو میں تیرے لئے باتوں اور فقروں کی فوج قاہرہ ابھی تیار کر سکتی ہوں۔ حضرت دل تو خود قلعہ بند ہیں۔ میدان مناظرہ میں تو میری ہی فوج کام کرتی ہے۔

تعصب۔ تھینکس (احسان آپ کا) اس وقت آپ نے تو میری بڑی آبرو رکھ لی گویا میرے دہان میں پانی آگیا۔ اگر اس وقت آپ نہ ہوتیں۔ تو حضرت دل نے میرا کام ہی تمام کیا تھا۔ میں تو کہیں کا نہ رہتا۔ ماں باپ جدا چھوٹتے۔ دوست آشنا جدا برہم ہوتے ذات سے خارج ہوتا۔ شادی بیاہ حقہ پانی بند ہوتا۔ قوم کی قوم دشمن ہو جاتی۔ بس اب میں حضرت دل کو چھوڑ کر آپ ہی کے سایہ میں پناہ لیتا ہوں۔

حضرت دل۔ میاں ہوش کے ناخن لو! جب میں نہیں۔ تو یہ قحبہ کیا کر سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ فوج اس کے پاس بڑی ہے۔ مگر اس کی رسد تو میں ہی پہنچاتا ہوں۔ پس جب رسد بند ہوئی تو کام تمام ہے۔

تعصب۔ اب جو کچھ ہو۔ آپ کی تو میں ایک نہ سنوں گا۔ جب تک دم میں دم ہے۔ دبی زبان سے کام لیتا ہوں۔ دوسرے دن کالج کے سائبان میں محی الدین اور علی رضا ملے۔ بعد صاحب سلامت کے۔

علی رضا۔ کیوں بھائی اس بارے میں کوئی رائے قائم کی؟

محی الدین۔ ہاں بھائی میں نے رائے قائم کی۔

علی رضا۔ ذرا میں بھی سنوں؟

محی الدین۔ بھائی میں تو حضرت ابوبکر کے لئے ووٹ دیتا۔

علی رضا۔ کیوں بھائی تم تو حضرت علیؓ کے افضل خلفا ہونے کے قائل ہو چکے تھے۔ پھر یہ کیا؟

محی الدین۔ بھائی میں یہ کہتا ہوں۔ کہ سینکڑوں آدمی تو حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے۔ پھر میں ذرا سے فضائل کے فرق میں کیوں ایسی جرأت کرتا۔ کہ جمہور کے خلاف ہوتا؟ آخر وہ بھی تو صاحب فضل و کمال تھے۔

علی رضا۔ اور اگر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر پہلے لوگ بیعت کر لیتے۔ تو تم کس کے ہاتھ پر بیعت

کرتے ؟

محی الدین۔ اس کے تو پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بیشک حضرت علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کرتا۔

علی رضا۔ کیوں بھائی تم جمہور کی بھیڑیا دھسان ایک سو ہونے پر ایسا خون انصاف کر بیٹھے۔ کہ افضل صحابہ کو جنہیں رسولِ مقبولؐ نے اپنا نفس ناطقہ قرار دیا۔ یعنی انفسنا کہنا چھوڑ دیتے ؟ اس سے تو قصور معاف ایک سوال کی مبادرت کرتا ہوں۔ کیا اگر معرکۂ کربلا میں تم ہوتے تو لشکرِ یزید کا ساتھ دیتے۔ کیونکہ کثرت تو اُدھر تھی۔ ادھر تو صرف بہتر بزرگوار تھے۔

محی الدین۔ استغفراللہ۔ اس وقت تو میرا خون جوش کھاتا ہے۔ افسوس کہ میں آپ سے زبان ہار چکا ہوں۔ ورنہ آپ کو ایسی بیہودہ مثال کا مزہ مل جاتا۔ نعوذ باللہ من ذالک کہاں کی بات کہاں ملاتے ہو۔ کہاں وہ واقعہ سخت۔ کہ جس میں رسول اللہ صلعم کی اولاد پر کیسی سختیاں ہو رہی تھیں۔ اور کہاں یہ بات کہ جناب رسولِ مقبولؐ کے بعد حضرت کا جانشین کون ہوا۔ زید نہیں عمرو سہی عمرو نہیں بکر سہی۔

علی رضا۔ تو کیوں بھائی حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد تم حضرت علیؑ کو مُنہ دکھاتے ؟

محی الدین۔ کیوں نہیں ؟ تم خود کہہ چکے ہو کہ حضرت علیؑ حلیم تھے۔ اور کمال درجہ کا تحمل رکھتے تھے۔ پس اس انتخاب کا اُن کو صدمہ کیا ہوتا ؟ وہ ایسی نفسانیت سے بہت دُور رہتے۔ اُن کے مزاج میں خودی نہ تھی مان کو کیا کیا الیکشن کے امیدوار وہ بھی تھے۔ حضرت ابوبکر بھی تھے۔ وہ نہ ہوئے یہ ہوئے۔ اس میں ایسے بے نفس آدمی کو صدمہ کیسا۔ ملال کیسا ؟

علی رضا۔ بھئی افسوس تم نے سمجھا نہیں۔ اس الیکشن میں صرف معاملہ دنیادی نہ تھا۔ اور نہ کوئی نوکری حضرت علیؑ کو ملتی تھی۔ کہ وہ ہاتھ سے نکل گئی۔ اور نہ یہ الیکشن تمہاری پیٹھ میونسپلٹی کا ایلکشن تھا کہ عوام الناس جی ہاں حضور کہنے والے بھر دیئے جائیں۔ یہ معاملہ دین کا تھا۔ اس میں قتل قصاص عدالت۔ جہاد۔ حقوقِ انسان۔ فرائض قومی و مذہبی بیت لمال وغیرہ داخل تھے۔ تم خُوب جانتے ہو کہ ؎

بحکم شرع آب خوردن خطاست وگر خوں بہ فتویٰ بریزی روا است

غالباً تم جانتے ہو۔ کسی شخص کو اگر جج دورہ میں حکم پھانسی کا دے۔ اور وہ حکم ہائی کورٹ سے بحال رہ جائے تو یہ جائز ہے۔ اور اس کو قصاص کہتے ہیں۔ لیکن اگر مجسٹریٹ کسی کو اپنے اختیار سے پھانسی دے تو خود مجرم قتل عمد اور واجب التعزیر ہو جائے گا۔ اور اگر وہ مجسٹریٹ

سرکار سے بحال نہ ہوا ہو۔ یا تقرری اس کی خود ساختہ یا تقریباً ہوئی ہو۔ تو اور قیامت ہے شرع کا معاملہ اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ وہاں جہاد کا سامنا ہے۔ اگر بحکم حاکم جائز ہوا۔ تو جہاد ہے۔ ورنہ طرفین کے مقتولین کا خون اس حکم دہندہ کے سر پر۔ پس غور کرو۔ کہ حضرت علیؑ جو بڑے خدا ترس تھے۔ ایسے امور عظیم کو غیر مستحق یا ناقابل یا کم سے کم اپنے سے کم کے ہاتھ میں جانے کو کیونکر پسند کرتے۔ اس میں حضرت کو اپنے نفس سے تعلق نہ تھا۔ بلکہ اس میں کروڑوں بندگان خدا کی جانیں اور آزادی وابستہ تھی۔

محی الدین۔ مگر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اگر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر لائق نہ تھے تو ایکبارگی اس قدر جمعیت کثیر نے ان کے ہاتھ پر بیعت کیوں کر لی۔

علی رضا۔ بھئی تم نے اس کا جواب تو ابھی خود دیا۔ شاید تمہیں خبر نہیں۔ تم نے ابھی نہیں کہا۔ کہ باوجود اعتقاد افضلیت حضرت علیؑ کے تم حضرت ابوبکر کے لئے ووٹ دیتے ؟ پس یاد رکھو کہ اُس وقت جمہور قریش وغیرہ تم سے زیادہ ایمان یا انصاف میں کامل نہ تھے۔ اس وقت خلقت بھیڑیا دھستان تھی۔ جدھر ایک نے رُخ کیا۔ ادھر سب کے سب پھرے۔ میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ اس وقت کے عوام تم سے ایمان و عقائد میں بہت کم تھے۔ تم نے تو لشکر یزید کے ساتھ دینے کی مثال میں کیسی برہمی دکھلائی۔ اور کیسا تمہارا خون جوش کھانے لگا۔ مگر اس وقت کے لوگ تو پچاس برس سے کم ہی کے بعد فرزند رسولؐ پر انتہا درجہ کی سختی اور بیرحمی اور ظلم شدید کرنے کو تیار ہو گئے۔ اور کر دکھایا۔ اور دختران جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کو اسیر کر کے شہر بہ شہر و دیار بدیار مثل بندیاں ترک و دیلم پھرایا۔ پس جیسے تم باوجود کمال تحقیق افضلیت حضرت علیؑ کے خلیفہ اول کے لئے ووٹ دینے کو تیار ہو گئے ویسے ہی اس وقت کی بھی خلقت تھی اور اس وقت کی یورش میں اس قدر کون خیال کرنے والا تھا۔ کہ کون لائق ہے اور کون افضل ہے اور کون مستحق ہے۔ اس وقت کے لوگوں کی دلی حالت کو حضرت عمر نے جو بڑے دُور اندیش تھے۔ خوب سمجھا۔ ان کا یہ خیال ہوا کہ جہاں تک جلد ہو۔ یہ مرحلہ طے ہو جائے ورنہ اگر ذرا وقفہ لوگوں کو سوچنے کا ملا۔ تو ساری پالیسی (حکمت عملی) مٹی میں رل جائے گی۔ اور حضرت علیؑ ضرور تخت پر بیٹھ جائیں گے۔

محی الدین۔ تو کیا تم یہ کہتے ہو۔ کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے اس الیکشن میں کچھ حرفت کی؟

علی رضا۔ مَیں خود کیوں کہوں تم کہو کہ واقعہ کیا کہتا ہے ؟

محی الدین۔ واقعہ کیا کہتا ہے ؟

علی رضا۔ پہلا کام تو حضرت عمر نے یہ کیا۔ کہ بعد انتقال حضرت رسولؐ خدا کے کہنے لگے

کہ رسول اللہ نے انتقال ہی نہیں کیا ہے۔ جب بعضوں نے کہا کہ ہاں، تو آپ تلوار کھینچ کر مستعد ہو گئے۔ کہ جو کوئی ایسا کہے گا۔ اس کو مار ڈالوں گا۔

محی الدین۔ ماشاءاللہ شیعہ بھی کیا منہ زور ہیں۔ کدھر کی بات کدھر ملاتے ہیں۔ ارے بھائی یہ فعل حضرت کا تو رسول اللہؐ کے ساتھ انتہائے محبت پر دال ہے۔ حضرت مارے جوش محبت کے حالِ انتقال حضرت رسولِ مقبولؐ کا سُن نہ سکتے تھے۔ اور اس لئے تلوار کھینچ کر مستعد ہو گئے۔

علی رضا۔ بھائی۔ ماں باپ بھائی بزرگ کس کا نہیں مرا ہے مگر یہ تو ہم نے آج تک نہیں سُنا۔ کہ وہ تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا ہو اس پر غضب تو یہ ہے کہ حالِ انتقال رسولؐ اللہ صریح جان کر پھر یہ کہنا۔ کہ رسولؐ اللہ نے انتقال نہیں کیا ہے۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟ اور ایسے کہنے والوں کو خدا نے کیا کہا ہے۔ مَیں ادباً کچھ نہیں کہوں گا۔

محی الدین۔ جوش محبت میں آدمی کیا کچھ نہیں کرتا۔ جوش غم میں آدمی اپنے حواس میں نہیں رہتا۔ حضرت فاروق تو آپ کے جان نثار تھے

علی رضا۔ بہت خوب۔ اب میں حضرت عمر کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ یعنی حضرت کو جناب رسولِ خداؐ کے انتقال کا حد سے زیادہ صدمہ ہوا۔ پس کیا ایسے شخص سے یہ اُمید نہیں کی جاسکتی ہے۔ کہ کم سے کم تا دفن و کفن تو وہ کسی سے بات تک نہ کرے گا۔ اور دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے۔ وہ اس بزرگ کی آخری خدمت یعنی غسل و کفن میں شریک رہے گا؟ مگر ہائے افسوس یہاں تو معلوم ہوتا ہے کہ تجہیز و تکفین کے وقت سوائے حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ کے اور کوئی نہ تھا۔ حضرت عمر تو اور ہی دوڑ دھوپ میں تھے۔ اسی کو ایک ممتاز شاعر نے یوں موزوں کیا ہے ؎

اہلِ دنیا کار دُنیا ساختند مصطفٰےؐ را بے کفن انداختند

اور واقعی یہ بات بڑی شرم کی معلوم ہوتی ہے کہ از آدم تا ایندم کسی قوم حتیٰ کہ جولاہے دُھنیے نے اپنے پیر و مرشد کی نعش بے دفن و کفن نہیں چھوڑی ہے۔ اس لئے بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ جو لوگ جناب رسولِ خداؐ کے ساتھ اس قدر اظہار دعوے محبت کریں۔ کہ خبر انتقال سُن کر مجذوب بن کر اور تلوار کھینچ کر کھڑے ہو جائیں وہ بعد انتقال سرور کائنات کے اُن کی نعش مبارک کو خس کے برابر بھی نہ پوچھیں۔ اور شریک دفن و کفن نہ ہوں!!

تو کیا حضرت عمر کے جوش محبت کا خاتمہ صرف تلوار ہی کے کھینچنے تک تھا۔ پھر کچھ بھی

نہیں۔ بھائی صدمہ مفارقت تو اس برگزیدہ خُدا کی پیاری بیٹی کو ہُوا۔ جس کی آنکھوں میں دُنیا اندھیر ہوگئی۔ جس کو چھ مہینے تک سوائے گریہ وزاری کے اور کچھ کام نہ رہا۔ مدینہ میں بیت الحزن اب تک موجود ہے۔ یہاں تک کہ چھ ہی مہینے کے بعد صرف اٹھارہ ہی برس کے سن میں اپنے باپ سے جا ملیں! اُس غریب نے تو کسی پر تنکا بھی نہ اٹھایا تھا!

اب علی رضا کو کہاں تاب تھی۔ روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ اور محی الدین کی آنکھوں سے بھی قطرات اشک پیہم جاری ہوئی۔ اور صحبت برخاست ہوئی۔ دوسرے دن محی الدین علی رضا کے مکان پر آیا۔

محی الدین۔ بھائی مَیں نے خوب غور کیا۔ حضرت عمرؓ کا تلوار کھینچنا تو واقعی کچھ عجیب طرح کا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے لئے کیسا غم کیا۔ مگر تلوار نہیں کھینچی۔ علاوہ اس کے خود حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ کی خبر سُن کر کچھ نہ کیا۔ آخر ان سے بھی تو محبت تھی۔ اُن کے انتقال کا بھی تو صدمہ ہُوا ہوگا۔ خبر انتقال مخفی کرنے کے لئے جب تلوار کھینچی ہے۔ تو کسی پالیسی (حکمت عملی) ہی سے کھینچی ہے۔ مگر میری نگاہ میں کوئی پالیسی نظر نہیں آتی۔ پھر یہ کیا حرکت حضرت عمرؓ کی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتی۔

علی رضا۔ اس پالیسی (حکمت عملی) کا قصہ طویل ہے۔ اگر تم اجازت دو تو کہوں؟

محی الدین۔ بسم اللہ فرمایئے۔ ذرا میں بھی سُنوں۔

واقعہ غدیر یعنی جنابِ رسُولِ خُدا کا جنابِ امیرؑ کو بحکمِ خُدا اپنا ولی عہد مقرر فرمانا

علی رضا۔ بھائی اصل حقیقت یوں ہے۔ کہ جب حضرت علیؑ بوجہ اپنے جوہر ذاتی و صفاتی کے حضرت رسولِ خُداؐ کے مقرب ہوتے چلے گئے۔ تو اصحاب ثلاثہ مخصوص حضرت عمرؓ کو بہت گراں گزرتا رہا۔

جنگِ خیبر میں حضرت علیؑ کو علم ملا۔ مکہ میں سورہ برات پڑھنے کے لئے حضرت علیؑ بھیجے گئے۔ ازدواج حضرت خاتون جنتؑ کا حضرت علیؑ کے ساتھ ہوا۔ جب حضرت رسُولِ مقبولؐ غزوہ تبوک کو روانہ ہونے، تو علی مرتضیٰؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ دیکھو کتاب المرتضےٰ صفحہ ۳ بحوالہ کتاب بخاری۔ کتاب المغازی۔ مسلم کتاب المناقب۔ ان امور سے جس

قدر تقرب حضرت علیؑ کا ساتھ حضرت رسول مقبولؐ کے بڑھتا گیا، اسی درجہ ان لوگوں کا حسد بڑھتا گیا۔ مگر حضرت رسول خداؐ کے سامنے کس کی مجال تھی۔ جو سر اٹھا سکے۔ یا زبان ہلا سکے۔ اس لئے یہ معاملہ چپ چپ چلا آیا۔ بعض جگہ جو اس کا اظہار ہوا۔ تو حضرت علیؑ یا حضرت رسول مقبولؐ نے اپنے تحمل سے اس کو بآسانی دبا دیا۔ رفتہ رفتہ اس کا پتہ حضرت رسولؐ اللہ کو بھی ملا۔ اور حضرت کی خواہش ہوئی۔ کہ حضرت علیؑ کو اپنا جانشین نامزد کریں۔ لیکن ان لوگوں کی مخالفت کے خیال سے منتظر وقت رہ کر اپنے ارادہ کو روکے رہے۔ یہاں تک کہ زمانہ وصال حضرت کا قریب پہنچا اور حضرت آخری حج ادا کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لاتے تھے۔ کہ ناگاہ بمقام غدیر خم حضرت جبرئیلؑ یہ آیہ لائے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکفرین (پارہ ششم سورہ مائدہ) پہنچا دواے رسولؐ اس چیز کو کہ اتارا تم پر تمہارے رب نے اگر ایسا نہ کرو گے تو تم نے اس کی رسالت نہیں پہنچائی۔ اور اللہ محفوظ رکھے گا تمہیں آدمیوں سے۔ تحقیق کہ اللہ نہیں ہدایت کرتا ہے قوم کافرین کو۔ فقط۔ رسول مقبول صلعم نے بہ مجرد نازل ہونے اس آیت کے حکم دیا۔ کہ جتنے قافلہ والے آگے ہیں۔ اُن کو پیچھے پھیر لو۔ اور جو پیچھے ہیں ان کا انتظار کرو۔ غرض جب سارا قافلہ جمع ہو گیا جس کی تعداد ستر ہزار تھی۔ تو حضرت نے پالان شتر کا ایک منبر بنایا۔ اور اُس پر جا کر خطبہ فصیح و بلیغ پڑھا۔ اور اپنے زمان وصال کی طرف اشارہ فرما کر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ سر و قد کھڑے ہوئے۔ تب آپ نے فرمایا یا ایھا الناس الست اولی منکم قالوا بلیٰ انت اولی منی و من ابی و امی فقال رسول اللہ من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔ یعنی حضرت نے فرمایا آیا میں تم لوگوں سے اولیٰ نہیں ہوں۔ سبھوں نے کہا۔ آپ مجھ سے اور میرے ماں باپ سے اولیٰ ہیں۔ تب حضرتؐ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں۔ اُس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ خدایا دوست رکھ تو اس کو جو دوست رکھے علیؑ کو اور دشمن جان اس کو جو دشمن سمجھے علیؑ کو اور نصرت کر اُس کی جو نصرت کرے اس کی اور ذلیل کر اس کو جو اسے ذلیل کرے۔ بعدہٗ آپ منبر سے اُتر آئے۔ اس وقت سارے قافلہ میں بڑا جوش ہوا۔ اور سب قافلہ والوں نے جناب امیرؑ کو مبارکباد دی۔ چنانچہ حضرت عمر نے بھی کہا۔ بخٍ بخٍ لک یا علی انت مولائی ومولائی کل مومن ومومنۃ دیکھو مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب علیؑ وتفسیر

کبیر چھاپہ کلکتہ: صفحہ ۶۳۶
مولوی عبید اللہ امرتسری مصنف کتاب سوانح عمری جناب امیرؑ نے اپنی کتاب کے حصہ دوم صفحہ ۱۹۸ سے صفحہ ۲۲۵ تک اتنی حدیثیں اس حدیث کے صحیح ہونے کے متعلق لکھی ہیں۔ کہ اس کے اعادہ سے ایک رسالہ تیار ہو جائے۔ جب جی چاہے۔ کتاب مذکور دیکھ لو۔ اور سب سے بڑا لطف یہ ہے۔ کہ اس کے راوی خود حضرات ابو بکر و عمر و عثمان ہیں۔ پودیکھو صفحہ ۱۸۵

آیا غدیر کی کارروائی جناب رسول مقبول صلعم نے بہ نظر تصفیہ یا فیصلہ شکایت اہلِ یمن کے فرمائی تھی؟

محی الدین۔ کیا اس واقعہ کو ہمارے علماء قبول کرتے ہیں۔ اور اگر وہ قبول کرتے ہیں۔ تو کیا تاویل کرتے ہیں؟

علی رضا۔ اس واقعہ کو تو جمہور علماء قبول کرتے ہیں۔ مگر اس سے انکار کرتے ہیں۔ کہ اس ذریعہ سے حضرت علیؑ کی جانشینی ہوئی۔ وہ لوگ فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ اہل یمن نے حضرت علیؑ کی شکایت کی تھی۔ اس لئے جناب رسول مقبولؐ نے یہ الفاظ صرف حضرت علیؑ کی اس طرح کی مدح میں بیان فرمائے تھے۔ اس کا عملاً کچھ مطلب نہ تھا۔ اور چونکہ حضرت علیؑ کی اس طرح پر مدح ہوئی۔ اس لئے حضرت عمر نے مبارک باد دی۔

محی الدین۔ تو اس بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

علی رضا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ کچھ نہ کہوں۔ اور مجرد اس واقعہ کو اور تمہارے علماء کی رائے کو بلا دلیل تمہارے علم و یقین کے حوالے کروں۔ بھلا یہ بات کسی کی عقل میں آئے گی۔ کہ حضرت رسولِ مقبولؐ حضرت علیؑ کو لحمک لحمی ودمک دمی۔ انا مدینۃ العلم و علیٌّ بابھا وغیرہ وغیرہ تو گھر پر کہیں۔ لیکن اس مرتبہ یہ اہتمام کریں۔ کہ ایک لق و دق میدان میں (صرف یمن والوں کو نہیں بلکہ) سارے قافلے والوں کو مجتمع کر کے پالان شتر کا منبر بنا دیں۔ اور خطبہ فصیح و بلیغ پڑھ کر اپنی رحلت کی خبر دیں۔ اور یہ سب اہتمام صرف اتنے کام کے لئے کہ حضرت علیؑ کی مدح کا ایک فقرہ پڑھ کر جس کا عملی مطلب کچھ نہ ہو۔ اتر آئیں۔ اور اس پر سب لوگ مبارک باد دیں!! ایسی رائے تمہارے علماء کی میرے نزدیک تو پڑھنے والوں کی عقل کی توہین ہے۔ کیا یہ طور عموماً جاری نہیں ہے۔ کہ جب

آقا مرنے لگتا ہے۔ یا کہیں سفر دور دراز کرتا ہے۔ تو اس وقت اپنے نوکروں کو بلا کر اپنے
بیٹے کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ دیکھو اب تک ہم تمہارے آقا تھے۔ اب میرا سفر
ہے۔ اب یہ تمہارے آقا ہیں۔ کیا اس کہنے میں باپ صرف اپنے بیٹے کی مدح کرتا ہے۔ اور نوکروں
کو کچھ ہدایت نہیں کرتا؟ کیا ایسی ہدایت کے بعد اگر وہ شخص مرجائے تو اس کے نمک خواروں
کو یہ شایاں ہے۔ کہ اس کے آنکھ بند کرتے ہی اُس کے کسی مصاحب یا کسی دوسرے قرابتدار
کو اس کا جانشین بنالیں؟ اگر وہ لوگ ایسا کریں۔ تو خلق خُدا ان کو کیا کہے گی۔ ہم کچھ نہیں کہتے۔

محی الدین۔ حق تو یہ ہے۔ کہ یہ تاویل میرے علماء کی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر صرف
یمن والوں کا خیال تھا۔ تو وہ لوگ کہیں بلائے جاتے اور سمجھا دیئے جاتے اس اہتمام کی
تو کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور جملہ مبارکباد تو اور بھی بے ضرور ہو جاتا ہے حضرت علیؑ کی صفت تو
ہوا کرتی تھی۔ مگر مجھے معلوم نہیں ہے کہ اور صفتوں کے وقت صحابہ کرام نے کبھی مبارکباد دی
تھی یا نہیں۔ مبارک باد تو ہمیشہ کسی منصب کے حاصل ہونے کے وقت دی جاتی ہے۔ اس کو
مَیں اپنے علماء سے ضرور تحقیق کروں گا۔

علی رضا۔ ایک بات اور سُن لو۔ جس سے یہ ساری تاویل ہوا ہو جاتی ہے۔ اور کوئی شک
نہیں رہتا۔ کہ یہ تک بندی ہندوستان کے کسی مولوی صاحب نے جو علم جغرافیہ سے بالکل
نابلد ہوتے ہیں فرمائی ہے۔ تم نقشہ عرب دیکھو۔ اس سے ظاہر ہو گا۔ کہ صوبہ یمن مکہ معظمہ
سے بجانب جنوب واقع ہے۔ اور مدینہ طیبہ بجانب شمال واقع ہے۔ اس لئے حج سے
فراغت کے بعد یمن والے تو غالباً سب کے سب اپنے وطن کو بجانب جنوب چلے گئے ہوں
گے۔ پس حضور اقدسؐ کا قافلہ جب بجانب شمال مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا ہو گا۔ تو اس
میں یمن والے کیوں ساتھ ہونے لگے۔ اور اگر یُوں بھی تو مقام غدیر خم تک جو مکہ معظمہ سے
بہ فاصلہ بعید سات دن کی راہ طے کرنے کے بعد ملتا ہے۔ یمن والے کے شخص رہ گئے ہوں
گے۔ تب یہ کیسی بات ہے۔ کہ جناب رسُول مقبولؐ یمن والوں کی شکایت کا تو فیصلہ فرمائیں
لیکن یہ فیصلہ اُن سبھوں کے مقابلہ میں نہ فرمائیں۔ بلکہ جب وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے
جائیں۔ تب اُن کے پس پشت چھ سات دن کے بعد فیصلہ صادر فرمائیں!!

بھائی خُدا کے لئے غور کرو۔ اس تک بندی بلکہ تو دہ طوفان کا کچھ جواب ہے۔ جب
حضرتؐ کو یمن والوں کی شکایت کا فیصلہ صادر فرمانا تھا۔ تو مکہ معظمہ ہی میں سب کے مقابلہ
میں کیوں صادر نہ فرمایا؟ اور جب وہاں کچھ نہ کیا۔ تو مدینہ آکر تحریری فرمان کیوں جاری نہ فرمایا!!
یہ بیچ لق و دق میدان میں اور ببول کے گھنے جنگل میں اس فیصلہ کے سنانے کی کونسی ضرورت لاحق

ہو گئی۔ اور پھر اس کے لئے دربار منعقد کرنا کیسا؟ اس پر لطف مزید یہ کہ جملہ کتب سنّت جماعت میں جن میں حضور اقدس کے حجۃ الوداع کا ذکر ہے یہ مندرج ہے۔ کہ حضورؐ نے خطبۂ آخری وہیں مکہ میں پڑھا لیکن اس خطبہ میں کوئی ذکر یمن والوں کی شکایت کا یا جناب امیرؑ کی مدح کا نہیں ہے۔ کوئی شک نہیں کہ غدیر میں جو کارروائی حضورؐ نے فرمائی۔ وہ بوجہ صدور کسی خاص حکم پروردگار عالم کے فرمائی۔ خلاف اس کے یہ کہنا۔ کہ وہ کارروائی حضورؐ نے بہ نظر رفع شکایت اہل یمن کی تھی۔ محض مہمل ہے۔

محی الدین۔ بھائی یہ تو سچ کہتے ہو۔ یمن تو واقعی مکہ سے بجانب جنوب اور مدینہ منورہ مکہ سے بجانب شمال واقع ہے۔ میں اپنے علماء سے اس کی تحقیق کروں گا۔

علی رضا۔ ضرور تحقیق کرنا بلکہ اپنے علماء سے یہ بھی پوچھنا۔ کہ جب یمن والوں کی شکایت پر حضور اقدس نے یہ کارروائی فرمائی۔ تو آخر اس کا فیصلہ کیا کیا؟

یہ عجیب طرح کی کارروائی ہے۔ کہ حضور اقدس نے ایک گروہ کی شکایت پر فیصلہ کرنے کے لئے تو یہ کچھ اہتمام کیا۔ کہ ایک دربار منعقد کیا۔ اور اُس میں جمہور قوم کو جو اس وقت ممکن تھی۔ مدعو کیا۔ اور جب سب جمع ہو گئے۔ تو آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں جا کر نہ کسی کی شکایت کا ذکر کیا۔ نہ کوئی تفصیل بیان کی کہ کن کن باتوں کی شکایت تھی۔ نہ کوئی اپنی تجویز سنائی۔ کہ کون شکایت غلط تھی اور کون شکایت صحیح تھی۔ نہ کوئی ہدایت کی۔ کہ آئندہ کیا ہونا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ مقدمہ کو نہ ڈگری کیا نہ ڈسمس کیا۔ بلکہ سب باتوں کو بالکل مبہم گومگو چھوڑ کر یہ کیا۔ کہ صرف حضرت علیؑ کی مدح کا ایک فقرہ پڑھا بعدۂ ان کے لئے دعا کی۔ پھر اُتر آئے!!!

بھئی خدا کے لئے ذرا غور کرو۔ آج تک کبھی کسی شکایت کا کہیں ایسا فیصلہ ہوا ہے؟ یہ کارروائی تو مثل اس کے ہوئی۔ کہ ایک مسلمان بادشاہ کے پاس لوگ اُس کے گورنر یا صوبہ دار کی یہ شکایت کریں۔ کہ وہ بے جا ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ یا رعایا پر سختی اور ظلم کرتے ہیں۔ اس استغاثہ کو بادشاہ سن کر جب تک مدعیان شکایت وہاں موجود رہیں۔ چُپ رہے لیکن اُن کے رُخصت ہونے کے بعد ایک دربار عام کرے اور جمہور انام کو اُس میں مدعو کرے۔ اور جب سب لوگ جمع ہو جائیں۔ تو فیصلہ سنانے کے لئے تخت پر جلوس کرے لیکن تخت پر بیٹھ کر کوئی ذکر شکایت کا نہ کرے اور نہ کوئی اپنی رائے ظاہر کرے۔ یا فیصلہ سنائے۔ بلکہ صرف درود تاج پڑھ کر اُتر آئے۔!!!

برائے خُدا تم اپنے علماء سے ضرور دریافت کیجیو۔ کہ ایسا فیصلہ کسی شکایت کا کہیں آپ نے سُنا ہے۔ تب غور تو فرمائیے۔ کہ جس وقت غیر قوم اور غیر مذہب والے یہ سنیں گے

کہ ہمارے رسولِ اکرمؐ مقدمات اور استغاثات کا یوں ہی فیصلہ فرماتے تھے۔ تو اُن کے دلوں میں ہمارے حضورِ اقدسؐ کے عدل وانصاف وقوتِ فیصلہ کی کیا وقعت ہوگی؟ تب حضرت علیؓ کی تنقیص مراتب کرنے کی کوشش میں آپ لوگ جناب رسُول مقبولؐ کی ایسی توہین کیوں فرماتے ہیں؟ غور تو فرمائیے۔ کہ ایسے جج کو یا ایسے حاکم کو غیر مذہب والے یا غیر قوم والے کیا کہیں گے۔ آج کل کوئی اناڑی مجسٹریٹ بھی اگر ایسا فیصلہ صادر کرے۔ تو اس کو لوگ مجذوب اور مخبوط الحواس کہیں گے!!!

لیکن حق یہ ہے۔ کہ خاک ڈالے سے چھپتا ہے چاند۔ لاکھ لوگ حضرت علیؓ کے مدارج کی تنقیص کریں۔ ہزار اپنے رسُول اکرمؐ کی توہین کریں۔ حضرت علیؓ کا درجہ مرتفع ہو ہی جاتا ہے۔ یعنی بہ فرضِ محال یہ تاویل مان بھی لی جائے۔ تاہم میری بات نہیں جاتی۔ یعنی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جناب رسول خُدا صلعم کو جناب امیرؓ کی حکومت اس قدر مطبوع تھی۔ کہ مجرد ایک قوم کی شکایت پر آپ نے یہ اہتمام کیا۔ کہ ستر ہزار آدمیوں کو جمع کر کے (جس میں مختلف قوم اور قبیلے حتیٰ کہ مختلف مُلک کے لوگ جمع تھے یہ فرمایا۔ کہ ایہا الناس جیسا میں ہوں۔ ویسا ہی یہ میرا بھائی ہے۔ پس کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کہ حضرتؐ کی دِلی خواہش تھی۔ کہ لوگ اس کے مطیع اور فرماں بردار رہیں۔ اور اس کی شکایت عین میری شکایت ہے؟ کیا ایسی کارروائی واسطے استقلال و استحکام حکومت کے حضرتؐ نے فرمائی تھی۔ یا واسطے اختتام کے؟ کیا اس کارروائی کے بعد کوئی مصنف یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ جناب رسُول خُدا صلعم کبھی یہ پسند کرتے۔ کہ جس کے لئے ایسی کارروائی کی جائے۔ وہ غریب دو تین ہی مہینے کے بعد مجبُوراً خانہ نشین کر دیا جائے حتیٰ کہ یمن کی حکومت بھی اس سے چھین لی جائے۔ اور دوسرے لوگ مولائے مومنین بن جائیں؟ کیا حضرت علیؓ کے لئے مولائے مومنین ہونا صرف دو تین ہی مہینے کے لئے تھا۔ اور بعدہٗ پچیس برس کے اس میں تمادی لاحق ہوگی؟ جناب رسُول مقبولؐ کو یہ معلوم ہو چکا تھا۔ کہ ہمارا اب تھوڑے دنوں میں دُنیا سے کوُچ ہے۔ اگر حضرتؐ کی یہ خواہش ہوتی یا یہ بات معلوم ہوتی۔ کہ میرے بعد ابوبکرؓ خلیفہ ہوُں گے۔ اور اس وجہ سے یمن کی بھی حکومت ان کے قبضہ میں آجائے گی۔ اور حضرت علیؓ برخاست ہو جائیں گے تو اس کارروائی کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ جناب رسُول مقبول صلعم بہت کرتے۔ تو یہ کرتے۔ کہ یمن والوں کو فرما دیتے۔ کہ تم گھبراؤ نہیں۔ عنقریب تم پر علیؓ سے بھی ایک اعلیٰ شخص حکمران ہوگا۔ پھر ایسی حالت میں جناب رسُول مقبولؐ کا ہے کو اور کس دن کے لئے کہتے

کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ خدایا تو دوست رکھ اُسے جو دوست رکھے اُسے اور دُشمن جان اُسے جو دُشمن جانے اُسے۔ اور نصرت کر اُس کی جو نصرت کرے اس کی۔ میں کہتا ہوں۔ کہ جب حضرت علیؑ کو خلافت ملنے کو نہ تھی۔ تب بیچارے حضرت علیؑ کو نصرت کی کون سی ضرورت تھی۔ کیا خانہ نشینی کے لئے!! یا نماز پڑھنے روزہ رکھنے کے لئے!! المختصر جب یہ تاویل کہ جناب رسول مقبول صلعم نے غدیر کی کارروائی بہ نظر رفع شکایت اہل یمن فرمائی تھی۔ بالکل غلط اور پوچ معلوم ہوتی ہے۔ تب ہمارا دعویٰ کہ اس کارروائی سے جناب رسولِ مقبولؐ نے جناب علی مرتضیٰؑ کو اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر فرمایا تھا۔ نہایت مستحکم اور لاجواب ہو جاتا ہے۔

محی الدین۔ تمہاری کون سی کتاب میں ہے۔ کہ یہ کارروائی حضرت رسول مقبولؐ نے بعد نزول آیہ یا ایہا الرسولؐ بلغ کے فرمائی تھی؟

جناب رسول مقبول صلعم نے غدیر کی کارروائی کس غرض سے فرمائی تھی؟

علی رضا۔ تفسیر عمدۃ البیان وغیرہ جملہ تفاسیر میں ہے۔ کہ جب آیت تاکیدی نازل ہوئی۔ تو جناب رسولِ خداؐ نے وہ کارروائی فرمائی۔ جو ابھی مذکور ہوئی۔ اور بعد اس کارروائی کے یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ ترجمہ۔ آج ہم نے کامل کیا دین تمہارا تم پر۔ اور تمام کی اپنی نعمت تم پر اور راضی ہوئے تمہارے دین سے جو اسلام ہے۔ فقط اس آیت میں خطاب کرنا باری تعالیٰ کا جناب رسولؐ کو اس وقت بصیغہ جمع عجب لطف دے رہا ہے الغرض اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ آیہ یا ایہا الرسولؐ الخ کے بعد فوراً حضرت رسولِ مقبولؐ نے غدیر کی کارروائی فرمائی۔ تو اس میں کوئی شک نہیں رہتا ہے۔ کہ حضرت نے وصیت بہ حکم تاکیدی ربانی فرمائی تھی۔ اور اگر یہ کارروائی اس حکم کی تعمیل نہ سمجھی جائے تو نعوذ باللہ حضرت رسولِ مقبولؐ پر الزام رہ جاتا ہے کہ حضرت نے ابلاغ رسالت نہ فرمایا! کیونکہ بعد واقعہ غدیر کے تو کوئی کارروائی حضرت نے ایسی نہیں فرمائی۔ جو دوبارہ نہ فرماتے ہوں۔ پس تم اپنے علماء سے دریافت کرو۔ کہ اگر یہ نہیں تو حجۃ الوداع کے بعد

حضرت رسول خدا صلعم نے کونسی کارروائی کی۔ جس کے بغیر اس وقت تک رضائے پروردگار میں ابلاغ رسالت ناتمام متصور تھا۔ اور وہ کونسی کارروائی تھی۔ جس میں پروردگار عالم نے الیوم اکملت لکم دینکم الخ فرمایا۔ الیوم پر کیوں زور دیا گیا؟ واضح ہو کہ آیہ کریمہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک میں لفظ بلغ کا استعمال ہوا ہے۔ جو تبلیغ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی پہنچا دینے کے ہیں۔ پس جس واقعہ کو تم اس آیہ کریمہ کی تعمیل میں پیش کرو گے۔ اس میں دیکھنا ہو گا۔ کہ آیا حضرت نے ان چیزوں کی تبلیغ فرمائی ہے یا نہیں جو حضور کو درگاہِ پاک رب العزت سے عطا ہوئی ہیں۔ اگر ایسا نہ پایا جائے گا۔ تو وہ واقعہ کیسا ہی عمل خیر کیوں نہ ہو۔ اس حکم کی تعمیل نہ سمجھا جائے گا۔ مثلاً روزہ۔ نماز۔ خمس۔ زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد کیسے اعمال خیر حتیٰ کہ فروع دین ہیں مگر ان کے بجا لانے سے تعمیل اس آیت کے حکم کی متصور نہ ہو گی۔ کیوں کہ ان اعمال میں کسی چیز کی تبلیغ نہیں ہوتی۔ بہت کھینچ تان کر معنی لگانے سے خمس و زکوٰۃ میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان میں کوئی چیز ایک شخص دوسرے کو دیتا ہے۔ لیکن اس میں مشکل یہ ہو گی۔ کہ دیکھنا ہو گا۔ کہ کون سی چیز حضرت نے زکوٰۃ یا خمس میں ایسی کسی شخص کو دی۔ جو حضور کو اپنے پروردگار عالم سے ملی تھی۔ اور وہ کون زکوٰۃ تھی۔ یا کون سا خمس تھا جس کے ادا نہ ہونے سے رسالت ہی ناتمام تھی۔

محی الدین۔ مگر ہم نے بعض مولوی صاحب کو یہ کہتے سنا ہے۔ کہ اس آیت کا اشارہ واسطے روانگی جیش اسامہ کے ہے۔

علی رضا۔ اولاً لشکر کشی میں کسی چیز کی تبلیغ نہیں ہوتی۔ تب روانگی جیش اسامہ سے تبلیغ اس چیز کی جو پروردگار عالم نے آنحضرتؐ پر اتاری۔ کیونکر قیاس کی جا سکتی ہے ثانیاً اگر مولوی صاحب کی یہ تاویل مان لی جائے۔ تو غضب عظیم ہو جائے گا۔ یعنی اسلام ہی بالکل ناقص رہ جائے گا۔ کیونکہ جیش اسامہ تو آں حضرتؐ کی حیات میں روانہ ہی نہ ہوا۔ تب تو نعوذ باللہ آں حضرتؐ نے خدا کی رسالت ہی نہیں کی۔ یعنی نعوذ باللہ آں حضرت صلعم وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ کے مصداق ہو گئے۔ ایسی حالت میں حقتعالیٰ اکملت لکم دینکم و رضیت لکم الاسلام دیناً کیوں کر فرماتا۔ اس لئے یہ تاویل تو محض غلط ہی ثابت ہوتی ہے۔ تب سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں ملتی۔ کہ آنحضرت صلعم کے اس آیہ کریمہ کی تعمیل میں حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا نائب اور جانشین مقرر کر کے کل احکام شریعت اور کل اسرار حقیقت اور کل علوم ظاہر و باطن جو حضرت صلعم کو درگاہِ

پاک رب العزت سے ملے تھے۔ وہ سب حضرت علی مرتضیٰؑ کو تبلیغ اور ودیعت کر دیئے۔ جس سے رسالت کی تکمیل ہو گئی۔ اور پروردگار عالم نے رضامند ہو کر فرمایا۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔

محی الدین۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ آیہ یا ایہا الرسول الخ حضرت رسول مقبول صلعم کے حجۃ الوداع کے بعد نازل ہوا۔

علی رضا۔ ابتداءً ایک کتاب آیات بینات للذین آمنوا و عملوا الصلحت میرے مذہب میں چھپی ہے۔ اس کے صد ۶۶ سے صد ۷۳ تک اٹھارہ کتب تفسیر سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ یہ بروز غدیر خم شان میں جناب امیرؑ کی نازل ہوا ہے۔ اس لئے غالباً تمہارے علماء اس سے انکار نہ کریں گے۔ کہ یہ آیہ بعد حجۃ الوداع کے نازل ہوا ہے۔ علاوہ اس کے علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں اور امام واقدی اسباب نزول میں۔ اور عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ آیہ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوا۔ اور تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کی عبارت صد ۶۳۶ چھاپہ کلکتہ میں لفظاً لفظاً حسب ذیل ہے (العاشر) نزلت الآیۃ فی فضل علی ابن ابی طالب ولما نزلت ھذہ الآیۃ اخذ بیدہ و قال من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ فلقیہ عمر رضی اللہ عنہ فقال ھنیأً لک یا ابن ابی طالب اصبحت انت مولائی و مولیٰ کل مومن و مومنۃ یعنے یہ آیت فضیلت میں علی ابن ابی طالبؑ کے نازل ہوئی اور جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ خدایا دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے اس کو اور دشمن جان اس کو جو اس سے دشمنی کرے۔ اس کے بعد حضرت عمر نے کہا۔ کہ مبارک ہو آپ کو اے علیؑ ابن ابی طالبؑ کہ آپ آج صبح سے میرے بلکہ جمیع مومنین و مومنات کے مولا ہوئے۔ اس آیہ کریمہ کے شان نزول کے بارے میں اسباب النزول واقدی اور تفسیر در منثور سیوطی اور تفسیر غرائب القرآن میں بھی یہی بات مرقوم ہے دیکھو تاریخ احمدی صد ۶۹۔

اب میں تمہاری دیانت اور علم یقین سے چند سوال کرتا ہوں۔ اور دست بستہ عرض کرتا ہوں۔ کہ اگر زبان سے جواب دینے میں کچھ حجاب معلوم ہو۔ تو دل میں سوچو۔ اور انصاف کرو۔

عا۔ اس تفسیر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ یا نہیں۔ کہ جناب رسول مقبول صلعم نے

یہ کارروائی بہ حکم تاکیدی حضرت باری تعالیٰ جلشانہٗ کے فرمائی تھی۔ اور یہ ایسا امر عظیم تھا۔ کہ اس کے بغیر تبلیغ رسالت ناتمام تھی۔

۲۔ آیا حضرت علیؑ کے ہوتے سقیفہ کی کارروائی جس میں تین مہینے کے اندر دوسرا شخص مولائے مومنین بنا دیا گیا اور خود حضرت علیؑ اس کے تابع بنا دیئے گئے۔ کبھی موافق مرضی خدا اور رسولِ خدا کے ہو سکتی ہے؟

۳۔ بعد نزول اس آیہ کے اور بعد کارروائی غدیر کے اگر کسی شخص نے حضرت علیؑ کے حقوق کو درگذر کر کے دوسرے شخص کو مولائے مومنین بنا دیا۔ اور حضرت علیؑ کو مجبور خانہ نشین کر دیا۔ تو اس کو تم حضرت علیؑ کا دوست کہو گے یا دشمن؟

۴۔ کیا یہ دعا جناب رسول مقبول صلعم کی کہ خدایا دشمن جان اس کو جو اس کا (یعنے علیؑ کا) دشمن ہے۔ قیامت تک قبول نہ ہو گی؟

۵۔ جناب رسول مقبول کو کس کا خوف تھا کہ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا۔ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنی اے محمدؐ تم آدمیوں کا خوف مت کرو۔ اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا؟

اس مقام پر تمہارے علماء نے لفظ مولا میں بڑی نکتہ چینی فرمائی ہے۔ اور لکھا ہے کہ مولا سے فقط مدح مراد تھی۔ اس سے مولا بالتصرف مقصود نہ تھا۔ اس کے جواب میں ہمارے عالم کامل جناب مولانا السید حامد حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ نے ایک مجلد ضخیم و جسیم کتاب عبقات الانوار تالیف فرمائی ہے۔ جس میں قطعی طور پر ثابت کیا ہے کہ ان الفاظ سے جناب امیرؑ کی ولی عہدی مراد تھی۔ لیکن میں اس امر میں کوئی ضرورت اس قدر طول کلام کی نہیں دیکھتا۔ میں فرض کر لیتا ہوں۔ کہ یہ کلمات جناب رسول مقبول صلعم نے صرف مدح میں جناب امیرؑ کے فرمائے تھے۔ تب یہ ماننا ہو گا۔ کہ جناب رسول مقبول صلعم نے یہ مدح خوانی جناب امیرؑ کی پروردگار عالم کے ایسے حکم تاکیدی سے فرمائی تھی۔ کہ اگر آپ تعمیل نہ کرتے یعنی مدح نہ کرتے۔ تو تبلیغ رسالت ناتمام رہ جاتی۔ اس رو سے تکمیل رسالت کی موقوف اوپر مدح خوانی حضرت امیرؑ کے ہو جاتی ہے۔ پس اگر بھائی غور کرو۔ تو تمہارے علماء کی تاویل سے درجہ حضرت علیؑ کا انتہائے قیاس سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ اللہ اکبر! وہ کونسا ایسا مقبول بندہ خدا کا ہے۔ جس کی مدح کرنا حق تعالیٰ نے اپنے رسول کا فرض گردانا! اور رسولؐ بھی کون کہ جس کو قاب قوسین او ادنیٰ کا شرف حاصل ہوا۔ اور فرض بھی کیسا۔ کہ اگر ادا نہ ہوتا۔ تو رسالت ناتمام! اللہ اکبر! اللہ اکبر!! جب آپ کے علماء یہ کہیں

تو سرمستان بادۂ خم غدیر کیوں نہ بول اٹھیں۔

رُباعی

اُوصاف علیؑ بہ گفتگو ممکن نیست
گنجائش بحر در سبو ممکن نیست
من ذات علیؑ بہ واجبی کے دانم
الا دانم کہ مثل او ممکن نیست

اب یہ ایک بات اور قابل غور آپ کے ہے۔ برائے خدا انصاف فرمایئے۔ کیا آپ کا دِل اس کو قبول کرتا ہے۔ کہ جس شخص کی مدح کرنا خداوند عالم اپنے حبیب افضل المرسلین کا فرض گردانے وہ مجبور خانہ نشیں اور تابع بنایا جائے اور جس کو سقیفہ والے خفیف الاوقات لوگ جو رسُول اللہ کی تجہیز و تکفین کی بھی پروا نہ کریں۔ خلیفہ بنائیں۔ وُہ امیرالمومنین بنے!! ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

ہزار افسوس کہ سقیفہ میں حضرات شیخین نے اتنا بھی نہ کہا۔ کہ خلیفہ رسُول وہ شخص ہو۔ جس کی مدح رسُولِ خُدا بہ حکم خُدا کر گئے ہیں۔

محی الدین۔ لیکن آیہ یا ایہاالرسولؐ الایۃ میں تو مطلق ذکر مدح کرنے یا خلیفہ بنانے کا نہیں ہے۔ پھر آپ یہ کیونکر کہتے ہیں۔ کہ جناب رسُول مقبولؐ نے کارروائی غدیر کی بہ تعمیل حکم اس آیت کے فرمائی تھی۔ ممکن ہے کہ اس آیت سے کوئی دوسرا امر مراد ہو۔ اور رسُول مقبولؐ نے یہ دوسری کارروائی علیحدہ کی ہو۔

علی رضا۔ بھئی عقل سے آدمی اللہ کو پہچانتا ہے۔ مَیں آپ سے پوچھتا ہُوں۔ کہ بلاتشبیہہ فرض کیجئے۔ کہ جب جناب نواب گورنر جنرل بہادر شملہ سے کلکتہ جاتے ہُوں۔ اس وقت ایک تار حضور قیصر ہند کا اُن کے پاس اس مضمون کا آوے۔ کہ جس امر کے لئے بار بار آپ کو لکھا گیا اس کی تعمیل فوراً کیجئے۔ اور اگر نہ کیجئے گا۔ تو آپ کو واپس بلایا جائے گا۔ اور فرض کیجئے۔ کہ یہ تار اُن کو اثنائے راہ میں (بمقام بانکی پور اسٹیشن) ملے اور موقوف الیہ اس تار کے پڑھتے ہی (کلکتہ پہنچنے کا بھی انتظار نہ کریں۔ بلکہ فوراً ہی گاڑی سے اُتر کر وہیں اسٹیشن پر ایک دربار منعقد فرمائیں۔ اور اس دربار میں بمقابلہ رؤسا و اکابر کے فرمائیں۔ کہ فلاں شخص جو ہماری کونسل کے ممبر ہیں۔ لفٹنٹ گورنر بنگال مقرر کئے گئے۔ تو اس کارروائی کے بعد آپ کو کچھ شک رہے گا۔ کہ حضور قیصر ہند کے تار کا مقصد حقیقتاً یہی تھا کہ فلاں صاحب لفٹنٹ گورنر مقرر ہُوں؟ کیا آپ سمجھیں گے۔ کہ اس تار کا مقصد دوسرا تھا۔ اور یہ کارروائی علیحدہ تھی؟

میرے نزدیک عقلاً یہ مثال آپ کے جواب کے لئے کافی ہے۔ لیکن اگر آپ اس پر بھی

ہٹ دھرمی کریں۔ تو میں آپ کو امام فخر الدین رازی صاحب کے حوالہ کرونگا۔ کیونکہ آپ کی دونوں باتوں کا جواب آپ کے امام صاحب دے چکے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیہ فضل میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے نازل ہوا۔ پس اگر اس آیہ کے مشارٌ الیہ حضرت علیؑ نہ ہوں۔ تو آن کا فضل اس سے کیا ہوگا؟ دوسرے یہ کہ امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ لما نزلت ھذہ الآیۃ اخذ بیدہ الخ یعنی بمجرد نازل ہونے اس آیت کے حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا۔ اور من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ۔ فرمایا۔ پس آیت کا حضرت علیؑ کے فضل میں نازل ہونا۔ اور اس آیت کے نازل ہوتے ہی جناب رسول مقبولؐ کا اعلانِ ولایت کرنا تو آپ کے امام صاحب کا مقبولہ ہے۔ ختم۔ علاوہ اس کے کتاب مذکور میں بصفحہ ۵۲۹ چھاپہ کلکتہ لکھا ہے کہ آیہ یا ایہا الرسول کے بعد نزول حضرت رسول مقبول صلعم صرف اکاسی یا بیاسی دن زندہ رہے۔ اور ظاہر ہے کہ اٹھارھویں ذی الحجہ سے بارھویں ربیع الاول تک اگر دو انتیس اور ایک تیس کا چاند لیا جائے۔ تو ٹھیک بیاسی روز ہوتے ہیں اس طرح پر کہ ۱۹ ذی الحجہ سے ۲۹ تک ۱۱ یوم اور محرم ۳۰ اور صفر ۲۹ یوم اور ربیع الاول ۱۲ یوم کے ملانے سے ۸۲ یوم ہوئے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ آیہ بروز غدیر نازل ہوا۔ اور ہم لوگوں کا اعتقاد ہے۔ کہ اس کارروائی کے بعد آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوا۔

محی الدین۔ آیہ یا ایہا الرسولؐ سے آیۂ اکملت لکم بہت فصل پر واقع ہے۔ پس تم یہ کیونکر کہتے ہو۔ کہ یہ دونوں آیتیں متواتر وارد ہوئیں۔

علی رضا۔ اس کی وجہ تو ظاہر ہے کہ ترتیب قرآن ٹھیک موافق تنزیل کے نہیں ہے۔ فریقین میں مسلم ہے کہ پہلا سورہ جو حضرت پر نازل ہوا۔ وہ سورہ اقراء باسم ہے۔ مگر ترتیب میں وہ پارہ عم یعنی اخیر پارہ میں واقع ہے۔ اور پارہ اول سے بہت فصل پر واقع ہے اور آیہ یا ایہا الرسول اور آیہ" اکملت لکم" تو کم سے کم ایک سورہ اور ایک پارہ میں واقع ہے

محی الدین۔ تو اس بارے میں میرے علماء کیا لکھتے ہیں۔

علی رضا۔ بعضے تو لکھتے ہیں۔ کہ جیسا ہم کہتے ہیں۔ کہ واقعہ غدیر کے بعد فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن اکثر کہتے ہیں۔ کہ یہ آیت مکہ میں جب حضرت رسول خدا صلعم کا حج آخری ختم ہوا۔ یعنی قبل نزول آیہ یا ایہا الرسولؐ کے نازل ہوئی۔ مگر کئی دلیل سے یہ خیال بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آیہ یا ایہا الرسول سے صاف ثابت ہے۔ کہ اس وقت تک ایک ایسا اہم اور امر عظیم باقی تھا۔ جس کی تعمیل نہ ہونے سے رضائے پروردگار میں امر رسالت ناتمام تھا۔

یعنی حقتعالےٰ نے فرمایا تھا وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (یعنی اے محمدؐ) اگر تم اس کام کو نہ کرو گے۔ تو گویا تم نے رسالت ہی نہیں کی پس جب ایسا امر اہم جس کے بغیر تبلیغ رسالت ناتمام تھی۔ تو الیوم اکملت لکم دینکم الخ کیونکر کہا جا سکتا تھا۔ اور کیونکر یہ بات عقل میں آ سکتی ہے۔ کہ بروز عرفہ تو خداوند عالم کہے۔ کہ آج ہم نے تمہارا دین کامل کیا۔ اور تم پر اپنی نعمت تمام کی اور تمہارے اسلام سے راضی ہوئے۔ اور پھر آٹھ دس ہی دن کے بعد فرمائے۔ کہ اے محمدؐ تم فلاں کام کرو۔ اگر نہ کرو گے۔ تو تم نے گویا خدا کی رسالت ہی نہیں کی۔ آپ کے علماء کو اختیار ہے۔ کہ خداوند عالم کو ایسا متلون الطبع کہیں۔ کہ آج تو ایک شخص پر اپنی نعمت کا خاتمہ کرے۔ اور کل اسی کو کہے۔ کہ اگر تم فلاں کام نہ کرو گے تو تمہارا ریاض بالکل بے کار ہوگا۔ مگر مجھے مطلق شک نہیں۔ اور نہ کوئی عاقل شک کر سکتا ہے۔ کہ آیۂ کریمۂ اکملت لکم یقیناً بعد آیہ یاایہا الرسول کے آیا۔ اور چونکہ ہم ثابت کر چکے کہ آیہ یاایہا الرسول بعد کارروائی غدیر کے آیا تھا۔ اور چونکہ حجۃ الوداع کے بعد جناب رسول مقبول صلعم نے سوائے کارروائی غدیر کے اور کوئی ایسی کارروائی نہ کی جو قابل ذکر ہو۔ اس سے صاف ثابت ہے۔ کہ یہ رضامندی پروردگار عالم کی اور یہ اتمام نعمت اس معبود برحق کا علی مرتضےٰ کی جانشینی پر ہوا۔ اور آیہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ یعنی آج ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کیا اور آج ہم نے تم پر اپنی نعمتوں کا خاتمہ کیا۔ اور آج ہم تمہارے اسلام سے راضی ہوئے بعد کارروائی غدیر کے نازل ہوا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ ہے۔ کہ جناب رسول مقبول ؐ خاتم النبیین ہوئے۔ آپ پر رسالت تمام ہوئی۔ اور بعد اس کے سلسلہ امامت شروع ہوا۔ جو قیامت تک قائم رہے گا۔ اس لئے جس وقت سلسلۂ امامت قائم ہو گیا۔ بس دین کی تکمیل ہو گئی اور نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اور پروردگار عالم کی خواہش دین اسلام سے پوری ہو گئی۔

محی الدین۔ مگر آیہ اکملت لکم دینکم اس مقام پر واقع ہے۔ جہاں حق تعالےٰ نے حلت وحرمت ماکولات کی (یعنی کھانے کی چیزوں کی) بیان فرمائی ہے۔ اور بعد نامزد کرنے حرام چیزوں کے فرما دیا کہ الیوم اکملت دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ یعنی آج ہم نے تمہارا دین کامل کیا۔ اور آج اپنی نعمت تم پر تمام کی۔

علی رضا۔ بعد پڑھنے آیات ماقبل ومابعد کے کوئی شک نہیں رہتا۔ کہ یہ آیت اس مقام پر بالکل بے محل ہے۔ آیات ماقبل اور مابعد یہ آیت قرآن مجید میں یوں لکھی ہے۔ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب وان

تستقسموا بالازلام ذٰلکم فسق ؕ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون ؕ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم ؕ ترجمہ :- حرام ہوا تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سور کا۔ اور جس چیز پر سوائے اللہ کے دوسرا نام لیا گیا۔ اور جو مر گیا گھٹ کر یا چوٹ سے یا گر گیا سینگ مارنے سے اور جس کو کھایا پھاڑنے والے (جانور) نے مگر جن کو تم نے ذبح کر لیا۔ اور جو ذبح ہوا۔ کسی تھان پر۔ اور جو جانور کہ مارو تم ساتھ تیروں کے۔ آج ناامید ہوئے۔ کافر تمہارے دن سے سو اُن سے مت ڈرو۔ اور مجھ سے ڈرو۔ آج ہم نے پورا کیا دین تمہارا۔ تم پر اور پورا کیا ہم نے تم پر احسان اپنا اور پسند کیا واسطے تمہارے دین اسلام کا۔ پس اگر کوئی ناچار ہو گیا۔ بھوک سے بغیر خواہش گناہ کے تو اللہ بخشنے والا ہے۔ سیاق عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اگر "الفاظ آج نا امید ہوئے کافر تمہارے دین سے لغایت تمہارے واسطے دین اسلام" اس مقام سے نکال لئے جائیں۔ تو عبارت نہایت مسلسل رہتی ہے۔ اور کسی قسم کا ہرج معلوم نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے رضیت لکم الاسلام دینا کے بعد عبارت فمن اضطر غیر متجانف کس قدر بے جوڑ معلوم ہوتی ہے۔ یعنی جملہ "ہم راضی ہوئے تمہارے اسلام سے" کے بعد یہ عبارت کہ "پس اگر کوئی ناچار ہو گیا بھوک سے بغیر خواہش گناہ کے" بالکل ہی بے لگاؤ معلوم ہوتی ہے۔ غالباً تمہارے علماء قبول کریں گے۔ کہ فمن اضطر کا "ف" "ذالکم فسق" سے ملا ہوا ہے اور درمیان کا جملہ بالکل جملہ معترضہ علیحدہ ہے۔ علاوہ اس کے تم خود غور کرو کہ قبل اس آیت کے ذکر ان چیزوں کا ہے۔ جن کا کھانا شرعاً حرام ہے تب اُن چیزوں کے ذکر کے بعد یہ فرمانا کہ آج میں نے تمہارا دین تم پر کامل کیا۔ اور آج تم پر اپنی نعمت تمام کی۔ اور آج تمہارے اسلام سے راضی ہوئے۔ بے محل معلوم ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ترتیب دہندہ قرآن نے سہواً یا قصداً اس آیت کو اس جگہ لکھ دیا۔ کیونکہ اگر شان نزول آیت کی نعمت کھانے پینے کی سمجھی جاوے۔ "تو اتممت علیکم نعمتی تو فی الجملہ چسپاں ہوگی۔ لیکن اکملت لکم دینکم (یعنی کامل کیا ہم نے تمہارا دین تم پر) بیکار ہو جائے گا۔ کھانے پینے سے تکمیل دین کیوں کر ہوگی۔ اور اس کے بعد (رضیت لکم الاسلام) تو اور بھی بے معنی ہو جائے گا کیونکہ اسلام سے راضی ہونے کے لئے کوئی بات منجانب اسلام ہونی چاہیئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جب کوئی کام جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا۔ تب حقتعالےٰ نے فرمایا۔ کہ آج ہم نے تمہارا دین تم پر

کامل کیا۔ اور آج تم پر اپنی نعمت تمام کی۔ اور آج تمہارے اسلام سے راضی ہوئے۔ چنانچہ میرے قول کی تائید حافظ ابو نعیم اور ملا حجر عسقلانی کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ دیکھو تاریخ احمدی صنہ۹۔

محی الدین۔ ہاں یہ تو واقعی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حق تعالےٰ کی رضامندی کے لئے اس روز کوئی امر من جانب اسلام ضرور ہونا چاہیئے۔ اور کھانے پینے کی نعمت فوری ہوتی ہے۔ جس کو فوراً زوال ہے لیکن جس شدومد سے اعلیٰ حضرت جلشانہٗ نے اس نعمت کا ذکر کیا ہے۔ اس سے نعمت جاوید مراد معلوم ہوتی ہے۔ اور تب یہ بات ہمارے حضرات صوفیا کے اعتقاد سے کہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی مسلمانوں کے لئے ایک نعمت جاودانی ہے، بہت مطابق ہو جاتی ہے۔ لیکن بھائی میرے ذہن میں ایک بات یہ آئی ہے۔ کہ آیہ یاایہا الرسول میں بار رسول مقبول صلعم کے الفاظ من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ میں لفظ خلیفہ کا نہیں ہے۔ اگر حضرت رسول خدا صلعم لفظ خلیفہ ارشاد فرما دیتے۔ تو سارا جھگڑا رفع ہو جاتا۔

اگر جناب رسولِ مقبول صلعم بروز غدیر الفاظ "علی خلیفتی" فرماتے تو کیا اس کی وقعت من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ سے زیادہ ہوتی؟

علی رضا۔ کیا جھگڑا رفع ہوتا! جہاں انتہا درجہ کی ہٹ دھرمی ہے۔ وہاں جھگڑا طے ہونے سے کیا واسطہ۔ جب اعلیٰ ترین الفاظ کے معنی ادنیٰ ترین سمجھے جاتے ہیں تو جو لفظ حضرت استعمال فرماتے۔ اس پر سو سو تاویلیں کی جاتیں۔ اور پھر معاملہ ویسا کا ویسا ہی رہ جاتا۔ تم خود غور کرو۔ کہ لفظ خلیفہ سے لفظ مولا بدرجہا بڑھ کر ہے۔ یا نہیں ؟ باعتبار لغوی معنی کے خلیفہ صرف مابعد آنے والے کو کہتے ہیں۔ اور مولیٰ جو ولی سے مشتق ہے والی اور سرپرست اور حامی اور مددگار کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاحاً خلیفہ نائب کو کہتے ہیں جو ہمیشہ اپنے منیب سے کم درجہ سمجھا جاتا ہے۔ اور مولیٰ ہمیشہ بڑوں کی شان میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس وقت ہم لوگ جب بزرگانِ دین حتیٰ کہ حق تعالیٰ جلشانہٗ کو پکارتے ہیں۔ تو یا آقا اور یا مولیٰ کہہ کر پکارتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالےٰ جلشانہٗ نے پارہ سوم

سورہ بقر کے اختتام پر مومنین کو اپنی بارگاہ میں دُعا کرنے کی یُوں ہدایت فرمائی ہے کہ تم لوگ کہو ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین۔ اب ہم حیران ہیں۔ کہ جو شخص مثل جناب سرور کائنات کے کل مومنین و مومنات حتیٰ کہ صحابہ کرام کا مولیٰ ہو۔ وہ حضور کے خلیفہ سے یا انہیں صحابہ میں رہ کے کیونکر کم ہو سکتا ہے۔ الغرض اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں سے لفظ خلیفہ سے لفظ مولیٰ بدرجہا بہتر اور اعلیٰ ہے لیکن افسوس کہ ہٹ دھرمی اور نکتہ چینی سے ایسا اعلیٰ لفظ محض بے کار کر دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک اس بارے میں ایک شعر جناب مولانا سید شاہ علی حسن صاحب سجادہ نشین قصبہ جائس کا جو سنی المذہب ہیں۔ سارے قضیہ کو فیصل کر دیتا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں ؎

عبث در معنی من کنت مولا می روی ہر سو علی مولا بایں معنی کہ پیغمبر بود مولیٰ

افسوس ہے۔ کہ عوام سنت جماعت جناب امیر علیہ السلام کے مدارج کی تنقیص میں اس قدر منہمک ہیں۔ کہ اپنے علماء کے قول کو نہیں مانتے!!

پس جہاں ایسی ہٹ دھرمی اور نکتہ چینی ہے وہاں اگر جناب رسول مقبولؐ لفظ خلیفہ کا بھی استعمال فرماتے۔ تو کیا ہوتا؟ آپ کے علماء تو اس کو یہ کہہ کر ہوا کر دیتے کہ خلیفہ بعد آنے والے کو کہتے ہیں۔ اس لئے یہاں پر جناب رسول مقبولؐ نے حضرت علیؑ کو خلیفہ اس مطلب سے کہا تھا۔ کہ حضرت علیؑ میرے بعد جنت میں آئیں گے۔ یعنی میرے بعد انتقال کریں گے۔ بس قصہ ختم ہو جاتا!!! خدا کے لئے ذرا غور کرو کہ اگر کوئی شخص تمہارے سامنے کسی شخص کو کہے۔ کہ یہ تو میرے مولیٰ ہیں۔ اور وہی شخص دوسرے شخص کی نسبت کہے۔ کہ یہ تو میرے خلیفہ ہیں۔ تو تم دونوں میں کس کا رتبہ زیادہ سمجھو گے؟ کیا کوئی شخص اس میں ذرا بھی شک کر سکتا ہے۔ کہ قائل شخص اوّل کو اپنا افسر اور دوسرے شخص کو اپنا نائب اور اس لئے اپنے سے کم سمجھتا ہے۔ بھائی اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ جناب علی مرتضیٰؑ کو حضور اقدس تو روزِ ازل ہی میں اپنا خلیفہ بنا چکے تھے۔ اور آخر زمانہ میں بھی بوقت غزوۂ تبوک اپنا خلیفہ قرار دے چکے تھے۔ جیسا کہ میں سابقاً کہہ چکا ہوں۔ اسی لفظ کو حضرت بار بار کتنی مرتبہ کہتے؟ علاوہ اس کے اس کارروائی میں دوسرا ایک بڑا بھاری اسرار یہ ہے۔ کہ حضور اقدس جناب سرور کائناتؐ نے غدیر کی کارروائی موجب فرمان عالی شان حضرت شاہنشاہ عالم جلشانہ کے نہایت بااطمینان

اور شاہانہ طریقہ سے انجام فرمائی تھی۔ یعنی اوّلاً ایک دربار عالی شان جیسا عالم سفر میں ممکن تھا۔ منعقد فرمایا۔ اور کل حجاج کو جن کی تعداد ستر ہزار تھی۔ مجتمع فرمایا۔ بعدہٗ پالان شتر کا ایک منبر بنایا۔ اور اس پر آپ رونق افروز ہوئے اور سب کارروائی ٹھیک قاعدے اور ضابطہ اور قانون سے فرمائی۔ چونکہ یہ دربار عالی شان ہے، اور درباروں میں اس وقت تک قاعدہ چلا آیا ہے۔ کہ اسپیکر نہایت سنجیدہ اور متین اور باوقعت الفاظ استعمال کرتا ہے اور حضورؐ اقدسؐ کی خواہش تھی۔ کہ بذریعہ پبلک ڈکلریشن (استقرار عام) کے جمہور اسلام پر اس امر کو شائع فرمائیں۔ کہ علی مرتضیٰؑ صرف آپ کے بعد آنے والے یا جانشین ہی نہیں ہیں۔ بلکہ سیرت اور تقرب میں بلکہ جملہ صفات حمیدہ میں مثل حضورؐ اقدسؐ کے ہیں۔ اور اس لئے مثل حضورؐ کے واجب الاطاعت ہیں۔ اس لئے حضورؐ اقدسؐ نے اس کے اظہار کا سب سے اچھا طریقہ یہ سمجھا۔ کہ جس لفظ سے حضورؐ اپنے کو خطاب فرمائیں۔ اسی لفظ سے علی مرتضیٰؑ کو بھی خطاب فرمائیں۔ تاکہ لوگ جانیں اور آگاہ ہو جائیں، کہ علی مرتضیٰؑ صرف خلیفہ یا جانشین ہی نہیں ہیں۔ بلکہ حضورؐ اقدسؐ کے مثل واجب الاطاعت اور واجب التعظیم ہیں۔ اس واسطے حضورؐ نے فرمایا من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ یعنی جس کا میں مولا ہوں۔ اُس کا علیؑ مولا ہے۔ اور اسی لفظی چھیڑ چھاڑ کے دفع کرنے کے لئے حضورؐ اقدسؐ نے پہلے ہی جمہورِ اسلام سے پوچھ لیا تھا۔ کہ الست اولی منکم (لفظ اولیٰ بھی لفظ ولی سے مشتق ہے) یعنی کیا میں تم سبھوں سے افضل نہیں ہوں؟ جب سبھوں نے اقرار کیا۔ کہ ہاں حضورؐ ہم سبھوں سے افضل ہیں۔ تب حضرتؐ نے فرمایا من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ بذریعہ پبلک ڈکلریشن کے حضورؐ اقدسؐ نے حضرت علی مرتضیٰؑ کو جمیع مومنین و مومنات حتیٰ کہ کل صحابہ کرام کا مولا اور افضل قرار دیا تھا۔ چنانچہ (بعد وفات جناب سرور کائناتؐ کے تو کچھ کارروائی کریں) اس روز تو حضرت عمرؓ نے بھی حضرت علیؑ کو اپنا مولا بلکہ جمیع مومنین و مومنات کا مولیٰ مان لیا تھا۔ کیا مجھے اس کہنے کے بعد اب ضرورت باقی ہے۔ کہ اگر حضرت فرماتے۔ کہ "علی خلیفتی" تو اس میں ہرگز وہ شان و شوکت نہیں پائی جاتی۔ جو من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ میں۔ پائی جاتی ہے؟ کیا ان الفاظ سے دونوں بزرگوں کی شان برابر معلوم نہیں ہوتی؟ کیا اس سے یہ بات مثل آفتاب عالم تاب کے عیاں و آشکارا نہیں معلوم ہوتی۔ کہ جیسے خود حضرت سرور کائناتؐ تمام عالم مع اصحاب کبار کے مولیٰ اور آقا تھے۔ اسی طرح آں حضرتؐ

صلعم نے علی مرتضیٰؑ کو تمام عالم کا حتیٰ کہ کل صحابۂ کرام کا مولا اور آقا قرار دیا؟ کیا ممکن ہے۔ کہ یہ شان مرتضوی صرف لفظ خلیفہ کے استعمال سے ظاہر ہو سکتی تھی۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلعم "علی خلیفتی" فرماتے تو آپ کے علماء کو تو اور داؤں مل جاتے اور کہتے۔ کہ حضرتؐ نے لفظ خلیفہ فرمایا تھا۔ خلیفہ اوّل تو نہیں کہا تھا۔

پس آپ کے علماء کے نزدیک جب لفظ مولا محض ہیچ ہے۔ تو لفظ خلیفہ کی کیا وقعت ہوتی؟ علاوہ اس کے اس کارروائی میں دوسرا نکتہ یہ ہے۔ کہ یہ پبلک ڈکلریشن اور یہ پبلک اشاعت حضور اقدسؐ نے بحکم حقتعالےٰ جلشانہ کے فرمائے تھے۔ اور اس ذریعہ سے سلسلہ امامت کا جو تا قیام قیامت قائم رہے گا۔ اور مستقر فرمایا تھا۔ اس لئے حضرتؐ نے علی مرتضیٰؑ کی شان میں وہی لفظ استعمال فرمایا۔ جو اپنی شان مبارک میں استعمال فرمایا۔ تاکہ لوگ جانیں اور سمجھیں کہ علی مرتضیٰؑ مثل حضور اقدسؐ کے واجب التعظیم اور واجب الاطاعت ہوتے ہیں۔

لیکن ہزار افسوس کہ جناب سرور کائنات صلعم کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ حضور اقدسؐ کی اُمت میں علمائے سنت جماعت ایسے نکلیں گے۔ کہ حضورؐ کی سب کوششوں کو بیکار کریں گے۔ اور اعلیٰ ترین لفظ کو ادنیٰ لفظ سے کم رتبہ بنا دیں گے۔ اور حضور اقدسؐ کے دربار عالی شان کے ایسے استقرار اور اظہار عام کو معمولی کارروائی سے بھی کم بلکہ بالکل بے کار کر دیں گے!!!

برائے خدا تم خود سوچو اور اپنے علماء سے دریافت کرو۔ کہ اگر جناب رسول مقبولؐ واقعی حضرت علی مرتضیٰؑ کو اپنا نائب اور جانشین بنانا چاہتے تو من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ سے زیادہ وقعت دار کونسا جملہ استعمال فرماتے؟ یا کس لفظ یا کن الفاظ کے استعمال سے آپ لوگ مان جاتے۔ کہ ہاں یہ تو البتہ خلافت کو ثابت کرتا ہے۔ بعدہٗ دیکھ لینا۔ کہ اس جملہ یا ان الفاظ سے من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ بہت زیادہ جامع اور مانع اور فصیح و بلیغ ہے یا نہیں؟ میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ بلا تشبیہہ جس طرح قرآن پاک میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ یعنی تم کو اگر اس کلام پاک کے بارے میں جو ہم نے اپنے عبد پر نازل کیا ہے۔ کچھ شک ہو تو مثل اس کے ایک سورہ ہی لاؤ۔ اسی طرح بلا تشبیہہ میں دعویٰ کرتا ہوں۔ کہ حضرات سُنّت جماعت کو کلام پاک من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ کے دربار عام میں اعلان کئے جانے کے بعد بھی علی مرتضیٰؑ کی خلافت بلا فصل پر شک و شبہ ہو تو سب مل کر اگر

ممکن ہو تو جملہ من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ سے زیادہ فصیح و بلیغ جامع و مانع جملہ لائیں تو سہی! کیا مجال!!!

محی الدین۔ ماشاء اللہ اس وقت تو آپ بہت جوش میں آگئے۔ یہ تو بڑے غلو کا جملہ ہے۔

علی رضا۔ میں نے ہرگز غلو نہیں کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کلام پاک کی فصاحت اور بلاغت جامعیت مجھ سے ایسا بڑا بول بلوا رہی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اگر میں غلو بھی کروں۔ تو بے جا نہیں ہے۔ کیونکہ آخر یہ جملہ کلام پاک کس کا ہے اور کس وقت ارشاد ہوا ہے!!

بھائی یہ کلام پاک اُسی ہادیٔ برحق شفیع مطلق پیشوائے انام سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کا ہے۔ جس کی زبان معجز بیان کے ذریعہ سے کلام پاک حقتعالے جلشانہٗ عم نوالہٗ کا ہم لوگوں تک پہنچا ہے۔ میں نے شب گذشتہ کو اس جملہ پاک (من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ کی بلاغت اور جامعیت پر غور کی تو وسعت اس کی میرے انتہائے قیاس سے زیادہ معلوم ہوئی۔ اور کوئی شک نہیں۔ کہ اس جملہ پاک کے استعمال سے آنحضرت صلعم نے دریا کوزہ میں بند کیا ہے۔ ذرا تم غور کرو کہ جناب سرور کائنات صلعم کس کس کے مولا ہیں؟

غالباً کسی مسلمان کو اس سے انکار نہ ہوگا کہ آنحضرت صلعم عالم انس عالم جن عالم ملکوت عالم ارواح عالم اجساد وغیرہ وغیرہ (کہاں تک شمار کروں) سب کے مولا ہیں۔ اور جب آپ نے یہ فرما دیا کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کے علیؑ مولا ہیں۔ تو کیا بدیہی طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ حضرت علی مرتضیٰؑ بھی اُن ہی تمام عالموں کے یعنی عالم انس عالم جن عالم ملکوت عالم ارواح وغیرہ وغیرہ سب کے مولا ہوئے۔ اور اس لئے بلا ریب و شک حضرات خلفائے ثلاثہ کے بھی مولا ہوئے۔ پس جو شخص مثل جناب رسولِ خدا کے تمام عالم کا مولا ہو۔ اور جس کی ولایت کا اعلان دربار عالی شان میں باضابطہ طور پر (بذریعہ پبلک ڈکلریشن کے) کیا گیا ہو اُسکی خلافت بلافصل پر شک کرنا یا اُس کے مدارج یا حقوق یا مراتب کسی صحابہ رسُول سے کم کر دینا بحالت صحت ذات و ثبات عقل کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

مگر ہزار افسوس کہ ایسے ایسے آیات بینات کے بعد اور ایسے ایسے جامع اور مانع ملفوظات کے بعد اور ایسے ایسے استقرار عام (پبلک ڈکلریشن) کے بعد بھی کروڑوں مسلمانوں کو بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ کہ جناب رسُولِ خدا صلعم نے اپنی حیات میں کسی کو اپنا نائب

یا جانشین مقرر نہیں فرمایا تھا۔ اور یہ کہ حضرت علی مرتضیٰؑ کو سوائے داماد رسولؐ ہونے کے اور کوئی قابلیت یا لیاقت یا صلاحیت خلیفہ رسُول ہونے کی نہ تھی۔ اور اس لئے بعد رسُول خدا صلعم کے جو آپ خلیفہ نہ ہوئے۔ تو بہت اچھا ہُوا !!! اِس پر مَیں سوائے اس کے اور کیا کہوں۔ کہ جیتے رہیں علمائے سُنت جماعت کہ کروڑوں مسلمانوں کو کس طرح فضائے نورانی سے بحرِ ظلمات میں۔ اور سفینہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم سے گرداب بلا میں پھینک رہے ہیں ! الامان !! الحفیظ !!!

اب کوئی ان حضرات علمائے سنت جماعت سے پوچھے۔ کہ آیا علی مرتضیٰؑ حضرات خلفائے ثلاثہ کے مولا تھے یا نہیں ؟ اگر وہ حضرات فرمائیں۔ کہ علی مرتضیٰؑ اُن حضرات کے مولا نہ تھے۔ تو کیا بدیہی طور سے یہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ کہ تب جناب رسُول مقبولؐ صلعم بھی ان کے مولا نہ تھے ؟ تب اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ حضرات بالکل بے سر کی فوج تھے !! اور اگر حضرات علمائے سُنت والجماعت فرمائیں۔ کہ بیشک بوجہ نص صریح حدیث شریف من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ اور بوجہ ایجاب صریح حضرت عمر کے کہ یا علیؑ آپ میرے بلکہ جمیع مومنین و مومنات کے مولا ہیں۔ حضرت علیؑ حضرات خلفائے ثلاثہ کے بھی مولا تھے۔ تب حضرت علیؑ نے کیا قصور کیا تھا۔ کہ تین مہینے کے بعد اپنے درجہ سے ڈگریڈ کر دیئے گئے ؟ یعنی اتار دیئے گئے ؟ اور کس استحقاق سے اور کس دعوئے سے حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ حضرت علیؑ کے مولا بلکہ مولائے کائناتؑ کے بھی مولا بن گئے ؟ الٰہی توبہ !!!

بعض حضرات سُنت جماعت یہ فرماتے ہیں۔ کہ جملہ من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ صرف ایک جملہ مدحیہ تھا۔ اس کا عملی مطلب کچھ نہ تھا۔ تو مَیں یاد دلاتا ہوں۔ کہ جب جناب سرور کائنات صلعم نے حضرت علیؑ مرتضیٰؑ کی طرف مدح فرمائی ہے۔ اس وقت صرف اپنی ذات پاک کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جمہور انام کو درمیان میں نہیں لائے ہیں۔ مثلاً انا و علیؑ من نورٍ واحدٍ یا انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا یا النظر الیٰ علیٍّ عبادۃٌ وغیرہ وغیرہ مگر بمقام غدیر خم چونکہ آں حضرت صلعم نے بہ حکم خالق کائنات علی مرتضیٰؑ کو سردار عالم اور اپنا جانشین مستقل مقرر فرمایا تھا۔ اس لئے تمام عالم کو درمیان میں لائے۔ اور دربار عام میں باضابطہ طور پر اعلان کر دیا۔ کہ جس جس کا مَیں مُولا ہُوں اُن سب کے علیؑ مولا ہیں۔ جس میں اشخاص حاضر و غائب موجود و غیر موجود حال و مستقبل سب کے سب شامل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمر نے جو مبارکباد دی۔ اس کے الفاظ سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

یعنی آپ نے فرمایا تھا۔ بخ بخ لک یا علی انت مولای و مولا کل مومن و مومنۃ یعنی مبارک ہو آپ کو اے علیؑ کہ آپ میرے اور جمیع مومنین و مومنات کے مولا ہوئے۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ جس کے علیؑ مولا نہیں ہیں۔ یا جو علیؑ کو مولا نہ مانے۔ وہ مومن نہیں ہے۔
اب تم خود غور کرو کہ جملہ من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ سے بڑھ کر کوئی فصیح و بلیغ جامع و مانع جملہ قیاس میں آسکتا ہے؟ تب کیا میں نے جو دعویٰ کیا تھا۔ وہ غلط تھا؟ یا ہم لوگ جو حضرت علی کو مولائے دو جہان کہتے ہیں۔ اس میں ذرا بھی غلو ہے۔ یا صرف بیان واقعہ ہے؟
محی الدین۔ مگر بھائی پھر یہ بات رہ جاتی ہے۔ کہ حقتعالےٰ جلشانہ نے قرآن مجید میں کیوں ایسا مجمل جملہ ارشاد فرمایا۔ بلغ ما انزل الیک یعنی پہنچا دو اس چیز کو جو تمہارے رب نے تم پر اُتارا۔ اس چیز کو "کس چیز کو؟ اس سے تو بہتر یہ تھا۔ کہ "بتاؤ تم علی علیہ السلام کو خلیفہ اپنا" فرما دیتا۔
علی رضا۔ ایسا بیدھڑک جملہ کہ "بتاؤ تم علیؑ کو خلیفہ اپنا" قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت سے بہت درجہ نیچے گرا ہوا ہوتا۔ اور اس کا منشا اور مقصد بہت ہی محدود رہتا۔ اور ہرگز اس مقصد اور مدارج کو ظاہر نہ کرتا۔ جو اس جملہ جامعہ سے ظاہر اور آشکار ہوا ہے یعنی جو کچھ تم نے اپنے رب سے پایا ہے۔ اِن سب کو پہنچا دو۔ یعنی جس قدر تعلیم روحانی اور جس قدر علم اشیاء اور جو کچھ معرفت دینی تم کو ما بدولت کی بارگاہ سے عطا ہوئے ہیں۔ سب کی تبلیغ کر دو۔ یعنی حق بہ حق دار پہنچا دو۔
اندک غور سے معلوم ہوگا۔ کہ یہ حکم "کہ علیؑ کو تم اپنا خلیفہ بناؤ" سے بہت زیادہ وسیع بلکہ لامحدود ہے۔ اور اس سے جناب امیرؑ کا جمیع امور میں جناب رسولِ خُدا صلعم کا نائب اور قائم مقام ہونا اور مدارج اعلیٰ پر فائز ہونا مسلم الثبوت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ میں کہہ چکا۔
علاوہ اس کے حقتعالےٰ جلشانہٗ نے ایک جگہ اور بھی اِسی طرح کا لامحدود اور مجمل جملہ ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی جب بہ شب معراج جناب رسولِ خُدا صلعم عرش بریں پر تشریف لے گئے اور پردۂ قدرت سے دو کمان سے کم پر نزول اجلال فرمایا۔ تو حقتعالےٰ نے فرمایا۔ اوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ یعنی حق تعالےٰ نے اپنے عبد کی طرف وحی کی جو کچھ وحی کی (دیکھو سورہ نجم) میں دیکھ لو۔ یہاں بھی مجمل جملہ استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں بھی تم کہہ سکتے۔ کہ وحی کی "کیا وحی کی؟"
مگر یہ تمہاری کم علمی کی دلیل ہوگی۔ قرآن مجید پر ایسے ایسے اعتراضات کا کسی کو حق نہیں ہے اور نہ پیشِ علماء و فقہاء ایسے ایسے اعتراضات کی کوئی وقعت ہوگی۔

اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں جملہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے تعلیم و تلقین جملہ امور دینی و دنیوی مُراد ہے۔ اور چونکہ یہ لامحدود ہے۔ اس لیئے جملہ مجملہ ارشاد ہُوا ہے۔ مَیں کہتا ہُوں۔ کہ ما انزل الیک من ربک کا مقصد اور منشا یہ تھا۔ کہ جو کچھ جناب رسُول خدا صلعم کو بذریعہ واوحیٰ الی عبدہٖ مآ اوحیٰ عطا ہوا تھا۔ وہ سب بروز غدیر بذریعہ بلغ ما انزل الیک کے جناب علی مرتضیٰؑ کے سپُرد ہو گیا اللّٰھمّ صلِّ علیٰ مُحمّدٍ وّاٰلِ مُحمّدٍ باقی تفصیل اور تصریح ما اوحیٰ اور ما انزل کی خُدا سے پوچھے یا خُدا کے رسُولؐ سے حق یہ ہے کہ عقل بشری اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر اس کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ تو اسی جملہ من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ سے جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ جیسا میں ہُوں ویسا علیؑ ہے۔

یا علیؑ تم اور محمّد ایک ہو چشم احول میں مگر دو ہو گئے

حضرت علیؑ کو جناب رسُول مقبول صلعم نے ابتدائے بعثت ہی میں خلیفہ بنایا تھا

محی الدین۔ تم نے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ بروز ازل خلیفہ مقرر ہوئے تھے۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے کیا حضرت علیؑ عالم ارواح میں بروز الست خلیفہ مقرر ہوئے تھے؟

علی رضا۔ بیشک مجھے تو مطلق شک نہیں۔ کہ حضرت علی مرتضیٰؑ بروز الست ہی سے جناب رسول مقبولؐ کے خلیفہ اور جانشین اور وصی قرار پا چکے تھے۔ لیکن مَیں نے اپنی تقریر میں روز ازل جو کہا ہے۔ اس کا مطلب ابتدائے زمانہ بعثت جناب سرور کائنات صلعم ہے۔ یعنی واقعہ یہ ہے۔ کہ جناب رسُول مقبول صلعم کو اپنی رسالت کے اظہار اور اعلان کا حکم آیا تو اسی زمانہ میں حضرت سرور کائناتؐ نے جناب علی مرتضیٰؑ کو اپنا نائب اور جانشین یعنی خلیفہ اور وصی قرار دیا تھا۔ اور سبھوں کو حتیٰ کہ اپنے بزرگوں کو فرما دیا تھا۔ کہ یہ میرا بھائی میرا خلیفہ اور وصی ہے۔ اور اس کی بھی اطاعت سبھوں کو لازم ہے۔

محی الدین۔ یہ تو ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے اس کی سند کیا ہے؟

علی رضا۔ اس کی سند میں اپنی زبان سے کیا کہوں۔ اس واقعہ کو حافظ عبد الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب المرتضیٰؑ میں جس طرح بیان فرمایا ہے۔ اس کو لفظ بلفظ عرض کرتا ہُوں۔ دیکھو المرتضیٰؑ صفحہ ۹ مطبوعہ ۱۸۹۶ء۔ رسُول کریمؐ تین برس تک اسلام کی دعوت خفیہ طور سے کرتے رہے۔ مگر جب یہ آیت نازل ہوئی وانذر عشیرتک الاقربین اور

خاص کر اپنے قرابت کے رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ پ ۱۹ سورہ شعرا آیت ۲۱۴. تو آپ نے دعوت کا اظہار شروع کیا۔ اور اپنے خاندان کے لوگوں کو جو تعداد میں قریباً چالیس تھے کھانے کی ایک تقریب میں جمع کیا۔ اس مجمع میں آپ کے چچا ابو طالب حمزہ عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی۔ تو آپ نے موقع پاکر اپنی رسالت کا ذکر چھیڑا۔ اور حاضرین سے یوں مخاطب ہوئے۔ اے اولاد عبد المطلب میں تمہارے لئے ایک ایسی خبر لایا ہوں۔ جو بلاشبہ دنیا اور آخرت کی بہتری ہے۔ اور مجھ کو خدائے تعالےٰ نے حکم دیا ہے۔ کہ تم کو اس کی اطاعت کی طرف بلاؤں۔ پس تم میں کون ایسا ہے۔ جو اس امر عظیم میں میرا بوجھ بٹائے۔ اور میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا نائب تم میں ہو۔

مورخین نے لکھا ہے کہ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن علی ابن ابی طالبؑ سے اس حقارت آمیز سکوت کی برداشت نہ ہو سکی۔ اور کھڑے ہو کر بڑی ہمت و جرأت سے کہا۔ انا احد ثکم یا نبی اللہ انا وزیرک علیہ. تفسیر معالم التنزیل۔ یا رسول اللہ اگرچہ میں اس مجمع میں سب سے کم عمر ہوں۔ مگر اس مشکل کے بجا لانے کو تیار ہوں۔ رسول کریم نے یہ جواب سن کر کمال شفقت سے علی مرتضیٰؑ کی گردن پر ہاتھ رکھا۔ اور فرمایا۔ ان ھذا اخی وخلیفتی فیکم فاسمعوا الیہ واطیعوا معالم التنزیل. تحقیق یہ میرا بھائی اور میرا نائب تم میں ہے۔ پس اس کی بات سنو اور جو حکم دے اس کی اطاعت کرو۔ لوگ اس تقریر کے سنتے ہی قہقہہ لگا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالبؑ سے کہنے لگے۔ کہ تم کو علیؑ کی بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم ہوا ہے۔ یہ واقعہ جس طرح معالم التنزیل میں لکھا ہے۔ امام نسائی محدث علامہ ابن اثیر اور ابو الفدا وغیرہ مورخوں کے نزدیک بھی مسلم اور متحقق ہے۔ تمام ہوئی عبارت کتاب المرتضیٰؑ۔

اب میں تمام عالم کو گواہ رکھ کر فریاد اور استغاثہ کرتا ہوں۔ کہ اگر مسلمانان فرقہ سنت جماعت لفظ خلیفہ پر تلے ہوئے ہیں۔ تو خدا کے لئے، رسولؐ کے لئے اس حدیث پر عمل کریں۔ اور یقین کریں۔ کہ حضرت علیؑ خلیفہ برحق جناب رسول مقبولؐ کے تھے اور چونکہ جناب رسول مقبولؐ بفحوائے آیہ کریمہ وما ینطق عن الھوی اپنے دل سے کوئی بات نہیں فرماتے تھے۔ مخصوص ایسے وقت میں اور ایسے امر یعنی اشاعت اسلام میں بلکہ جو کچھ فرماتے تھے وہ بحکم خداوند عالم جلشانہٗ کے فرماتے تھے۔ اس لئے صدق دل سے ایمان لائیں۔ کہ خلافت علی مرتضیٰؑ کی منصوص من اللہ ہے اور اگر باضابطہ تہتم بالشان کارروائی کے خواہشمند ہوں۔ تو غدیر کی کارروائی پر ایمان لائیں اور یقین کریں۔ کہ علی مرتضیٰؑ

اس روز بہ حکم خداوند عالم مولائے مومناں و پیشوائے انام مثل جناب سرور کائنات رسول خدا صلعم کے بانشا لبطہ طور پر قرار پائے تھے۔ یہ کیا ضد ہے کہ ایسی ایسی آیات بینات کے بعد بھی نقلی چھیڑ چھاڑ سے اور نکتہ چینیوں سے اس شخص کو جس کو خدا اور رسول خدا مولائے مومنین بنائیں۔ اس کی خلافت بلا فصل پر شک کریں اور بعد رسول مقبول کے دوسرے اشخاص کو خلیفہ برحق سمجھیں!! اور جن لوگوں کے حضرت علیؑ مولا ہوں ان کو حضرت علیؑ کا مولا بنا دیں؟ الغرض عقلی اور نقلی اور شرعی دلیلوں سے اور واقعات زمانہ بعثت نبویؐ سے زمانہ وفات جناب سرور کائنات تک حضرت علیؑ کا خلیفہ اور جانشین رسول مقبول صلعم کا ہونا منصوص من اللہ ثابت ہے۔ اور ابتدائے طفولیت جناب امیرؑ سے آخر وقت تک آں حضرت صلعم کا برتاؤ حضرت علیؑ کے ساتھ ویسا رہتا آیا۔ جیسا شاہان دنیا اپنے پرنس آف ویلز ولی عہد کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور جناب علی مرتضیٰؑ بھی جناب رسول مقبول صلعم کو اپنا والی اپنا آقا اپنا حاکم سمجھتے رہے۔ اور آخر وقت تک خدمت اقدس سے جدا نہ ہوئے۔ لیکن افسوس صد ہزار افسوس کہ جناب رسول خداؐ نے بہ حکم خدا حضرت علیؑ کے لئے سب کچھ ابتدائے بعثت میں اپنا خلیفہ قرار دیا اپنے آخر زمانہ میں پبلک دربار منعقد کر کے من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ فرما کر ولی عہدی کا منصب بخشا۔ غزوہ تبوک کے وقت حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے اور اپنا گھر بار سب حضرت علیؑ کے حوالے کر کے خود سفر میں تشریف لے گئے۔ لیکن افسوس کہ زمانے نے کچھ ہونے نہ دیا۔ اور حضورؐ کی ساری کوششوں اور تدبیروں اور احکامات کو ہوا اور بے کار کر دیا!!!

واقعہ غدیر کا ۱۸۔ ذی الحجہ کا ہے۔ اس کے بعد دیکھئے۔ کہ ان تدبیروں اور احکامات کے مٹانے کے لئے یاروں نے کیسی کیسی کارروائیاں کیں۔ اور کیسی کیسی چال چلے!!

بعد کارروائی غدیر کے شروع ماہ صفر میں جناب سرورکائنات صلعم علیل ہوئے۔ اس علالت میں اوّلاً حضرت عمر نے بذریعہ حضرت عائشہ کے کچھ اپنا کام نکالنا چاہا۔ مگر بارگاہ رسالت میں کرٹن لیکچر کو (وہ باتیں جو عورتیں اپنے تابع فرمان شوہروں سے خلوت میں کرتی ہیں) کیا دخل۔ یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور رسُول خُدا صلعم سمجھے کہ غدیر کی کارروائی زبانی ہوئی ہے اگر کوئی نوشتہ ہو جائے۔ تو قصہ رفع ہو یہ سوچ کر آں حضرت صلعم نے کاغذ قلم طلب فرمایا حضرت عمر جو زمانہ کے چالاک تھے۔ سمجھ گئے اور فرما دیا ان ھذا الرجل یھجر حسبنا کتاب اللہ یعنی اس شخص کو ہجران ہے۔ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔ اس قصہ کو شاہ محمد کبیر صاحب ابوالعلائی نے تاریخ تذکرۃ الکرام میں بہ صفحہ ۶۰ بہ سند صحیح قبول کیا ہے۔ اور صحیح بخاری ص۸۴۶ میں یہ عبارت مندرج ہے۔ عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و فی البیت رجالٌ فیھم عمر ابن الخطاب قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھلم اکتب کتابا لم تضلوا بعدہ قال عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد بلغ علیہ الوجع یعنی ابن عباس نے کہا۔ کہ جب آنحضرت صلعم کے احتضار کا وقت پہنچا اور گھر میں بہت سے آدمی تھے۔ ایک ان میں عمر ابن خطاب تھے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ لاؤ میں تمہیں ایسی کتاب لکھ دوں۔ کہ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ پس حضرت عمر نے کہا کہ ضرور نبیؐ پر درد کا غلبہ ہے۔ فقط اس مزاحمت کی وجہ سے کاغذ و قلم نہ آیا۔ اور اس ہدایت نامہ کے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ میں کہتا ہوں کہ اس مزاحمت سے حضرت عمر نے جمہور اسلام پر بڑا ظلم کیا۔ یعنی ان کی ہدایت کے سدِ راہ ہوئے۔ اور اس لئے ان کی گمراہیوں کے باعث ہوئے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے۔ کہ جناب رسُول مقبول صلعم ایک ایسی بات لکھنے والے تھے۔ جس سے قوم گمراہی میں نہ پڑتی۔ اور یقیناً یہ ہدایت دینی امر کے نسبت تھی۔ جیسا کہ خود حضرت عمر نے یہ کہہ کر کہ ہم لوگوں کے لئے کتاب اللہ کافی ہے ٹال دیا۔ مگر حضرت عمر نے اس کو لکھنے نہ دیا۔ تب اس میں شک نہیں۔ کہ حضورِ اقدس کے بعد جو لوگ گمراہ ہوئے اس کی جواب دہی حضرت عمر کے ذمہ بھی رہی۔ اور کوئی شک نہیں۔ کہ اس کا بار حضرت عمر کی گردن پر بھی رہ گیا۔ خوب غور کرو۔ کہ بوجہ اس مزاحمت کے حضرت عمر مسلمانوں کی

ہدایت کے سدِّ راہ اور اس لئے ان کی گمراہیوں کے باعث ہوئے یا نہیں ؟ فرض کرو کہ کسی بزرگ کے لڑکے اندھیری رات میں کہیں ایسی جگہ جانے والے ہوں جس کی راہ نہایت ناہموار ہو۔ اور اس لئے وہ بزرگ کہے کہ لالٹین یا مشعل ساتھ لے لو۔ اس پر ان کا کوئی نوکر یا مصاحب کہے۔ کہ یہ اہتمام بالکل فضول اور واہیات ہے۔ ستاروں کی روشنی کافی ہے۔ یہ کہہ کر لالٹین یا مشعل کو ساتھ لانے نہ دے اور بعدہ وہ لڑکے بلا لالٹین یا مشعل کے جائیں۔ اور راستے میں ٹھوکر کھا کر گرتے جائیں۔ کہ کسی کا سر ٹوٹے کسی کا ہاتھ اکھڑ جائے۔ کسی کا پاؤں چلنے سے بیکار ہو جائے۔ تو میں تم سے حقاً ایماناً پوچھتا ہوں۔ کہ دُنیا بھر کے لوگ ان سب واقعات کا الزام اسی نوکر یا مصاحب پر دیں گے یا نہیں۔ اور یہ کہیں گے یا کہ نہیں۔ کہ یہ سب روز سیاہ اسی شخص کا لایا ہوا ہے۔ اور ان ساری آفتوں اور مصیبتوں کا باعث وہی ہے ؟

محی الدین۔ حضرت عمر کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرض الموت کے وقت کسی شخص کی بات قابلِ اعتبار نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ حضور اقدس کو واقعی بحران ہوا اور حضرت عمر نے نیک نیتی سے یہ خیال کر کے کہ حضورِ اقدس کو لکھنے میں تکلیف ہوگی۔ اس امر سے باز رکھا ہو۔

علی رضا۔ حقتعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وما ینطق عن الھوٰی یعنی میرا رسُول ہوائی اور خیالی باتیں نہیں کرتا۔ وہ جو کچھ کہتا ہے ایں جانب کی وحی کے مطابق کہتا ہے "

تب اس امر کی نسبت جو متعلق ہدایت جمہور اسلام کے ہے۔ یہ کہنا کہ اس وقت کی بات حضور کی قابل اعتبار نہ تھی محض غلط بلکہ سوء ادب ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر پر جارج امر ہدایت میں سدِّ راہ ہونے کا۔ اور اس وجہ سے گمراہوں کی گمراہیوں کے باعث ہونے کا اپنی جگہ پر قائم رہ جاتا ہے۔ ہاں حضرت عمر اپنی صفائی میں یہ البتہ دکھلا سکتے ہیں۔ کہ اس وقت نبی صلعم کو واقعی بحران تھا۔ اور ہذیان بول رہے تھے۔ یا واقعی حضرت عمر نے نیک نیتی سے براہ دردمندی جناب رسُولِ مقبولؐ کو ہدایت نامہ لکھنے سے روکا تھا۔ لیکن یہ بات متعلق نیت کے ہے۔ جس کا فیصلہ بروز قیامت ہوگا۔ اور اس وقت البتہ دیکھا جائے گا۔ کہ اعلیٰ حضرت عالم مافی الضمیر کے سامنے حضرت عمر کو ایسی جرات ہو سکے گی یا نہیں۔ کہ کہیں خدایا میں نے تیرے حبیبؐ کو محض بوجہ دردمندی کے نیک نیتی سے ہدایت نامہ لکھنے سے روکا تھا۔ اس میں مجھ کو اور کوئی غرض نہ تھی۔

الغرض یہ صفائی حضرت عمر کی قابل سماعت درگاہ کبریائی ہو۔ یا نہ ہو۔ اس میں کوئی

شک نہیں۔ کہ قوم کا بڑا نقصان ہوا۔ اور مسلمانوں کے گمراہی سے بچنے کا ہدایت نامہ حضرت عمرؓ کی مزاحمت سے پبلک کے سامنے نہ آ سکا!!! افسوس!!! افسوس!!!

جہاں تک واقعات مابعد سے ہم لوگ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ مزاحمت حضرت عمرؓ کی ہرگز نیک نیتی سے نہ تھی۔ بلکہ صرف اس پالیسی سے تھی۔ کہ کہیں علی مرتضیٰؑ کا نام خلافت کے لئے نہ لکھ دیں۔

اس مزاحمت کا صدمہ جناب رسولِ مقبولؐ کو بہت ہوا۔ چنانچہ حضرت نے اسی وقت فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد حضور کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ دنیا کے قیام سے نفرت ہوگئی۔ چنانچہ اس کے بعد بقول شیعان بتاریخ ۲۸ صفر اور بقول حضرات سنت والجماعت بتاریخ ۱۲ ربیع الاول حضور اقدسؐ نے رحلت فرمائی۔ اور رسالت کا خاتمہ ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

حضرت عمرؓ خلائق کے مزاج سے واقف تھے۔ اس لئے پہلے تو یہ مشہور کیا کہ جناب سرورِ کائنات صلعم نے انتقال ہی نہیں کیا ہے۔ اور اس وقت سودائے عشق رسول صلعم میں آپ ایسے مجذوب اور ازخود رفتہ ہوگئے۔ کہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے۔ کہ جو ایسا کہے گا۔ اس کو قتل کر دوں گا۔ اس وجہ سے دیر تک لوگ اسی تحقیق میں رہے۔ کہ واقعی حضرتؐ نے انتقال کیا ہے یا نہیں۔ جب یہ بات محقق ہوگئی یعنی معلوم ہوگیا کہ حضرتؐ کا واقعی وصال ہوگیا اور حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ اور حضرت عباس علیہما السلام جناب رسولِ مقبولؐ کی نعش اقدس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوگئے۔ اور اس طرف سے میدان خالی ہوگیا۔ تب سارا جذب حضرت عمرؓ کا کافور ہوگیا۔ اور آپ بڑے مدبر المہالک (اسٹیٹس مین) بن کر خلافت کی تدبیر میں مصروف ہوگئے۔ مگر ہنوز حضرت کا جوش سودا فرو نہ ہوا تھا۔ کہ آپ کو خبر ملی۔ کہ لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے۔ اور سعد ابن عبادہ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہ سُننا تھا۔ کہ تینوں خلفاء نعش مبارک حضرت سرورِ کائنات کو چھوڑ کر سقیفہ کی طرف دوڑے۔ اور اس کے بعد جو واقعہ ہوا۔ اس کو کتاب سیرۃ الفاروق ص۲ طبع اول و ص۱ طبع ثانی سے لفظ بہ لفظ نقل کرتا ہوں۔

حضرت ابوبکر کس طرح خلیفہ ہوئے؟

انصار نے ابھی سعد کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی۔ کہ تینوں اصحاب سقیفہ میں پہنچ گئے جب انصار نے ان کو دیکھا۔ تو کہنے لگے۔ کہ تم مہاجر ہو۔ اور تمہارا بڑا فخر ہے۔ لیکن ہم نے

بھی بہت رنج اٹھایا ہے۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ اپنے میں سے ایک امیر مقرر کریں۔ حضرت عمرؓ کا جن کا چند ساعت پہلے کا جوش بھی ابھی کم نہ ہوا تھا۔ چاہتے تھے۔ کہ اس کے جواب میں تقریر کرنے کو کھڑے ہوں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے ان کی تند مزاجی اور سخت گوئی سے ڈر کر ان کو روک دیا اور خود تقریر کرنی شروع کی۔ اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے کہا کہ ہر ایک لفظ جو انصار نے اپنی تعریف میں کہا ہے۔ اور وہ درست اور صحیح ہے لیکن نسبی شرافت اور رسوخ و دبدبہ میں قریش سب سے افضل ہیں۔ اور سوائے ان کے عرب کسی کی اطاعت میں سر نہ جھکائے گا۔ اس پر انصار نے کہا اچھا یوں ہونے دو۔ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے حضرت عمرؓ نے کہا دور ہو ایسا کبھی نہ ہوگا۔ دو امیر ایک جگہ نہیں رہ سکتے انصار اور سعد کی طرف سے حباب مباحثہ کرنے کھڑا ہو گیا۔ اور رنج و غصہ کے الفاظ زبان پر آنے لگے حضرت عمرؓ اس سے خفا ہوئے۔ اور کہا کہ خدا تجھے غارت کرے۔ اس نے بھی ایسے ہی الفاظ کہے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرائے کہ اس غصہ اور غضب سے معاملہ دگرگوں نہ ہو جائے اور آگے بڑھ کر انصار سے خطاب کر کے کہنے لگے۔ کہ یہ دو آدمی تمہارے سامنے کھڑے ہیں (حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا) ان دونوں میں سے جس کو چاہتے ہو منتخب کر لو۔ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ حضرت عمرؓ نے نہایت بلند آواز سے جس سے تمام مجلس گونج اٹھی۔ کہا کہ نہیں رسول اللہ تمہارے لئے پہلے ہی سے امامت کا حکم دے چکے ہیں۔ تو ہی ہمارا امیر ہے اور مجھ سے افضل ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کے جواب میں کہا۔ کہ تو مجھ سے زیادہ قوی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تو رسول اللہؐ کے بعد خیر الناس ہے۔ یعنی سب آدمیوں سے بہتر ہے حضرت ابوبکرؓ نے اس کے جواب میں کہا۔ کہ میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے سنا ہے۔ کہ عمرؓ سے کسی اچھے شخص پر آفتاب طلوع نہیں ہوا۔ مگر حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ کا ہاتھ لے کر اس پر بیعت کی۔ ان کی بلند آواز نے مسلمانوں کے دلوں کو گویا ہلا دیا۔

الغرض اس طرح حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ اور حضرت عمرؓ کے بعد جو لوگ لگے لگائے تھے ان سے بیعت کرائی گئی۔ بعدہ اوروں نے بیعت کی۔ لیکن بنی ہاشم نے یعنی جناب رسول خدا صلعم کے سارے جدی قرابت داروں نے جو ہر ایک کے جوہر ذاتی و صفاتی سے واقف تھے۔ بیعت نہ کی۔ دیکھو کتاب المرتضٰے ص ۵۵۔

کیوں بھائی محی الدین اب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ کیا امر خلافت ایسا لاوارثی مال

تھا۔ کہ جس کا جی چاہے اٹھالے ؟ کیا خدانخواستہ خاندانِ رسالت کا چراغ ایسا گل ہو گیا تھا۔ کہ اندھی نگری چوپٹ راج ہو جائے ؟ کیا علی مرتضیٰؑ اس قابل نہ تھے۔ کہ ان کا نام لیا جائے ؟ کیا وہ اِس قابل نہ تھے۔ کہ مشورہ میں شریک کئے جائیں ؟ جس منصف مزاج آدمی کے سامنے یہ کارروائی پیش کروگے۔ صاف کہہ دے گا۔ کہ یہ کارروائی ایسی ہے۔ کہ یا تو خاندان میں اس وقت کوئی معمولی لیاقت کا بھی آدمی موجود نہ تھا۔ یا یہ کہ اگر کوئی شخص تھا۔ تو اس غریب کی حق تلفی کے لئے دیدہ دانستہ یہ کارروائی کی گئی۔ اور اسی غرض سے موقع وقت پاکر ایسی تعجیل سے کام نکالا گیا اور اگر اس منصف مزاج کو تم یہ کہو کہ اس وقت جناب رسُول خداؐ کا ایک فرزند (داماد) لائق جس کو خود رسُول مقبولؐ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور جو ہر معرکہ میں سب لوگوں سے سبقت لے جاتا تھا۔ اور جس کو صرف تین مہینے قبل اس کے بمقابلہ ستر ہزار مسلمانوں کے مولائے مومنین قرار دے چکے تھے اور جس سے تمسک کرنے کو ہر مسلمان کا فرض گردان چکے تھے۔ یعنی انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی الخ فرما گئے تھے۔ موجود تھا۔ لیکن یہ کارروائی نیک نیتی سے واسطے رفع فساد کے جھٹ پٹ کرلی گئی۔ تو وہ نیک نیتی کے لفظ پر ہنس دے گا۔ اور تمہارا منہ دیکھ کر چپ رہ جائے گا۔

مَیں کہتا ہوں۔ کہ اگر حضرات خلفائے ثلٰثہ کی نیت بخیر ہوتی۔ اور حضرت علی مرتضیٰؑ سے بغض یا کینہ یا حسد یا نفاق نہ ہوتا۔ تو حضرت ابوبکر نہایت متانت اور سنجیدگی سے یوں تقریر فرماتے۔

اگر حضرت علی علیہ السلام سے حضرت ابوبکر کا دِل صاف رہتا تو یُوں تقریر فرماتے

حضرات مہاجرین وانصار میں نے سُنا ہے۔ کہ آپ لوگ اس وقت اس مقام پر اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ کسی کو جناب رسولِ خدا صلعم کا خلیفہ مقرر کریں۔ مَیں کہتا ہوں کہ ہر بات کا موقع ہے۔ آپ لوگ غور کیجئے۔ کہ اس وقت اس امر کے چھیڑنے کا کونسا موقع ہے ابھی نعش مبارک۔ اس سرور کائنات کی جس نے ابتدائے وجود با وجود سے تا دم واپسیں ہمارے اور آپ کے واسطے کیسی کیسی زحمتیں اٹھائیں، اور کیسے کیسے احسان کئے، بے غسل و کفن رکھی ہے۔ اس لئے مَیں پوچھتا ہوں۔ کہ اس وقت ہم لوگوں کو یہ

چاہیے۔ کہ یہ سب لوگ شریک ہو کر اس آقائے دارین کی آخری خدمت بجا لائیں۔ یا یہ کہ اس کی نعش کو چھوڑ کر امورِ دُنیاوی یا تنقیح خلافت کا قصہ چھیڑیں اس لئے میں بکمالِ منت التجا کرتا ہُوں۔ کہ اس وقت اس قصہ کو موقوف رکھئے اور سب لوگ در دولت پر چل کر آقائے کونین کو نعیم جاودانی کی طرف رُخصت فرمائیے۔ بعدہٗ جو امر مناسب ہو کیجیئے۔ اس میں شاید دو تین ساعت سے زیادہ توقف نہ ہوگا۔

لیکن اگر آپ لوگوں کو یہی ضد اور اصرار ہو کہ کوئی خلیفہ ہم مہاجرین یا انصار سے اسی وقت مقرر ہو جائے۔ تو میں کہتا ہُوں۔ کہ مہاجرین وانصار سے تلاش یا انتخاب کی ضرورت تو اس وقت البتہ ہوتی۔ اگر کوئی قابل شخص خاندانِ رسالتؐ میں نہ ہوتا لیکن خاندانِ رسالتؐ میں تو اس وقت خدا کے فضل سے خود حضرتؐ کا پیارا فرزند (داماد) جس نے حضرتؐ کی آغوش مبارک میں پرورش پائی۔ اور جس کو خود حضرتؐ نے لحمک لحمی ودمک دمی فرمایا اور جس کی لیاقت ذاتی وصفاتی کے ہم لوگ سب کے سب گواہ رویت ہیں۔ اور جو کبھی رسُولِ مقبُولؐ کی خدمت واطاعت سے جُدا نہ ہُوا چنانچہ اس وقت بھی خدمت آخری میں مشغُول ہے تو بجائے خود۔ تو پھر دوسرے شخص کے خلیفہ ہونے کی تلاش یا انتخاب کی کیا ضرورت ہے۔ کیا آپ لوگوں کو یاد نہیں ہے؟ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خرج الی تبوکٍ واستخلف علیاً فقال اتخلفنی فی الصبیان والنساء قال الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبیٌ بعدی یعنی جب رسُول کریمؐ غزوہ تبوک کو روانہ ہُوئے۔ تو علی مرتضیٰؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ علی مرتضیٰؑ نے کہا۔ آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں خلیفہ بناتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم اس بات پر رضا مند نہیں ہو۔ کہ مجھ سے ایسے رُتبے پر ہو۔ جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھا۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے (یہ عبارت کتاب المرتضیٰؑ مؤلفہ عبدالرحمٰن ص۵۹ میں بحوالہ بخاری کتاب المغازی ومسلم کتاب المناقب مندرج ہے) کیا آپ لوگ واقعہ غدیر کو جس کو آج سے پورے تین مہینے بھی نہیں گزرے ہیں بھُول گئے۔ کہ خود سرورِ کائناتؐ نے بمقام غدیر خم پالان شتر کا ممبر بنایا تھا۔ اور اس پر جلوہ افروز ہو کر ستر ہزار آدمی کو مخاطب کر کے فرمایا تھا الستم تعلمون انی اولیٰ بالمومنین من انفسھم قالوا بلیٰ فقال الستم تعلمون انی اولیٰ بکل مومن من نفسہ قالوا بلیٰ فقال اللّٰھم من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ، اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ میں مسلمانوں کے لئے ان کی جانوں سے زیا

دوست ہوں۔ سب نے کہا۔ ہاں ایسا ہی ہے۔ پھر کہا بارِ خدایا جس کا میں مولا ہوں علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ بارِ خدایا جو علیؑ کو دوست رکھے۔ تو اس کو دوست رکھ۔ اور جو علیؑ سے عداوت رکھے تو بھی اس کو دشمن سمجھ (دیکھو یہ بھی کتاب المرتضیٰ صفحہ ۹۱ کی عبارت) مجھے اس دن بھائی عمرؓ کا جوش بھولتا نہیں کہ کس جوش سے دوسرے دن صبح کو علی مرتضیٰؑ سے ملے تھے۔ اور فرمایا تھا ھنیئاً لک یا ابن ابی طالب اصبحت مولائی و مولائی کل مومن و مومنۃ یعنی مبارک ہو اے علیؑ ابن ابی طالب کہ آج صبح سے آپ میرے مولا بلکہ جمیع مومنین و مومنات کے مولا ہوئے۔ (تفسیر کبیر چھاپہ کلکتہ صفحہ ۳۳۶ میں مندرج ہے) حضرات مہاجرین و انصار! یاد رکھئے کہ علی مرتضیٰؑ وہ ہیں۔ جن کے بارے میں خود سرورِ کائنات ؐ نے فرمایا النظر الی علی عبادۃ۔ یعنی علیؑ کی طرف دیکھنا عبادت ہے (یہ عبارت سوانح عمری علی مرتضیٰؑ میں بر صفحہ ۳، ۵ مندرج ہے) وہ ایسے ہیں۔ کہ عبادت پروردگار میں بھی ان کا ذکر ہوتا ہے۔ یعنی درود میں ہم لوگ کہتے ہیں اللھم صل علی محمد و علی آل محمد۔ وہ ایسے ہیں۔ کہ ان کو رسولِ اکرم نے انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا فرمایا۔ وہ ایسے ہیں کہ جنگِ اُحد میں جب فوج اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تو اس وقت علی مرتضیٰؑ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے اور تنہا دشمنوں سے لڑتے تھے اور جناب رسولِ مقبول صلعم کی حفاظت بھی کرتے تھے۔ گویا حضرت کی تیغ بھی تھے۔ اور سپر بھی تھے وہ ایسے بہادر اور شجاع ہیں۔ کہ جب معرکۂ خیبر میں مرحب نے فوج اسلام کو شکست دی۔ تو ہم لوگ تو بالکل دم بخود تھے۔ اور کسی کی ہمت میدانِ جنگ کی طرف رُخ کرنے کی نہ پڑتی تھی۔ مگر واہ رے جرأت علی مرتضیٰؑ کی کہ وہ تنہا میدانِ جنگ میں چلے گئے اور ایک ضربت حیدری میں اس دیوزاد کو دو ٹکڑے کر دیا اس وقت صدائے لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار سے سقف فلک گونجنے لگا ہمارے بھائی حضرت عمرؓ نے جو میرے مراتب کا خیال کر کے مجھے خلافت کے لئے تجویز کرنے کا قصد کیا۔ یہ ان کا حُسنِ ظن ہے۔ اور میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن میں وہ ہوں۔ کہ اپنے کو اور علی مرتضیٰؑ کو خوب جانتا ہوں۔ علی مرتضیٰؑ وہی شخص ہیں۔ کہ جب جناب رسولِ اکرم نے مجھے سورہ برات کا اعلان کرنے کے لئے روانہ فرمایا تو فوراً وحی خدا آئی۔ کہ یہ کام علی مرتضیٰؑ کا ہے۔ ابوبکر کو واپس طلب کرو۔ چنانچہ میں واپس آیا۔ اور علی مرتضیٰؑ نے بکشادہ پیشانی فرمان واجب الاذعان حضرت رب العزت کا بمقابلہ جمہور کفار و منافقین کے پڑھ کر سُنا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ میں بہ شب ہجرت رسول مقبول کے

ساتھ تھا۔ لیکن مجھے اتنا یقین ضرور تھا۔ کہ مَیں جائے امن میں ہوُں۔ یا یہ کہ میرا وہی حال ہوگا جو رسول مقبول صلعم کا ہوگا۔ لیکن علی مرتضیٰؑ اپنی جان کو حوالۂ خدا کرکے اُسی شب بسترِ نبوی پر جو تلواروں اور نیزوں سے گھرا تھا۔ اور جہاں ہر لحظہ موت کی ہیبت ناک صورت سامنے کھڑی تھی۔ بے خوف و خطر ڈٹے رہے۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ کہ رسُول اللہ نے مجھے امامت کا حکم دیا تھا۔ مگر ظاہر ہے کہ نماز میں اقتدا کرنا ایسا کام ہے۔ جو روزمرّہ آپ لوگوں کے آپس میں جاری ہے۔ کہ جب دو چار آدمی بوقت نماز موجود رہتے ہیں۔ تو ان میں سے کوئی امامت کرتا ہے اور باقی اقتدا کرتے ہیں۔ اِس حکم سے مَیں نفسِ رسُول سے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔ اور نہ من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ کے درجہ تک پہنچ سکتا ہوُں (دیکھو عقائد الاسلام مؤلفہ جناب مولانا عبدالحق دہلوی جس کے صفحہ ۲۷ میں لکھا ہے۔ کہ ہر مسلمان کے پیچھے خواہ وہ فاسق ہو یا متقی نماز پڑھنا درست ہے" پھر لکھا ہے" لہٰذا سب صحابہ و تابعین و من بعد ہم مبتدعین اور فساق کے پیچھے نماز پڑھنا درست جانتے تھے) نسبی شرافت علی مرتضیٰؑ کی مثل آفتاب عالمتاب کے روشن ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ان کے والد ماجد قریش کے سردار اور خانہ کعبہ کے محافظ اور کلید بردار تھے۔ اور اب تو بہ حکم خدائے عزّ و جلّ اشرف المخلوقات فخر موجودات افضل المرسلین خاتم النبیینؐ سے فرزندی کا شرف حاصل ہے۔ رعب و دبدبہ علی مرتضیٰؑ کا جنگ احد و خیبر و خندق میں خوب آزمایا ہُوا ہے جس کو آپ لوگ دیکھ چکے ہیں۔ اس لئے اعادہ کی احتیاج نہیں پس ایسے یگانۂ روزگار کے ہوتے آپ لوگوں کو کسی طرح جائز نہیں۔ کہ کسی دوسرے کو حتیٰ کہ مجھ کو خلیفہ بنانے کا قصد کیجیے اور مجھ سے تو یہ ہوہی نہیں سکتا۔ کہ مَیں ایسا غضب ڈھاؤں کہ علی مُرتضیٰؑ تو ادھر رسُول اللہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوُں۔ اور مَیں ادھر ان کی غیبت میں خلیفہ بن جاؤں کیونکہ مجھے روزے از روزہا حضرت رسُولِ مقبولؐ کو مُنہ دکھانا ہے۔ اگر حضرتؐ نے سوال کیا تم نے کس بات پر علی مرتضےٰؑ پر سبقت کی اور کس استحقاق سے میرے پیارے داماد کو محروم کرکے تختِ خلافت پر بیٹھے تو مَیں کیا جواب دُوں گا۔ اس مقام پر مَیں اظہار ایک امر کا فرض سمجھتا ہوُں۔ یعنی جناب رسولِ مقبولؐ نے بمقام غدیر خم جو علی مرتضیٰؑ کو مَن کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ فرمایا تھا۔ وُہ بعد نزول آیہ کریمہ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کے تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جناب رسُول مقبولؐ نے علی مرتضیٰؑ کو بموجب حکم تاکیدی حضرت واجب العزّت کے مولائے مومنین بنایا تھا۔ آپ لوگوں کو اختیار ہے مانئے یا نہ مانئے۔ لیکن مَیں اس کو چھپا نہیں سکتا۔ کیونکہ ایسے

ایسے امور کے چھپانے میں بڑے الزام کا خوف ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہ وجلشانہ سورۂ بقر پارہ سیقول میں فرماتا ہے۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینٰت والھدیٰ من بعد ما بینہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم اللعنون یعنی بہ تحقیق کہ جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو کہ اتارا ہم نے دلیلوں سے اور ہدایت سے بعد اس کے کہ بیان کیا ہم نے واسطے آدمیوں کے کتاب میں وہ ایسے ہیں۔ کہ خدا ان پر لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ اگر رسم ورواج زمانہ پر بھی ہم لوگ خیال کریں۔ تو مجھے کب شایاں ہے کہ حضرت سرور کائناتؐ کے داماد و فرزند نوجوان شہزادہ عالمیان کو محروم کروں۔ اور خود بایں پیرانہ سری اپنے داماد کے تخت پر بیٹھوں۔ اگر آپ لوگوں میں کسی کا یہ خیال ہو کہ میں سن رسیدہ تجربہ کار ہوں۔ اگر گرم وسرد زمانہ سے زیادہ واقف ہوں تو وہ نفع بھی کہیں نہیں جاتا۔ بوقت ضرورت اپنی رائے اور مشورہ سے اپنے شہزادہ کونین کی تائید اور حمایت کرتا رہوں گا۔ پس میں ٹھان چکا ہوں کہ آج بعد فراغت تجہیز وتدفین حضرت خیر المرسلینؐ کے اپنے ہاتھ سے تاج خلافت اپنے شہزادۂ کون ومکان علی مرتضےٰؑ کے سر پر رکھ کر عمر بھر اس کی اطاعت میں اور حمایت میں حاضر رہوں گا۔ اور اس بقیہ چند روزہ زندگانی کو اسی دولت پر عبادت پروردگار میں کاٹ دوں گا۔ آپ لوگ میرے لئے دعا کیجئے۔ کہ میری عاقبت بخیر ہو۔ اور میری اس رائے اور وصیت کو مانئے اور ضرور مانئے کہ علی مرتضیٰؑ کو اپنا امام اور اپنا آقا اور خلیفہ رسول سمجھئے اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہمیشہ کمربستہ رہئے۔ دیگر خیالات فاسدہ سے اپنے دلوں کو پاک کیجئے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ جن کا چند ساعت کا جوش سودائے عشق رسول اللہؐ ابھی تک کم نہ ہوا تھا۔ یا کہ اس خبر کے سننے سے کہ اسی سرور کائناتؐ کے پیارے داماد کی حق تلفی کی لوگ تیاری کر رہے ہیں (مقتضائے محبت واطاعت تو یہی ہے۔ کہ اور بڑھ گیا ہوگا) اپنی کڑکتی اور مجلس کو گونجا دینے والی اور مسلمانوں کے دلوں کو ہلا دینے والی آواز میں یوں فرماتے :۔

بھائی مسلمانو۔ سنو بھائیو میں جس مزاج کا آدمی ہوں۔ تم لوگ خوب جانتے ہو۔ میں بروز غدیر علی مرتضیٰؑ کو اپنا اور تمہارا مولا اور آقا مان چکا ہوں۔ میں اپنی بات کا پورا ہوں میری بات ایک ہے۔ میں تو اس قول سے پھرنے کا نہیں۔ اگر کوئی مجھے علی مرتضیٰؑ سے

قوی تر کہے۔ تو مجھے یہ جھوٹی خوشامد پسند نہیں آتی۔ میری قوت اور علی کی قوت میدان جنگ میں خوب دیکھی جا چکی ہے۔ مجھ کو ہرگز مقابلے کا دعویٰ نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جناب رسُول اکرمؐ نے براہ دلجوئی مجھ سے فرمایا تھا۔ کہ آفتاب عمرؓ سے کسی اچھے پر طلوع نہ ہوا۔ مگر اس سے میں اس درجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ جو علی مرتضےٰؑ کو حدیث شریف انا و علیٌ من نورٍ واحد سے حاصل ہُوا۔ پس علی مرتضےٰؑ کے رہتے کس کی مجال کہ مسند نبوی پر قدم رکھے۔ اس لئے میں تو اسی وقت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ اشھد ان علیاً ولی اللہ وخلیفۃ رسول اللہ کا نعرہ بھرتا ہُوں۔ اب کس کی مجال ہے۔ کہ علی مرتضیٰؑ کی اطاعت سے جُدا ہو اور اگر کسی کے دل میں ایسا خیال فاسد ہو۔ تو وہ اپنی رگ گردن کو اس میری تلوار کے نیچے سمجھے۔

بھائی محی الدین اب خُدا کے لئے ذرا غور کیجئے۔ کہ اگر حضرات شیخین یہ تدبیر و تقریر و تحریک کرتے۔ تو کیا اس میں اسلام کا کچھ نقصان ہوتا؟ کیا خُدا و رسُول اس سے ناراض ہوتے؟ کیا ان تقریروں میں ایک لفظ بھی اعتقاد جمہور سنّت جماعت کے خلاف یا غلط یا جھوٹ ہے؟ میں نے تو اس تقریر میں ان فضائل شیخین کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جن کا ہماری کتابوں میں وجود نہیں۔ اور اس لئے شیعہ ان کو نہیں مانتے۔ کیا یہ تقریر نہایت متین اور سنجیدہ اور باوقعت (DIGNIFIED) اور بلند پایہ نہ ہوتی؟ کیا یہ تحریک کسی سچے مسلمان اور سچے اعتقاد والے کے کانشنس (علم و یقین) کے خلاف ہوتی؟ کیا اس تقریر پر حباب کی مجال ہوتی۔ کہ ایک لفظ بولتا۔ یا اس تھکا فضیحتی اور کوساپٹی کی نوبت آتی۔ جو درمیان حباب اور حضرت عمرؓ کے ہوئی۔ میں اپنے دِل کی بات کہتا ہُوں۔ کہ اگر حضرات شیخین اُوپر کے دِل سے بھی ایسی تقریر و تحریک کرنے اور اس پر بھی علی مرتضیٰؑ بوجہ اتفاق وقت یا بجرائی دیگر اصحاب سقیفہ کے خلیفہ نہ ہوتے۔ تو بھی میں حضرات شیخین کو ایک دم الزام سے بری کر دیتا۔ لیکن ہزار افسوس جس وقت حضرات موصوفین کی اس تقریر و تحریک کو جو کتاب سیرۃ الفاروق سے ابھی منقول ہوئی ہے۔ دیکھتا ہوں اور خیال کرتا ہُوں۔ کہ حضرات شیخین نے سقیفہ کی کاروائی میں علی مرتضیٰؑ سے اس طرح قطع نظر کیا کہ گویا حضرت علیؑ کا دُنیا میں وجود ہی نہ تھا۔ یا ان کو ایک دن بھی صحبت رسُول اللہ صلعم کی نصیب نہ ہوئی تھی تو قلب کانپ اُٹھتا ہے اور دُنیا اندھیر معلوم ہوتی ہے۔ اور کسی طرح دل قبول ہی نہیں کرتا۔ کہ ایسی کارروائی بغیر مستحکم اور مضبوط بغض و نفاق کے ہوتی ہو برائے خُدا تمہیں تبلادو۔ کہ جب خلفائے ثلاثہ کو حضرت علیؑ سے کمال محبت تھی۔ اور

ایک دوسرے کے جاں نثار تھے۔ تو اس وقت علی مرتضےٰؑ کا کیا قصور تھا۔ کہ یُوں متروک النظر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کو اس وقت کہاں کا نسیاں آ گیا۔ کہ جس بزرگ کو بتاریخ ۱۸ ذی الحجہ اپنا اور تمام جہان کا مولا قرار دیا تھا۔ اس کا ۱۲۔ ربیع الاوّل کو ذکر تک ندارد۔ فاعتبروا یا اولی الابصار (برائے خدا غور کرو۔ کہ یہ کیسی بات ہے کہ نام نہ لیا جائے علی مرتضیٰؑ کا اور نام کس کا لیا جائے۔ کہ میاں ابو عبیدہ کا قصور معاف۔ آفتاب کے آگے کرمک شب تاب یا ساقی کوثر کے مقابلہ میں پانی پانڈے۔ میاں ابو عبیدہ نسبی شرافت اور رُعب و دبدبہ میں افضل قریش کب سے ہو گئے؟

لیکن حق تو یہ ہے۔ کہ بیچارے ابو عبیدہ کا اس میں مطلق قصور نہیں۔ ان کا نام تو فقط نمائش کے وقت لیا گیا تھا۔ ان بیچارے کو نہ تو خلافت کا حوصلہ تھا۔ اور نہ لیاقت تھی۔ اس لئے ان کا نام لیا گیا کہ وہ خلیفہ ہو ہی نہیں سکتے۔ تب یہ معاملہ درمیان حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے دائرہ میں رہ جائے گا۔ اس وقت اس کا فیصلہ حسبِ اصول "آنچہ تو بگذاشتی بر داشتم" ہو جائے گا۔ جیسا کہ واقعی ہوا۔

پس بھائی ایسے دھوکے دھڑی کی خلافت کو کون منصف مزاج مان سکتا ہے؟

محی الدین۔ ماننے یا نہ ماننے کا اختیار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہُوں۔ کہ اس میں یہ بات ہو سکتی ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے نیک نیتی سے یہ سمجھ کر کہ جناب امیرؑ تو راضی ہو ہی جائینگے واسطے رفع فساد کے جھٹ پٹ یہ کارروائی کر لی اور جناب امیرؑ راضی ہو گئے ہُوں۔

علی رضا۔ تب تو حضرت علیؑ تجہیز و تکفین سے فراغت پاتے ہی حضرت ابوبکرؓ سے آکر بیعت کر لیتے۔ مگر حضرت نے بیعت نہ کی اور اس کارروائی سے کمال ناراض ہوئے۔

آیا انتخاب حضرت ابُوبکر کا ازروئے اصُول جائز تھا؟

علاوہ اس کے اگر اس الیکشن میں ایسی جلدی کی گئی۔ کہ جناب رسُول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین کا توقف گوارا نہ کیا گیا۔ اور اراکین خاندان رسالت اور ان اچھے لوگوں کا جو حضور اقدس کی خدمت آخری کو اپنا فخر دارین سمجھ کر شریک تھے۔ اور یقیناً وہ لوگ بڑے ایماندار مسلمان تھے۔ اتنا انتظار نہ کیا گیا۔ اور کل کارروائی صرف چند ساعت میں ختم کر دی گئی تو ایسا الیکشن کسی اصُول کے رو سے جائز رہ نہیں سکتا۔ کیونکہ الیکشن جائز تو وہ ہے جس میں (۱) سب لوگوں کو قبل سے اطلاع دی جائے (۲) جلسہ انتخاب میں تعداد معقول ان اشخاص کی جو رائے دینے کا حق رکھتے ہوں موجود ہوں (۳) بحاضری امیدواران الیکشن سب لوگ

اپنی آزادانہ رائے دیں اور غلبہ آرا پر قول فیصل قرار دیا جائے۔ اس الیکشن میں یہ سب مطلق نہ تھیں۔ بلکہ بجائے نوٹس دینے کے پہلے تلوار کھینچی کہ رسول مقبولؐ کے انتقال کی خبر نہ ہو۔ اور بجائے موجود ہونے رائے دہندگان مستحق کے بنی ہاشم میں سے کوئی موجود نہ تھا۔ اور بجائے حاضر رہنے کل امیدواران انتخاب کے وہ مقبول بارگاہ جس کو رسول مقبول صلعم نے مثل اپنے مولائے مومنین قرار دیا تھا۔ اور کہا تھا من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ غیر حاضر تھا۔ اور اس کو خبر تک نہ دی گئی۔ تب اس کارروائی کو الیکشن کہنا یا یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر کو جمہور اسلام نے منتخب کیا محض منو مر یعنی لفظ الیکشن کی بدنامی ہے۔ ایسا الیکشن تو ادنیٰ میونسپلٹی میں جائز نہ ہو گا۔ چہ جائیکہ وہ الیکشن جس کو دونوں جہان سے تعلق تھا اللہ اکبر!! یعنی جس میں حضرت خاتم النبیین افضل المرسلینؐ کا نائب مقرر ہونے والا تھا۔ اس کو صرف یہی کہیں گے۔ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا۔ اور یہ فقرہ ان کا چل گیا۔ اور طرفہ مزا یہ ہے کہ یہ حضرات یعنی حضرت ابوبکر و عمر خود بھی نہیں جانتے تھے۔ کہ سقیفہ میں کیا ہو رہا ہے۔ کیونکہ جملہ علمائے سُنت جماعت اس امر کو بطور صفائی حضرات شیخین کے پیش کرتے ہیں۔ کہ جلسہ سقیفہ ان حضرات کا برانگیختہ نہ تھا۔ اور ہم لوگ بھی تیوں کرتے ہیں۔ کہ واقعی یہ دونوں بزرگوار کسی اور ہی پلاٹ یعنی وقوع سنگین کی فکر میں تھے آپ لوگوں کو یکایک سقیفہ کی خبر ملی۔ اور آپ لوگ یکایک کود پڑے۔ اور جھپٹ کر خلافت حاصل کر لی۔

بھئی محی الدین برائے خُدا تمام دُنیا۔ یورپ۔ ایشیا۔ افریقہ امریکہ کے اہل الرائے سے پوچھ دیکھو۔ کہ جس الیکشن میں جلسۂ الیکشن کے قائم ہونے کے دس بیس منٹ یا بیش از بیش ساعت دو ساعت قبل تک کسی فرد بشر کو حتیٰ کہ خود حضرات منتخب اور منتخب کو الیکشن ہونے کی یا اس کے زمان یا مکان کی مطلق خبر نہ ہو۔ اور جلسۂ الیکشن میں ایک بڑا معزز امیدوار۔ بوجہ مشغولیت ایک کار خیر کے اور بھی بوجہ لاعلمی کے موجود نہ ہو۔ اور انہیں وجوہ سے اس کے کُل ووٹران غیر حاضر ہُوں۔ تب ایسی حالت میں اور اس معزز امیدوار کی غیبت میں اگر دو تین اشخاص ایک مجمع میں پہنچ جائیں۔ اور وہاں پہنچ کر ان میں سے ایک دوسرے کو پرپوز کر کے ایلکیٹ کریں۔ تو کیا ایسا الیکشن ایک سیکنڈ کے لئے بھی جائز رہ سکتا ہے۔

محی الدین۔ بھئی قصور معاف کس قدر سٹری ہو گئے ہو۔ تمہیں تو ایسی انگریزی چپ گئی ہے۔ کہ خُدا کی پناہ! بھائی یہ الیکشن جناب رسُول خُدا صلعم کے نائب کا تھا۔ اس میں جو آپ انگلستان اور فرانس کے الیکشن کے قاعدے برت رہے ہیں۔ یہ دیوانہ پن ہے یا نہیں؟

علی رضا۔ معقول، اُلٹے چور کو توال کو ڈانڈا! خود دم بھر کہیں قرار نہیں لیتے اور بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور الٹا ہم پر الزام دھرتے ہو۔ جب ہم نے وراثت شرعی کی رو سے دعویٰ کیا تو ادھر سے بات بنا کر نکل بھاگے۔ جب وصیت سے بات شروع کی، تو خود سلطنت جمہوری کے اصول چھانٹنے لگے۔ اب اس میں جب ٹین ہوتے ہو۔ تو بغلیں جھانکتے اور مجھے دیوانہ بناتے ہو۔ غور کرو کہ یہ کامن ویلتھ اور سلطنت جمہوری کا راگ کس نے چھیڑا تھا؟ کس نے یہ کہا تھا۔ کہ نائب رسولؐ ہونے کے لئے وراثت یا قرابت کو دخل نہیں۔ عوام جس کو پسند کریں وہی نائب رسولؐ ہو؟

کیا ہم نے خود نہیں کہا تھا۔ کہ جب عوام الناس کسی شخص کو ادنیٰ درویش نہیں بنا سکتے۔ تو نائب رسول کیا بنائیں گے؟ یہ اُس دن سے کس بات کی بحث ہو رہی ہے! خیر بہر کیف۔ ہم پر تو یہ الزام دیتے ہو کہ نائب رسولؐ کے الیکشن میں ہم انگریزی اور فرانسیسی قواعد کو دخل دیتے ہیں۔ اب ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ انگریزی نہیں تو خدا کے لئے تم ہی تبلاؤ۔ کہ عربی الیکشن کے کیا قاعدے ہیں؟ کیا اس کا قاعدہ یہی ہے۔ کہ جس شخص کو رسول مقبول صلعم ستر ہزار مختلف قوم اور قبیلہ کے آدمیوں کے سامنے مولائے مومنین قرار دیں اور اس کو شتر کے ستر ہزار آدمی بطیب خاطر مجمع عام میں مولائے مومنین مان لیں، وہ کچھ نہیں، اور جس کو سقیفہ کے دس بارہ خفیف الاوقات آدمی بے سمجھے بوجھے منتخب کریں وہ سب کچھ!! کیا سلطنت جمہوری اسی کا نام ہے؟ کیا جمہور کے معنے عربی میں دس بارہ خفیف الاوقات آدمی ہیں؟ کیا دنیا و دین کا بادشاہ اور پیشوا عرب میں یوں ہی مقرر ہوتا ہے؟ کیا عربی اصول سے سلطنت جمہوری کا پریزیڈنٹ ساعت دو ساعت میں چراغ گل اور پگڑی غائب کی طرح مقرر ہوتا ہے؟ قصور معاف اگر عربی الیکشن کا یہی قاعدہ ہے تو ہر ایک قہوہ خانے یا چنڈو خانے سے دس بیس خلیفہ روز منتخب ہو سکتے ہیں۔ خیر ہم کہاں تک دماغ خالی کریں۔ اب برائے خدا حقاً ایماناً تم ہی کہو۔ کہ نائب رسولؐ کے انتخاب میں اگر انتخاب پر دارومدار تھا جیسا کہ تم کہتے ہو کوئی قاعدہ ہے۔ اور ہونا چاہیئے یا نہیں۔ اور اگر ہے اور ہونا چاہیئے تو کیا؟

اس سوال کے جواب میں دو گھنٹے تک محی الدین سر جھکائے ہوئے غور کرتا رہا۔ مگر کوئی قاعدہ معقول جس سے یہ الیکشن محفوظ رہ جائے نہ نکلا۔ جب بہت گھبرایا۔ تو علی رضا نے کہا۔ کہ بھائی کیا سوچتے ہو۔ اور کہاں تک سوچو گے۔ سوچنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ الیکشن تو ایسا بے اصول ہے۔ کہ خود تمہارے حضرت عمرؓ نے بعد کام نکالنے کے اس

الیکشن کو رد کر دیا تھا۔ اور صاف کہہ دیا تھا۔ کہ خلافت حضرت ابوبکر کی محض اچانک طور سے ہوئی۔ اگر پھر کوئی ایسا کرے۔ تو اس کو قتل کرو۔ دیکھو تحفہ اثنا عشری صفحہ ۲۸۰ پس اس الیکشن کا ناجائز اور خلاف اصول ہونا تو باقرار مقرر مرقوم بہ قلم خاص ثابت ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ اسی الیکشن پر تمہارا اور ایک عالم کے مذہب کا دارومدار ہے!!!

آیا سقیفہ کی کارروائی نیک نیتی سے ہوئی؟

محی الدین۔ اگر یہ الیکشن اصول سے ٹھیک نہ ہو۔ تب بھی جب نیک نیتی سے ہوا تو سب کچھ جائز ہو گیا؟

علی رضا۔ بھائی ایسا امر عظیم یعنی دنیا اور دین کے بادشاہ اور پیشوا مقرر ہونے کا امر اگر باوجود بے قاعدہ اور بے اصول ہونے کے صرف بوجہ نیک نیتی کے جائز قرار دیا جائے تو الیکشن لڑکوں کا کھیل ہو جائے۔ دس بیس مل کر ایک محلہ میں عمرو کو دس بیس مل کر ایک محلہ میں خالد کو نیک نیتی سے خلیفہ مقرر کریں۔ تو کم سے کم فی قہوہ خانہ ایک خلیفہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر تم اس کو بھی جائز کہو۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ تب حضرت عمر نے کیوں منع کر دیا۔ کہ آئندہ کوئی اس طرح پر خلیفہ مقرر کرے۔ تو اس کو قتل کرو؟ کیوں لوگوں کی آزادی میں دست اندازی کی؟ کیوں حضرت سلمان فارسیؓ کو بھی اپنی نیک نیتی کے استعمال سے روکا؟ ہم نے اب تک نیک نیتی کے الفاظ کو صرف بحث کے لئے فرض کیا ہے۔ ورنہ حقیقتاً اس کارروائی میں نیک نیتی کا تو شائبہ تک نہ تھا۔ کیونکہ دو چار دن میں حضرت عمر اس کارروائی میں چہار رنگ لائے۔ اولاً جب رسول مقبول صلعم نے دوات قلم طلب کیا۔ تو آپ بڑے سول سرجن بن کر فرمانے لگے۔ کہ رسول مقبولؐ کو بوجہ غلبہ درد کے ہجران ہے ثانیاً جب حضرت صلعم نے انتقال فرمایا۔ تو آپ عشق رسول اللہ میں مجذوب بن کر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ حضرت رسولؐ نے انتقال ہی نہیں کیا ہے۔ ثالثاً جب سقیفہ بندی کی خبر پائی۔ تو چشم زدن میں سارا جذب رفت گذشت ہوا۔ اور آپ بڑے اسٹیٹس مین (مدبر) بن کر رسول اللہ کی نعش مبارک کو چھوڑ کر سقیفہ میں تشریف لائے۔ اور وہاں کڑکتی آواز سے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا۔ رابعاً جب کام نکل گیا۔ تو فوراً آپ نے کسی بڑے جنرل کی طرح مارشل لا جاری کر دیا۔ کہ اب جو کوئی ایسا کرے۔ تو اس کو قتل کرو!! میرے نزدیک تو اسی رنگ بدلنے سے ساری قلعی کھل جاتی ہے۔ لیکن اگر تم کو باور نہ ہو تو باعتبار واقعات کے ذرا غور کر کے خیال کرو۔ کہ سقیفہ میں جو لوگ جمع تھے۔ وہ

مسلمان تھے۔ اگر ان کو یہ حضرت اتنا فرما دیتے۔ کہ بھائیو اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو نعش مقدس جناب رسول مقبول صلعم کی پڑی ہوئی ہے۔ چلو ہم تم سب مل کر اس فرض عظیم سے ادا ہو جائیں۔ تب انتخاب ہو رہے گا۔ تو کیا وہ لوگ انکار کرتے ؟ اور اگر لجاجت منت سماجت سے نہ مانتے۔ تو کیا مجلس کے گونجانے والی اور مسلمانوں کے دلوں کو ہلانے والی آواز جناب رسول مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین کی شرکت کے لئے بلند ہوتی۔ تو اس کا کچھ اثر نہ ہوتا؟ مجھے سخت تعجب ہے۔ کہ خبر انتقال رسول مقبولؐ چھپانے کو جو تلوار کھینچی تھی۔ وہ اس وقت کس نیام میں مخفی ہو گئی ؟ کیا اس وقت اس کا کھینچنا منافی شان سودائے عشق رسول اللہؐ تھا !!! اگر تم کہو کہ سقیفہ والے ایسے شورپشت نافرمان تھے۔ کہ ایسے التماس معقول کو ان حضرات کے نہ سنتے۔ بلکہ بصورت توقف دوسرے کسی کو خلیفہ بنا لیتے۔ تب ہم کو ان لوگوں کے ووٹ دینے میں کمال شک ہوتا ہے۔ لیکن اگر تم اس پر ضد کرو کہ ان لوگوں کے ووٹ دیئے تو ہم کہیں گے۔ کہ تب یہ قضیہ اتفاقیہ ہوا۔ یعنی اگر خلفائے ثلاثہ ذرا چوکتے۔ اور بروقت خبر نہ لیتے۔ تو کوئی دوسرا خلیفہ مقرر ہو جاتا۔ اس لئے کچھ دور نہیں۔ کہ اگر آپ لوگ تھوڑا انتظار کرتے تو حضرت علیؑ خلیفہ ہو جاتے۔ پس ایسا الیکشن حضرت ابوبکرؓ کا ہرگز قابل استدلال نہیں۔ اور نہ سقیفہ والوں کا ووٹ قابل اعتبار ہے۔ میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ ایسے شورپشت نافرمان کم اعتقاد لوگوں کے ووٹ پر جو حضرت رسول مقبولؐ ایسے اشرف الناس کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوئے۔ بلکہ حارج ہوئے۔ یہاں تک کہ ایسے ایسے بڑے لوگوں کو کہ اس شرف اور ادائے فرض سے روکا، ہرگز فخر نہ کرنا چاہیئے بلکہ شرمانا چاہئے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ اس قدر تعجیل کی ضرورت جو تمہارے علماء نے لکھی ہے۔ اور خلفائے ثلاثہ کی محرومی کو شرف خدمت آخری رسول مقبولؐ سے عوام کے سر سے مارا ہے۔ وہ صرف بہ نظر عیب پوشی ہے۔ ورنہ اس تعجیل کی سوا اس کے اور کوئی ضرورت نہ تھی۔ کہ کہیں جلسۂ انتخاب میں حضرت علیؑ پہنچ نہ جائیں۔ اور ان کی غیر حاضری کا موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ نعش ہائے مقدس دابرار کی تجہیز و تکفین میں سوائے فوج یزید کے تو اور کسی گروہ یا جماعت کی بے اعتنائی دیکھی نہیں گئی۔ تب ہم سقیفہ والوں کو ایسا سنگدل کیوں نہ کہیں۔ ان لوگوں نے رسول مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین میں خود بے اعتنائی کی بلکہ دوسروں کو بھی اس کار خیر میں شرکت سے روکا اس مقام پر حضرات مصنفین سنت جماعت نے جب دیکھا۔ کہ اگر سقیفہ کا سچا اور سادہ واقعہ پبلک کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ تو ہر شخص بول اٹھے گا۔ کہ یہ الیکشن محض فارس

(تماشا) تھا۔ اور اس میں محض نامناسب تعجیل کی گئی۔ تو ان حضرات نے بیرنگ رنگ آمیزی اور بے مزہ عبارت آرائی بلکہ مکروہ مبالغہ سے کام لیا ہے۔ بعض حضرات لکھتے ہیں۔ کہ اس الیکشن کے ہونے سے بڑا سخت طوفان شرو فساد کا رُک گیا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ غدر کی بھڑکتی آگ بجھ گئی۔

مَیں جو خیال کرتا ہُوں۔ تو اس واقعہ میں نہ کہیں آگ تھی۔ اور نہ کہیں پانی تھا۔ اور اگر تھا۔ تو بالکل حضرت عمر اور ابوبکر کے ہاتھ میں تھا۔ یعنی واقعہ تو یہی ہُوا۔ کہ جو حضرت عمر نے کہا۔ اس کو سب نے مانا یعنی حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا۔ اس پر کوئی شخص چوں تک نہ بولا۔ بلکہ سب نے ان کی پیروی کر کے بیعت کر لی۔ تب اگر کوئی آگ تھی۔ تو ایسی تھی۔ کہ حضرت عمر کے ایک پُھوکرنے میں بجھ گئی۔ اور اگر طوفان تھا تو ایسا تھا۔ کہ آپ کے ذرا گرمانے سے بالکل انجرہ بن کر کرہ زمہریر میں جاملا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا　　جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

اب کوئی ان حضرات مصنفین سے پوچھے۔ تو کہ جناب رسُول مقبُول کی حیات تک تو سلطنت میں بالکل امن وامان تھا۔ نہ کوئی فوج بگڑی تھی۔ اور نہ کوئی قوم یا قبیلہ باغی ہوا تھا۔ پھر حضرت کے انتقال کے ایک گھنٹہ کے بعد فساد کی آگ کس نے بھڑکائی اور شر کا طوفان کیونکر اُٹھ گیا۔ کن باغیوں کا رسالہ تیار ہوا۔ اور کس مقام پر ان کا میگزین جمع ہوا۔ جس کو اس الیکشن نے دبایا۔ میں جہاں تک تواریخ دیکھتا ہُوں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ زمانہ نہایت ہی امن وامان کا تھا۔ یعنی اندرونی حالت ملک کی ایسی اچھی تھی۔ اور سارے عرب میں ایسا امن وامان تھا۔ کہ حضور اقدسؐ اس طرف سے بالکل مطمئن ہو کر جیش اسامہ کی تیاری فرمارہے تھے۔ اور ممالک خارجہ میں (یعنی عرب سے باہر) فوج کشی کی تیاری ہو رہی تھی ایسے امن وامان کے وقت کی نسبت یہ کہنا۔ کہ الیکشن نے ایک چڑھے طوفان کو روک دیا۔ اور غدر کی بھڑکتی آگ کو بجھا دیا۔ کس قدر مکروہ مبالغہ ہے۔

یہ افسوس کی بات ہے۔ کہ واقعات تاریخی کے بیان میں حضرات مصنفین سنت جماعت جن میں بعض علما۔ عالی قدر ہیں۔ اپنے کو ایسی پست اور ذلیل جگہ میں لے جائیں کہ ایسے بھونڈے مبالغے اور ایسی ابلہ فریب عبارت آرائیوں سے کام لیں۔

مَیں کہتا ہُوں۔ کہ جب سقیفہ والے ایسے تھے۔ کہ حضرات شیخین کی خود ساختہ..... کارروائیوں کو صرف بزور الفاظ مان گئے۔ اور خلیفہ رسُول مقبُولؐ بنا لیا اور بیعت کر لی تب یہ کیونکر ممکن ہے کہ اگر یہ حضرات جناب رسُول مقبُول صلعم کی مکمل کارروائی غدیر کو درمیان

میں لا کر یہ فرماتے۔ کہ خلیفہ رسولؐ وہی ہے۔ جو بروز غدیر ہمارا اور تمہارا مولیٰ ہو چکا ہے تو کیا وہ لوگ نہ مانتے؟ یا کم سے کم یہ حضرات اگر ان لوگوں سے اس مسئلہ کو تا تجہیز و تکفین جناب رسُول کریم صلعم کے ملتوی کرنے کو فرماتے۔ تو وہ لوگ سرکشی یا مخالفت کرتے؟

میں پھر حضرات مصنفین سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر حضرت علیؑ خلیفہ رسُولؐ ہو جاتے اور یہ تینوں خلفائے ثلاثہ حضرت کے ساتھ زبان اور دل کے ساتھ رہتے تو فساد کہاں اور کیونکر ہوتا۔ قوم کی باگ تو حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تھی۔ جو یہ چاہتے وہ ہوتا۔ جیسا کہ ہوا۔

ہاں اگر حضرات مصنفین یہ فرمائیں۔ کہ اگر حضرت علیؑ تخت پر بیٹھتے یعنی خلیفہ رسُولؐ ہوتے تو ان ہی تینوں بزرگواروں کو ناگوار ہوتا۔ اور یہی لوگ بگڑ بیٹھتے۔ اور لڑائی جھگڑے شر و فساد پر تل جاتے اور قوم ان کے ساتھ ہو جاتی۔ تو یہ امر آخر ہے لیکن اگر ایسی فیلنگ (دلی حالت) حضرات شیخین کی فرض کر لی جائے۔ تب یہ امر نہایت قرین عقل و قرین قیاس ہے کہ سقیفہ کی کارروائی نیک نیتی سے نہ ہوئی تھی۔ اور یہی میرا دعویٰ ہے۔ اور یہ بات کہ اس الیکشن کی وجہ سے بھڑکتی آگ بجھ گئی۔ اور چڑھتا طوفان رُک گیا۔ محض غلط اور مہمل ہے اور بالکل عبارت آرائی ہے۔ بلکہ واقعہ برعکس اس کے ہے یعنی اس الیکشن کے ہونے سے ایسی آگ بھڑکی جو آج تیرہ سو برس تک نہ بجھی۔ اور اس الیکشن نے ایسا طوفان بپا کیا۔ کہ سفینہ آل نبیؐ ایسا ڈوب گیا۔ جو آج تک ابھر نہ سکا۔ ایک بات اور قابل غور ہے۔ ذرا سوچئے تو کہ جب بعد خلیفہ ہو جانے حضرت ابوبکر کے حضرت عمرؓ نے حکم دیا۔ کہ اب جو کوئی ایسا کرے۔ اس کو قتل کرو تو حضرت عمرؓ کے دل میں کس کا کھٹکا تھا۔ کیا ان کے دل میں علی مرتضیٰؑ کی طرف سے خوف نہ تھا؟ اور اگر حضرت علیؑ کی طرف نہ تھا۔ تو کس کا خوف تھا۔ اور اس حکم کی کیا ضرورت تھی۔

میں نے واقعات سقیفہ میں فساد کے پہلو کو غائر نگاہ سے جو دیکھا۔ تو مثل بدیہات کے یہ بات ثابت معلوم ہوئی۔ کہ اگر اس معاملہ میں کچھ فساد ہوتا۔ تو یقیناً حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات کی وجہ سے ہوتا۔ ذرا تم بھی تو غور کرو۔ کہ اگر حضرات خلفائے ثلاثہ جناب رسُول مقبولؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک رہتے۔ تو کیا نتیجہ ہوتا اور کون فساد کرتا؟

فرض کرو۔ کہ سعد ابن عبادہ خلیفہ ہو جاتے۔ تب اس وقت یقیناً لوگوں کی تین پارٹیاں ہو جاتیں۔ ایک سعد ابن عبادہ کی پارٹی۔ دوسری اہل بیت علیہم السلام کی پارٹی۔ جس کے افسر جناب امیرؑ ہوتے تیسرے خلفائے ثلاثہ کی پارٹی جس کے سرغنہ حضرت عمرؓ ہوتے اب دیکھنا چاہیئے کہ اس حالت میں کون پارٹی کیا کام کرتی۔

کوئی شک نہیں۔ کہ جناب علی مرتضیٰ ضرور اپنا حق طلب کرتے اور جس طرح بعد خلافت خلیفہ اول کے واقعی اتمام حجت کیا تھا۔ اسی طرح اس وقت بھی اتمام حجت کرتے۔ اس میں اگر سعد ابن عبادہ خوف خدا کر کے حضرت علیؑ کے دعویٰ کو قبول کر لیتے اور تخت خلافت چھوڑ کر حضرت علیؑ کے سپرد کر دیتے اور حضرات خلفائے ثلاثہ بھی اس کو مان کر حضرت علیؑ سے بیعت کر لیتے تو بس قصہ ختم ہو جاتا۔ اور کہیں کچھ فساد نہ ہوتا۔ لیکن اگر خلفائے ثلاثہ اس کو قبول نہ کرتے۔ تو یقیناً یہی لوگ آپ کی پارٹی والے فساد کرتے۔ اور جو کچھ فساد ہوتا وہ ان ہی حضرات کی وجہ سے ہوتا۔

دوسری صورت یہ ہوتی۔ کہ سعد ابن عبادہ حضرت علیؑ کے دعوؤں کو اور اتمام حجت کو قبول نہ کرتے۔ تو حضرت علی مرتضیٰ کے لئے یہ روز سیاہ ویسا ہی ہوتا۔ جیسا حضرت ابو بکر کے خلیفہ ہونے سے ہوا اس لئے تو حضرت علیؑ وہی کارروائی کرتے جو بہ وقت خلافت خلیفہ اول کے کی یعنی بعد اظہار و اعلان اپنے حقوق کے صبر و سکوت فرماتے بخصوص جب حضرت عمر کی پارٹی کو اپنے ساتھ نہ پاتے۔ اس کے بعد دیکھنا چاہیئے۔ کہ حضرت عمر کی پارٹی کیا کرتی؟ اگر حضرت عمر کی پارٹی سعد ابن عبادہ کی خلافت کو مان لیتی۔ یا اس پر سکوت کر لیتی۔ تو ایک دم تسلط ہو جاتا۔ اور کہیں فساد نہ ہوتا۔ لیکن اگر حضرت عمر کی پارٹی سعد کی خلافت کو قبول نہ کرتی۔ تو یقیناً یہی پارٹی فساد کرتی۔ اس لئے دونوں حالتوں میں فساد کا پہلو حضرت عمر ہی کی جانب رہتا ہے۔ اور ہر حالت میں فساد کا مرکز حضرت عمر ہی کی ذات بابرکات ٹھہرتی ہے۔

ایسی حالت میں حضرات مصنفین کو چاہیئے تھا۔ کہ بجائے استعمال استعارہ اور مبالغہ کے سیدھی اور سچی بات یہی لکھ دیتے کہ حضرت ابو بکر خلیفہ نہ ہوتے۔ تو حضرت عمرؓ فساد کرتے۔ اور اس میں کوئی درجہ دقیقہ شر و فساد کا اٹھا نہ رکھتے۔ اس میں جو کچھ ہو جاتا۔ اس کے مان لینے میں مجھ کو یا کسی کو کوئی عذر نہ ہوتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جب واسطے استحکام خلافت کے حضرت عمر نے ایسا غضب کیا۔ کہ جناب علی مرتضیٰ و فاطمۃ الزہرا علیہما السلام کے خانہ اقدس پر آگ لگا دی اور لکڑی لے کر چڑھ گئے۔ تو حصول خلافت کے لئے جو کچھ کرتے تھوڑا ہوتا۔

محی الدین۔ یہ کیا؟ حضرت عمر نے استحکام خلافت کے لئے کیا فساد کیا تھا؟

علی رضا۔ یہ قصہ طویل ہے۔ اس وقت مختصر اعرض کرتا ہوں۔ یعنی بعد تخت نشینی حضرت ابو بکر کے جو واقعہ ہوا۔ اس کو لفظ بہ لفظ کتاب المرتضیٰ صفحہ ۵۸ سے نقل کرتا ہوں:۔

علی مرتضےٰ حضرت عباس وزبیر بی بی فاطمہؓ کے گھر میں جو بیٹھے۔ ابوبکر صدیق نے عمر فاروق کو ان کے پاس اس غرض سے بھیجا۔ کہ ان کو بی بی فاطمہؓ کے گھر سے نکال دیں۔ اور یہ کہہ دیا۔ کہ اگر ان کو نکلنے سے انکار ہو تو ان سے لڑائی کرو۔ عمر فاروق تھوڑی سی آگ بھی گھر پھونکنے کے ارادے سے ہمراہ لے گئے۔ اسی اثناء میں بی بی فاطمہؓ راستہ میں مل گئیں۔ اور پوچھا۔ کہ اے خطاب کے بیٹے کہاں جاتا ہے۔ کیا ہمارا گھر پھونکنے؟ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ تب اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ یہ حکم حضرت عمرؓ کا صرف حضرت علیؓ کی حق تلفی کے لئے تھا۔ اور ہرگز کارروائی سقیفہ کی نیک نیتی سے نہ ہوئی۔

محی الدین۔ تمہارے اس قدر کہنے کے بعد میرا خیال ہوتا ہے۔ کہ واقعات سے البتہ یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ خلافت اپنے لئے چاہتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ اپنے لئے اس میں حضرت علیؓ سے یہ غفلت اور چوک ہو گئی (صحیح ہو یا غلط بجا ہو یا بے جا) کہ آپ حضرت رسول خدا صلعم کی تجہیز و تکفین و تدفین کے سامان میں مشغول ہو گئے اور حضرات خلفائے ثلاثہ نے دیکھا کہ جناب رسالتماب صلعم کی تجہیز و تکفین کا سامان تو ہو ہی رہا ہے۔ اور امر خلافت کا طے پانا اور اس کا مستحکم ہونا اور شر و فساد کا روکنا حضرت کی تجہیز و تکفین سے کم ضروری نہیں ہے اس لئے آپ لوگ سقیفہ میں تشریف لائے۔ اور یہاں حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے جس سے سارا فساد دب گیا۔ اور حضرت علیؓ نے جناب رسول مقبولؐ کی تجہیز و تدفین کا انتظام کیا۔ جس سے آپ ثواب دارین کے مستحق ہوئے۔ اس میں ایک فریق کو دوسرے فریق سے کوئی جگہ شکایت کی نہیں ہو سکتی۔ اس کی مثال سر سید احمد خان صاحب بہادر نے کیا خوب لکھی ہے کہ میدان خلافت میں ایک گھوڑ دوڑ تھی۔ ایک گھوڑے پر حضرت علی سوار تھے اور ایک ایک پر حضرت ابابکر صدیق اور حضرت عمر فاروق سوار تھے۔ اس گھوڑ دوڑ میں حضرات شیخین کا گھوڑا آگے نکل گیا۔ اور میدان ان کے ہاتھ رہا۔ اور حضرت علیؓ کا گھوڑا کسی وجہ سے پیچھے رہ گیا۔ اس لئے آپ جام انعام سے محروم رہ گئے۔ اس میں آپ کو یا آپ کے کسی جانبدار کو حضرات خلفائے ثلاثہ سے شکایت کا کوئی حق نہیں ہے۔

علی رضا۔ ماشاءاللہ چشم بددور کن اچھے اور مہذب الفاظ میں تم نے اس شعر کے مفہوم کو ادا کیا ہے ؎

اہل دنیا کار دنیا ساختند
مصطفےٰ را بے کفن انداختند

ہزار افسوس کہ جس محسن عالم فخر بنی آدم نے امت کے لئے پیٹ پر پتھر باندھا اور جس نے اُمت کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔ اور کیا کچھ نہ کرے گا۔ اس کی خدمت آخری یعنی تجہیز و تکفین و تدفین کو لوگ غفلت اور چوک کے الفاظ سے تعبیر کریں۔ افسوس صد افسوس حیف صد حیف۔ بھائی اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ یہ زمانے کا انقلاب ہے۔ دیگر حضرات مصنفین بھی ایسا ہی لکھ گئے ہیں۔ لیکن بھائی وقت گذر جاتا ہے۔ یہ بات یاد رہ جاتی ہے خلافت ملنے کو تو ملی۔ لیکن شرف خدمت آخری جناب رسول مقبول صلعم سے تا ابد محرومی رہ گئی۔ یہ داغ تو مٹائے مٹ نہیں سکتا! اور یہ جو آپ فرماتے ہیں۔ کہ حضرات خلفائے ثلثہ نے دیکھا کہ جناب رسول مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین سے امر خلافت کم ضروری نہ تھا۔ تو میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کو یہ کہنے سے بلکہ کوشش بلیغ کرنے سے کہ تا تجہیز و تکفین جناب رسول مقبولؐ کے امر خلافت ملتوی رہے۔ کس نے روکا یا منع کیا تھا؟ اگر آپ حضرات ایسا فرماتے تو دونوں ضروری امور ٹھیک موافق قواعد فطرت اور قانون شریعت اور رواج عام شرفائے اسلام کے طے پاتے۔ اس میں کیا بگڑتا؟ اس میں تو دونوں ضروری امور بعنوان احسن انجام پاتے۔

مگر کیا اصحاب ثلثہ میں سے کسی نے ایسی کوشش کی یا زبان ہلائی؟ ہرگز نہیں! برخلاف اس کے میں جس کتاب میں واقعہ خلافت کو دیکھتا ہوں تو یہی پاتا ہوں۔ کہ حضرات خلفائے ثلثہ جلسہ سقیفہ میں پہنچتے ہی بالکل اس جماعت میں داخل ہو گئے اور بجائے کوشش التواء کے، اسی شورے اور بند و بست میں شریک ہو کر اپنے مطلب کی باتیں کرنے لگے اور بہ تعجیل تمام حضرت ابوبکر خلیفہ بنا دیئے گئے۔

تب اصل حقیقت تو یہ ہے۔ کہ ان حضرات نے حضرت علیؑ کی غیر حاضری کو غنیمت جانا۔ اور ان کی غیر حاضری کا نفع اٹھایا۔ مگر آپ اس کی تاویل یہ فرماتے ہیں۔ کہ امر خلافت کا طے پانا جناب رسول مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین سے کم ضروری نہ تھا۔

اور یہ جو آپ کہتے ہیں۔ کہ شر و فساد کا روکنا ضروری تھا۔ تو اس بارہ میں میں کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ یہ قیاس بالکل بے بنیاد ہے۔ نہ کہیں کچھ شر تھا اور نہ کہیں کچھ فساد تھا نہ کوئی فوج بگڑی تھی نہ کوئی قبیلہ باغی ہوا تھا۔ اس لئے یہ کہنا۔ کہ بوجہ خلافت حضرت خلیفہ اوّل کے شر و فساد دب گیا۔ بالکل عبارت آرائی ہے۔ بلکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ جیسا میں کہہ چکا ہوں۔ کہ حضرت خلیفہ اوّل کے خلیفہ ہونے سے ایسی آگ بھڑکی جو آج تیرہ سو برس تک نہ بجھ سکی۔ ایسا طوفان برپا ہوا اور اس میں سفینہ آل نبی صلعم ایسا ڈوبا

کہ آج تک نہ ابھر سکا۔ اور آپ نے جو یہ گھوڑ دوڑ کی مثال دی ہے۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا واقعی سر سید احمد خان صاحب بہادر نے ایسی مثال لکھی ہے؟ اگر انہوں نے ایسی مثال لکھی ہے تو کمال تعجب ہے۔ کہ ایسے عاقل اور سنجیدہ شخص نے ایسی بے تک مثال کیونکر اختیار کی گھوڑ دوڑ کے قاعدے اور ضابطہ کو اور سقیفہ کی کارروائی سے تو ذرا کا ذرا تل برابر بھی مماثلت نہیں ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ گھوڑ دوڑ میں ہفتہ دو ہفتہ قبل سے دن تاریخ وقت مقرر ہو کر اشتہار عام دے دیا جاتا ہے۔ اور بعدہ بروز معینہ سب سوار کار مع حکام وڈو سائے ریس کورس (جولاں گاہ) کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ اور وہاں سب سوار کار اپنے ساز کے ساتھ وزن کئے جاتے ہیں۔ تب ایک جج کے ساتھ جولاں گاہ میں جاتے ہیں۔ اور جب وہ جج صدا دیتا ہے۔ تو سب سوار کار بیک وقت گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ اور چکر دے کر مقام معین تک پہنچتے ہیں۔ اس میں جس کا گھوڑا آگے نکلتا ہے۔ وہ بازی جیتتا ہے اور جس کا گھوڑا پیچھے رہتا ہے وہ بازی ہارتا ہے

لیکن افسوس سقیفہ کی گھوڑ دوڑ یا خلیفہ دوڑ میں شروع بسم اللہ ہی غلط ہے۔ یعنی حضرت علی علیہ السلام اس جولاں گاہ یعنی سقیفہ میں حاضر ہی نہ تھے۔ تب بمقابلہ حریف غیر حاضر کے کسی کا بازی جیتنا کیسا۔ اور اس غریب کا ہارنا چہ معنی دارد؟ اور طرفہ یہ کہ اس غریب کی غیر حاضری بوجہ بزدلی یا پسپائی کے نہ تھی۔ بلکہ بوجہ عبادت خدا کے تھی (لاش مسلم کی تجہیز و تدفین واجب کفائی ہے۔ اس لئے کون مسلمان اس میں شک کر سکتا ہے۔ کہ جناب رسول مقبول صلعم کی تجہیز و تدفین داخل عبادت نہ تھی۔)

علاوہ اس کے غور فرمائیے۔ کہ اس گھوڑ دوڑ یا خلیفہ دوڑ کی حضرت علیؑ کو مطلق اطلاع نہ تھی۔ اور نہ اُن حضرت کو کسی نے طلب کیا یا خبر ہونے دیا۔ تب بمقابلہ لاعلم سوار کار کے دوسرے سواروں کا گھوڑے دوڑانا کیونکر قابل استدلال ہو سکتا ہے۔ ہاں کاش کوئی صاحب جناب امیرؑ کو بھی کہلا بھیجتے۔ کہ یہاں خلافت کا مشورہ پیش ہے آپ تشریف لائیے۔ بعد اس کے حضرت رسول مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین ہو گی۔ تو خیر کہنے کو ہوتا۔ مگر یہ سب کچھ نہ ہوا۔ اور بالکل یکطرفہ کارروائی ہوئی جس میں بیچارے حضرت علی کو زبان ہلانے تک کا موقع نہ ملا تب اس کارروائی کو یہ کہنا۔ کہ خلافت کی گھوڑ دوڑ میں حضرت علیؑ کا گھوڑا پیچھے رہ گیا۔ اور حضرات شیخین کا گھوڑا آگے نکل گیا۔ کس قدر مہمل اور بے جوڑ اور بے تک ہے اگر سقیفہ کی کارروائی کو گھوڑ دوڑ سے مثال دیجئے۔ تو اس کی مثال یوں ہو گی۔ دو سوار ایک طرف اور ایک سوار ایک طرف تھے۔ طرفین کا آپس میں خیال تھا۔ کہ روز سے از روز ہا

ہم لوگوں کے آپس میں گھوڑ دوڑ ہو گی۔ اتفاقاً بتاریخ دہم محرم وہ دونوں سوار اپنے ساز وبراق سے درست ہو کر گھوڑے پر سوار نکلے۔ تو دیکھا۔ کہ وہ تیسرا سوار کار بے چارہ نماز میں مشغول سربسجود ہے۔ یہ دیکھتے ہی وہ دونوں سوار بہ تعجیل تمام جولان گاہ میں آئے اور بمقابلہ دس بیس تماشائیوں کے اپنے گھوڑے کو ڈاکر جام انعام لے بھاگے۔ اور اس کو سرسید احمد خاں صاحب نے فرمایا۔ کہ اس گھوڑ دوڑ میں یہ دونوں سوار جیتے۔ اور وہ سوار نماز صبح پڑھنے والا ہار گیا!! ماشاء اللہ!!! اور یہ جو تم کہتے ہو کہ ایسی حالت میں اس ہارنے والے سوار کو یا اس کے مجنبہ دار کو شکایت کا کیا حق ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ شکایت حکایت کو تو جانے دیجئے۔ ذرا تو یہ فرمائیے کہ اگر دو سوار اسی طرح تنہا کلکتہ کے ریس کورس میں جاکر اور گھوڑے کو ڈاکر وائسرائے بہادر کا جام انعام لے بھاگیں۔ تو کیا دوسرے ہی دن پولیس کورٹ سے ان پر وارنٹ گرفتاری جاری نہ ہو؟ اور کیا زیر دفعہ ۳۷۹ تعزیرات ہند ان پر مقدمہ چلنے میں کچھ بھی شک ہو سکتا ہے۔

اس لئے گھوڑ دوڑ کی مثال بھی بیکار ہوئی۔ اب ہم حیران ہیں۔ کہ واقعی سقیفہ کی کارروائی کا کیا نام رکھیں۔ الیکشن (یعنی انتخاب) اس کو نہیں کہتے۔ نامینیشن یعنے نامزد کرنا یا وصیت کرنا) اس کو کہہ نہیں سکتے۔ وراثت یعنی (INHERITANCE) اس کو کہہ نہیں سکتے۔ تو پھر ہم حیران ہیں۔ کہ اس کو کیا کہیں۔ برائے خدا تم بتلاؤ کہ تم کیا کہو گے؟

میرے ایک بزرگ شمس العلماء مولوی سید وحید الدین خان صاحب مرحوم نے اپنی کتاب حد تحقیق بہ مشرب سُنی بہ صفحہ ۲۷۴ میں اس کارروائی کو ایک ایسے لفظ سے بیان کیا ہے۔ جو صوبہ بہار میں لوگوں کی زبان زد ہے۔ مگر ہنوز ضبط تحریر میں نہیں آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ یہ خلافت آلماغوچی[1] طور پر ہوئی۔

مگر میں جہاں تک خیال کرتا ہوں۔ اس کارروائی میں الماغوچی سے بھی کچھ زیادہ ہوا میرے نزدیک اس کے لئے دوسرا لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔ جو تمام ہندوستان میں لوگوں کی زبان زد ہے۔ لیکن ہنوز احاطۂ تحریر میں نہیں آیا ہے۔ میرے نزدیک تو قصور

---

[1] الماغوچی سے لینا

GAINING ONCE OBJECT BY CONFUSED FALLACIOUS REASOING AND SELFISH ASSUMPTIONS.

۹۰

معاف یہ خلافت[1] اچاپتی طور پر ہوئی ؟

اس مقام پر حضرات علمائے سُنّت جماعت کی بیکسی اور بے بسی قابل افسوس ہے یعنی جب ان بزرگواروں نے دیکھا۔ کہ یہ الیکشن فی الواقعی تو محض بے اصُول اور بے وقعت ہے۔ لیکن اگر عوام الناس اس بارے میں سوال کر بیٹھیں۔ تو ان کو جواب کیا دیا جائے۔ یہ سوچ کر ان حضرات نے درج ذہن سے دو گوہر شاہوار مگر جھوٹے، نکالے یعنی کوشش بلیغ کر کے حلق مبارک سے دو الفاظ حروف حلقی کے ایسے اُگلے۔ کہ عوام کی عقل ان الفاظ کے بوجھ کے نیچے دب کر ابھر نہ سکے۔ اور یہ راز سربستہ جیسا کا تیسا رہ جائے۔ اس لئے فرما دیا۔ کہ یہ خلافت بموجب شورائے اہل "حل وعقد" ہوئی۔ اب بیچارے عوام کو نہ صراح یا قاموس کی جلد ملے نہ اس "حل وعقد" کا عقدہ کھلے۔ اس لئے وہ لوگ ان الفاظ کو منتر سمجھ کر حفظ کر لیں زیادہ حد ادب۔ مگر میں اس عقدہ کو ابھی حل کر دیتا ہُوں۔ یعنی یہ الفاظ ان لوگوں کی شان میں ارشاد ہوئے ہیں۔ جو سقیفہ بنی ساعدہ میں واسطے مقرر کرنے خلیفہ رسول مقبول صلعم کے جمع ہوئے تھے اور جن کے اوصاف بقول فریقین حسب ذیل تھے :-

نمبر ۱۔ جناب رسولِ مقبول صلعم سے محسن عالم فخر بنی آدم کی تجہیز و تکفین و تدفین کا ان کو مطلق خیال نہ تھا۔ اور باوجودیکہ مسلمانوں کی لاش کی تجہیز و تکفین و تدفین واجب کفائی ہے۔ ان لوگوں نے خلاف طریقہ شرفاء ہر قوم و قبیلہ حضرتؐ کی خدمت آخری کی مطلق پروا نہ کی۔ اور حضرت کی نعش مبارک کو محض بے حقیقت سمجھا۔ اس لئے کوئی شک نہیں۔ کہ یہ لوگ بڑے نااہل کج نہاد اور ناخدا ترس تھے۔

نمبر ۲۔ یہ لوگ ایسے وقت میں کہ آسمان و زمین پر بوجہ اس حادثہ جانکاہ کے اُداسی چھائی تھی۔ اور سارا خاندان عالم حزن و ملال میں تھا۔ اور حضرت صلعم کی پیاری بیٹی کی آنکھوں میں دُنیا اندھیر تھی۔ اس وقت یہ لوگ خوشی خوشی انہیں غمزدہ اہل بیت رسُول خدا صلعم کے حقوق تلف کرنے بلکہ غصب کرنے اور اسی غم دیدہ سوگوار معصومہ کے گھر پر نہایت سنگ دلی اور بے رحمی سے آفت ڈھانے کو تیار تھے۔ اس لئے کوئی شک نہیں۔ کہ یہ لوگ بڑے سنگ دل اور مفسد تھے۔ پس ثابت ہوا کہ اس موقع پر اہل حل وعقد کے معنی اشخاص

[1] اچاپتی سے لینا۔

GAINING ONES OBJECT BY OVER POWERING ADVERSERY WITH FRAUDULANT TRICKS AND FALSE PRETENSIONS.

نا اہل کج نہاد اور مفسد قوم ہیں۔
الغرض یہ الیکشن ایسا بے وقعت ہے کہ اس کو بطور الماغوچی کہئے یا طریقہ اچا پتی
کہئے یا بذریعہ شورائے اہل حل وعقد کہیے۔ مفہوم اور مطلب سب کا ایک ہی ہو جاتا ہے۔
میں کہتا ہوں کہ جس جلسہ میں وہ فخر قوم جس کو خود حضرت سرور کائنات صلعم نے
انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابہا کا خطاب دیا اور جس کو من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ
کا شرف حاصل تھا۔ وہ بہادر جس نے جنگ بدر وحنین واحد وخندق سر کی اور جس کے
ناخن تدبیر سے ہر ایک عقدۂ مالاینحل حل ہوئے۔ اور قلعات خیبر کے دروازے کھل گئے
اور جس کی ثابت قدمی سے ہر ایک مقام پر اسلام کی بنا مستحکم ہو گئی۔ اور جس کی ولیعہدی
پر دین مکمل ہو گیا۔ غیر حاضر ہو یا وہ بزرگ واجب التعظیم خاندان کے بڑے بوڑھے خود
حضرت سرور کائنات صلعم کے عم معظم یعنی حضرت عباس علیہ السلام یا وہ معزز قبیلہ بنی
ہاشم جو ہمیشہ خانہ کعبہ کا محافظ رہتا آیا۔ اور جس کا اعزاز واکرام جملہ قبائل عرب میں ہوتا ہوا
تھا۔ اور جس کا ہر بات میں بول بالا رہتا تھا۔ غیر حاضر ہوں۔ اس جلسہ کو جلسۂ اہل حل
وعقد" کہنا محفل بے چراغ کو شعلۂ نور اور زنگی کو کافور کہنا ہے آج کل کے تعلیم یافتہ حضرات
سنت جماعت کی در بارہ خلافت کی رائے نے غالباً اس خیال سے کہ شورۂ اہل حل وعقد
صرف لفظی وقعت رکھتا ہے۔ معناً کچھ بھی نہیں پاس اپنے مذہب آبائی کے جس کا
چھوڑنا آسان نہیں۔ ڈھونڈ کر ایسی بات نکالی ہے۔ جس سے وہ لوگ اس خلافت کے
قضیے کو جڑ ہی سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ خلافت ہم لوگوں کا جزو
ایمان نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص خلفائے ثلاثہ کو خلفائے برحق نہ سمجھے۔ تو اس کے ایمان میں
خلل نہیں آتا۔ اور نہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کو خلافت
کے قضیے کے پیچھے پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خلافت متعلق انتظام سلطنت کے
تھی۔ دین سے اس کا کوئی واسطہ یا سروکار نہ تھا۔
میں کہتا ہوں۔ کہ بفرض محال یہ خلافت متعلق صرف انتظام دنیا ہی کے مان لی جائے
تو بھی اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ خلافت ایک بڑا بھاری معزز عہدہ تھا۔ جس کے متعلق
کل انتظام سلطنت یعنی محکمات عدالت فوجداری تمدن سیاست قتل قصاص تحصیل
خراج تجارت نظام ملک انتظام افواج جہاد وغیرہ تھا۔ اس لئے کوئی شک نہیں۔ کہ
اس وقت خلیفۂ وقت ملک عرب میں ٹھیک ویسا ہی سمجھا جاتا تھا۔ جیسا اس وقت
ملک امریکہ میں مسٹر ولسن صاحب سمجھے جاتے ہیں۔ یا کم سے کم اس کے حقوق واختیارات

اس قدر تھے۔ جس قدر کہ آج کل گورنران بنگال۔ بمبئی و مدارس کو حاصل ہیں۔

مگر کیا مسٹر ولسن امریکہ کے پریزیڈنٹ اسی طرح مقرر ہوئے تھے۔ کہ چراغ گل اور پگڑی غائب !!! یعنی دو گھنٹہ قبل انتخاب کے ان کو خود ماسوائے معدودے چند کے سارے ملک امریکہ کے باشندوں کو اس کی خبر بھی نہ تھی۔ کہ انتخاب پریزیڈنٹ کہاں اور کب اور کیونکر ہوگا ؟ اور کیا آج کل گورنر بنگال یا بمبئی یا مدارس یوں ہی مقرر ہوتے ہیں۔ کہ ان کے کسی بھائی نے ان کو پروپوز کیا۔ اس پر دس بیس سو پچاس آدمیوں نے ہپ ہپ ہورے HIP HIP HURRAH کا شور مچا دیا۔ اور وہ گورنر ہو گئے اور بعد جاہ و جلال گورنری کرنے لگے ؟

ہم لوگ برابر دیکھتے ہیں۔ کہ ادنیٰ ترین میونسپلٹی کی کمشنری کے لئے بھی لوگ کس قدر رات دن مہینوں دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ اور پریشان ہوتے ہیں۔ تب کہیں بے چارے اپنے حسن تدبیر سے فائز المرام ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں اسلامک ری پبلک کا پریزیڈنٹ یا ملک عرب کا بادشاہ کس آسانی سے اپنے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز ہوتا ہے۔ اور یہ حکومت اور یہ سلطنت کس آسانی سے کوڑیوں کے مول اس کو ہاتھ آتی ہے۔ کہ دو روز میں حضرت عمر چار رنگ میں اسٹیج پر آئے۔ یعنی پہلے سول سرجن بنے۔ بعدۂ مجذوب بنے۔ بعدۂ مدیر الملک بنے۔ اور خلافت اور ایسی عظیم الشان سلطنت کو محض آسانی سے حاصل کر لیا۔ بعدۂ جنرل بن کر اس کو مستحکم کر کے دوسرے امیدواروں کا دروازہ بند کر دیا! واہ ری خلافت اور واہ ری حضرت عمر کی چالاکی اور پھرتی !!!

پس بھائی اس کو معاملہ دینی سمجھو یا معاملہ دُنیا سمجھو کسی حالت میں اور کسی صورت سے اس کے جواز کا پہلو نکل ہی نہیں سکتا۔ اور جب خلافت ناجائز تھی۔ تو خلیفہ ناجائز کے کل احکام اور کل قواعد بالکل VOID ہو گئے۔ اور سب کارروائی اس کی غلط ہو گئی۔ ہر امر قتل قصاص تقسیم بیت المال وغیرہ وغیرہ کی جواب دہی دُنیا اور عقبیٰ میں خلیفہ صاحب کی گردن پر رہیگی۔

آج کل کے تعلیمیافتہ حضرات سُنّت جماعت کی دربارہ خلافت رائے

یہ جو ہمارے تعلیمیافتہ سُنّی بھائی فرماتے ہیں۔ کہ خلافت معاملہ دینی نہ تھا۔ اس لئے

خلافت کے نہ ماننے سے کسی شخص کا ایمان نہیں بگڑتا۔ اور نہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ تو میں کب کہتا ہوں۔ کہ آپ خواہی نخواہی اس خلافت کو ضرور مانئے۔ اگر آپ حضرات خلفائے ثلاثہ کو اپنے بزرگان دین نہ سمجھئے مخوش رہیئے!! ہم خوش ہمارا خدا خوش!! مگر مشکل یہ آپڑی ہے کہ اگر یہ خلافت دینی امور کے متعلق نہ سمجھی جائے یا اس اعتبار سے ناجائز سمجھی جائے۔ تب حضرات خلفائے ثلاثہ دینی امور یعنی روزہ۔ نماز۔ خمس۔ زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد۔ دارالشریعت۔ بیت المال۔ قتل۔ قصاص۔ تعمیر۔ مساجد اور عبادات وغیرہ کے افسر اور حاکم کس اختیار سے بن بیٹھے۔ اور کس حق سے ان سب چیزوں کے قابض و متصرف ہو گئے۔ اور کس سند کے ذریعہ سے کل امور شریعہ کی جن کو جناب رسول صلعم اپنی حیات میں خود انجام فرماتے تھے۔ پیشوا ہو گئے۔ اور سب کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اگر یہ خلافت شرعاً ناجائز تھی۔ یا بطور ناجائز حاصل ہوئی۔ تو ان امور میں ذرا بھی دست اندازی یا تصرف کرنا حضرات خلفائے ثلاثہ کا غصب اور لوٹ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اور محض بے ضابطہ یعنی UNCONSTITUTIONAL ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔ اور کم سے کم ایسا ہوگا۔ کہ کسی صوبہ کا ایک عیسائی گورنر مسلمانوں کی مسجد میں نماز جمعہ و جماعت کا پیش امام ہو یا کوئی مسلمان مجسٹریٹ ہندوؤں کے گیا شرادھ میں جاتریوں سے پنڈ و بلانے میں ان کا مہاپاتر یعنی پنڈا یا افسر بنے۔ المختصر اس نئی راہ نکالنے سے بھی مذہب سنت والجماعت الزام سے بری نہیں رہتا۔ بلکہ ایک اعتبار سے اس نئی راہ کے نکالنے سے قیامت کا سامنا ہوتا ہے۔ یعنی حقتعالےٰ جلشانہٗ کے خاص اختیارات پر حملہ کرنا اور اس لئے معبود برحق پر صریحی ظلم کرنا ہوتا ہے۔

غور کرو کہ حقتعالےٰ جلشانہٗ خلاق عالم شہنشاہ کونین مالک حقیقی نے جن لوگوں کو اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجا۔ ان کو خوب جانچ کر کے اور امتحان میں کامل پا کر بھیجا۔ حتیٰ کہ ہمارے رسول مقبول صلعم سے بھی جو اسی حق تعالےٰ جلشانہٗ کے نور سے پیدا ہوئے تھے۔ چالیس برس تک خوب ریاضت اور عبادت کرائی۔ اور امتحان لیا۔ اور جب دیکھا۔ کہ یہ میرا مقبول بندہ اپنے اعتقادات میں کامل اور مستقل ہے۔ اور اشاعت دین قیمہ کی اس کو پوری صلاحیت حاصل ہے۔ تب مبعوث بہ رسالت فرمایا اور اس پر صحیفہ نازل کیا۔ علیٰ ہذا القیاس رسول ؐ کا نائب بھی اُسی کو مقرر کیا جس کو اپنے نزدیک اس عہدۂ جلیلہ کے قابل سمجھا۔ جیسا زمانہ سلف میں حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہما السلام کا وزیر مقرر کیا تھا۔ دیکھو قرآن مجید سورۂ فرقان پارہ نوزدہم۔ اور اس زمانہ میں جناب امیرؑ کو جناب

رسُول مقبول صلعم کا نائب مقرر کیا۔ جیسا ہم واقعہ غدیر میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں
مگر واہ واہ زمانہ میں یہ کیسا انقلاب آیا۔ اور کیسا اندھیر ہُوا۔ کہ بقول حضرات سنّت
والجماعت اس نئے عقیدے کی رُو سے جب اُسی رسُول مقبُول صلعم کے نائب مقرر ہونے
کا وقت آیا۔ تو حقتعالےٰ جلشانہٗ سے ایک دم قطع تعلق کیا گیا۔ اور اس کو چوُن وچرا کی اجازت
نہ دی گئی۔ بلکہ اس کے واسطے صرف اسی قدر کافی سمجھا گیا۔ کہ وہ پروردگار عالم عرش پر بیٹھا
ہوا چُپ چاپ تماشہ دیکھے۔ اور اس بارے میں مطلق دخل در معقولات نہ دے۔ یہاں
تک کہ وہ حاکم حقیقی اور مالک کونین یہ بھی نہ پوچھے۔ کہ جو میرے حبیب سیّد عالم کا نائب
مقرر ہو رہا ہے۔ وہ سیّد ہے یا شیخ ہے۔ مغل ہے یا پٹھان ہے۔ لکھا پڑھا ہے یا جاہل
ہے۔ نیک سرشت ہے یا بد سرشت ہے۔ میرے احکام یعنی مسائل شرعیہ کا عالم ہے یا
جاہل ہے۔ میرے حبیب پاک کے اسلام پھیلانے میں جو غزوات ہوتے گئے۔ ان میں
سینہ سپر رہا یا راہ فرار اختیار کرتا رہا!!!

بھائی مُحی الدین آپ لوگوں کا دِل چاہے تو ایسا عقیدہ رکھیے۔ اور حق تعالےٰ جلشانہٗ سے
یُوں قطع نظر کیجئے۔ ہم اور ہمارا فرقہ ایسے ایسے اعتقادات فاحش سے ہمیشہ کوسوں دور
رہا۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ ہمیشہ دور رہے گا۔ ہم لوگوں کے استادوں نے ہم کو ایسا سبق
ہی نہیں پڑھایا ہے۔ ہمارے استاد نہ مسٹر گلیڈسٹون ہوئے۔ نہ پرنس بسمارک ہوئے ہمارے
استاد رضوان اللہ علیہم نے سب سے پہلے ہم کو یہ سکھایا۔ کہ تم اپنے دُنیا و دین کا مصدر اور
مرجع حقتعالےٰ جلشانہٗ کی ذات پاک کو سمجھو اور اسی کو اپنی رُوح و جسم و گوشت و پوست
کا مالک جانو۔ اور اپنا مقصد اعلیٰ اسی پروردگار عالم کی رحمت اور اس کی رضائے پاک کو قرار دو۔

بعد جناب رسُول مقبولؐ صلعم کے ہمارے اُستاد اوّل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم کو عملی
سبق اس بات کا کہ خاصانِ خُدا کا مبدا اور مرجع حقتعالےٰ جلشانہٗ کی ذات پاک ہے۔ یُوں دیا
کہ خانہ کعبہ سے دُنیا میں نزول اجلال فرمایا۔ اور اسی کو ایک شاعر ممتاز نے یُوں نظم کیا ہے

علیؑ کو حق نے اتارا تو عین کعبہ میں　　کھلی جو آنکھ تو پہلے خُدا کا گھر دیکھا

اور آخر میں بوقت رحلت خانہ خُدا میں حالت صوم میں سجدۂ معبود میں زخمی ہو کر
اپنی جان عزیز کو اسی حق تعالیٰ جلشانہٗ کو تسلیم کیا۔ اور درجہ وصال پر فائز ہو گیا!!!

ہمارے دوسرے استاد علیہ السلام نے ہم کو عملی سبق انا للہ وانا الیہ راجعون
کا یعنی ہم لوگ خدا کے لئے ہیں۔ اور ہماری بازگشت اسی معبود حقیقی کی طرف ہے۔ اور
اس بات کا کہ حقتعالےٰ کے پیارے بندے اس خلاّق عالم کی رضا کے مقابلہ میں اپنی

عزیز ترین چیز کو بھی عزیز نہیں سمجھتے۔ اور اس حاکم حقیقی کے سوا کسی کے آگے سر نہیں
... یوں دیا۔ کہ کربلا کے میدان میں تین دن کا بھوکا پیاسا شہید ہوا۔ اور اپنا سب
گھر بار خدا کی راہ میں لٹا دیا۔ اور مثل حضرت ابراہیمؑ کے ایک فرزند نہیں۔ بلکہ اٹھارہ فرزندان
و عزیزان علیہم السلام کو ہدیہ راہ خدا کر دیا۔ لیکن یزیدؔ فاسق و فاجر کی بیعت نہ کی!
روحی لہٗ الفداء!!

میرے تیسرے استاد علیہ السلام نے اپنے صبر و رضا اور اپنے اوراد و وظائف و ملفوظات
سے (دیکھو صحیفہ کاملہ) ہم کو بتلا دیا۔ کہ اپنے کو فانی سمجھو۔ اور ہر وقت اُس معبود برحق کی یاد
میں اپنے کو وقف کر دو۔ پھر تم کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ قید کی سختی کوئی ایذا نہیں دیتی طوق
و زنجیر سے کوئی گرانباری نہیں ہوتی۔ اور خارزار پر چلنا فرش مخمل پر آرام کرنے کے برابر ہے
المختصر کہاں تک تفصیل کروں۔ ہمارے اور استادوں نے بھی ہم کو ایسے ہی سبق دئے
ہیں۔ کہ بمقابلہ رضائے پروردگار عالم کے کسی سختی یا ایذا یا قید کو دھیان میں نہ لانے۔ اور اس
حاکم حقیقی کے احکامات کی تعمیل میں ایسے ایسے نکتے ارشاد فرمائے۔ جو بغیر علم سینہ بہ سینہ
کے کسی مولوی یا فاضل کے دماغ میں آ ہی نہیں سکتے۔ معاف کیجئے گا۔ اس بحث سے باہر
ایک بات یاد آ گئی۔ جس کو عرض کر دیتا ہوں۔ یعنی اس وقعت جمیع مذاہب کے عقلاء اور فقہا
JURISTS اس بات کے قائل ہیں۔ کہ دنیا بھر کے "قانونِ وراثت میں قانونِ شیعہ سے
بڑھ کر کوئی قانون آسان اور منصفانہ نہیں ہے۔

المختصر جب میرا اصل ایمان یہ ہے۔ کہ ہر امر میں خصوصاً احکام شرعی میں حقتعالے
جلشانہٗ حاکم اور مالک اور شاہنشاہ حقیقی ہے۔ تب میرا دل کیونکر اس کو قبول کر سکتا ہے
کہ نائب رسُول مقرر ہونے کے وقت حقتعالے جلشانہ سے بالکل قطع نظر کیا جائے اور
عوام الناس اپنے اختیار سے جس کو چاہیں خلیفۂ رسُولؐ مقرر کر دیں۔ حالانکہ نائب رسولؐ کے
حقوق و فرائض و اختیارات تقریباً وہی تھے۔ جو خود جناب رسُول مقبُول صلعم کے تھے۔

اَب تم خود سوچو۔ اور غور کرو۔ کہ کیا تم کو مناسب ہے۔ کہ اس رائے پر اڑے رہو کہ خلیفہ
رسُولؐ کی تقرری میں خداوند عالم سے بالکل قطع تعلق کیا جائے۔ اور تم لوگ پشتہا پُشت دُنیاداروں
کے الماغوچی پھندے میں پھنسے رہو۔ اور پھر حوصلہ کرو۔ کہ بروز محشر حقتعالے تم کو اپنے
دامنِ رحمت میں جگہ دے! لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

محی الدین۔ مگر ہمارے متاخرین علماء نے اس قضیہ کو یُوں ختم کیا ہے۔ کہ سقیفہ کی خلافت
صرف معاملات دنیوی اور انتظام سلطنت کے لئے ہوئی۔ معاملات دینی بیشک متعلق حضرت

علی کرم اللہ وجہ کے رہے۔

علی رضا۔ تب یہ تو فرمائیے۔ کہ بعد خلافت سقیفہ کے امور دینی کے حاکم و فرمانروا کون بزرگوار رہے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ امور دینی امور دُنیاوی سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں تب حضرت علیؑ خلیفہ اوّل کہلاتے۔ مگر ہزار افسوس کہ واقعہ یہ ہوا۔ کہ بعد خلافت سقیفہ کے حضرت علیؑ تو کسی قابل ہی نہ رہے۔ بلکہ ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ تم خود دیکھو کہ روزہ۔ نماز۔ خمس۔ زکوٰۃ۔ تقسیم متروکہ۔ تقسیم غنائم وغیرہ وغیرہ بے انتہا امور شرعی کے فرمانروا بھی خلفائے ثلاثہ برابر رہے یا نہیں۔ غالباً کوئی شخص اس سے انکار نہ کرے گا۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ اپنی اپنی خلافت کے وقت مثل جناب رسُول خُدا کے جمیع امور شرعی کے حاکم و فرمانروا رہے۔ تب بہ حیلۂ انتظام دنیاوی حضرات خلفائے ثلاثہ کا جمیع امور شرعی کا حاکم و فرمانروا ہو جانا صاف اور صریح غصب حق ہے۔ اور اسی کو عوام الناس اچاپتی کہتے ہیں۔ پس ایسی خلافت پر ناز کرنا کچھ آپ ہی لوگوں کا کام ہے۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کہ اگر اس وقت کوئی شخص کسی ضلع کے ڈسٹرکٹ بورڈ کا چیئرمین ہو۔ اور وہ شخص بذریعہ اپنے عہدہ کے جملہ اختیارات اور فرائض ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ یا ڈسٹرکٹ جج یا ہائی کورٹ جج بلکہ گورنر کے فرائض اور حقوق کے استعمال کا اقدام کرے۔ تو اس کو سب عقلا اور حکام کیا کہیں گے۔ کیا ایسا شخص دوسرے ہی دن پاگل خانے بھیجا نہیں جائے گا۔ اس لئے میں کہتا ہوں۔ کہ آپ کے علمائے متاخرین کے بے راہ نکالنے سے بھی حضرات خلفائے ثلاثہ الزام غصب خلافت سے بَری ہو نہیں سکتے۔ اس لئے جتنے الزامات ان حضرات پر لگائے گئے ہیں۔ وہ سب الزام اس حالت میں بھی اپنی جگہ پر قائم رہ جاتے ہیں۔ بلکہ دھوکہ بازی کا الزام اور اچاپتی کام کرنے کا دھبہ اس پر اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

قصّہ مُختصر

کیا سُنّت جماعت کوئی مذہب ہے یا ایک سیاسی جماعت ہے؟

علاوہ اس کے فی الحال ایک واقعہ ۱۹۲۵ء میں ایسا ہوا ہے۔ جس نے خلافت کی اصل کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ اور اظہر من الشمس ثابت کر دیا ہے۔ کہ سنت جماعت کوئی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ ایک سیاسی پارٹی ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ جب غازی مصطفٰے کمال پاشا نے خلیفہ عبدالمجید کو معزول کر کے شہر بدر کر دیا۔ اور عہدہ خلافت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ تو ہندوستان کے لیڈر لوگ غازی صاحب کے پاس ایک وفد لے جانے کو تیار ہوئے۔ کہ غازی صاحب عہدہ خلافت کو ابالش نہ کریں۔ اگر خلیفہ عبدالمجید ناقابل ہیں تو کسی دوسرے قابل شخص کو خلیفہ مقرر کریں یا خود خلیفہ بنیں۔ ہم لوگ اطاعت کو تیار ہیں۔

جب اس وفد کی خبر غازی صاحب کو ملی۔ تو انہوں نے ایک اسپیچ دی۔ کہ اگر ہندوستان کے لیڈر لوگ میری باتوں کا جواب دینے کو تیار ہوں تو تشریف لائیں ورنہ بیکار زحمت نہ فرمائیں۔

اس اسپیچ کو مولوی یعقوب حسین صاحب نے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ جو بہت طویل ہے۔ اس لئے میں خلاصہ اس کا اپنے الفاظ میں عرض کرتا ہوں۔

چونکہ اس اسپیچ کا جواب ہو نہ سکا۔ اس لئے وفد جانا موقوف رہا۔ اور عہدہ خلافت ٹرکی سے ہمیشہ کے لئے ابالش ہو گیا۔

غازی صاحب نے فرمایا۔ کہ ہم سُنّت جماعت کے اعتقاد سے خُدا نے کسی کو خلیفہ رسُولؐ مقرر نہ کیا۔ اور نہ رسُول خُدا صلعم نے کسی کو اپنا خلیفہ یا جانشین مقرر کیا۔ بلکہ جتنے لوگ خلیفہ مقرر ہوتے گئے۔ ان کو لوگوں نے اپنی مصلحت وقتی کے خیال سے واسطے انتظام ملک خلیفہ مقرر کیا ہے۔ چنانچہ جب جناب رسُول خُدا صلعم نے انتقال فرمایا۔ تو لوگوں نے حسب مقتضائے وقت حضرت ابوبکر کو خلیفہ مقرر کیا۔ جب حضرت ابوبکر کے انتقال کا وقت قریب آیا۔ تو آپ نے حسب مصلحت وقت حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا۔ اور اس طرح پر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ جب حضرت عمرؓ کا وقت آخر پہنچا۔ تو آپ نے اپنی مصلحت سے اس امر کو پنچائت کے سپرد کیا۔ چنانچہ اس ذریعے سے حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اور بعد حضرت عثمان کے حضرت طلحہ و زبیر نے حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور جب حضرت علیؓ کا انتقال ہوا۔ تو امیر معاویہ اپنی پالیسی

سے خلیفہ ملک قرار پائے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے یزید نے بزور شمشیر خلافت حاصل کی اور اس طرح پر لوگ حسب مصلحت وقت خلیفہ ہوتے گئے۔

اب میں جمیع برادران سنت جماعت سے التماس کرتا ہوں۔ کہ آپ لوگ خود دیکھ لیجئے کہ کبھی خلافت کو حکم خدا یا رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ اور نہ کبھی اس کام کے لئے کوئی خاص قاعدہ یا رُول اختیار کیا گیا ہے بلکہ ہمیشہ بمقتضائے وقت کام انجام ہوتا گیا ہے۔ تب ظاہر ہے کہ خلافت کوئی مذہبی عہدہ نہیں ہے۔ بلکہ انتظامی تدبیر ہے۔ پس جب یہ طریقہ سابق سے چلا آتا ہے۔ تو میں نے بھی حسب مصلحت وقت سلطنت ترکی کو سلطنت جمہوری قرار دیا گیا ہے۔ اور عہدہ خلافت کو جو ایک بے کار چیز ہے۔ ہمیشہ کے لئے پامال کر دیا ہے۔

بھائی محی الدین۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ تم خود خوب غور کر کے دیکھو تو کہ اس تقریر کا کوئی جواب ہے یا ہو سکتا ہے؟ اور جب جواب اس کا ممکن نہیں۔ تو فرقہ سنت جماعت کوئی مذہب نہ رہا۔ بلکہ جس طرح انگلستان میں لبرل اور کونسرویٹو پارٹی ہے۔ اور ہندوستان میں جس طرح سواراجی اور اینڈپنڈنٹ پارٹی ہے۔ اسی طرح فرقہ سنت جماعت ایک پولیٹکل پارٹی ہو گیا۔ اس لئے تم کو ہرگز اس کے کہنے کا حق نہیں ہے۔ کہ ہمارا مذہب سنت جماعت ہے۔ کیونکہ مذہب تو وہ ہے جس کو خدا و رسولؐ سے تعلق ہو۔ پس جب خلافت کو خدا و رسول سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اور یہ خلافت بلکہ خود ساختہ گھر بناؤ خلافت ہو گئی۔ تو سنت جماعت کوئی مذہب نہ رہا۔ بلکہ انتظامی پارٹی ہو گیا۔

غور کر کے دیکھ لو کہ کسی قانون یا کسی شریعت کے رد سے کسی ملک یا قوم میں کبھی ایسا نہ ہوا ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ کہ دس بیس آدمیوں نے مل کر کسی ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کا ADOPTED SON یعنی پسر متبنیٰ بنا دیا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہو سکے۔ تو یہ کیسے غضب کی بات ہو۔ کہ کسی ماں باپ کو خبر تک نہ ہو۔ لیکن لوگوں کا بنایا ہوا پسر متبنیٰ اس کی گود میں یک آ بیٹھے۔ اور پھر سارے اسباب معاش ملکیت باغ باغیچہ سب کا مالک بن جائے۔

اس معاملہ خلافت کو جو ہم دیکھتے ہیں۔ تو اس میں بھی ٹھیک وہی بات پائی جاتی ہے۔ یعنی جناب رسول خدا صلعم تو رحلت فرما چکے تھے اور حقتعالے جلشانہٗ نے کسی صورت طریقہ سے استصواب یا استخارہ نہیں کیا گیا۔ لیکن لوگوں کے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر موجود ہو گئے۔ اور سارے ملک بلکہ سارے جہان کے مالک اور فرمانروا بن بیٹھے اور پھر مالک بنے تو ایسے کہ خود جناب رسول مقبولؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ کا باغ فدک منضبط

اور آں حضرت صلعم کے داماد اور ابن عم حضرت علیؑ جو عمر بھر حضرت کے ساتھ رہے۔ اور ہر معرکہ میں سینہ سپر رہے۔ اور جن کو خود حضرت نے تین مہینے قبل تمام عالم کا مولیٰ قرار دیا تھا۔ ایک دم برطرف کیے گئے!!

الامان!! الحفیظ!! الٰہی تیری پناہ!!!

مختصر یہ کہ اس معاملہ کو جہاں تک سوچو۔ جہاں تک غور کرو نتیجہ صرف یہی نکلتا ہے کہ خلافت محض ایک دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اور اس کو مذہب سے کوئی واسطہ یا سروکار نہیں ہے

محی الدین۔ واہ یہ کیا خوب کہی؟ ہم لوگ اب تو برابر دیکھتے ہیں۔ کہ فرانس اور امریکہ وغیرہ جمہوری سلطنتوں میں ایک پریذیڈنٹ کے بعد دوسرا پریذیڈنٹ لوگوں کا بنایا ہوا سارے ملک کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور سارے ملک پر حکمرانی کرتا ہے اس لیئے کوئی شک نہیں کہ انتظام سلطنت میں ڈیماکریسی (DEMOCRACY) کو بہت کچھ دخل ہے۔

علی رضا۔ یہ بات تو میں نے خود کہی تھی۔ کہ مذہب سُنت جماعت کوئی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ پولیٹیکل پارٹی ہے۔ جس طرح فرانس و امریکہ میں سلطنت کو خدا اور رسولؐ سے کوئی تعلق نہیں ویسے ہی سنت جماعت کو خدا یا رسولؐ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

لیکن اس کو یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ **رسالت امامت خلافت عبادت** وغیرہ مثل **وراثت** کے مذہبی امور ہیں۔ جن کو دین اور دنیا دونوں سے تعلق رہتا ہے ان کا حاکم اعلیٰ صرف حقتعالےٰ جلشانہ ہے جس کے احکام اور قوانین اس کی کتاب پاک میں مندرج اور منضبط ہیں۔ اور اس کے ناظم اسی حقتعالےٰ جلشانہ کے رسل و انبیاء و ائمہ کرام ہوتے ہیں۔ ان امور میں بشر کو دست اندازی کا مطلق حق نہیں ہے۔ جیسا میں کہہ چکا ہوں اور قرآن سے ثابت کر چکا ہوں۔ کہ حضرت موسیٰ بلا اجازت خداوند کے اپنے بھائی حضرت ہارون کو اپنا وزیر مقرر نہیں کر سکتے تھے۔ اور نہ ڈیماکریسی یعنی جمہور کو ایسا اختیار تھا۔ کہ کسی شخص کو حضرت موسےٰؑ کا وزیر مقرر کر دیتے۔ اس لیے جس طرح فرانس اور امریکہ کے پریذیڈنٹ مذہبی امور میں اُنہیں ملکوں کے مسلمانوں کے پیشوا نہیں ہیں۔ اسی طرح حضرات خلفائے ثلاثہ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا ہو نہیں سکتے۔ اور جس طرح فرانس اور امریکہ کے پریذیڈنٹ وہاں کے بزرگان دین نہیں ہیں۔ اسی طرح خلفائے ثلٰثہ ہم تم مسلمانوں کے بزرگان دین ہو نہیں سکتے جس طرح ڈیماکریسی کو یہ اختیار نہیں۔ کہ کسی لڑکے کو کسی شخص کا پسر متبنیٰ بنا دے۔ اسی طرح اس کو یہ اختیار نہیں۔ کہ کسی شخص کو نبی یا خلیفہ یا امام بنا دے۔ یہ سب خدا کا "PREROGATIVE" یعنی حق وحصہ ہے

چنانچہ خود حقتعالے جلشانہٗ نے قرآن مجید سورہ بقر میں فرمایا ہے اِنِّي جَاعِلٌ فِی الارض خلیفہ یعنی ہم خلیفہ زمین پر مقرر کرتے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں فرماتا ہے انی جاعلک للناس اماما یعنی ہم تم کو آدمیوں پر امام مقرر کرتے ہیں۔

آپ لوگوں کو اختیار ہے۔ جس کو چاہیئے خلیفہ بنا دیجئے جس نے دو کتاب پڑھی ہوں اس کو امام بنا دیجئے۔ مگر حقتعالے نے خلافت اور امامت کو صرف اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ حتیٰ کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے دبی زبان سے کہا کہ من ذریتی یعنی میری ذریت میں امام ہوں۔ تو حق تعالےٰ نے فوراً فرما دیا۔ لا ینال عھدی الظالمین یعنی یہ عہدۂ امامت کا ظالمین کو نہیں ملتا۔

اس لئے خلفاء ثلاثہ کے تابعین کو ہرگز یہ کہنے کا حق نہیں ہے۔ کہ ان کا مذہب سنت جماعت ہے مذہب اور چیز ہے اور سلطنت اور چیز ہے۔ مذہب کو زیادہ تر دین سے تعلق ہے۔ اور سلطنت کو صرف دنیا سے۔

واضح ہو کہ ترمذی مسلم اور ابو داؤد نیز شرح عقائد نفسی اور شرح عقائد جلالی اور شرح نودی کی رو سے حضرات اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ حضرت رسول خدا صلعم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ دیکھو مصباح الظلم ص ۱۶۹۔

ہاں ہم البتہ بکشادہ پیشانی کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہمارا مذہب شیعہ ہے۔ اس لئے کہ جمہور شیعان عالم کا اعتقاد راسخ ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو بموجب فرمان تاکیدی حقتعالے جلشانہٗ کے اپنا خلیفہ بلکہ ولیعہد مقرر کیا تھا۔ اس لئے کوئی شک نہیں۔ کہ اسلام میں خداداد یعنی DIVINE مذہب صرف شیعہ مذہب ہے پس جب خلافت کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ تو خلفاء ثلاثہ کو جو تمہارا جی چاہے تم سمجھو۔ ہمارے دل میں جو آئے ہم کہیں۔

باعتبار واقعات کے بھی غور کر کے دیکھو کہ اگر سنت جماعت کوئی مذہب بھی فرض کیا جائے۔ تو بھی بنیاد اس کی محض سست اور کمزور ہے۔ اور کسی طرح قابل قبول عقل نہیں ہے۔ شیعہ سنی مذہب کے امامت اور خلافت کا دارومدار دو واقعہ پر ہے۔

واقعہ ۱ بنیاد مذہب شیعہ

جناب رسول خدا صلعم حج آخری ادا کر کے مکہ سے مدینہ واپس آرہے ہیں۔ کہ ناگاہ بمقام غدیر خم بوجہ نزول کسی وحی کے

واقعہ ۲ بنیاد مذہب سنی

جناب رسولخدا صلعم واقعہ ۱ کے بعد تین مہینے کے اندر انتقال کر گئے۔ حضرتؐ کی نعش اقدس ابھی بے گور و کفن پڑی ہوئی

آپ ناقہ سے اُتر پڑے اور حکم دیا کہ جتنے قافلے والے آگے بڑھ گئے ہیں۔ انکو واپس بلاؤ اور جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کا انتظار کرو۔ جب سارا قافلہ جمع ہو گیا تو آپ نے پالان شتر کا ممبر بنایا۔ اور اس پر جا کر سبھوں سے پوچھا۔ کہ میں تم سبھوں سے اولیٰ ہوں یا نہیں جب سبھوں نے کہا۔ بیشک حضور ہم سبھوں سے اولیٰ ہیں۔ تب حضرتؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔

من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ

اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہٗ

یعنی آگاہ ہو کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ خدایا دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے اسے اور دشمن سمجھ اس کو جو اس سے دشمنی کرے اور نصرت کر اس کی جو اس کی نصرت کرے۔

اس کے بعد آنحضرت صلعم ممبر سے اتر آئے اور جمہور حاضرین نے حضرت علی کو مبارک باد دی یہانتک کہ حضرت عمر نے بھی کہا بخ بخ یا علی انت مولائی ومولی المومنین یعنی مبارک ہو تم کو یا علیؑ کہ تم آج سے ہمارے اور جمیع مومنین کے مولیٰ ہوئے۔

یہ واقعہ ۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ کا ہے۔ اور جمہور علماء سنت جماعت کا مقبولہ ہے۔

ہے۔ حضرت علیؑ اور کل بنی ہاشم حضرت صلعم کی تجہیز و تکفین کے انتظام میں مصروف ہیں۔ کہ یکایک حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کو معلوم ہوا۔ کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا قضیہ درپیش ہے۔ اس استقرار خلافت کے لیے نہ کوئی نوٹس دیئے گئے نہ کوئی اشتہار ہوا۔ اور نہ خاندان رسالت کے کسی شخص کو خبر ہوئی۔ حتیٰ کہ خود حضرت ابوبکر و عمر کو سقیفہ پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ واقعی یہاں خلافت کا معاملہ جس سے جمہور اسلام کو تعلق ہے درپیش ہے۔ حضرات بلا تامل اس میں شریک ہو گئے۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے حاضرین کو کہا کہ حضرت عمر یا حضرت ابو عبیدہ میں جس کو چاہو خلیفہ مقرر کرو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ ہی افضل الناس ہیں۔ آپ ہی خلیفہ ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پکار دیا۔ کہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہو گئے۔ چنانچہ اس طرح حضرت ابوبکرؓ خلیفہ رسولؐ ہو گئے۔

سنت جماعت کے خلافت کی بنیاد صرف یہی واقعہ ہے

میں بصد ادب عرض کرتا ہوں۔ کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ کہ کیونکر کوئی شخص بحالت صحت ذات و ثبات عقل یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ واقعہ دوم سے حضرت ابوبکرؓ

جناب رسُول خدا صلعم کے باضابطہ اور باقاعدہ DULY QUALIFIED AND DULY ELECTED. خلیفہ ہو گئے۔ اور کیونکہ دونوں جہان کے مالک اور فرمانروا ہو کر جمہور اسلام کے دین و دنیا کے ہمیشہ کے لئے پیشوا ہو گئے۔ اور یہ کہ بوجہ اس واقعہ کے واقعہ عملاً محض ہیچ پوچ لچر بیکار معطل اور ساقط الاعتبار ہو گیا۔ اور حضرت علیؑ بجز خانہ نشینی کے اور کسی قابل نہ رہے۔ یہاں تک کہ اگر حضرت ابوبکر کی اطاعت نہ کریں۔ تو خود مستوجب تعزیر قرار پائیں فاعتبروا یا اولی الابصار!!! اللّٰھم احفظنا من شرور انفسنا!!!

مَیں دوسرے کسی کو کیوں کہوں اپنی نسبت کہتا ہُوں۔ کہ اگر مَیں خدانخواستہ دیوانہ مسلوب العقل بلکہ مسلوب الحواس ہو جاؤں گا۔ تو شاید ایسا کہہ سکوں گا برائے خدا تم خود کہو۔ کہ تمہارا دل کیا کہتا ہے۔ بلکہ کسی پڑھے لکھے ہندو یا انگریز سے پوچھ دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے

پس جب اصولاً اور واقعتہً خلافت خلفائے کرام کی محض بے وقعت اور باطل ہو گئی۔ تو ان حضرات کی حالت وہی ہوئی جو خلیفہ عبدالمجید کی ہوئی کسی وقت۔ یہ بیچارے بھی اخباروں میں خلیفۃ المسلمین امام المتقین کہے جاتے تھے۔

محی الدین۔ نعوذ باللہ کیا واہیات بکتے ہو۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم اصحاب رسُول مقبول صلعم تھے۔ ہر وقت آپ کے معین و مددگار رہتے تھے آں حضرت صلعم کے رنج وراحت میں شریک رہے۔ اور کبھی ہمدردی اور دردمندی اور فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کی۔ ایسے بزرگوار کو خلیفہ عبدالمجید سے مثال دینے میں تم نے کمال گستاخی بلکہ بیہودہ پن کیا ہے۔ توبہ کرو۔

علی رضا۔ افسوس کہ تم میری باتوں کو بھُول جاتے ہو۔ اور اس لئے بار بار مجھ کو ان کی تکرار کی ضرورت پڑتی ہے۔ مَیں تمہید میں ان حضرات کی ہمدردی و دردمندی کی حالتوں کو خوب ظاہر کر چکا ہوں۔ مگر جب تم بھُول گئے۔ تو مختصراً ان کی تصریح کر دیتا ہوں۔ مگر قبل اس کے کہ ان باتوں کو دوہراؤں ایک بات عرض کرتا ہُوں۔ جس کتاب میں تمہارا جی چاہے دیکھ لو کہ صحابی رسُول کی صحیح تعریف یہ ہے۔

من درک صحبۃ النبی صلعم ومات بالایمان اس تعریف سے ظاہر ہے کہ عقبیٰ بخیر ہونا اصحاب کے لئے شرط اوّل ہے۔ ورنہ حضرت صلعم کی صحبت میں رہنے والے تو بیسیوں منافق بھی اصحاب کہلاتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے چاہا کہ ابن ابی منافق کو قتل کریں۔ تو حضرت رسُول مقبول صلعم نے منع کیا۔ اور فرمایا۔ کہ ایسا نہ ہو

کہ لوگ کہیں کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔
اب دوبارہ اطاعت و فرمانبرداری و ہمدردی حضرات خلفاء ثلاثہ ساتھ رسُول و آل رسُول صلعم کے عرض کرتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ نے خدا و رسُولؐ کے ساتھ علانیہ اس طرح پر مخالفت کی۔ کہ جس بزرگ کو رسُول مقبول صلعم نے مجمع عام میں بمقام غدیر خم بحکم خدا اپنا جانشین اور تمام عالم کا مولیٰ مقرر کیا تھا۔ اس کو نسیاً منسیاً کر کے خود اس کے مولا بن بیٹھے اور اتنا بھی خیال نہ کیا۔ کہ جناب رسُول مقبول صلعم دُعا کر گئے ہیں اور حضرت کی دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ کہ خدایا تو دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے اسے اور دشمن جان اس کو جو اس سے یعنی علیؑ سے دشمنی کرے۔ اس کے بعد اسی مولائے مومنین کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا۔ اور حضرت عمرؓ اپنے اور جمیع مومنین کے مولا کو کشاں کشاں دربار خلافت میں لائے۔ اور کہا کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو قتل کیے جاؤ گے۔
پھر حضرت ابوبکرؓ نے جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کا باغ فدک منبط کر لیا جس سے جناب فاطمہ زہرا کو کمالِ صدمہ ہُوا۔ کہ آذوقہ بند ہو گیا۔ اور حضرت سیدہؑ نے اسکے بعد عمرؓ بھر اُن لوگوں سے بات نہ کی۔ حتیٰ کہ چھ مہینہ کے بعد اپنے پدر بزرگوار سے جا ملیں۔ اب خدا ہی خوب جانتا ہے۔ کہ اس باغ کے چھن جانے کے بعد اس معصومہ رسُول زادی کی اوقات کیونکر بسر ہوتی تھی۔ اور خمس بھی بند ہو گیا تھا۔ تو اپنے بچوں جگر گوشہ گان رسُول مقبول صلعم کی پرورش کس طرح پر فرماتی تھیں۔ جناب سیدہ علیہا السلام کی عُسرت کی حالت کو میر انیس مرحوم نے یُوں فرمایا ہے

تھا حال فاطمہؑ بھی علیٰ ہٰذہ القیاس! صرف رہِ کریم تھا جو کچھ تھا ان کے پاس
دُنیا میں تھی انہیں تو فقط اِک فدک کی آس جب چھن گیا تو کرتی تھیں فاقے وہ حق شناس

دو دِن نہ جسم پاک پہ پوشاک نو رہی
خود اُٹھ گئیں جہان سے چادر گرو رہی

بھائی محی الدین یہی وہ فاطمہؑ ہیں۔ جن کو جناب رسُول مقبول صلعم فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہؑ میری پارہ جگر ہے۔ جس نے اس کو ستایا۔ اُس نے مجھ کو ستایا۔ اور جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھ کو غضبناک کیا۔ پس جب اِس معظمہؑ کے ساتھ ایسی ہمدردی ہوئی۔ تو دوسروں کا کیا ٹھکانا رہا۔
اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ان سب مظالم اور شدائد کے محرک بلکہ بانی حضرت عمرؓ تھے جنہوں نے اس ضعیف سن رسیدہ بزرگ حضرت ابوبکرؓ کو خلافت کی چاٹ دے کر اپنے ساتھ لے لیا۔ اور کنوئیں جھکایا۔ اس لئے میرا تو قول ہے۔ کہ لولا عمر لہا ھلك ابوبکر۔ یعنی حضرت

عمرؓ نہ ہوتے۔ تو حضرت ابوبکرؓ ہلاک نہ ہوتے۔

حضرت عثمانؓ تو ایسے بزرگ تھے۔ کہ ان کی کوئی بات ہمدردی یا دردمندی کی پائی نہیں جاتی۔ آپ کا کام تو فقط یہ تھا۔ کہ عرب کا خزانہ تھا۔ اور آپ کا دست شفقت' اور آپ کے سارے کنبے بلکہ سارے بنی اُمیّہ کا دامن۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ملک شام میں آپ کے ابن عم امیر معاویہ نے داماد رسُولؐ کے ساتھ برسوں جنگ وجدال کی اور آپ کے بھتیجے یزید نے تو خاندان رسُولؐ کو گویا نیست و نابود ہی کر دیا تھا۔ وہ تو قدرت خدا تھی۔ کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام بچ گئے۔ تو دنیا میں نسل رسُولؐ قائم رہی۔

المختصر ان دو حضرات اوّل اور ثالث کے بارہ میں زیادہ گفتگو فضول ہے لیکن حضرت عمر ابتدائے اعلان اسلام سے آخر وقت تک جناب رسُول مقبول صلعم اور حضرت کی آل پاک کے ساتھ جیسے جیسے کارنمایاں ہمدردی اور دردمندی کے کرتے گئے ان کی تفصیل کچھ سنو۔

۱۔ ابتدا میں جناب رسُول مقبول صلعم کے قتل کے ارادہ سے تلوار حمائل کر کے آئے دیکھو الفاروق صـ۲۴ و صـ۲۵ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا یہ پہلا زینہ تھا۔ اس کے قبل آپ پکے بُت پرست تھے۔ اس لئے اسلام لانے کے لئے بھی جب آپ گھر سے نکلے۔ تو پہلے شیطان آپ کا رہبر ہوا۔ اور اسی کی تحریک سے آپ کے ہاتھ پاؤں کو حرکت ہوئی۔

۲۔ جنگ اُحد میں جناب رسُول مقبول صلعم کو زخمی چھوڑ کر میدانِ جنگ سے فرار کر کے پہاڑی پر دوڑتے پھرتے تھے۔ چنانچہ خود حضرت کا قول ہے کہ میں مثل بزکوہی کے پہاڑی پر دوڑتا پھرتا تھا۔ دیکھو تاریخ احمدی صـ۱۲ بحوالہ درمنثور سیوطی و تفسیر ابن جریر۔ غالباً بزدلی کا محاورہ اسی واقعہ سے نکلا ہے۔

۳۔ جنگِ بدر کی شرکت سے اس وجہ سے کنارہ کش رہے۔ کہ اس جنگ میں کفار کی طرف سے آپ کے ماموں ابوجہل سردار لشکر تھے۔ دیکھو مصباح الظلم صـ۱۹۱ و صـ۲۰۱

۴۔ جنگِ حنین میں پہلے تو اپنی کثرت پر بھولے۔ مگر جب شعلہ جنگ تیز ہوا۔ تو ثم ولیتم مدبرین یعنی تم پیچھا پھیر کر بھاگے' کا داغ لئے ہوئے گھر کو سدھارے' دیکھو تاریخ ابوالفدا صـ۱۵۴۔

۵۔ جنگ خندق میں جب عمر ابن عبدود نے للکارا کہ لشکر اسلام میں کون ہے۔ جو میرے مقابلہ کو آتا ہے۔ جناب رسُول خدا صلعم نے خاص کر حضرت عمرؓ کو مقابلہ کے لئے کہا۔ حضرت عمرؓ نے صاف انکار کیا۔ اور کہا کہ حضور یہ بڑا بہادر ہے۔ اس کے مقابلہ کی مجھ کو طاقت نہیں۔ جان ہے تو جہان ہے!! دیکھو معارج النبوۃ صـ۱۵۸۔

۹ جنگِ خیبر میں جب مرحب کے ڈکارنے سے یاروں کے کلیجے کانپنے لگے۔ تو مقابلہ کے لئے نہ گئے۔ اور گئے بھی تو جنگ سے مُنہ موڑ کر بھاگے۔ کیوں بھائی محی الدین ایسے حضرات کو اشداء علی الکفار کہنا ہجو ملیح ہے یا نہیں۔

حضرت عمرؓ کی بہادری کا پریڈ تو بس گھر ہی کے اندر رہتا تھا۔ جہاں بہن کو مارا بہنوئی کو مارا۔ بےچاری ضعیفہ لبینہ کو ادھ مُوا کیا۔ خاندان کی شریف بیبیوں کو رسول اللہ صلعم کے سامنے زدوکوب کیا۔ اپنی بیٹی حفصہ کو مارا۔ اپنی زوجہ کو نفقہ طلب کرنے پر ٹھوک دیا۔ اس پر علمائے سُنت جماعت نے آپ کو اشداء علی الکفار کا خطاب دیا!

سُبحان اللہ کیا کہنا!!!

بھائی محی الدین ذرا تم اپنے علماء سے دریافت تو کرو۔ کہ ان غزوات میں جن میں حضرات خلفائے ثلاثہ فقروا کا سبق ہانکتے رہ گئے۔ سب کس جری کی تلوار سے سر ہوئے کون سا شخص ہے جو اس سے انکار کر سکتا ہے۔ کہ یہ سب غزوات ایک ولی خدا ناصر رسول ہر دوسرا غالب علی کل غالب حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے دست و بازوے بزور ذوالفقار سر ہوئے تھے۔ افسوس صد افسوس کہ جس ولی خدا نے معرکوں میں ایسے ایسے جوہر دکھائے۔ اس کا سقیفہ میں کسی نے نام تک نہ لیا افسوس صد افسوس!!

صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عمرؓ نے صاف کہہ دیا۔ کہ مجھ کو رسالت پر جیسا آج شک ہُوا ویسا کبھی نہ ہُوا تھا۔ یہ صلح جناب رسُول خدا صلعم کے آخری زمانہ میں ہوئی تھی۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت عمرؓ کی عمر کا زیادہ حصہ شک میں گزرا۔

۱۰ جناب رسول خدا صلعم نے اپنے آخر وقت میں جب عامۃ مومنین کی ہدایت کے لئے ایک ہدایت نامہ لکھنا چاہا۔ تو حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر ان ھذا الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ یعنی یہ شخص ہذیان بولتا ہے (معاذ اللہ) ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔ ٹال دیا۔ اور حضرت کو کچھ لکھنے نہ دیا۔ اس پر شور و غل ہُوا۔ تو آں حضرت صلعم نہایت ناراض ہوئے۔ اور سبھوں کو اپنے پاس سے نکلوا دیا۔ تاریخ احمدی صـ۹۸ بحوالہ ملل والنحل، بخاری۔

اس لئے حضرت عمرؓ کے اسلام کا پہلا زینہ تو وہ تھا۔ کہ آپ جناب رسُول مقبول صلعم کے قتل کے ارادے سے تلوار باندھ کر آئے تھے۔ اور آں حضرت صلعم کی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کے ایمان کا یہ آخری زینہ تھا۔ کہ جناب رسُول مقبول صلعم آپ سے نہایت ناراض گئے۔ اور اپنے پاس سے نکلوا دیا ؎

وہ ابتدا کے لئے تھا یہ انتہا کے لئے

۹۔ بعد انتقال جناب سرورِ کائنات کے حضرت عمرؓ اس محسنِ عالم کو بے دفن و کفن چھوڑ کر حصول منصب کے لئے سقیفہ کی طرف دوڑے اور شرف خدمت آخری جناب رسولِ مقبولؐ سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ گئے۔ افسوس صد افسوس!!

۱۰۔ جس مولائے مومنین کو آپ نے بمقام غدیر خم اپنا اور جمیع مومنین کا مولیٰ قرار دے کر فرمایا تھا۔ بخ بخ یا علی انت مولای و مولا المومنین اس کو تین ہی مہینے کے بعد نسیاً منسیاً کر کے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفۂ رسولؐ بنا دیا۔

۱۱۔ جناب فاطمہ زہراؑ کا جب باغ فدک ضبط ہوا۔ تو سند واگذاشت کو خود حضرت عمر نے جناب سیدہؑ کے ہاتھ سے لے کر چاک کر دیا۔ تاریخ احمدی ص ۱۱۲۔

۱۲۔ بعد خلافت حضرت ابوبکر کے حضرت عمر نے جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہا کے خانہ پاک کا آگ اور لکڑی سے محاصرہ کیا۔ اور کہا۔ کہ اگر تم لوگ نہ نکلو گے۔ تو ہم گھر میں آگ لگا دیں گے۔ اس پر ایک شخص نے کہا۔ کہ اس میں تو جناب فاطمہؑ بنتِ رسولؐ بھی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ ہوا کریں۔ (دیکھو تاریخ احمدی ص ۱۱۰)

۱۳۔ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ایسا ضرر شدید پہنچایا۔ کہ حضرت کا حمل ساقط ہو گیا۔ اور بعدہٗ سخت علیل ہو کر اسی صدمہ سے انتقال فرمایا۔

کتاب ملل والنحل شہرستانی ص ۲۰ میں لکھا ہے:-

ان عمر ضرب بطن فاطمۃ یوم البیعۃ حتی سقط المحسن من بطنہا۔

بہ تحقیق عمر نے بروز بیعت فاطمہؑ کے شکم پر ایسی ضرب لگائی۔ کہ حضرت کے بطن سے محسن ساقط ہو گئے۔

اور میزان الاعتدال کی یہ عبارت ہے:-

ان عمر رکفن بطن فاطمۃ حتی سقط المحسن من بطنہا

الامان!! الحفیظ!!!

دیکھو مصباح الظلم ص ۳۵۸

یہ وقت وہ ہے کہ جناب سیدہ علیہا السلام اپنے پدر بزرگوار صلعم کے غم میں سوگ نشین ہیں اور حضرتؐ کے انتقال کو ابھی دو روز بھی نہیں گزرے ہیں۔ اس وقت غم زدہ سیدہ کو یوں پرسا دیا جاتا ہے اور یوں ہمدردی کی جاتی ہے!! نعوذ باللہ من ذالک!!!

پس جو شخص اپنے رسول صلعم کی پارۂ جگر معصومہ بیٹی پر ایسا شدید اور خلاف انسانیت ظلم کرے۔ اس کا عاقبت میں رہبر اور پیشوا ہونا حضرات سنت جماعت ہی کو مبارک ہو!!

بندہ پناہ مانگتا ہے !!!

۱۴ حضرت علیؑ کو گرفتار کر کے دربار خلافت میں لائے۔ اور وہاں صاف کہا۔ کہ اگر بیعت نہ کرو گے۔ تو قتل کئے جاؤ گے! تم رسولؐ کے بھائی کہاں کے ہو!!!

نعوذ باللہ من ذالک۔

اس وقت اس مقدس گھر کی یہ حالت ہے۔ کہ جناب فاطمہؑ درد سے کراہ رہی ہیں اپنے درد کا صدمہ جدا۔ شوہر کی گرفتاری کا قلق جدا۔ دو بچے حسنؑ حسینؑ روتے ہوئے ساتھ ساتھ چلے جاتے ہیں۔ کہ دیکھئے بابا کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے !!!

خدا کی پناہ !!! الامان الحفیظ !!!

۱۵ حضرت عمرؓ نے مرتے مرتے دم تک قتل علیؑ کا خیال کرتے رہے۔ اور اسی زینہ سے عالم عقبیٰ کو سدھارے۔ دیکھو صفحہ ۲۸۴ کتاب ہذا و صفحہ ۳۶۳ مصباح الظلم۔

بھائی محی الدین۔ یہ علیؑ و فاطمہ علیہا السلام آل رسولؐ ہیں انہیں پر خلفائے ثلثہ نے اس روز بھی نمازوں میں درود بھیجا ہوگا۔ یعنی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ کہا ہوگا۔ پس خیال تو کرو۔ کہ ان بزرگواروں کے سوا کوئی اور بھی بشر دنیا میں گذرا ہے۔ جس کے قول و فعل میں اس قدر زمین و آسمان کا فرق ہو۔ کہ جس پر صبح کو درود بھیجے۔ اسی کا شام کو گھر جلائے۔ اور اس پر خلاف انسانیت ظلم شدید کرے۔ اور پھر اس پر طرفہ مزا یہ کہ دوسرے وقت کی نمازمیں پھر ان پر درود بھیجے !!!

کیا فرض ادا ہوتا ہوگا !!! سبحان اللہ خیر بہر کیف اب میں تم کو خدا اور رسولؐ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کہ ان مظالم اور شدائد کا سواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی بیچارے خلیفہ عبدالمجید نے کسی آل رسولؐ کے ساتھ کیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ تب ان بزرگواروں کو خلیفہ عبدالمجید کے ساتھ مثال دینے میں میں نے کیا بیہودہ پن کیا ہے یا گستاخی کی ہے ؟ اور کس بات پر تم مجھ کو توبہ کرنے کو کہتے ہو ؟ میں تو سمجھتا ہوں۔ کہ بے چارے خلیفہ عبدالمجید کو ان بزرگواروں سے مثال دینے میں میں نے اس غریب کی توہین کی ہے۔ اور اسلئے اس سے معذرت کرتا ہوں

محی الدین۔ لیکن خلیفہ عبدالمجید نے اسلام کی ایسی ترقی کہاں کی۔ جیسی حضرت عمرؓ نے کی۔ کہ عرب سے اسپین تک اسلام کا جھنڈا گڑ گیا۔ اور ساری دنیا کے سلاطین اسلام کا لوہا مان گئے۔

علی رضا۔ میں کہہ چکا ہوں۔ اور پھر کہتا ہوں۔ کہ ہماری آپ کی بحث میں دنیاوی ترقی کوئی چیز نہیں۔ جیسا کہ ایک بزرگ کا قول ہے۔

ظاہر نہ بار بار بہت اپنی شان کر
جو مرتبہ ہو پیش خدا وہ بیان کر

پس مذہبی بحث میں دنیاوی ترقی کا کیا شمار؟ لیکن اگر بقول آپ کے دنیاوی ترقی سے مذہبی درجہ ملتا ہے۔ تو اس وقت غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا درجہ کیا کم ہے انہوں نے بھی کیسی کیسی طاقتور دول یورپ سے سلطنت اسلامی کو بچایا ہے۔ اور کس استقلال اور دلی قوت سے صلح سیورس اور صلح لاسین میں ترقی کا بول بالا رکھا ہے اور یونان کو کیسی شکست دی ہے۔ کہ پھر اس کا سر نہ اٹھا۔

تب اگر باوجود ہزیمت اور پسپائی غزوات احد وحنین وخندق وخیبر کے حضرت عمر بوجہ اپنے حسن انتظام کے رضی اللہ عنہ کے مستحق ہیں۔ تو غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے کیا قصور کیا ہے۔ کہ وہ اس سے محروم کئے جائیں؟ پس کوئی شک نہیں کہ باعتبار مدارج دینی اگر کچھ بھی ہو حضرات خلفائے ثلاثہ خلیفہ عبدالمجید سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ اور باعتبار وقار و سلطنت دنیاوی غازی مصطفےٰ کمال پاشا سے ایک انچ بھی زیادہ نہیں ہیں۔ خوب غور کر کے دیکھ لو۔

پس ہماری تمہاری بحث کا خلاصہ یہ ہوا۔ کہ تمہارے بزرگان دین وہ ہیں۔ جو خلیفہ عبدالمجید اور غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے ہم پلہ ہیں۔ اور ہمارے بزرگان دین وہ ہیں۔ جو بہ نص قرآنی جناب رسولِ مقبولؐ کے ابناءنا ونساءنا وانفسنا میں داخل ہیں جن کو خود جناب رسولؐ نے انا وعلیؑ من نور واحد فرمایا۔ جس کو من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ کہہ کر تاج ولی عہدی بخشا۔ اور جس کو خود تمہارے حضرت عمر نے بھی مولائے مومنین مانا ہے۔ پس غور کر کے کہو۔ کہ عاقبت میں ہمارے بزرگان دین کام آئیں گے یا تمہارے؟ مذہب تو عقبیٰ کے لئے ہے۔ دنیا میں اس کی کوئی قدر نہیں۔ پس خوب غور کر کے کہو۔ کہ بروز محشر جناب رسول مقبولؐ سے اپنی شفاعت کے لئے سعی کرانے میں ہمارے بزرگان دین یعنی خود حضرت کی آل پاک کا وسیلہ مناسب ہے یا تمہارے بزرگانِ دین کا؟ تمہیں واللہ خدا لگتی کہنا۔

علاوہ اس کے ایک بات اور سن لو۔ کہ جب سنت جماعت باعتبار اصول اور واقعات کے کوئی مذہب باقی نہ رہا۔ تو ہمارے مذہب شیعہ میں کیا برائی ہے۔ کہ تم اس کو قبول نہ کرو گے؟

حق تعالےٰ کی توحید جناب رسول خدا صلعم کی نبوت اور آئندہ آنے والی قیامت کے جیسے تم قائل ہو۔ ویسے ہم قائل ہیں رجزوی اور فروعی اختلافات کو جانے دیجئے تب

ہمارے مذہب میں اگر کوئی عیب ہے۔ تو یہی ہے نا۔ کہ ہم خداوند عالم کو عادل جانتے ہیں۔ اور جناب رسول مقبولؐ کی آل پاک سے مودت رکھتے ہیں؟ مگر خُدا کے لئے بتاؤ۔ کہ وہ کونسا مسلمان بلکہ وہ کونسا اہل مذہب ہے۔ کہ خُدا کو عادل نہیں جانتا خُدا کی عدالت کی صفت تو اُس کی ذات میں داخل ہے۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ جملہ اہل مذاہب حق تعالےٰ کو عادل جانتے ہیں۔ تب اگر شیعوں کا قصور ہے۔ تو صرف اس قدر ہے۔ کہ عدالت کو جزو ایمان قرار دیا ہے۔ پس اگر نعوذ باللہ یہ غلطی ہے تو حق کی طرف راجع ہے۔

دوسرا قصور اگر قصور ہے تو یہ ہے۔ کہ شیعہ جناب رسولؐ خدا کی آل پاک سے مودت رکھتے ہیں۔ یہ بھی اگر غلطی ہے۔ تو حق کی طرف راجع ہے۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ یہ ہرگز غلطی نہیں ہے۔ اس لئے کہ رسولؐ خدا کی آل پاک وہ ہیں۔ جن پر نمازوں میں ہر مسلمان درود بھیجتا ہے یعنی اللّٰھُمَّ صلِ علیٰ محمّدٍ وال محمّدٍ کہتا ہے۔ پس جو شخص ان بزرگواروں سے مودت نہیں رکھتا۔ وہ زبانی درود پڑھتا ہے۔ دل سے نہیں پڑھتا۔ تب اس کی نماز بے اعتقادوں کی نماز ہوتی ہے۔

علاوہ اس کے جناب رسول مقبولؐ نے حضرت علیؑ کو انا و علی من نور واحد حضرت فاطمہؑ زہرا کو فاطمة بضعة منی امام حسنؑ کو الحسن والحسین سیّد شباب اھل الجنة اور امام حسینؑ کو حسین منی وانا من الحسین فرمایا ہے۔

یہ حدیثیں ایسی ہیں جن سے غالباً کسی مسلمان کو انکار نہ ہوگا۔ تب ہم حیران ہیں کہ شیعوں کے ایمان و اعتقاد میں کہاں غلطی اور کیا نقص ہے؟

برائے خدا تم خوب غور کر کے بلکہ اپنے علماء سے تحقیق کر کے بتلاؤ۔ کہ شیعوں کے اصول خمسہ ایمان و عقائد یعنی توحیدؔ۔ عدالتؔ۔ نبوتؔ۔ امامتؔ۔ معادؔ میں کیا بُرائی یا کیا نقص ہے۔

میں دعوئے سے کہتا ہوں۔ کہ جملہ علماء سنت جماعت (بشرطیکہ میاں جی نہ ہوں) فرمائیں گے۔ کہ ان اصُول خمسہ میں شیعوں کا ایمان وایقان ہرگز قابل اعتراض نہیں ہے تب تم خود فیصلہ کر لو۔ کہ تم کو یہ مذہب اختیار کرنا چاہیئے۔ یا وہ مذہب جو حقیقت میں کوئی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ پارٹی ہے۔

اس قصہ مختصر کا اور بھی مختصر مضمون قابل یاد ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مذہب شیعہ ایک عام پسند اور فطری مذہب ہے۔ یعنی ہر ملک اور قوم اور قبیلہ میں یہ امر بطور رواج عام جاری ہے۔ کہ جب باپ مرتا ہے تو اس کے بیٹا بیٹی وارث اور مستحق ترکہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور کسی ملک یا قوم یا فرقہ یا قبیلہ میں خسر

اپنے داماد کا وارث یا مستحق متروکات کا نہیں سمجھا جاتا۔ اس رُو سے کوئی شک نہیں۔ کہ بعد جناب سرور کائنات کے مطابق رواج عام ہر اقلیم کے آپ کی وارث اور مستحق کل متروکات کی جناب فاطمہ زہرا علیہا الصلوٰۃ والسلام ہوئیں۔ اور چونکہ آں حضرت صلعم نے من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ اور انا و علیؑ من نور واحد فرمایا تھا۔ اس لئے کوئی شک نہیں ہے۔ کہ یہی دونوں بزرگوار مستحق جمیع متروکات ظاہری و باطنی آں حضرت صلعم کے ہوئے اس میں چون وچرا کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔

باقی وہ مذہب جو سقیفہ میں قائم ہوا جس کو مذہب کہنا بالکل بے معنی ہے بلکہ پارٹی کہنا چاہیئے۔ خاص امر ہے جس کے جواز وحقیقت کا بار ثبوت ان اشخاص پر ہے۔ جو سقیفہ کی کارروائی پر اپنے مذہب کا دارومدار سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ سقیفہ کی کارروائی محض لغو اور بے بنیاد ہوئی۔ اس لئے مذہب سُنت جماعت بھی کوئی مذہب باقی نہ رہا۔

دوسری بات قابل یاد یہ ہے۔ کہ جناب ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان جو دنیا میں قائم ہوا۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ تا قیام قیامت ہر اقلیم میں قائم رہے گا۔ وہ اسی معظمہ مقدسہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی وجہ سے اور حضرت ہی کی اولاد پاک سے گیارہ آئمہ معصومین علیہم السلام ایسے پیدا ہوئے۔ جن سے نور رسالت و امامت تمام عالم میں قائم رہا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہے گا۔ یہ شرف کسی دوسرے خلیفہ کو حاصل نہ ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت بی بی عائشہ بھی دنیا سے لاولد اُٹھیں اور ظاہر ہے۔ کہ جمیع شیعیان عالم انہیں آئمہ معصومین علیہم السلام کو اپنا رہبر و پیشوائے دین سمجھتے ہیں۔ اور سمجھتے رہیں گے۔ اس لئے کوئی شک نہیں۔ کہ مذہب شیعہ وہ مذہب ہے۔ جس کو دُنیا و دین میں تمسک رسولؐ اور آل رسول علیہم السلام سے ہے۔ ہزار حیف کہ ایسے مذہب کے بارے میں جس کا منبع اور مرجع ذات پاک نورانی صفات حضرات پنجتن پاک کا ہے۔ اس کی نسبت بعض مخالفین نے یہ کہا۔ بلکہ لکھ دیا کہ یہ مذہب قائم کیا ہوا عبداللہ ابن سبا یہودی کا ہے۔ اور بعضے جاہل میاں جیون نے یہ تعلیم دی۔ اور مشہور کیا کہ شیعوں میں کوئی پڑھا لکھا نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ مذہب لکھنؤ کے شہدوں نے اپنے کھانے

کمانے کے لئے قائم کیا ہے۔ چنانچہ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ ایک مقدمہ میں ایک وکیل صاحب نے مسلمان منصف صاحب کے اجلاس میں ایک شیعہ وکیل کی بحث کے جواب میں کہا تھا۔ کہ "جناب عالی۔ ان کی بحث کیا یہ شیعہ ہیں۔" پشاور میں تو ان میاں جیون نے ایک اور ہی غضب ڈھایا تھا۔ یعنی مشہور کر دیا تھا۔ کہ شیعہ ایک قسم کا جانور ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مشہور ہوا۔ کہ شہر میں شیعہ آیا ہے۔ اس کے دیکھنے کو لوگ جمع ہوئے۔ اس کو دیکھ کر ایک شخص بول اٹھا کہ "واہ واہ یہ تو آدمی ہے۔ شیعہ کہاں ہے" الغرض جہاں اس قدر جھوٹ کا تو دہ طوفان ہے۔ وہاں جلدی نور ایمان کب چمک سکتا ہے۔

تمام شد قصہ مختصر

حدیث ثقلین

ایک بات اور سُن لو۔ کہ جمہور علمائے سُنّت جماعت کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ رسولِ خُدا صلعم نے فرمایا انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی دیکھو تحفہ اثنا عشریہ (باب چہارم صا۲) جن الفاظ میں ابو سعید خدری نے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ ان کو لفظاً لفظاً کتاب سوانح عمری جناب امیر علیہ السلام مؤلفہ جناب مولوی عبید اللہ صاحب امرتسری سے نقل کرتا ہوں:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم انی اوشک ان أدعی واجیب و انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی کتاب اللہ حبلٌ ممدود من السماء الی الارض و عترتی اھل بیتی و ان اللطیف الخبیر اخبرنی انھما لن یفترقا حتی یرد علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما۔ (ترجمہ) یعنی میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اب میں طلب کیا جاؤں گا اور میں لبیک کہوں گا (یعنی میرا زمانہ وصال قریب ہے) پس میں تم لوگوں میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر ان سے تمسک کرو گے۔ تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ اور نہ ضلالت میں پڑو گے۔ ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے۔ جو ایک مضبوط رسی آسمان سے زمین تک ہے۔ اور دوسری میری عترت ہے۔ یعنی اہلبیت ہیں۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ لطیف و خبیر نے بہ تحقیق خبر دی ہے۔ کہ وہ دونوں یعنی کتاب خُدا و عترتِ جُدا نہ ہوں گی۔ جب تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچیں۔ پس تم لوگ سوچو۔ کہ میرے بعد تم ان سے کس طرح سلوک کرو گے۔

اس حدیث میں تین باتیں قابلِ غور ہیں (۱) تمسک کرنے کے لئے کیا معنی ہیں؟ (۲) اگر لوگ تمسک نہ کریں گے تو کیا نتیجہ ہوگا؟ (۳) اس جملہ کا کہ وہ دونوں جُدا نہ ہونگے جب تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچیں" کیا مطلب ہے؟

مَیں تینوں امور کی تشریح کر دیتا ہوں۔ تم اپنے علمأ سے دریافت کرو۔ کہ میری تشریح صحیح ہے یا غلط۔ اور اگر غلط ہے۔ تو وہ لوگ کیا جواب فرماتے ہیں؟

جواب سوال ۱ میرے نزدیک یہ ہے۔ کہ کتاب اللہ اور عترت رسول کو اپنا ہادی اور دین سمجھ کر ان سے انتہا کا عقیدہ رکھو۔ اور اس عقیدے پر نہایت مضبوطی اور استحکام سے ثابت قدم رہو اور ان کے احکام کو سمعاً و طاعةً بجا لایا کرو یعنی اپنے مذہب اور دین کا ان پر دارومدار

رکھو۔ اوران سے ذرا علیحدہ نہ ہو۔

سوال ۲ کا جواب ظاہر ہے یعنی حدیث کے صریح الفاظ سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ان سے علیحدہ رہو گے یا تمسک نہ کرو گے۔ تو ضرور گمراہ ہو گے۔ قرآن پاک اور عترت پاک علیہم السلام سے جو علیحدہ رہے گا۔ اس کا ایمان کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

سوال ۳ کا جواب یہ ہے کہ آں حضرت صلعم کا مقصد اس فرمانے سے یہ تھا۔ کہ قرآن میرے اہلبیت کے دل میں ہے۔ یعنی وہ لوگ اس کے معانی اور حقائق اور نکات سے اس قدر واقف اور آگاہ ہیں۔ کہ ان کی ہدایت اور ان کی تعلیم قرآن کے خلاف ہو نہیں سکتی اور قرآن ان کے ساتھ اس طرح ہے۔ کہ جو شخص قرآن مجید کے معانی پر غور کرے گا تو صاف پائے گا۔ کہ قرآن اہلبیت کے فضائل سے مملو ہے۔ تشریحات بالا سے ظاہر ہے۔ کہ جو شخص قرآن مجید اور عترت رسول کو اپنا ہادی نہ بنائے اور ان سے عقیدہ نہ رکھے۔ تو ضرور گمراہ ہو گا۔ تب یہ امر قابل غور ہے۔ کہ کیا حال ہو گا۔ اس شخص کا جو قرآن مجید کو ترک کر کے اس کے خلاف اپنے اقوال اور احکام پر عملدر آمد کرے یا کیا حال ہو گا اس کا جو عترت پاک کو بزور خانہ نشین بنا کر اپنا فرمان و احکام صادر کرے۔ اور ان کو اپنے تابع بنانے کا ارتکاب کرے۔ حدیث شریف کے صریح الفاظ سے جو نتیجہ نکلتا ہو خود نکال لو یا اپنے علماء سے دریافت کرو۔

حضور اقدس جناب سرور کائنات صلعم کے ایک جملہ کا اثر میرے دل پر کچھ ایسا پڑ رہا ہے کہ میں اس کو بیان نہیں کر سکتا۔ غور تو کرو۔ کہ حضور عالی نے کیا سمجھ کر یہ فرمایا تھا کہ سوچو تم کو میرے بعد کیا کرنا چاہئے۔ مجھ کو تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضورؐ نے لوگوں کی دلی حالت سمجھ کر اتمام حجت کر دیا ہے

المختصر اب قابل غور ہے۔ کہ حضرات ثلاثہ نے اس حدیث کی کہاں تک پیروی کی اور اس وصیت کی کیسی تعمیل ہوئی۔

بعد وفات جناب سرور کائنات کے واقعات پر غور کرنے سے تو قیامت خیز سامان نظر آتا ہے۔ رسول خدا صلعم تو فرما گئے کہ میری عترت سے تمسک کرو۔ یعنی ان کی پیروی اور اقتدار کرو۔ مگر یہاں سامان یہ ہو رہا ہے۔ کہ حضرت علیؑ پر زور دیا جا رہا ہے۔ کہ تم آ کر ہم سے (حضرت ابوبکر سے) تمسک کرو۔ یعنی بیعت کرو۔ اور اس کے لئے ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو رہا ہے اور وہ بھی معمولی طور پر نہیں۔ بلکہ آگ اور لکڑی کے ساتھ ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال !!!

رسول خدا کو تو حقتعالٰے نے بشارت دی کہ تمہاری عترت اور قرآن کبھی جدا نہ ہوں گے

مگر عین مسجد نبوی میں آں حضرت صلعم کی دختر معظمہ پر یہ الزام لگایا جارہا ہے۔ کہ تم قرآن و حدیث سے بالکل ناواقف ہو۔ مسئلہ وراثت انبیاء سے تم کو مطلق خبر نہیں ہے اس لئے فدک کے واسطے جھوٹا دعویٰ پیش کر رہی ہو۔ پس تمہارا بیان اور تمہارے شوہر کا اظہار یا تمہارے فرزندوں کا بیان ہرگز ہرگز قابلِ اعتبار نہیں! الامان!! الحفیظ!!!

محی الدین۔ حدیث نبوی میں عترت سے تمسک کرنے کے یہ معنی ہیں۔ کہ بوجہ اعزاز خاندانی اور نسبی شرافت کے ان کا احترام کرو۔ ان کی تعظیم کرو۔ لیکن امور شریعت یا انتظام سلطنت میں انکو کوئی دخل نہیں۔ امور سلطنت کی باگ اس شخص کے ہاتھ میں ہے۔ جسکو جمہور منتخب کریں۔

علی رضا۔ تب تمہارا مطلب یہ ہوا۔ کہ دارالقضا دارالشریعت دارالحکومت بیت المال وغیرہ وغیرہ کل محکمات سے جن کے افسر اعلیٰ اپنی حیات تک خود جناب سرور کائنات تھے ان میں عترت رسول کو مطلق دخل نہ ہو۔ بلکہ یہ بزرگوار نعوذ باللہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کاٹھ کے پتلے کی طرح گھر میں رہیں۔ اور ان کی لوگ پرستش یا تعظیم اس طرح پر کریں جس طرح پر لوگ اجمیر شریف یا کچھوچھہ شریف کی درگاہوں کی تعظیم یا پرستش کرتے ہیں!!!

اگر یہی معنی تمسک کرنے کے ہیں۔ تو قرآن مجید سے تمسک کرنے کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ نہایت نفیس مطلا اور منقش جلدیں بندھوا کر ان کو مخملی اور کارچوبی یا زربفت کے غلافوں میں بند کر کے نقرئی چوکی پر رکھ کر لوگ ہر پنجشنبہ کو لوبان جلا کر بتی روشن کر کے اس کی زیارت کریں۔ لیکن بھولے سے کھول کر نہ دیکھیں۔ کہ اس میں کیا لکھا ہے!!

بھائی! خدا کے لئے غور کرو۔ کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا۔ کہ اگر ان سے یعنی قرآن مجید اور اہلبیت طاہرین سے تمسک کرو گے۔ تو گمراہ نہ ہوں گے۔ پس اگر قتل قصاص خمس زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد وغیرہ شرعی اور ملکی امور میں قرآن پاک یا اہل بیت سے کوئی تعلق نہ رہا۔ لوگ حق اللہ و حق العباد و فرائض قومی کو موافق وحی خدا و رسول خدا صلعم کیونکر ادا کریں گے۔ اور بلا ان دونوں ثقلین یعنی بزرگ ترین چیزوں کے گمراہی سے کیونکر بچیں گے؟

یاد رکھنا چاہیے۔ کہ جناب رسول خدا صلعم کا پالٹیکس اصول شریعت سے بالکل وابستہ ہے۔ اس لئے اسلام کے جتنے محکمات ہیں۔ وہ سب اصول شریعت کے پابند ہیں اور چونکہ جناب رسول خدا سمجھتے تھے۔ کہ کل قانون شریعت قرآن میں موجود ہے اور اس قانون پاک کے اصول کا جاننے والا اور اس کے نکات کا سمجھنے والا اور ان سے مسائل فقہ کا استخراج کرنے والا اور اس کے مطابق فیصلہ صادر کرنے والا سوائے حضرت صلعم کی عترت پاک کے اور کوئی شخص پردہ زمین پر نہ تھا۔ اس لئے حضرت صلعم نے اپنی امت کو ان دونوں معظم

اور بزرگ چیزوں سے تمسک کرنے کو کہا اور حق تعالےٰ نے جو یہ بشارت دی۔ کہ قرآن اور اہلبیت جُدا نہ ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن کے لئے ہیں۔ اور قرآن ان کے لئے جیسا کہ ایک موقع پر حضرت نے صراحتاً فرما دیا تھا القرآن مع العلی والعلی مع القرآن سبحان تک میں دیکھتا ہوں۔ واقعات سے پوری تصدیق ہوتی ہے۔ کہ جناب رسُولِ خُدا صلعم اپنے خیال میں بہت صحیح تھے۔ اور کوئی شک نہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے جو فرما دیا تھا۔ کہ انا مدینۃ العلم وعلیٌ بابہا وہ واقعات سے پورا صحیح اور سچا اترا۔ یعنی اگرچہ یاروں نے آنحضرت صلعم کی حدیثوں کو بالکل طاق نسیاں پر رکھ دیا اور خود قاضی شریعت بن بیٹھے۔ لیکن مسائل فقہ میں ایسی ایسی چوک کھائی کہ باقرار خود لولا علیٌ لہلک عمر کہنے کی نوبت آئی۔ دیکھو تمیل ۱ کتاب ہذا فضیلت ۵ اگر ابتدا ہی میں حضرت عمر وصیت رسُول بجالاتے اور اہلبیت رضوان اللہ علیہم سے تمسک کرتے تو کاہے کو ہلاک ہوتے۔ اور یہ نوبت کیوں پہنچتی۔ کہ ایک بڑھیا حضرت کو بر سر منبر ٹوک دیتی۔

یاد رکھو۔ کہ اصُول قانون کا جاننے والا طوطا مینا کی طرح قانون یاد کرنے والے سے بدرجہا افضل ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ دیکھتے ہیں۔ کہ فوجداری کے مختار لوگوں سے بیرسٹر لوگ بدرجہا افضل ہوتے ہیں۔ ورنہ بظاہر پینل کوڈ کے دفعات کا نمبر مختار لوگ بہ زیادہ جانتے ہیں۔ اور مَیں سمجھتا ہوں۔ کہ غالباً تم بھی مجھ سے اختلاف نہ کرو گے۔ کہ تراویح میں قرآن پاک ہانکنے والوں سے مفسرین اور علماء کا درجہ بہت زیادہ ہے۔

اسی مثال سے سمجھ لو۔ کہ اصُولِ شریعت اور اصُول اسلام کے جاننے والے سب سے افضل وہی بزرگوار تھے۔ جن کے گھر میں قرآن نازل ہُوا اور جن کو علم الٰہیات سینہ بہ سینہ پہنچا۔ اسلئے یہ کہنا کہ جناب رسُول مقبُول صلعم نے جو مسلمانوں کو عترت پاک سے تمسک کرنے کو کہا تھا۔ اس سے فقط اعزاز و احترام مقصود تھا۔ اور ان کو احکام یا مسائل شرعی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بالکل مہمل معلوم ہوتا ہے۔ اس پر بھی ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر تمسک کے معنی تعظیم و احترام ہی کے سمجھے جائیں تو بھی اس کی تعمیل کہاں ہوئی؟ کیا تعظیم و احترام کے یہی معنی ہیں۔ کہ دھر پکڑ شروع ہوا اور حضرت علیؑ سے بزور بیعت لینے کا بندوبست کیا جائے۔ اور اس کے لئے ان پر جبر و قہر کیا جائے۔ رسول مقبول تو فرمائیں کہ تم لوگ علیؑ سے تمسک کرو۔ مگر حضرات شیخین علیؑ پر جبر کریں اور زور ڈالیں۔ کہ نہیں تم ہم سے تمسک کرو!! اور اگر تمسک نہ کرو گے۔ تو تمہارا بُرا حال ہوگا کیا اچھی تعظیم عترت پاک کی حضرت عمرؓ نے کی۔ کہ ان کے خانہ اقدس پر آگ اور لکڑی لے کر چڑھائی کی!!!! اور کیا خوب احترام نور اقدس کی نور دیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کا

حضرت ابوبکر نے کیا۔ کیا علانیہ مسجد میں بر سر منبر کہہ دیا۔ کہ تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے۔ نہ تمہارا بیان قابل اعتبار ہے اور نہ تمہارے شوہر یا فرزندان کی شہادت قابل قبول ہے !!!

پس کیا اچھا احترام حضرات شیخین نے حضرات عترت طاہرین رسول خدا صلعم کا کیا۔ اور کس حسن اخلاق سے آن حضرت صلعم کی وصیت کو بجالائے !!!

یہ عجب حیرت کا مقام ہے کہ علمائے سنت والجماعت اور باتوں میں تو عقل وفہم وفراست اور منطق سے کام لیتے ہیں لیکن جہاں ذرا خلافت یا خلفائے ثلاثہ کا ذکر آگیا بس دوسرے شخص ہو جاتے ہیں۔ اور بدیہی باتوں میں کج بحثی اور کجرائی پر تل جاتے ہیں۔ اور لاکھوں مسلمانوں کو وصیت رسول خدا صلعم بجالانے سے برگرو دکر رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب مذہب سنت جماعت ایسا ہو گیا ہے۔ کہ گویا جناب رسولِ خدا صلعم نے وصیت فرمائی تھی انی تارك فیكم الثقلین كتاب الله خلفا ثلثی

ہائے غضب یہ کیسی تعلیم ہو رہی ہے۔ کہ اہلبیت رسول خدا صلعم اور عترت طاہرین علیہم السلام مذہب اسلام سے بالکل بے تعلق کر دیئے گئے۔ اور ان کا وجود باوجود بالکل معطل اور کالعدم قرار دیا گیا اور جو لوگ جناب رسولِ خدا صلعم کے انتقال کرتے ہی شر و فساد پر تل گئے اور آنحضرت کی تجہیز و تکفین سے منہ پھیر کر منصب دنیا کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ وہ لوگ امیر المومنین اور اہل حل و عقد کہلائے

حضور اقدس کی عترت پاک میں کیسے کیسے علماء اور فقہا گزرے ہیں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کا صحیفہ کاملہ ایسا صحیفہ ہے جس کی فصاحت و بلاغت ومتانت۔ عبودیت بعد صحائف آسمانی کے ثانی ہوئی ہے۔ جناب حضرت امام محمد باقرؑ اور جناب امام جعفر صادقؑ کی ہمہ دانی اور اصول فقہ سے پوری واقفیت شہرہ آفاق ہے لیکن ان بزرگواروں کے اقوال واحکام اور اعمال و وظائف سے فرقہ سنت جماعت کو ایک دم بے خبری ہے۔ یہاں تک کہ فی صد ننانوے بلکہ زیادہ دوازدہ امام کے نام پاک سے بھی محض ناواقف ہیں۔ بلکہ مذہب سنت جماعت کا دار و مدار امام ابو حنیفہ اور امام شافعی وغیرہ کے اقوال واحکام پر ہے۔ اور یہی لوگ آئمہ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں اگویا جناب جناب رسول مقبول صلعم کی عترت پاک میں کوئی امام ہوا ہی نہیں اور اگر ہوا۔ تو وہ اس قابل نہیں۔ کہ اس کے اقوال واحکام وارشادات کی طرف مطلق توجہ کی جائے !!!

اب تم غور کرو اور خوب غور کرو۔ کہ جناب رسول مقبول صلعم نے اپنی عترت سے تمسک کرنے کی جو وصیت کی تھی۔ اس کی تعمیل فرقہ سنت جماعت نے کی یا نہیں ؟

اب میں اپنے اصل مطلب پر آتا ہوں یعنی ظاہراً اس میں کوئی شخص شک نہیں کر سکتا۔ کہ جب جناب امیرؑ بحکم خدا پرنس آف ویلز یعنی ولیعہد مقرر ہو چکے تھے اور جناب

رسُول مقبولؐ نے اپنی عترت پاک سے یعنی حضرات علی و فاطمہ و حسنین علیہما السلام سے تمسک کرنے کو فرما دیا تھا۔ تو ان بزرگواروں کے ہوتے دوسرے کسی شخص کا مولا بالتصرف بن جانا اور بیت المال وغیرہ پر قابض ہو جانا ویسا ہے۔ جیسا ایک شخص کا باپ مرجائے اور جس وقت وہ وارث شرعی اس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو۔ اس وقت اس کے گھر میں ڈاکہ پڑ جائے۔ تو لوگ اس کی سب چیزوں کو لوٹ لیں۔ اور جملہ اشیائے منقولہ اور غیر منقولہ پر قابض و دخیل ہو جائیں۔ اور طرفہ یہ کہ لوٹ مچانے والے اسی کے ذکر چاکر یا بھائی بند ہوں۔ اور جب وہ غریب وارث اپنے باپ کی تجہیز و تکفین سے فراغت پائے۔ تو ایسی سینہ زوری کریں۔ کہ اسی مظلوم کو اطاعت کیلئے کہیں اور بکف چراغ کے مصداق بنیں!!!

بھئی محی الدین میں تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں۔ کہ اگر تمہارے علمائے منصف مزاج فرمائیں۔ کہ میں نے اس مثال میں بے تہذیبی کی یا خلاف آداب مناظرہ بحث کی تو بلا تامل تم جو چاہو۔ میری سزا کرو۔ تم دریافت کر لو۔ کہ اعلیٰ درجہ کے قابل اور مہذب بیرسٹران اور وکلاء اپنی بحث میں اس قسم کی مثالیں استعمال کرتے ہیں یا نہیں؟

میں تو یہاں تک کہتا ہوں۔ کہ اگر جناب امیرؑ کی خلافت اور ولایت منصوص من اللہ مان لی جائے (جیسا کہ میں بطور کامل ثابت کر چکا ہوں) تو علمائے سنت جماعت اس امر سے بھی انکار نہ فرمائیں گے۔ کہ اس حالت میں البتہ صدیق اکبر کی خلافت ناجائز تھی۔ بشرطیکہ انہوں نے میاں جی گری کبھی نہ کی ہو۔

دوسرا پہلو اس مسئلہ کا یہ ہے۔ کہ بفرض محال اگر خلافت جناب امیرؑ کی منصوص نہ سمجھی جائے اور یہی فرض کیا جائے۔ کہ امر خلافت کو بذریعہ الیکشن طے ہونا تھا۔ تو بھی میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوبکر کو خلافت محض (UNFAIR MEANS) نامحمود طریقے سے حاصل ہوئی۔ اور (JURISORUDENCE) اصول فقہ کی رو سے ایک منٹ کیلئے بھی جائز نہیں قرار دی جاسکتی۔

کیا خلافت حضرت ابوبکر کی (FAIR) محمود طریقہ سے حاصل ہوئی

یہ کیسے غضب کی بات ہے کہ (CANDIDATE) امیدوار مقابل کو الیکشن کی اطلاع تک نہ ہو۔ اور نہ اس کے ووٹروں کو مطلق خبر ہو کہ الیکشن ہونیوالا ہے۔ اس لئے وہ بیچارے

سب کے سب (یعنی کل اہالی خاندان بنی ہاشم) ایک کارِ خیر میں مشغول و مصروف ہوں اور اسی حالت لاعلمی اور ان کی غیبت میں جھٹ پٹ اچانک طور سے حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ خلیفہ رسول بنا دیں۔ اور بیچارہ امیدوار مقابل یعنی حضرت علیؑ محروم و مایوس ہو جائیں!! کیا ایسی خلافت قابلِ ناز ہے یا قابلِ صد افسوس؟ بھلا اس الیکشن کو کون شخص بحالت صحت ذات و ثبات عقل (فرؔ) جائز کہہ سکتا ہے۔ مگر طرفہ ماجرا ہے کہ ایسی خلاف قانون و خلاف شریعت نامحمود کارروائی پر بعض علمائے سنت جماعت کو ناز ہے مصنف کتاب سیرۃ الفاروق اپنی کتاب میں صلا طبع ثانی لکھتے ہیں "حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کا ہاتھ لے کر اس پر بیعت کی اور ان کی بلند آواز نے مسلمانوں کے دلوں کو ہلا دیا"۔ اور پھر ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ "انہوں نے نہایت بلند آواز سے جس سے تمام مجلس گونج اٹھی کہا۔" ان فقرات پر میرا دل کس قدر تڑپ گیا۔ کہ اے کاش اگر حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ اس مجلس میں ہوتے۔ تو میں دیکھتا۔ کہ یہ مجلس کو گونجانیوالی آواز اور مسلمانوں کے دلوں کی ہلانے والی آواز کیسی سرد ہو جاتی۔ کہ شائد سانس تک نہ ابھرتی۔ تم خود غور کرو کہ قطع نظر نعرہ حیدری کے اگر جناب علی مرتضیٰؑ دبی زبان سے بھی فرماتے۔ کہ واہ جناب یہ کیا۔ تین مہینے بھی ابھی نہیں گزرے ہیں۔ کہ جناب نے بمقام غدیر خم مجھے اپنا اور تمام عالم کا مولا مانا تھا۔ پھر آج اس کے کیا معنی ہیں۔ کہ آپ مجھ پر ایک دوسرے شخص کو مولا بنا رہے ہیں۔ تو مجلس کے گونجانے والی اور مسلمانوں کے دلوں کو ہلانے والی آواز کو سوائے سٹ پٹا جانے کے اور کیا چارہ ہوتا اور جب حضرت ابوبکر نے سقیفہ والوں سے فرمایا۔ کہ تمہارے سامنے دو شخص حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ موجود ہیں۔ ان میں جن کو چاہو خلیفہ بنا لو اس وقت حضرت عباسؓ کہتے۔ کہ بھئی واہ یہ کیا؟ (سمدھیوں کی زبان) تم خود نہیں کہتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے النظر الی علی عبادۃ یعنی علیؑ کی طرف دیکھنا عبادت میں داخل ہے (دیکھو کتاب فتوحات اسلام محاربہ صدیقہ صسا) پھر یہ کیا جس کی طرف دیکھنا عبادت ہو وہ پیچھے ہٹا دیا جائے اور جو لوگ عبادت کرنے والے ہوں وہ اس کے پیشوا بنیں یہ الٹی سیلفی کیسی؟ تم میرے خاندان سے خلافت کس دلیل سے چھین لینا چاہتے ہو؟ کیا میرا بھتیجا علی مرتضےٰؑ قریشی ہاشمی نہیں ہے؟ رسول اللہ صلعم تو کہہ جائیں۔ کہ تم لوگ میری عترت یعنی علیؑ سے تمسک کرو۔ برخلاف اس کے تم کہو کہ علیؑ ہی تم سے تمسک کریں کیا خوب!!!

ان سوالات کے جواب میں حضرت ابوبکر کی کیا حالت ہوتی۔ تم خود سوچو کیا سوائے دم بخود رہ جانے کے اور کچھ حضرت کی زبان مبارک سے نکل سکتا تھا؟

اس لئے قصور معاف حریف غیر حاضر اور لاعلم ہے اور ایسی دھوکہ دھڑی سے بازی جیتنے پر ناز کرنا آپ ہی لوگوں کا کام ہے! میں تو بصد ادب عرض کرتا ہوں کہ جو حضرات حصول مطلب کے لئے گھڑی میں سول سرجن اور گھڑی میں عاشق مجذوب اور گھڑی میں مدیر الملک اور گھڑی میں کمانڈر انچیف بن جائیں۔ اور جو لوگ اپنے کو اس طرح پرائیکٹ دمنتخب کرائیں کہ اپنے حریف مقابل اور اس کے کسی ووٹر کو خبر ہونے نہ دیں۔ کہ الیکشن ہو رہا ہے۔ اور اس لئے وہ بے چارے سب ایک کار خیر میں مشغول رہیں۔ اور اس وقت ان سب کی غیر حاضری کو غنیمت سمجھ کر ایک صاحب دوسرے صاحب کو پروپوز کریں۔ اور فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ اور اس پر وہ دوسرے صاحب اس منصب پر فائز المرام ہو جائیں تو قطع نظر اتلاف حق کے خود ان حضرات کا کیریکٹر کیسا سمجھا جائے گا۔ اور خلق خدا ان کی سیرت کو کیسے سمجھے گی؟ ہم تو شیعہ ہیں۔ ہمارا فیصلہ تو کافی نہیں برائے خدا تم کسی یہود و نصاریٰ و ہندو سے پوچھ دیکھو تو وہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

محی الدین۔ نعوذ باللہ ایسے بزرگوار جن سے اسلام نے کیسی شوکت پائی۔ جن کے اسلام لانے سے دین کی جڑ مضبوط ہو گئی۔ خانہ کعبہ میں اذان ہوئی۔ جو ہر وقت رسول اللہ کے شریک رنج و راحت و یار غار رہے۔ جن کو آخر وقت تک خود رسول اللہ نے بجائے اپنے نماز جماعت ادا کرنے کو فرمایا۔ ان بزرگوار کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ نعوذ باللہ ان حضرات نے دغا فریب مکر و زور کی کارروائی کی یا کسی کا حق تلف کیا جیسا تمہارے کہنے کا منشاء ہے بالکل سوء ظن ہے۔ بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ کیا تم کو خود یہ باتیں محض خلاف قیاس معلوم نہیں ہوتیں کیا تم کو یہ سب الزامات تعجب خیز و حیرت انگیز معلوم نہیں ہوتے؟

علی رضا۔ میرے تعجب کو کیا پوچھتے ہو۔ مجھ کو صرف تعجب ہی نہیں ہے بلکہ کمال افسوس وحسرت و قلق ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ واقعات سے مجبوری ہے۔ اور جیسی مجھے مجبوری ہے۔ تمہیں بھی مجبوری ہے۔ اگر کسی شخص ظاہراً مہذب اور ثقہ کی نسبت کسی قبیح فعل کا سرزد ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ تو ہر شخص انگشت بدندان ہو کر حسرت کرتا ہے۔ بلکہ اس کی نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔ فرض کرو۔ کہ ایک شخص بڑے عمامے اور جبہ اور قبا والے کو تم دیکھو۔ کہ کلنر کے ہوٹل سے نکلے آتے ہیں۔ اور بعدہ آفس میں دیکھو کہ دو بوتل وسکی کا بل ان کے نام سے موجود ہے تو تمہارے دل کی کیا حالت ہوگی۔ ہاں البتہ یہ ہے کہ پہلے تمہیں ان کی بدچلنی کا یقین نہ ہوگا اور نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ بلا تحقیقات کامل کے کسی اچھے آدمی کی نسبت اتہام بد نہ کرنا چاہیے لیکن جب بعد تحقیقات کامل اس فعل قبیح کا ان سے سرزد ہونا ثابت اور محقق پایا جائے

تب سوائے افسوس و حسرت کیا چارہ ہے۔ بلکہ فطرت انسانی تو یہ ہے۔ کہ ایسے شخص سے لوگوں کو نفرت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پر فرض کرو۔ کہ تمہارے چچا یا ماموں یا خالو ایک زمانے تک تمہارے والد کے بڑے مہربان دوست قلبی ہوں لیکن بعد انتقال تمہارے دادا یا نانا کے وہ لوگ تمہارے والد سے بگڑ جائیں۔ اور بہ نظر معاش ستانی کے بے ایمانی کریں۔ جعل بنائیں جھوٹی گواہی دیں۔ تمہارے والد کے کاغذات ثبوت کو جلوا دیں۔ تمہارے گھر کا پانی بند کریں۔ تمہاری راہ روکیں۔ تو اس وقت تمہارے قلب کا کیا عالم ہوگا؟ کیا سابق کی شفقتیں تمہارے چچا یا ماموں خالو کی اس وقت تمہاری نگاہ میں کچھ بھی وقعت رکھیں گی؟ بس اسی اصول فطری سے تم دیکھو اور خوب جانچو کہ جس قدر واقعات میں نے بیان کئے ہیں آیا ان میں ایک بھی غلط ہے۔ اگر سب واقعات صحیح ہوں تو جو نتیجے شرعاً و عرفاً و فطرۃً نکلتے ہیں ان سے تم کو چارہ نہیں ہے۔ تم خود غور کرو کہ جناب رسول خدا صلعم نے غدیر میں حضرت علیؑ کو مولائے مومنین ڈکلیر کیا تھا یا نہیں۔ آیا آنحضرت صلعم نے من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ کہا تھا یا فابوبکر مولاہ فرمایا تھا؟ آیا جناب رسول خدا نے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی فرمایا تھا۔ یا کتاب اللہ و خلفاء ثلاثتی فرمایا تھا؟ کیا رسول خدا صلعم نے جب دوات قلم طلب کیا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے سمعاً و طاعتاً دوات قلم۔ کاغذ حاضر کر دیا تھا۔ اور اس پر آں حضرت صلعم نے لکھ دیا تھا۔ کہ یہ شخص میرا خلیفہ دوم ہے؟ کیا بوقت الیکشن ووٹروں کا رجسٹر قائم ہوا تھا۔ اور لوگ دیار و امصار سے بلائے گئے تھے۔ اور سب ووٹر موجود تھے؟ کیا حضرت علیؑ اور اُن کے ووٹران یعنی اہالی خاندان بنی ہاشم حاضر تھے۔ کیا ان بے چاروں کو خبر دی گئی تھی۔ کہ یہاں الیکشن ہو رہا ہے۔ آپ لوگ آئیے کیا حضرت علیؑ حاضر تھے۔ اور آپنے پرپوز کیا تھا۔ اور حضرت عباسؓ نے سیکنڈ کہا تھا۔ کہ حضرت ابوبکر خلیفہ ہوں؟ کیا حضرت عمرؓ نے خود ہی نہیں فرمایا تھا۔ کہ خلافت ابوبکر کی اچانک طور سے ہوئی ہے۔ اب اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو قتل کرو؟

پس بھائی جب واقعات سے بطور کامل ثابت ہے۔ کہ یہ الیکشن نہایت ناجائز اور نامحمود طریقے سے ہوا۔ اور جتنے نقص کہ شرعاً عرفاً قانوناً رواجاً باعث ابطال عقود و معاہدات و معاملات ہوتے ہیں۔ وہ سب کے سب اس الیکشن میں موجود تھے۔ تو اب تمہارے پاس سوائے اس کے اور کیا چارہ ہے۔ کہ ان حضرات کی کیرکٹر پر افسوس کرو اور سب امور کو حوالۂ خدا کرو۔ تم میرے تعجب کو کہتے ہو واللہ میں صدق دل سے کہتا ہوں۔ کہ مجھے کس قدر قلق اور افسوس ہے کہ ایسے بزرگوار نے ایسا کام کیا جس سے اسلام میں دو فرقے اس وقت قائم ہو گئے۔ اور آخر میں اس کا نتیجہ ایسا

خراب ہوا۔ کہ بقول ایک انگریزی مورخ کے اسلام اپنے خون میں آپ نہایا۔ ہائے مجھے اسوقت کیسی خوشی ہوتی۔ اور اسلام اس وقت کس پایہ تک عروج کرتا۔ اگر حضرت علیؑ فوراً بعد انتقال جناب سرور کائنات کے خلیفہ ہوتے اور حضرت خلفاء ثلاثہ صدق دل سے حضرت علیؑ کے معاون ومشاور ہوتے!! پھر توسب ایک دل ایک زبان ایک مذہب ہوتے اسوائے وحدانیت کے دوئی کا نام نہ رہتا!! پھر اس وقت بارہ تیرہ سو برس کے بعد بوجہ اس قوت مجموعی (COMBIND FORCE) کے اسلام کا عروج قابل دید ہوتا!!

مگر افسوس صد افسوس کہ ایسا ہونے نہ پایا۔ اور چند روزہ جاہ ومنصب کی خواہش نے مستقل اور دائمی عروج واقبال کو ڈبو دیا۔ حیف صد حیف حضرات شیخین کے کانڈکٹ پر مجھے کیا معنی ایک جہان کو تعجب ہے۔ کہ ایک معاملہ تجہیز وتکفین وتدفین جناب رسول مقبولؐ کا ایسا ہے۔ جو ایک دنیا کو حیرت میں ڈالتا ہے۔ کہ اتنا بڑا محسن عالم سرپرست بنی آدم افضل المرسلین خاتم النبیین صلعم وفات پائے اور اس کی تجہیز وتکفین کے وقت سوائے چند افراد خاص کے اور کوئی نہ ہو۔ اور وہ لوگ جو حضرت کے یار غار ہونے کا دعویٰ رکھتے ہوں اور جو حضرت کے انتقال کی خبر سن کر ایسے مجذوب اور خود رفتہ بن گئے ہوں۔ کہ تلوار کھینچ کر نعرہ زن ہوں۔ کہ جو شخص حضرت کے انتقال کا ذکر کرے گا اس کو قتل کر دوں گا۔ غیر حاضر ہوں!!!

یہ امر ایسا تعجب خیز ہے۔ کہ جناب مولانا شبلی صاحب سے بھی جو حضرت عمرؓ کے بڑے جاں داوہ وصاف اور مداح ہیں۔ بلا تعجب کئے ہوئے نہ رہا گیا۔ وہ کتاب الفاروق میں لکھتے ہیں یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں۔ کہ جب آں حضرت نے انتقال فرمایا تو فوراً نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا۔ کہ پہلے تجہیز وتکفین سے فراغت کر لی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے۔ کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں۔ اور جن لوگوں کو عشق ومحبت کا دعویٰ ہو۔ ان کو بے گور وکفن چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس بندوبست میں مصروف ہوں۔ کہ مسند حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے تعجب پر تعجب یہ ہے۔ کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت عمرؓ وابوبکرؓ) سرزد ہو جو آسمان اسلام کے مہر وماہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اس فعل کی ناگواری اور زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ جب یہ دیکھا جائے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا۔ یعنی حضرت علیؑ وخاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا۔ اور اس وجہ سے انکو آں حضرت کے دسو وغسل اور تجہیز وتکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

آگے چل کر جناب مصنف فرماتے ہیں " یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ وابوبکرؓ وغیرہ آنحضرتؐ کی تجہیز وتکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔ یہ بھی سچ ہے۔ کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر

خلافت کے بارے میں انصار سے معرکہ آرائی کی۔ اور اس طرح کی کوششوں میں مصروف رہے۔ کہ گویا ان پر کوئی حادثہ ہی پیش نہ آیا۔ یہ بھی سچ ہے۔ کہ انہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؑ سے بزور منوانا چاہا۔ گو بنی ہاشم نے بآسانی ان کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ ذی علم مصنف اس ناقابل عفو بے اعتنائی کا کوئی عذر پیش نہیں کرتے کیونکہ واقعی کوئی عذر معقول تھا ہی نہیں۔ مگر واہ رے راسخ الاعتقادی جناب مصنف کی کہ اس پر بھی حضرات شیخین کو آسمان اسلام کا مسلم مہر وماہ سمجھتے ہیں!!!

محی الدین۔ مگر آگے چل کر اس کتاب میں جناب مولانا شبلی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ جلسہ سقیفہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا برانگیختہ یا قائم کیا ہوا نہ تھا۔ اس لئے اس جلسہ میں جو کارروائی ہوئی۔ اس کا الزام حضرات موصوفین پر ہو نہیں سکتا۔

علی رضا۔ مجھ کو جناب مولانا کی اس رائے کے ساتھ پورا اتفاق ہے۔ کہ جلسہ سقیفہ ان حضرات کا برانگیختہ نہ تھا۔ واقعات سے بے شک ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جلسہ سقیفہ کے قائم ہونے تک حضرات خلفائے ثلثہ اس جلسہ سے بالکل بے تعلق تھے۔

میرے نزدیک مثل بدیہات کے یہ بات ثابت معلوم ہوتی ہے۔ کہ ابتداءً ان حضرات کا پلین (یعنی بندوبست) ہی دوسرا تھا۔ جس کا ابتدائی پارٹ (حصّہ) یہ تھا۔ کہ حضرت عمر مجنون وار تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ کے تلوار کھینچنے کی اصلی وجہ کیا تھی؟

حقیقت یہ ہے۔ کہ بعد کارروائی غدیر کے حضرات خلفاء ثلاثہ کا رُخ علیؑ مرتضیٰؑ کیا معنی اخود جناب سرور کائنات صلعم سے پھر گیا۔ اور یہ لوگ اپنی دوسری تدبیریں میں مصروف ہو گئے۔ یہاں تک کہ بوقت علالت جناب رسولِ خدا صلعم کے تو حضرت عمرؓ کھل پڑے اور جب آنحضرتؐ نے کاغذ وقلم مانگا۔ تو بول اٹھے ان ھذا الرجل لیھجر یعنی اس مرد (نبی !!!) کو بحران ہے۔ اس لئے کاغذ کو آپ کے پاس آنے نہ دیا۔ اور جب رسول خداؐ نے انتقال کیا۔ تو حضرت عمر کسی گہرے پلاٹ (و توسیع سنگین) کی تدبیر میں مصروف ہو گئے۔ اور اس پلاٹ کا آغاز یوں کیا۔ کہ خود مجنون وار تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ کہ جو شخص رسول اللہ کے انتقال کا حال زبان پر لائے گا۔ اس کو قتل کروں گا۔ لیکن حسنِ اتفاق سے یہ پلاٹ یہیں تک پہنچا تھا۔ کہ آپ کو خبر ملی۔ کہ

علی مرتضےؑ اور بنو ہاشم آں حضرتؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ اور سقیفہ میں خلافت کا قصہ چھڑ گیا اس مژدہ جاں بخش کو سُن کر آپ (بات کیا تھی) فوراً حواس میں آگئے۔ اور اس خیال سے کہ اب معاملہ آسان ہو گیا۔ اور اس گھرے پلاٹ (وقوعِ سنگین) کی ضرورت نہ رہی۔ آپ نے خرقۂ جذب عشق محبوب الٰہی کو اتار پھینکا۔ اور سقیفہ کی طرف چلتے ہوئے۔ اور یہاں آکر اپنی کڑکتی آواز سے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا۔ اگر آپ کو یہ مبارک موقع نہ ملتا۔ تو ہرگز آپ اپنے اصلی پلاٹ سے باز نہ آتے۔ اور نہ معلوم کیا کیا فساد کرتے۔ ممکن ہے۔ کہ جوش جنون میں حضرت علیؑ کو قتل کرتے یا مکان ہی میں آگ لگا دیتے۔ مختصر یہ کہ...... حتی الامکان حضرت علیؑ کو خلیفہ ہونے نہ دیتے۔ اس میں جان جاتی یا ایمان جاتا جو کچھ ہوتا سب گوارا کرتے۔

ہر چند غیب کا علم خدا کو ہے۔ اور اس بات کا علم بھی کہ حضرت عمرؓ بعد اس جذب و جنوں کے عملاً کیا کرنے والے تھے۔ اسی عالم مافی الضمیر کو ہے۔ لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اس پلاٹ کا دوسرا حصہ یہ ہوتا۔ کہ جب نعش اقدس جناب رسول مقبولؐ کی باہر لائی جاتی۔ تو اس کی تکرار چھڑ جاتی۔ کہ نماز جنازہ کون پڑھائے بنو ہاشم یقیناً چاہتے کہ علی مرتضےؑ پڑھائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ اس دلیل سے کہ آنحضرتؐ نے جیسا کہ آپ لوگوں کا بیان ہے۔ حضرت ابوبکر کو نماز جماعت پڑھانے کی اجازت دی تھی۔ حضرت ابوبکر کے لئے زور دیتے۔ اور اسی میں قصہ بڑھتا۔ اور نوبت جنگ وجدال اور خونریزی کی پہنچتی۔ اور تب تصفیہ خلافت کا بزور شمشیر ہوتا خیر۔ بہر کیف حضرت عمر کے دل میں جو کچھ ہو اب اس بات کی تحقیق کے لئے کہ آیا یہ میری رائے صحیح ہے یا غلط مسئلہ تجویز طلب یہ ہوتا ہے کہ آیا مجذوب و مجنون بن جانا اور تلوار کھینچنا حضرت عمر کا واقعہ صدمہ انتقال جناب رسول خداؐ صلعم کی وجہ سے تھا یا اور کسی دوسری وجہ سے؟ اگر واقعی حضرت کا جوش جنوں بوجہ صدمہ انتقال جناب سرور کائنات صلعم کے تھا۔ تو اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ میری رائے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے لیکن جس وقت ہم لوگ دیکھتے ہیں۔ کہ عدا صرف منٹ یا دو منٹ بعد اس جذب و جنون کے حضرت عمرؓ نے خلافت کے بارے میں انصار سے معرکہ آرائی کی۔ اور جیسا مولانا شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ اس طرح کوششوں میں مصروف ہوئے۔ کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہ آیا تھا"

پائے۔ ہم لوگ غور کرتے ہیں۔ کہ جس کے انتقال کا صدمہ حضرت عمرؓ کو حد جنون تک پہنچانے والا بیان کیا جاتا ہے۔ اسی بزرگ صلعم کی نعش اقدس کو حضرت عمرؓ نے جنی کے برابر نہ سمجھا۔ اور نہ مطلقاً کوشش اس بات کی کی۔ کہ تجہیز و تکفین حضرت نبی اکرم صلعم تک امر خلافت ملتوی رہے پائے۔ جس وقت ہم لوگ یاد کرتے ہیں۔ کہ یہی حضرت عمرؓ جناب رسُول مقبولؐ کی پیاری آنکھوں کا تارا بیٹی کے گھر میں آگ لگانے کو تیار ہو گئے۔ اور حضرت صلعم کی التجا کو نسبت مودت رکھنے ساتھ اس نور دیدہ کے بالکل فراموش کر گئے پائے۔ جس وقت ہم خیال کرتے ہیں۔ کہ بعد انتقال حضرت ابا بکرؓ کے حضرت عمرؓ نے تلوار کجا ایک چھُری تک نہیں نکالی۔ آخر اُن سے بھی تو محبت تھی۔ یہ دونوں حضرات تو بلاشک یک جان دو قالب تھے۔ تب المختصر ایسے واقعات اور سانحات کے بعد یہ خیال کرنا کہ حضرت عمرؓ کو جناب سرور کائنات صلعم کے انتقال کا صدمہ ہوا تھا۔ اور اس صدمہ سے آپ بدحواس ہو کر مجنون وار تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک خیال ہے۔ جو کسی فرد بشر کے دماغ میں کمالات ذات و ثبات عقل کے آ نہیں سکتا۔ سلف سے اس وقت تک دیکھتے اور سنتے آئے۔ کہ جب کسی مصیبت زدہ پر کوئی صدمہ پڑتا ہے یا قلب پر چوٹ پڑتی ہے۔ تو اس کو غش آجاتا ہے یا بیقراری یا بیتابی قلب سے تڑپنے لگتا ہے۔ لیکن آج تک نہ دیکھا اور نہ سنا۔ کہ جس پر صدمۂ جانکاہ یا حادثۂ جانگزا پڑتا ہے۔ وہ چھ پنسیری کی مگدر کی جوڑی ہلانے یا سوا من کا لیزم جھنکارنے لگتا ہے! لیکن حضرت عمرؓ کے بارے میں اس سے بھی زیادہ کہا جاتا ہے۔ یعنی آپ اس صدمۂ جانکاہ پڑنے سے مگدر یا لیزم نہیں۔ بلکہ تلوار جھنکارنے لگے۔ اور وہ بھی وفور صدمہ سے خودکشی کے لئے نہیں۔ بلکہ بے گناہوں کے قتل کے لئے۔ یعنی ان لوگوں کے قتل کے لئے جو رسول اللہ صلعم کے انتقال کی سچی خبر زبان پر لاتے!!!

بھائی محی الدین تمہیں واللہ ذرا غور تو کرو تمہیں کیسے معلوم ہوا اگر کوئی کہے کہ حضرت کے والد جناب خطاب نے جب انتقال کیا۔ تو حضرت عمرؓ صدمۂ انتقال سے ڈنٹر پیلنے لگے۔ احباب و اقارب جمع ہوئے ہیں۔ تعزیت میں وہ لوگ الفاظ صبر و شکیب کے کہہ رہے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ ہیں کہ ڈنٹر پہ ڈنٹر کئے جاتے ہیں اور حضرت کو سکون ہی نہیں آتا!! لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

محی الدین۔ مگر حضرت فاروقؓ کا صدمہ غشی اور تپاک قلب سے بہت بڑھا ہوا تھا۔

سودائے عشق رسُولؐ ایسا ہی ہوتا ہے۔

علی رضا۔ اسی وجہ سے صرف منتر پھونکنے سے دفع ہو گیا!

محی الدین۔ یہ کیا؟

علی رضا۔ ہمیشہ دیکھتے اور سنتے آئے۔ کو جب کسی مصیبت زدہ کو کسی صدمہ سے غش آ جاتا ہے۔ یا تپاک قلب ہوتا ہے۔ تو لوگ اس کے چہرے پر پانی یا گلاب چھڑکتے ہیں۔ عرق بید مشک پلاتے ہیں۔ مفرحات کھلاتے ہیں۔ تب کہیں عزیب کو افاقہ ہوتا ہے۔ لیکن حضرت عمر کو صدمہ تو ایسا ہوا۔ کہ جس نے قلب سے بڑھ کر دماغ میں ہیجان پیدا کیا اور حد جنون تک پہنچ گیا۔ مگر اس کے علاج کے لئے نہ کسی دوا کی ضرورت ہوئی اور نہ کسی دعا کی حاجت ہوئی فقط آپ کے گوش مبارک تک لوگوں نے یہ صدا پہنچا دی۔ کہ سقیفہ میں خلافت کا قصہ چھڑ گیا۔ بس صدا کے گوش زد ہوتے ہی سارا جنون رفع دفع ہو گیا۔ اور فوراً حضرت عمر حواس میں آ گئے۔ اور حواس میں آئے تو ایسے باخبر اور باہوش ہو گئے۔ کہ بڑے بڑے مدبران قوم سے مقابلہ کرنے لگے اور جیسا کہ مولانا شبلی صاحب فرماتے ہیں انصار سے معرکہ آرائی کی اور بقول مصنف کتاب سیرۃ الفاروق کے حضرت ابوبکر کو گدی اور مسلمانوں کے دلوں کو ہلا دینے والی آواز سے خلیفہ بنایا پس تم غور کرو۔ کہ یہ سب منتر کا کھیل نہیں ہے۔ تو کیا ہے؟

المختصر اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ آج تک سوائے اس واقعہ کے کسی فرد بشر نے ایسا سودا نہ اس تیزی سے چڑھتے دیکھا یا سُنا اور نہ اس آسانی سے اترتے دیکھا یا سُنا اس لئے کوئی شک نہیں کہ یہ جذب وجنون حضرت عمر کا ہرگز صدمۂ انتقال جناب رسُول مقبول صلعم کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ بالکل خود ساختہ اور نمائشی تھا۔ تب سوائے اس کے دوسرا قیاس ہو نہیں سکتا۔ کہ یہ کام حضرت عمر کا کسی بڑے پلاٹ کا پہلا حصہ تھا۔ مگر بعد کارروائی سقیفہ کے اس کے عملدرآمد کی ضرورت نہ رہی۔ برائے خدا تم خود سوچو بلکہ اپنے علماء سے دریافت کرو کہ اگر یہ جوش جنوں حضرت عمر کا صحیح اور اصلی نہ تھا۔ تو سوائے اس بات کے جو ہم کہتے ہیں۔ کہ کون سی دوسری معقول وجہ اس پالیسی کی تھی؟ حضرت عمر کچھ ایسے نافہم نہ تھے۔ کہ محض بلا وجہ مجنون بن جاتے حضرت کا جوش جنون ضرور کسی پالیسی سے تھا۔ اور وہ پالیسی یقیناً وہی تھی۔ جس کو میں کہتا ہوں۔

اور یہ جو آپ کہتے ہیں یا جناب مولانا شبلی صاحب قیاس فرماتے ہیں۔ کہ جب جلسہ سقیفہ خلفاء ثلاثہ کا قائم کیا ہوا نہ تھا۔ تو جو کچھ کارروائی اس میں ہوئی۔ اس کے جوابدہ حضرات موصوفین ہو نہیں سکتے یہ تو محض غلط اور خلاف قانون ہے۔

فرض کیجئے کہ چند اوباش مل کر ایک اکھاڑہ یا سامتی جیسا ڈھاکہ میں ہوا تھا۔ بغرض بغاوت

قائم کریں۔ اس میں تین چار مہینے کے بعد تین اشخاص شریک ہو جائیں۔ اور جھنڈا بغاوت کا بلند کریں۔ سرکار سے جنگ کو تیار ہو جائیں۔ بیگناہوں پر بم کے گولے پھینکیں۔ اپنے کو خود ساختہ گورنر بنگال مشتہر کرکے سلامی لینے لگیں۔ تو کیا تم کہو گے کہ تین اشخاص اس وجہ سے مجرم بغاوت نہ ہوئے کہ ابتداءً اکھاڑے میں شریک نہ تھے۔ یا یہ کہ اکھاڑہ اُن کا قائم کیا ہوا نہ تھا؟

اسی طرح سمجھو کہ جلسہ سقیفہ قائم کیا ہؤا کسی کا ہو جب اس میں حضرت علیؑ کا حق غصب کیا گیا۔ اور حضرت ابوبکر الماغوچی طور پر خلیفہ بنائے گئے اور اس وجہ سے حضرت علیؑ علیہ السلام کی گرفتاری کی تیاری ہوئی۔ اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں آگ لگانے کا اقدام کیا گیا۔ تو حضرات خلفائے ثلاثہ کسی شرع یا قانون کی رو سے الزام سے بُری نہیں ہو سکتے۔ اور الیکشن تو اور بھی بے وقعت کوڑی کا تین ہو جاتا ہے۔

کون شخص ایسے الیکشن کو ایک منٹ کے لئے بھی جائز قرار دے سکتا ہے۔ جس میں ایک ساعت قبل الیکشن کے خود حضرات منتخب اور منتخب کو خبر نہ تھی۔ کہ الیکشن ہونیوالا ہے۔ اور بیچارے امیدوار ذی حق کو تو مطلق خبر بھی نہ ہوئی۔ کہ کیا ہوا۔ کیونکر ہوا!!!

محی الدین۔ تو آخر تم کیا کہتے ہو۔ حضرت سرور کائنات صلعم کی تجہیز و تکفین کیوقت حضرات خلفائے ثلاثہ کیوں غیر حاضر تھے؟

جناب رسول خدا صلعم کی تجہیز و تکفین کے وقت خلفائے ثلاثہ کیوں غیر حاضر تھے؟

علی رضا۔ میں نے اس مسئلہ پر خوب غور کیا اور علمائے سنت والجماعت کے کل عذرات کو بغور پڑھا۔ لیکن ایک عذر بھی قابل قبول عقل پایا نہ گیا۔ جیسا میں کہہ چکا ہوں۔ کہ اسوقت نہ تو کسی ایسی بغاوت کا خوف تھا اور نہ کسی ایسے شر و فساد کا گمان تھا۔ جو ان حضرات کو اس امر کی کوشش کرنے سے روکتا۔ کہ تا تجہیز و تکفین و تدفین جناب رسالت مآب صلعم خلافت ملتوی رہے۔ لیکن اب جو بنظر غائر اور اس مسئلہ کے ہر پہلو پر گہری نگاہ ڈال کر غور کرتا ہوں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو مقصد دلی حضرات شیخین کا تھا۔ اور جس کار نمایاں کے لئے حضرات موصوفین نے کمر ہمت باندھی تھی۔ اس کا بیشک یہی مقتضا تھا۔ کہ جناب رسول مقبول کی تجہیز و تکفین کی مطلق خبر نہ لی جائے۔ بلکہ اس مبارک موقع اور وقت سے نفع

حاصل کیا جائے۔ کیونکہ اگر یہ حضرات اس غیر معمولی کار خیر یعنی تجہیز و تکفین میں جناب رسول مقبول کی شریک رہتے۔ تو اصل مقصد فوت ہو جاتا حقیقت یہ ہے۔ کہ اس وقت حضرات شیخین کو یہ مہم سخت اور مشکل صعب درپیش تھی۔ کہ جس شخص کو حضور پُرنور جناب رسولخدا صلعم نے اپنے آغوش اقدس میں پالا تھا جس شخص کو حضورؐ اقدس سے شرف فرزندی حاصل تھا جو شخص حضور کے کڑے وقت میں برابر کام آتا رہا تھا جو شخص جنگ اُحد میں جس وقت یار لوگ اِدھر اُدھر فرار ہو گئے تھے۔ میدان جنگ میں قدم جمائے حضرت کے لئے سینہ سپر تھا جس کو حضورؐ نے بروز ازل اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا جس کو حضورؐ نے واسطے تعلیم تمدن کے یمن کی گدی بخشی تھی جس کو حضور نے بحکم خداوند عالم جلشانہٗ ستر ہزار آدمیوں کے سامنے اپنا ولیعہد اور تمام عالم کا مولا مقرر کیا تھا۔ اور جو خود اپنے صفاتِ حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سے رسولِ اکرم کے بعد فخر خاندان بنی ہاشم سمجھا جاتا۔ اس کو حضرات شیخین نے ہزیمت دینا اور زک پہنچانا تھا۔ یعنی اس قلعہ کو جس کو خدا اور رسُول نے مستحکم کیا تھا۔ توڑنا تھا۔ اور اُس شخص کو جس کو رسُول خدا صلعم نے بحکم خُدا اپنا ولیعہد مقرر کیا تھا۔ اس کو دائرہ خلافت سے ایک دم نکال باہر کرنا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ خدا اور رسولؐ کے قائم کئے ہوئے قلعہ پر حملہ کرنا آسان نہ تھا۔ اور نہ بانیِ اسلام کے ولی عہد کو ہٹا دینا، اور اُس کے حقوق کو پامال کرنا بلا انتہا درجہ کی چستی و چالاکی کے ممکن تھا؟ اس لئے جب چوٹ کرنے کا موقع آ گیا اور بگل پھونک گیا۔ کہ دشمن (علیؑ) غافل ہو گیا۔ وہ ایسے کام میں پھنس گیا۔ کہ دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے وہ اس کو نہ چھوڑے گا۔ سقیفہ میں خلافت کا قصہ چھڑ گیا۔ فوراً چھاپہ مارا۔ تو اس وقت حضرات شیخین اپنی مہم سر کرنے کا حملہ کرتے یا رسول اللہ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتے؟ کیا رسول اللہ کی تجہیز و تکفین حضرت کے ولیعہد کو نکال باہر کرنے سے اور خود عنان سلطنت ہاتھ میں لینے سے زیادہ ضروری تھی؟ کیا رسُول اللہ کی تجہیز و تکفین کی شرکت سے وہ نفع حاصل ہوتا جو خلیفہ وقت بن جانے سے ہوا؟ خطائے عدم شرکت تجہیز و تکفین جناب رسُول مقبول صلعم سے بچانے اور حفاظت کرنے کے لئے تو بیسیوں آپ کے پیرو علمائے سُنت جماعت اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک مولانا شبلی نے تعجب کیا تو کیا لیکن اگر حضرات شیخین جناب رسول مقبولؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک رہتے۔ اور اس وجہ سے خلافت ہاتھ نہ آتی۔ تو کیا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب یا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب خلافت دلوا دیتے؟

الغرض جو مشن (کار اہم) حضرات شیخین کا تھا۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ

کو بے دفن و کفن چھوڑنا بے موقعہ نہ تھا۔ بلکہ اس کام کے لیے جو جو نا محمود طریقہ اختیار کئے گئے۔ اور جو جو خلاف قانون شریعت کارروائیاں ہوئیں۔ وہ سب فاروقیہ پالیسی سے جائز اور صحیح تھیں۔ اگر اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے حضرت عمر نے ۱۸ ذی الحجہ کو حضرت علیؑ کو اپنا اور تمام عالم کا مولا مانا۔ اور بعدہٗ چودھویں پندرھویں ربیع الاول کو انہی کو گرفتار کرنے اور ان کا گھر پھونکنے کے لئے فوج اور آگ اور لکڑی لے کر گئے۔ تو کیا بُرا کیا؟ اگر مطلب نکالنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق نے یہ کتمان صدق اور اتلاف حق کیا۔ کہ غدیر کے مولائے مومنان کے حقوق کو طاق نسیاں پر رکھ کر حضرت عمر اور ابو عبیدہ کو خلافت کے لئے پروپوز کیا تو کیا مضائقہ؟ اگر حضرت عمر نے بذریعہ دباؤ ناجائز کے جناب رسول مقبولؐ کو کچھ لکھنے نہ دیا۔ اور اس ذریعہ سے پبلک کے سامنے ثبوت کاغذی رسولؐ اللہ کی وصیت کا آنے نہ دیا۔ اور یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کہ آں حضرت صلعم ہذیان بول رہے ہیں۔ تو کوئی بُری بات نہیں کی!!!

اگر آپ نے لوگوں کو سوچ بچار کا موقع نہ دینے کے لئے تلوار کھینچ لی۔ اور کہنے لگے کہ رسُول اللہ نے انتقال نہیں کیا ہے۔ تو کیا بیجا کیا؟ شیعہ اگر اس کو خدع (مکر وزور) کہتے ہیں، کہا کریں الحرب خدعۃ تو مشہور ہے۔ اگر اپنا کام نکالنے کے لئے حریف کی غیر حاضری بلکہ لاعلمی کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور بذریعہ سرپرائز (اچانک طور سے) اس کو ہزیمت دی اور جھپٹ کر خلافت چھین لی۔ تو کیا بُرا کیا؟ اگر اس لوٹ مار کے بعد آپ نے یہ حکم دیا۔ کہ اب اگر کوئی ایسی حرکت کرے جیسی میں نے کی۔ تو اس کو قتل کرو۔ تو کونسی خطا کی؟ ظاہر ہے کہ بلا ایسی پالیسیوں اور کارروائیوں کے خُدا و رسولؐ کا قائم کیا ہوا قلعہ ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ اور نہ رسول خداؐ کا ولیعہد ہزیمت پا سکتا تھا۔

یہ سب کارروائیاں حضرت عمر کی نہایت قابل تحسین و آفرین ہیں۔ اور انہیں پالیسیوں کی وجہ سے آپ مدبر الملک کے خطاب کے مستحق ہیں۔

الغرض یہ کارروائیاں حضرات شیخین کی آپ حضرات سُنت جماعت کے لئے بڑے فخر و مباہات کی ہیں۔ اور ان پر جس قدر ناز کیجئے بجا ہے۔ ہم لوگ غلامان و نمک خواران اہل بیتؑ کو رونا آتا ہے۔ کہ ہمارے شہنشاہ کونینؐ کا جنازہ ایسی بیکسی سے اٹھا ہے۔ کہ شاید ہی کسی مذہبی پیشوا کا جنازہ ایسی بیکسی سے اٹھا ہو۔ غالباً تم نے اخباروں میں دیکھا ہوگا کہ ہمارے ملک معظم شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم صلعم کل مرحوم کے جنازے کی مشایعت میں ۱۹ بادشاہان اولوالعزم صاحب تخت و تاج و کل اہالیان خاندان شاہی اور کل وزراء و ممبران

پارلیمنٹ شامل تھے۔ اور خود حضور عالیجاہ جناب شہنشاہ جارج پنجم خلد اللہ ملکہٗ پیادہ پا اپنے پدر بزرگوار کے جنازہ کے ساتھ تھے۔ اور تخمیناً پانچ لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ جس کی وجہ سے اس وقت چار دانگ عالم میں شہرہ ہے کہ جس شان و شوکت سے جنازہ شہنشاہ صلح کل مرحوم کا اٹھا ہے۔ اس شان و شوکت سے کسی بادشاہ کا جنازہ نہ اٹھا تھا۔

اس خبر کو پڑھ کر مجھے اپنے آقا کی بیکسی پر البتہ بہت کچھ رونا آتا ہے۔ کہ ہمارے شاہنشاہ کونین سید نا فی الدارین جد الحسن والحسین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی تجہیز و تکفین ایسی بیکسی اور بے پرواہی سے ہوئی کہ روایات صحیحہ کتب فریقین سے ثابت ہے کہ بوقت تدفین حضور اقدس کے گنتے ہوئے سات آدمی تھے۔ علیؑ ۔ عباسؓ و فضلؓ ابن عباس قثم ابن عباسؓ۔ اسامہ ابن زیدؓ۔ سقرانؓ۔ ابوطلحہ انصاریؓ (دیکھو تاریخ ابوالفدا صفحہ ۵۵)

اور سب سے بڑھ کر غضب کی بات یہ ہے کہ اس وقت جناب حضرت خلیفۂ وقت صاحب یعنی حضرت ابوبکر اور آں حضرت صلعم کے مجذوب از خود رفتہ عاشق ناز یعنی حضرت عمر بالکل لاپتہ تھے۔ افسوس!! صد افسوس!!

اب میں فریاد کرتا ہوں اور مستغیث ہوں۔ کہ کیا کوئی سنی المذہب۔ یورپ۔ ایشیا۔ افریقہ میں ایسا نہیں ہے۔ کہ جو میرے محسن عالم مخزن بقا حضرت نبی صلعم کی ایسی بے کسی اور تحقیری کی تدفین پر میری ہمدردی کرے؟ کیا کوئی شخص ایسا نہیں ہے۔ کہ ذرا بھی خیال کرے کہ جو لوگ حصول منصب کے لئے اپنے رسولؐ اقدس کے جسد اطہر کے لئے ایسی بے اعتنائی کریں۔ کہ اس کو بے دفن و کفن چھوڑ دیں وہ عقبیٰ میں اُمت رسولؐ کے ساتھ کیا بھلائی کریں گے یا کر سکتے ہیں؟ کیا ایسے اشخاص کو آسمان اسلام کا مہر و ماہ کہنا ہجو ملیح نہیں ہے؟

ہم اپنے دل کی بات کو کیا کہیں۔ ہم لوگ جناب امیرؑ کو اپنا پیشوا اپنا ہادی اپنا شفیع اپنا مولا اپنا مشکل کشا سب کچھ سمجھتے ہیں۔ لیکن عیاذاً باللہ اگر حضرت علیؑ نعش رسول مقبولؐ کو بے دفن و کفن چھوڑ کر خلافت کی دوڑ دھوپ میں رہتے۔ تو یقین کرلو۔ کہ سو میں ایک شیعہ بھی حضرت علیؑ کا نام تک نہ لیتا۔

بوقت تدفین جناب رسول مقبول صلعم کے خلفائے ثلاثہ کی غیر حاضری کی کیا وجہ تھی؟

مگر بھئی مجھے معاف کرنا میں پھر بھول گیا۔ اس وقت تو حضرات شیخین کو ایک مہم سخت

درپیش تھی۔ جو سابق کی مہم سے بھی زیادہ مشکل تھی۔ اس وقت یعنی بوقت دفن جناب رسُول
مقبول صلعم تو شرکت ان بزرگوار کی ناممکن تھی۔ اور آپ حضرات بالکل معذور تھے۔ یہ تو وُہ
وقت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ ہو گئے۔ اب واسطے استحکام خلافت کے حضرت عمرؓ
اس تدبیر میں تھے۔ کہ جس طرح سے ممکن ہو حضرت علیؑ سے بجبر بیعت لی جائے اس لئے یہ
تدبیر ہو رہی ہے۔ کہ حضرت علیؑ گرفتار کئے جائیں۔ اور اگر گھر سے باہر نہ نکلیں تو حضرت فاطمہ
زہراؑ کے گھر میں آگ لگادی جائے۔ اس لئے اس وقت ان حضرات کو فرصت کہاں تھی کہ ایسے
امر اہم کو چھوڑ کر حضرت رسول مقبولؐ کی تدفین میں شریک ہوتے؛ استحکام خلافت کے لئے
حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر کو آگ لگادینے اور حضرت علیؑ کو گرفتار کرنے سے جناب رسول خداؐ
کو مٹی دینا زیادہ ضروری نہ تھا۔ اس لئے اس وقت یہ حضرات ان کانسٹیبلوں کو منتخب کر
رہے تھے۔ جو بے خوف رسولِ خداؐ کے گھر کا محاصرہ کرلیں۔ اور ایسے ایسے بہادر سپاہیوں کو چُن
رہے تھے۔ جو دندانہ جناب فاطمہ زہراؑ کے خانہ پاک میں گھس پڑیں اور حضرت علیؑ کو بلاتامل
گرفتار کرلیں اور جناب رسولِ خداؐ کے گھر میں بے خوف وخطر آگ لگادیں۔ ایسی فوج کا
اگرچہ چھوٹی ہو۔ منتخب کرنا۔ اور مستعد کرنا کچھ آسان نہ تھا کیونکہ کل تک تو سب کے سب
اس گھر کی تعظیم کرتے تھے۔ اور حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو شہزادہ وشہزادی سمجھتے
تھے۔ اس لئے یہ امر قابلِ غور ہے کہ ایسی بھیڑ بھاڑ میں حضرات شیخین کے دلوں میں جناب رسُول
مقبولؐ کی تدفین کا خیال کیونکر آسکتا تھا؟ میں تو سمجھتا ہوں۔ کہ ایسی مہم کے سر کرنے کیوقت
ان حضرات کو اس کا بھی خیال نہ ہوگا۔ کہ جناب رسول مقبول صلعم کے بھی روح تھی جس کو بیٹی کی ایذا
سے صدمہ پہنچ سکتا تھا۔ حضرات شیخین تو یقیناً اس بھیڑ بھاڑ میں یہی سمجھتے ہوں گے۔ کہ جناب رسُول
مقبولؐ کی ابتداء اور انتہا اسی دُنیا تک تھی۔ جب آخری سانس جسد پاک سے نکل گئی پس حضرت
کا خاتمہ ہوگیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اگر ان حضرات کو اس کا یقین ہوتا کہ حضرت کی روح پاک کو فنا نہیں ہے۔ بلکہ بعد
انتقال کے حضرت کو درجہ وصال ملا۔ اور حیات جاودانی حاصل ہوئی۔ تو غالباً جناب فاطمہ
زہرا علیہا السلام کی ایذا کا قصد نہ فرماتے۔

آیا جناب امیر علیہ السلام سقیفہ کی کارروائی سے راضی ہوئے

بعض علمائے سنت والجماعت نے کامیابی کے ساتھ اس امر کے ثابت کرنے کا قصد کیا
ہے۔ کہ جناب امیرؑ خلیفہ اول کی خلافت سے راضی ہو گئے تھے۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ خلافت

جناب امیرؑ کی منصوص من اللہ تھی۔ پس جس نے اس کے خلاف کیا۔ اُس نے خدا و رسولؐ کے خلاف کیا۔ اور پبلک کی حق تلفی کی۔ اس لئے بفرض محال جناب امیرؑ کی رضامندی سے حق اللہ وحق العباد ساقط ہو نہیں سکتا۔ اس لئے اگر جناب امیرؑ کی رضامندی پائی بھی جاتی۔ تو بھی حضرات خلفائے ثلاثہ کی جواب دہی پیش خدا و رسول خدا صلعم قائم رہتی۔ اور جابری شکل بھی۔

فرض کرو۔ کہ کسی ایک صوبہ کے لفٹنٹ گورنر زبردستی اپنے کو دوسرے صوبہ کا گورنر بنا لیں اور چھاپہ مار کر اس صوبہ میں حکمرانی کرنے لگیں۔ اور فرض کرو۔ کہ سابق کے گورنر بیچارے مجبور ہو کر ساکت رہ جائیں۔ بلکہ اس گورنر کی کونسل کی ممبری کو قبول کر لیں۔ تو کیا اس وجہ سے ان خود ساختہ گورنر صاحب کی گورنری ایک منٹ کے لئے بھی جائز ہو جائے گی؟ اور اگر انہوں نے یہ گورنری فریباً اور چالبازیوں سے حاصل کی ہو۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ امپیریلی گورنمنٹ سے ان کے ساتھ کیسی تعزیزی کارروائی کی جائے گی۔ اور ایک منٹ کے لئے بھی یہ سنا نہ جائے گا۔ کہ میری گورنری کو سابق کے گورنر نے قبول کر لیا تھا۔ اور رضامند ہو گئے تھے۔

لیکن اس مقام پر واقعہ برعکس ہے۔ یعنی جس کتاب میں تم دیکھو گے تو پاؤ گے کہ جناب امیرؑ اس الیکشن سے نہایت ناراض ہوئے۔ چنانچہ حضرت کی ناراضگی حضرت کے اشعارے جو آپ کے دیوان میں بہ صفحہ ۱۰۷ مرقوم ہیں۔ صاف ظاہر ہے ؎

تعلم ابا بکرؓ ولا تک جاهلاً	بان علیا خیر خاف و ناعل
وان رسول الله اوصی بحقه	واکد فیه قوله بالفضائل
ولا تخمنه حقه وارددالوری	الیه فان الله لیس بغافل

ترجمہ۔ یاد رکھ اے ابوبکرؓ اور جاہل مت بن کہ علیؑ بڑا شہسوار ہے۔ اور علیؑ وہ شخص ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس کے حق میں وصیت کی اور اپنے اقوال و فضائل سے اس وصیت کی تاکید فرمائی۔ پس مت چھین حق اس کا اور پھیر دے اس کو دنیا اس کی یہ جان لے کہ اللہ غافل نہیں ہے۔ اور صفحہ ۱۲۳ میں یہ اشعار موجود ہیں ؎

وفی القران الزمهم ولائی	واوجب طاعتی فرضاً بغوم
کما هارون من موسی اخوه	کذالک انا اخوه وذاک اسمی
لذاک اقامنی لهم اماماً	واخبرهم به بغدیر خم
فمن منکم یعادلنی بسهمی	واسلامی وسابقتی ورحمی
فویل ثم ویل ثم ویل	لجاهد طاعتی ومرید هضمی

وویلٌ للذین یشقی سفاھاً یرید عداوتی من غیر جرمِ

ترجمہ۔ خداوند عالم نے قرآن مجید میں لازم کی ہے۔ اہل اسلام پر محبت میری اور واجب کی ہے اطاعت میری مثل اور احکام و فرائض کے۔ اور جیسا کہ حضرت ہارون کو مواخاۃ حضرت موسیٰ سے تھا۔ اسی طرح مجھ کو مماثلت اسم اور مواخات میں اپنے ابن عم محمد مصطفےٰ صلعم سے ہے۔ اس وجہ سے میں اہل اسلام کے لئے امام قائم کیا گیا۔ چنانچہ خبر دی۔ باریتعالیٰ نے اقامت امامت کی مقام غدیر خم میں۔ پس کون ہے۔ تم لوگوں میں سے جو شہادات ظاہر کرے ہمارے سب ہم ہیں؟ اور کون شخص ہے۔ کہ مقابلہ کرے۔ ہمارے سابق الاسلام اور سابق الامر اور طیب النسب ہونے میں؟ وائے ہو اُن لوگوں پر کہ جو فردائے قیامت ملاقی ہوں گے۔ خداوند عالم سے ساتھ ہمارے مظلمہ کے!! وائے ہو وائے ہو حال پر منکرین اطاعت ہمارے اور ارادہ ظلم رکھنے والوں پر ہمارے وائے ہو وائے ہو۔ ان لوگوں پر کہ جو ازراہ سفاہت شقاوت کرتے ہیں۔ اور افسوس ہے۔ افسوس ہے۔ ان لوگوں پر کہ جو بے جُرم و خطا مجھ سے عداوت رکھتے ہیں!!! علاوہ اس کے اور تمہاری کتابوں میں بھی حضرت علی علیہ السلام کی نارضامندی اس الیکشن سے بتصریح تمام مندرج ہے۔ یعنی جب حضرت علیؑ سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی خواہش کی گئی۔ تو حضرتؑ نے صاف مُنہ پر کہہ دیا۔ کہ مَیں تم سے زیادہ اس امر کا مستحق ہوں۔ مَیں تمہاری بیعت نہ کروں گا۔ بلکہ تم کو میری بیعت کرنی چاہیئے۔ تم نے خلافت رسُولؐ اللہ کی قرابت جتا کر لی۔ اب ہم اہلبیتؑ سے لئے لیتے ہو؟ کیا تم نے انصار سے یہ نہیں کہا تھا۔ کہ ہم تم سے بوجہ قرابت رسُولؐ کی خلافت کے واسطے اولیٰ ہیں۔ پس میں تمہاری ہی دلیل سے تم پر حجت لاتا ہوں۔ مَیں رسُول اللہؐ سے قریب تر ہوں اور ان کے غیروں سے بہتر ہوں۔ تم خُدا سے خوف نہیں کرتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے کہا۔ تم کو ہم نہ چھوڑیں گے جب تک بیعت نہ کروگے۔ جناب علی مرتضےٰؑ نے فرمایا احلب حلباً لك شطرا اشددہ له الیوم یردہ علیك غدا۔ ترجمہ:۔ کچھ ایسا کھینچ لو کہ تم کو بھی مل جائے مضبُوط کرو ان کے لئے آج کے دن کہ پھیر دیں وہ کل تم کو۔ اے عمرؓ میں تمہاری بات نہ مانوں گا۔ علی مرتضیٰؑ نے یہ بھی کہا کہ اے گروہ مہاجرین ڈرو خُدا سے اور محمد مصطفےٰؐ کی سلطنت ان کے گھر سے نہ نکالو اور ان کے اہل کو اس حق اور مرتبہ سے دور نہ کرو۔ جو ان کو تم پر حاصل تھا قسم خُدا کی اے گروہ مہاجرین ہم تمام لوگوں کی نسبت زیادہ مستحق ہیں۔ اور ہم اہلبیت ہیں اور ہم اس امر کے زیادہ احق تم سے ہیں۔ یاد رکھو کہ ہم لوگ کتاب خدا کے پڑھنے والے ہیں اور سنت رسُول خدا کے عالم ہیں۔ اور امر رعیت کے تحمل کرنے والے ہیں۔ عدالت کے

ساتھ تقسیم کرنے والے ہیں۔ قسم خدا کی یہ کام ہمیں لوگوں کا ہے۔ پس تم اپنی خواہش نفسانی کو راہ نہ دو۔ تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اور حق سے دوری اختیار نہ کرو۔ قیس بن سعد نے یہ سُن کر کہا۔ کہ اگر انصار یہ گفتگو آپ کی قبل بیعت ابوبکر کے سنتے۔ تو دو شخص بھی آپ کے بارے میں خلاف نہ کرتے۔ دیکھو ابوبکر جوہری کی کتاب سقیفہ اور خواجہ احمد ابن اعثم کوفی اپنی معتبر اور مستند تاریخ میں بہ صفحہ ۳ چھاپہ دہلی مطبع یوسفی یوں لکھتے ہیں:۔

"جب تمام حاضرین جلسہ بیعت کر چکے۔ صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بلانے کا پیغام بھیجا آپ نے قبول کیا۔ اور جس وقت کہ مجمع میں تشریف لائے۔ رسم سلام ادا کرکے اپنے مرتبہ سے ہو بیٹھے۔ اور فرمایا کہ مجھے کس لئے بلایا ہے۔ عمر ابن خطاب نے کہا۔ آپ کو ان سب مہاجرین و انصار نے اس لئے بلایا ہے کہ آپ بھی ہم سے متفق ہو جائیں۔ اور جس طرح جملہ اصحاب نے ابوبکر کو خلیفہ بنا کر بیعت کر لی ہے آپ بھی بیعت کر لیں۔ حضرت علیؑ نے کہا۔ تم نے اس منصب کو ہمارے ہاتھ سے بہانہ کرکے چھینا ہے۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی رشتہ داری کے ذریعے سے اپنے آپ کو برتر بنایا ہے۔ میں تمہاری حجت کو تم ہی پر ختم کرتا ہوں۔ اور مدلل دعوے تمہارے روبرو پیش کرتا ہوں۔ مجھ سے وہ بات سنو جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے اور تم کو لازم تھا کہ اسے بیان کرتے۔ اے رسولؐ کے دوستو دیکھو دنیا میں حضرت محمدؐ کا کون زیادہ قریبی رشتہ دار ہے۔ خدا سے ڈرو اور بہانہ نہ ڈھونڈو۔ انصاف پر قادر ہو کر انصاف کی بات کہو۔ ابو عبیدہ بن جراح نے کہا۔ اے ابوالحسن تم ہی اس کام کے لائق ہو۔ بلکہ سب سے پہلے اسلام لانے اور قرابت میں سب پر فضیلت رکھنے کے سبب اس کے زیادہ منصب کے سزاوار ہو۔ لیکن اب رسولؐ کے اصحاب نے اتفاق کر لیا ہے۔ اور ایک کام پورا ہو چکا ہے۔ تم بھی اصحاب کی خوشی کے لئے رضامند ہو جاؤ۔ اور جھگڑا کرکے اس مصلحت کو درہم برہم نہ کرو۔ علیؑ نے کہا اے ابو عبیدہ تم نبی صلعم کے پیارے اور امین ہو۔ اور اس امت کے معتمد۔ اپنے حال پر رحم کھاؤ۔ اور جو سچ بات ہو اسے ظاہر کرو رب العزت نے جو بزرگی خاندان نبوت کو عطا کی ہے۔ اسے اپنے کنبوں کی طرف منتقل نہ کرو ہمارے ہی گھر میں قرآن نازل ہوا ہے۔ ہمارے ہی مکانوں میں جبرئیلؑ وحی لے کر آتے ہیں۔ علم اور فقہ اور دین اور سنت اور فریضہ کے معدن ہم ہی ہیں۔ خلق اللہ کی بھلائی کو ہم ہی خوب جانتے ہیں۔ تم لالچ خورے نہ بنو۔ اور اپنے آپ کو ہلاکت کے بھنور میں نہ ڈالو۔ اس میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ بشیر بن البراءؓ نے کہا اے ابوالحسن خدا کی قسم

اگر یہ تمہاری باتیں بیعت سے پہلے لوگوں کے کانوں تک پہنچتیں۔ تو کوئی صحابی آپ کی مرضی کے خلاف نہ کرتا اور سب یکدل اور یک زبان ہو کر آپ کی بیعت اختیار کر لیتے لیکن تم تو خود اپنے گھر میں ہو بیٹھے۔ اور ہم سے علیحدگی اختیار کی لوگوں نے جانا۔ کہ تم بہانہ کر کے اس کام سے الگ تھلگ رہنا چاہتے ہو۔ جب بات طے ہو گئی۔ تو اب تشریف لائے۔ حضرت علی نے کہا۔ اے بشیر کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے۔ کہ میں رسول خدا صلعم کی لاش مطہر کو گھر میں پڑا رکھتا اور کفن و دفن کی تدبیر سرسری طور سے کر کے جھگڑے کے لئے کمربستہ ہو جاتا اور خلافت لینے پر اٹھ بیٹھتا۔

محی الدین۔ حضرت نے اس وقت جوش حرارت میں ایسا فرمایا ہو ممکن ہے۔ کہ آخر میں آپ راضی ہو گئے ہوں۔

علی رضا۔ ہرگز نہیں۔ میری کتابوں میں تو کیا کچھ نہیں۔ مگر تمہاری کتاب استیعاب میں جو عبارت ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں ہے۔ امام عبد البر قاعہ بن رافع شعبی سے لکھتے ہیں۔ کہ جب حضرت علیؑ بعد حضرت عثمان کے خلیفہ ہوئے۔ تو طلحہ و زبیر نے خروج کیا۔ اُمّ الفضل نے یہ حال علی مرتضیٰؑ کو لکھا۔ علی مرتضےٰؑ نے فرمایا۔ کہ طلحہ و زبیر سے عجب ہے جب جناب۔ سالتماٰب نے انتقال فرمایا۔ تو ہم نے یہ بات کہی۔ کہ ہم لوگ ان کے اہل اور اولیاء ہیں۔ اور ان کی سلطنت میں کوئی ہم سے منازعت کرنے والا نہ ہوگا۔ لیکن ہماری قوم نے اس کو منظور نہ کیا۔ اور ہمارے غیر کو اپنے اوپر والی کیا۔ قسم خدا کی اگر پھوٹ کا اور اس امر کا کہ کفر پھر عود کر آئے گا۔ اور دین کے ہلاک ہونے کا ڈر نہ ہوتا۔ تو ہم ضرور کل معاملات درہم و برہم کر دیتے۔ ہم نے مجبوری رنج و ملال پر صبر کیا۔ یہ داغ حضرت علیؑ کے دل سے کبھی نہ مٹا۔ اور جب جب موقع آیا آپ نے اپنے حق کا اظہار کیا۔ اور اپنی حق تلفی پر متاسف ہوئے۔ چنانچہ بعد خلیفہ دوئم کے بھی جب آپ کو خلافت نہ ملی۔ اور عبد الرحمان بن عوف نے حضرت عثمانؓ کو منتخب کیا۔ تو حضرت علیؑ نے جیسا کہ مولانا شبلی صاحب اپنی کتاب المامون کے صفحہ ۱۲ میں لکھتے ہیں۔ صبر جمیل کیا۔ لیکن اپنے استحقاق کے اعلان و اظہار میں اس وقت جو حضرت علیؑ نے علی رؤس الاشہاد تقریر فرمائی۔ وہ لفظ بلفظ کتاب المرتضیٰ مؤلفہ حافظ عبد الرحمان صاحب حنفی سے نقل کی جاتی ہے۔ دیکھو صفحہ ۹۶ کتاب مذکورہ۔

روضۃ الاحباب میں لکھا ہے۔ کہ جب عبد الرحمانؓ نے عثمانؓ سے بیعت کر لی۔ تو اس وقت علی مرتضیٰؑ نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔

تم سب کو میں قسم دیتا ہوں۔ سچ سچ کہنا۔ کہ درمیان اصحاب رسول خدا کے کوئی ایسا

شخص ہے۔ کہ جب آپ نے عقد مواخاۃ (بھائی چارہ) اپنے اصحاب میں باندھا تو میرے سوا کسی سے یہ کہا ہو۔ انت اخی فی الدنیا والآخرۃ سب نے کہا کوئی نہیں۔ اس کے بعد کہا۔ میرے سوا تم میں کوئی ایسا شخص ہے۔ جس کے حق میں رسول کریمؐ نے فرمایا ہو من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ سب نے کہا کوئی نہیں۔ پھر کہا میرے سوا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس کے حق میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہو۔ انت منی بمنزلۃ ھرون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ سب نے کہا۔ کہ کوئی نہیں۔ پھر کہا میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے کہ اس کے سورہ برات لے جانے کا امین قرار دے کر یہ کلمات اس کے حق میں کہے ہوں لا یودی عنی الا انا او رجل من عترتی سب نے کہا کوئی نہیں۔ پھر کہا میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جس کو رسول خدا نے جب سریوں میں بھیجا تھا۔ تو کل مہاجرین و انصار پر امیر کیا ہو۔ اور ان کو امیر لشکر کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا ہو۔ اور مجھ پر کسی کو امیر لشکر مقرر نہ کیا ہو۔ سب نے کہا کوئی نہیں۔ پھر کہا میرے سوا کوئی ایسا ہے۔ جس کے حق میں رسول خدا نے کہا ہو انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا۔ سب نے کہا کوئی نہیں۔ پھر کہا کیا تم نہیں جانتے ہو۔ کہ جب اکثر لوگ رسول خدا کو مقام مناظرہ میں اعدا کے پاس چھوڑ کر میدان محاربہ سے بھاگ گئے۔ تو میں ثابت قدم رہا سب نے کہا یہ سچ ہے۔ پھر کہا میرے سوا تم میں کوئی ہے۔ جو دائرہ اسلام میں سب سے پہلے آیا ہو۔ سب نے کہا نہیں پھر کہا کوئی رسول کریمؐ سے ازروئے نسب کے میرے سوا قریب تر ہے۔ سب نے کہا نہیں۔ یہ تقریر سن کر عبدالرحمان نے کہا جو کچھ آپ نے بیان کیا سب سچ ہے۔ مگر لوگوں نے عثمان کی طرف رغبت کر کے بیعت کر لی ہے۔ امید ہے۔ کہ آپ بھی لوگوں سے موافقت کریں گے۔

اب میں حیران ہوں کہ اس سے اور زیادہ علی مرتضٰیؑ کیا کہتے اور اس سے زیادہ کن الفاظ میں اپنا حق طلب کرتے اور کن لفظوں میں اپنی محرومی اور حق تلفی اور دل شکنی کو بیان فرماتے آخر آخر وقت میں بھی جناب علی مرتضٰیؑ نے اپنے مراتب و حقوق کا اعلان و اظہار بمقابلہ امیر معاویہ کے فرمایا ہے۔ جو آپ کے دیوان میں بر صفحہ ۱۲۹ اس طرح منظوم ہیں۔

محمد النبی اخی وصھری	وحمزۃ سید الشھداء عمی
وجعفر الذی یضحی ویمسی	یطیر مع الملئکۃ ابن عمی
وبنت محمد سکنی وعرسی	مشوب لحمھا بدمی ولحمی
وسبطا احمد والذی منھا	فمن منکم لھم سھم کسھمی
سبقتکم الی الاسلام طرًا	غلامًا ما بلغت اوان حلمی

واوجب لی ولایته علیکم رسول اللہ یوم غدیر خمّ
واوصانی النبی علی اختیار لامته رضاً منکم بحکمی
الا من منآء فلیومن بھذا والا فلیمت کمداً بغمٍ

ترجمہ: حضرت محمد مصطفیٰ کو جو نبی خلائق کے ہیں بھائی اور خسر ہمارے ہیں اور حضرت حمزہ سید الشہداء چچا ہمارے ہیں۔ اور جعفر کو جو صبح و شام ساتھ ملائکہ کے پرواز کرتے ہیں ابن عم ہمارے ہیں۔ اور دختر محمد مصطفیٰ صلعم رونق دینے والی گھر کی اور زوجہ ہماری ہیں اور وہ مخدرہ ایسی ہیں۔ کہ لحم اور خون ان کا ہمارے لحم اور خون سے مخلوط ہے۔ دونوں نواسے محمد مصطفیٰ صلعم کے یعنی حسنؑ و حسینؑ فرزند ہمارے بطن سے اُن معظمہ کے ہیں۔ پس کون شخص ہے تم میں سے کہ نصیب اس کا مثل ہمارے نصیب کے ہو؟ سبقت لے گیا میں تم لوگوں پر طرف حد اسلام کے در آنحالیکہ میں طفل تھا۔ اور ساعات بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔ اور واجب کیا رسول اللہؐ نے ہماری ولایت کو تم لوگوں پر غدیر خم کے روز اور گرداما مجھ کو نبی نے اپنی امت کے لئے واسطے اجرائے احکام کے آگاہ ہو اے معاویہ جو شخص ایمان لاتا اس امر پر وہ ایمان لائے۔ ورنہ لازم ہے اس شخص کو کہ اپنے حزن و غم میں گھٹ کر مرجائے اور میں ایسا شجاع و دلیر ہوں۔ کہ نہ مقابلہ کر سکے تم لوگ مجھ سے معرکہ میں یا صلح میں۔

علاوہ اس کے مشہور ہے کہ جب بعد خلیفہ دوم کے خلافت کا شور نے ہونے لگا تو لوگوں نے جناب امیر کو کہا کہ اگر آپ سیرت شیخین پر عمل کیجئے۔ تو خلافت حاضر ہے آپ نے صاف انکار کیا۔ اور کہا۔ کہ میں صرف حکم خدا و سنت نبوی پر عمل کروں گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جناب امیر خلافت شیخین سے راضی نہ تھے۔ اور نہ اُن کو اولالامر سمجھتے تھے۔ اگر آپ ایسا سمجھتے۔ تو فوراً اس شرط کو قبول کر لیتے جیسا کہ خلیفہ سوم نے کیا۔

اس وقت مجھے ایک ایسی بات یاد آئی۔ جس سے یہ قول کہ حضرت علیؑ حضرات شیخین یعنی حضرات ابوبکر اور حضرت عمر سے راضی و خوشنود تھے۔ ایک دم غلط اور باطل ٹھہرجاتا ہے بلکہ واقعہ ٹھیک اس کے برعکس پایا جاتا ہے۔ یعنی آپ کی نہایت مستند کتاب صحیح بخاری شریف جلد دہم صفحہ ۲۵ اور صحیح مسلم جلد دوئم صفحہ ۹ میں لکھا ہے۔ کہ خود حضرت عمر نے کہا۔ کہ حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر کو اور ایک مرتبہ خود حضرت عمر کو جھوٹا گنہگار۔ غدار۔ خائن کہا تھا۔ واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت عباسؓ اور حضرت علیؑ بغرض فیصلہ نزاع باہمی حضرت عمر کے پاس ان کے عہد خلافت میں گئے۔ اور دونوں صاحبوں نے کہا۔ کہ ہم دونوں کا فیصلہ کر دو۔ اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے جو کچھ فرمایا صحیح مسلم سے

اصل عبارت بقدر ضرورت نقل کی جاتی ہے۔ اور بعدہٗ اس کا ترجمہ لکھ دیا جاتا ہے۔

قال عمر فلما توفی رسول اللہ قال ابوبکر انا ولی رسول اللہ فجئتما تطلب میراثک من ابن اخیک ویطلب ھذا میراث امراتہ من ابیھا فقال ابوبکر قال رسول اللہ لانورث ما ترکناہ صدقہ فرایتماہ کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم لصادق بار راشد تابع للحق ثم توفی ابوبکر وانا ولی رسول اللہ وولی ابوبکر فرأیتمانی کاذبا اثما غادرا خائنا واللہ یعلم انہ لصادق بار راشد تابع للحق الی اخرہ۔

یعنی حضرت عمر نے کہا۔ کہ جب رسول اللہ فوت ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں ولی رسول اللہ ہوں۔ اس وقت تم دونوں ان کے پاس آئے اور عباسؓ اپنے بھتیجے کے مال سے اور علیؓ اپنی زوجہ کے ترکہ کے طالب ہوئے۔ تو ابوبکر نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ ہم انبیاء میراث نہیں چھوڑتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے۔ اس پر تم دونوں نے ان کو جھوٹا گنہگار غدار اور خائن DAMNED LIAR AND DAMNED BLACHGUARD کہا اور بعد وفات ان کے جب کہ میں رسول اللہ اور ابوبکر کا ولی ہوا۔ تو تم نے مجھ کو بھی جھوٹا۔ گنہگار اور غدار اور خیانت کرنے والا جانا۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ جانتا ہے۔ کہ ہم دونوں راستباز اور تابع حق ہیں فقط

اب آپ غور کیجیے۔ کہ اس سے بڑھ کر حضرت علیؑ کی نارضامندی کا ثبوت ہم کیا دے سکتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے کیرکٹر کی سرٹیفکیٹ اور کیا ہو سکتی ہے۔

اب ذرا آپ اپنی فرمائش پر بھی غور کیجیے۔ یعنی جن اشخاص کو ہمارے آقا۔ ہمارے مولا حضرت علیؑ بقول خود حضرت عمرؓ کے جھوٹا غدار اور خائن سمجھیں۔ ان کو آپ کہتے ہیں کہ ہم صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کہیں!! لاحول ولا قوۃ الا باللہ!!!

اس مقام پر ایک بات قابل یاد ہے۔ کہ حضرت علی علیہ السلام نے یہ الفاظ اس وقت کہے تھے۔ جب حضرت کے حقوق ادا کرنے سے انکار کیا گیا تھا۔ پس چونکہ وہ حقوق اب تک ادا نہ ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ الفاظ آج تک اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

محی الدین۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ایسے شجاع اور دلیر تھے۔ تو آپ نے سکوت کیوں کیا؟

علی رضا۔ مدارج النبوۃ میں روایت ہے۔ کہ بوقت رحلت جناب سرور کائنات نے حضرت علیؑ کو بلایا۔ جب حضرت علیؑ آئے اور حضرت رسول خداؐ کے سر انور کو اپنے زانوے

مبارک پر رکھا۔ تو حضرتؐ نے فرمایا۔ کہ اے علیؑ فلاں یہودی کے اس قدر درہم میرے ذمہ باقی ہیں جو واسطے تجہیز لشکر اسامہ کے میں نے قرض لئے تھے۔ ضرور اس کا حق میرے ذمہ ہے ادا کرنا اور اے علیؑ تم اول وہ شخص ہو گے۔ کہ کنارہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے اور میرے بعد مکروہات تمہیں پہنچیں گے تم کو دل تنگ ہونا چاہیئے اور صبر کرنا مناسب ہے۔ اور جب تم دیکھو کہ لوگوں نے دُنیا اختیار کی ہے تم کو آخرت اختیار کرنی چاہئے۔

محی الدین۔ ممکن ہے کہ حضرت علیؑ اس خلافت سے ناراض ہوئے ہوں مگر حضرت عمر نیک نیتی سے بوقت کمیٹی یہ باور کرتے ہوں کہ حضرت علیؑ ناراض نہ ہوں گے۔

علی رضا۔ ماشاء اللہ! تم حضرت عمر کو ایسا بھولا بھالا سمجھتے ہو کہ بجائے خود اتنا قیاس نہ کر سکے ہوں۔ کہ جس شخص کو ابھی نبیؐ نے مجمع عام میں مولائے مومنین قرار دیا ہے۔ اس کو . . . . دوسرے شخص کے امیر المومنین ہونے سے کچھ گراں نہ ہو گا؟ یہ کہہ کر تو حضرت عمر کی ساری مدبری اور دور اندیشی میں دھبہ لگاتے ہو۔ اور بفرض محال اگر ایسا خیال تھا۔ تو کسی آدمی کو بھیج کر جناب امیرؑ اور جناب عباسؓ کے ووٹ منگا لینے کی کیوں جرأت نہ ہوئی؟ دونوں حضرات کہیں دور دیس نہ تھے۔

محی الدین۔ لیکن حضرت عمر کی بے نفسی تو اسی سے ثابت ہے۔ کہ باوجودیکہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو پرو پوز کیا تھا۔ مگر آپ نے اپنے لئے اس وقت خلافت نہ لی اور حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی

علی رضا۔ بھائی یہ تو بالکل بٹہ بازی تھی۔ حضرت ابوبکر ایک ضعیف آدمی بالکل حضرت عمر کے ہاتھ میں تھے۔ اور حضرت عمر "در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند" کی چال چلتے تھے۔ اس وقت لوگوں کے دکھلانے کو ایسا کیا۔ لیکن بعد خلافت تو حضرت ہی سب کچھ تھے۔ سر سید احمد خاں صاحب کا قول ہے۔ حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ تو شمار ہی نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ در حقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمر ہی کی خلافت کا تھا (سیرۃ الفاروق طبع اول صفحہ)

اگر حضرت علی علیہ السلام نے بوقت خلافتِ ثلاثہ تائید اسلام کی تو کیا اس سے ایجاب خلافت سمجھا جائے گا؟

محی الدین۔ مگر مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا ہے۔ کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ برابر صلاح شوریٰ میں خلفائے ممدوحین کے شریک رہتے تھے۔ اور اکثر مہمات میں ساتھ دیتے تھے۔ بلکہ مجھے یاد آتا ہے۔ کہ ایک غزوہ میں آپ نے اپنے پارہ جگر فرزند دلبند حضرت امام حسنؑ کو ساتھ کر دیا تھا تب اس سے بڑھ کر آپ کی رضامندی اور

ایجاب کا ثبوت خلفائے ثلاثہ کی خلافت سے اور کیا ہو سکتا ہے؟

علی رضا۔ اس موقع پر تم نے تفصیلی واقعات بیان نہ کئے۔ ورنہ میں ہر ہر واقعہ کی حقیقت اور روداد سے تم کو دکھلا دیتا۔ کہ ایسے ایسے موقعوں پر جناب امیرؑ نے حقیقتاً دین اسلام کی حمایت فرمائی ہے۔ نہ کسی کا ساتھ دیا ہے۔ اور نہ کسی ناجائز امر کا ایجاب کیا ہے۔ لیکن بایںہمہ جیسا تم نے مجمل سوال کیا ہے۔ میں بھی مجمل جواب دیتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ یہی جواب تفصیلی امور کے لئے بھی کافی ہوگا۔ لیکن قبل اس کے کہ میں تمہاری بات کا جواب دوں۔ پہلے ایک فرضی امر پیش کرتا ہوں۔ معاف کرنا۔

فرض کرو کہ تمہارے والد بزرگوار نے ایک بڑی عالی شان مسجد تعمیر کی تھی۔ اور اس کے مصارف کے لئے جائداد کثیر المنفعت وقف کر دی تھی اور علی روس الاشہاد سب اقران برادران کے سامنے تم کو اس کا متولی مقرر کیا تھا۔ بلکہ کہہ دیا تھا۔ کہ جو شخص تم سے مخالفت کرے اس سے خدا سمجھے لیکن تمہارے بھائی کی چالبازی سے تمہارے والد تمہاری تقرری کو ضبط تحریر میں نہ لا سکے۔ اس لئے بعد تمہارے والد کے تمہارے بھائی نے دھوکہ دھری اور فریبی ترکیبوں سے مسجد پر دخل کر لیا۔ اور جملہ املاک کے خود ساختہ" متولی بن بیٹھے اور تم نے اس بارے میں جو مقدمہ دائر کیا۔ تو دنیا کی دیوانی عدالت سے مقدمہ تمہارے خلاف فیصل ہوا۔ اور اس لئے تمہارے بھائی خود ساختہ متولی مستقل ہو گئے۔ اب فرض کرو۔ کہ اس کے بعد وہ مسجد بے مرمت ہو گئی۔ تو کیا تم مسجد کی مرمت سے کبھی انکار یا پسپائی کرو گے؟ یا خدانخواستہ اگر کوئی شخص غیر مذہب والا اس مسجد کو منہدم کر کے اس مقام پر کوئی صنم خانہ بنانا چاہے۔ تو تم اپنی جان و مال و متاع کو اس مسجد کی حمایت کے لئے صرف کرنے میں کبھی دریغ کرو گے؟ ہرگز نہیں۔ یا فرض کرو۔ کہ وہی متولی خود ساختہ" تمہارے بھائی اس مسجد میں ایک حوض نمازیوں کے غسل و وضو کے لئے بنواتے ہوں۔ لیکن اس مسئلہ سے ناواقف ہوں۔ کہ پانی طاہر اور مطہر رہنے کے لئے حوض کا طول و عرض و عمق کس قدر ہونا چاہیے۔ تو کیا تم اپنے علم سے ان کو واقف کر کے شرعی طول و عرض و عمق کا پیمانہ تبلا نہ دو گے۔ جس سے حوض میں پانی طاہر اور مطہر بمقدار کافی رہ سکے!

کیا ان سب امور میں تمہارے مشورہ دینے یا مسجد کی حفاظت و حمایت کرنے سے تمہارے بھائی کی تولیت ناجائز پیش خدا و رسول صلعم جائز ہو جائیگی؟ کیا ان باتوں سے تمہارا ایجاب ان کی تولیت کی نسبت سمجھا جائیگا؟ اور تمہارے حق میں اشتباہ ہو جائے گا؟ ہرگز نہیں بھائی یہ سب امور خیر جتنے تم کرو گے وہ اپنے لئے کرو گے اور اگرچہ ممکن ہے۔ کہ اس میں ظاہر تمہارے بھائی کی تائید ہو جائے۔ لیکن حقیقتاً تم ان سب کارروائیوں میں اپنا فرض منصبی ادا

کروگے۔ اسی طرح سمجھ لو۔ کہ بعد جناب رسول مقبولؐ کے دین اسلام کی حمایت ہر مسلمان پر
مثل حفاظت وحمایت مسجد کے واجب تھی۔ اس لئے جب اسلام میں کسی خرابی کا
خوف ہوا۔ اور ترمیم کی احتیاج ہوئی۔ تو حضرت علیؑ فوراً اس کی اصلاح کے لئے مستعد ہو
گئے۔ اور جب اس دین پر کوئی حملہ ہوا۔ تو جمعہ فرزندان علیہم السلام اس کی حمایت کے لئے
کھڑے ہو گئے۔ اور جب بوجہ جہل مسائل کے احکام خلاف شرع جاری ہونے لگے۔ تو
حتی الامکان اُن کو روکا اور صحیح احکام شرعیہ سے آگاہ کر کے حتی الامکان ان کا نفاذ کرایا۔
ان کارروائیوں سے نہ تو آپ نے خلفائے ثلاثہ کی ذاتی حمایت کی اور نہ ان کی خلافت ناجائز
کو تسلیم کیا۔ بلکہ جو کچھ آپ نے کیا وہ محض قربۃً الی اللہ واسطے ترقی دین اسلام کے کیا اور خلفائے
ثلاثہ کی خلافت سے اپنی ناراضامندی کا برابر اظہار و اعلان کرتے رہے جیسا ابھی میں بہ تفصیل بیان کر چکا
ہوں۔ اعادہ کی احتیاج نہیں۔ اور ذاتی امور میں طرفین کا طرفین سے جو خیال تھا۔ وہ اس سے
ظاہر ہے۔ تاریخ اعثم کوفی چھاپہ دہلی بر صفحہ ۱۲ لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے انتقال کیا۔ تو قلعے نے صہیب
ابن سنان سے یہ کہہ کر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کہا۔ کہ تجھ ہی کو نماز جنازہ پڑھنے کی وصیت ہے
اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس کا یقین کامل تھا۔ کہ حضرت علی مرتضیٰؑ ان کے جنازہ کی نماز
نہ پڑھائیں گے۔ ورنہ ابتدائے اسلام سے آج تک ہر مسلمان کی فطرتاً یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے
جنازہ کی نماز خاندان رسول صلعم میں جو سب سے اچھا ہو وہ پڑھائے۔ تب حضرت علیؑ اور حضرات
حسنینؑ کے ہوتے حضرت عمرؓ کی یہ وصیت کہ ان کے جنازہ کی نماز ایک شخص غیر صہیب ابن سنان
پڑھائے، نہایت تعجب خیز ہوتی ہے۔ ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ صہیب ابن سنان کو
ان بزرگواروں سے بھی اچھا سمجھتے تھے اس سے بھی طرفین کی دلی فیلنگ کا پتہ خوب مل جاتا ہے
المختصر واقعہ ایسا ہی ہوا۔ کہ حضرت عمرؓ کے جنازہ کی نماز صہیب ابن سنان نے پڑھائی اور
حضرت علی مرتضیٰؑ ان کی نعش کے نزدیک نہیں گئے۔ پس اس سے سمجھ لو کہ حضرت علی مرتضیٰؑ
حضرت عمرؓ کو کیسا سمجھتے تھے۔ اور جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کو تو حضرات شیخین نے کچھ ایسا
ہی صدمہ پہنچایا تھا۔ کہ اس معصومہ نے وصیت کی تھی۔ کہ یہ لوگ میرے جنازہ پر نہ آئیں۔ چنانچہ
وہ لوگ جناب فاطمہ زہراؑ کی تجہیز و تکفین و تدفین میں شریک نہ ہوئے۔ المختصر ان واقعات
سے خیال کر لو کہ ذاتی اُمور میں طرفین مرتے دم تک طرف دیگر کو کیسا سمجھتے رہے۔ بعدہٗ
تم کو اختیار ہے۔ چاہو حضرات شیخین کے ساتھ رہو۔ چاہو حضرات اہل بیت طاہرینؑ کا
دامن تھامو۔ دونوں طرف داتا کی خیر کہنے سے کچھ نہ ہوگا۔ جیسا کہنے والے نے کہا ہے ؎

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا   سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

اَب مَیں نے واقعہ خلافت اور الیکشن کو پوست کندہ تمہارے سامنے بیان کر دیا۔ اَب مَیں تم سے پوچھتا ہُوں۔ کہ اس الیکشن میں حرفت ہوئی یا نہیں؟ آیا انتخاب جائز طور پر ہوا یا نہیں؟

محی الدین۔ اس کا جواب کل دُوں گا۔

یہ کہہ کر محی الدین نے جناب مولوی عطاء اللہ خاں صاحب بہادر کی لائبریری میں جاکر دونوں امور کی تحقیق کی تو صحیح پایا۔ یعنی واقعہ غدیر کا جسقدر علی رضا نے کہا تھا سچ تھا اور آیہ یا ایھا الرّسُول بھی واقعی بعد حجۃ الوداع کے نازل ہُوا تھا۔ جب محی الدین شب کے وقت آرام کرنے کو گیا۔ تو اس کو یہ سماں نظر آیا۔

کِس شان سے آتا ہُوں کوئی رُک کے دیکھے
دعوٰے ہو کِسی کو تو مجھے ٹوک کے دیکھے

شہزادہ نُورِ ایمان قلعہ کی پانچوں کھائیوں کے اس پار اسپ صبا رفتار پر سوار۔

حضرتِ دِل (تعصب سے) دیکھ یہ وہی شہزادہ ہے۔ کیا صورت ہے۔ کیا تجمل ہے کیا عنفوانِ شباب ہے۔ ہائے ایسا شہزادہ تجھ گمنام کی قلعہ بندیوں سے مجھ تک نہ پہنچے۔ اور مَیں رات دن اس کے لئے تڑپا کروں۔

تعصب۔ آپ بھی کیا فہیم ہیں۔ شہزادہ اچھا ہے۔ تو ہو۔ ایک پرائے شخص کو اپنے قلعہ میں آنے دینے کا نفع کیا ہے۔ غور تو کیجئے۔ کہ اس کے آتے ہی کیسا کیسا انتشار پیدا ہو جائیگا۔

نفسِ امّارہ۔ ہاں بیٹا سچ ہے۔ یہ میاں مٹھو تو یونہی ٹیں ٹیں کرتے ہیں۔ دور اندیشی تو ان میں ذری چھو نہیں گئی۔ مگر خیر تم گھبراتے کیوں ہو۔ میری فوج کٹ گئی۔ تو کیا ہُوا۔ ابھی پانچ کھائیاں کیسی گہری ہیں۔ کہ اللہ کی پناہ پہلے ان کھائیوں کے پار ہولے تب مجھ تک پہنچے گا۔ تم گھبراؤ نہیں۔ دیکھو وہ کیسا منہ کے بل گرتا ہے۔

تعصب۔ روحی لک الفدا۔

دوسرے روز علی رضا محی الدین کے مکان پر گیا۔ بعد صاحب سلامت۔

علی رضا۔ کیوں بھائی کوئی رائے قائم کی؟

محی الدین۔ ہاں۔ بھائی میں نے رائے قائم کی۔ میرے نزدیک اس الیکشن میں جو ہوا۔ وہ اچھا ہوا۔ ہمارا منہ نہیں۔ کہ اس کو بُرا کہیں۔

علی رضا۔ ماشاءاللہ کتنا ہی کہو۔ کتنا ہی بتاؤ۔ مگر پھر وہی مُرغ کی ایک ٹانگ۔ خیر بہر کیف میں ذرا دلیل بھی سنوں۔

پہلی کھائی یعنی خلفائے ثلثہ جناب رسول خدا کی صحبت پا کر کیوں بگڑے؟

محی الدین۔ بھائی جس قدر تم نے کہا۔ وہ سب صحیح بھی ہو۔ تب بھی میں کیونکر یقین کر سکتا ہوں۔ کہ جو لوگ رسول اللہ کے ایسے یار غار ہوں۔ کہ ہر وقت جانثاری پر کمر باندھے رہے ہوں۔ جنہوں نے ایک زمانہ تک صحبت رسول اللہ صلعم اٹھائی ہو۔ ان پر رسول اللہ کی صحبت کا اتنا بھی اثر نہ ہوا ہو۔ کہ ان کو حق تلفی اور فریب کاری سے روکے؟ ایسا ماننا تو رسول صلعم پر دھبہ لگانا ہے۔

شہزادے نور ایمان۔ یا حیدر کرار پہلی کھائی پار۔

علی رضا۔ بھائی تواریخ سے تو ثابت ہوا ہے۔ کہ نفسانیت میں لوگوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ دعویٰ خدائی تک کر بیٹھے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں۔ کہ اصحاب کے افعال سے حضرت رسول خدا صلعم پر دھبہ لگتا ہے تو یہ بالکل بے بنیاد ہے۔ بڑی بھاری مثال یہاں پر تو شیطان کی موجود ہے۔ ہزاروں برس مقرب بارگاہ احدیت رہا۔ مگر ذرا سی نفسانیت میں ایسا بگڑا۔ کہ مردود ازلی و ابدی ہو گیا۔ ہاروت ماروت کیسے ملائک مقرب تھے۔ لیکن دنیا میں آ کر بگڑ گئے تو کیا تم کہو گے۔ کہ ان سبھوں کے مردود ہو جانے سے نعوذ باللہ ذات باری تعالیٰ پر کچھ دھبہ آتا ہے۔ باعتبار دنیا کے بھی دیکھو۔ کہ حضرت نوحؑ کے بیٹے آپ کی صحبت پائے ہوئے تھے۔ آخر بگڑ گئے۔ اس سے حضرت نوحؑ کا کیا بگڑا؟ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کی صحبت پا کر اور نور وحدت دیکھ کر گئو سالہ پرستی کی حضرت موسیٰؑ پر کیا الزام؟ باعتبار تواریخ متاخرین بھی دیکھ لو۔ کہ بہرام خان خانخاناں کیسے جلیل القدر عہدے دار بلکہ افسر دربار اکبر تھے۔ مگر آخر بگڑ گئے۔ اس سے اکبر پر کیا الزام؟ حال کی بات ہے۔ کہ سلیمان پاشا باوجود سابق کی نمک خواریوں کے لالچ میں آ کر زار روس سے مل گئے۔ اس سے سلطان المعظم عبد الحمید خاں کا کیا قصور؟ علاوہ ان مثالوں کے دو بڑے حسرت ناک واقعے اس خاندان کے تمہارے کل اعتراضات و شبہات کو رفع کر دیتے ہیں۔ ذرا بغور خیال کرو۔ یعنی در بارہ جناب امام حسنؑ کے جناب رسول مقبول نے فرمایا۔ کہ خدایا میں دوست رکھتا ہوں اس کو پس دوست رکھ تو اس کو جو دوست رکھے اس کو اور در بارہ حضرت علیؑ کے فرمایا ان علیا منی وانا منہ یعنی علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ اور در بارہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پاک کے فرمایا انا حرب لمن حاربھم وسلم لمن

سلبھم۔ یعنی مجھے جنگ ہے۔ اس شخص سے جو جنگ کرے ان لوگوں سے اور مجھ کو صلح ہے اُس شخص سے جو صلح رکھے ان لوگوں سے اور ابن عمر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں دخلت مع عمتی عائشۃ وسالت ای الناس کان احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قالت فاطمۃ فقلت من الرجال قالت زوجھا۔ یعنی میں ساتھ اپنی پھوپھی کے عائشہؓ کے پاس پہنچا اور سوال کیا۔ کہ رسُول خدا کے نزدیک محبوب تر کون شخص تھا۔ حضرت صدیقہ نے فرمایا۔ کہ فاطمہؑ اور جب پوچھا کہ مردوں میں کون محبوب تر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ شوہر اُس کا (یعنی علی مرتضیٰؑ) یہ سب حدیثیں اور روایات کتاب مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب میں موجود ہیں۔ لیکن دُنیا جانتی ہے۔ کہ انہیں حضرت عائشہ نے انہیں حضرت فاطمہؑ کے پیارے فرزند حضرت امام حسنؑ کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ حضرتؑ کی نعش مبارک کو پہلوئے مزار مبارک جناب رسول مقبول صلعم میں دفن نہ ہونے دیا۔ اور ایسی سخت مزاحمت کی کہ اگر جناب امام حسین علیہ السلام تحمل نہ فرماتے۔ تو نوبت جدال و قتال کی پہنچتی۔ اس لئے ہمارے امام مظلوم کی لاش گورِ غریباں میں بمقام بقیع دفن ہوئی۔ چنانچہ سنّیوں کے معتبر اور مستند مصنف نے تاریخ اعثم کوفی میں بہ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ دہلی یوں لکھا ہے۔ کہ جب امام حسن علیہ السلام نے انتقال کیا۔ تو سعید بن عاص مدینہ کے حاکم نے عائشہ کے پاس اطلاع کی۔ کہ جنازہ کو وہاں دفن نہ ہونے دے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ اُونٹ پر سوار ہو کر اور کسی قدر عثمانی گروہ کے آدمی لے کر روکنے میں مشغول ہوئیں شیعوں میں سے بھی بعض نے للکارا۔ کہ اے عائشہ ایک دن تو اونٹ پر سوار ہو کر لڑنے نکلی تھی اور آج اُونٹ پر بیٹھ کے پیغمبر کے نواسے کے جنازہ کو روکتی ہے۔ اور اسے اپنے نانا کے پہلو میں دفن نہیں ہونے دیتی ہے۔ اس وقت آدمیوں کے دو گروہ ہو گئے۔ کچھ عائشہ کے طرفدار بن گئے۔ اور قریب تھا کہ تلوار چل جائے۔ امام حسینؑ نے حسب وصیت اپنے مقدس بھائی کا لاشہ دادی فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم کے پاس دفن کر دیا۔ اور بعضوں کے قول سے یہ بھی ثابت ہے۔ کہ اس نعش مبارک پر تیر برسائے گئے۔ اور وہی حضرت عائشہ بمقام بصرہ جنگ جمل میں واسطے مقابلہ حضرت علیؑ کے کھلے میدان میں خود بنفس نفیس ناقہ پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں تشریف لائیں اور محاربہ کیا یہ واقعات ایسے مشہور معروف ہیں کہ سند کی احتیاج نہیں۔ جن جن کتابوں میں واقعات خلافت جناب امیرؑ لکھے ہیں دیکھ لو۔ الغرض جب جناب حضرت عائشہ جن کو شب و روز شرف صحبت جناب رسول مقبول صلعم حاصل تھا اور جو حضرت کے برتاؤ کو ساتھ اپنے معزز داماد اور پیارے نواسوں کے روزانہ ملاحظہ فرماتی تھیں۔ عورت ذات ہو کر ایسی خلاف مروت و خلاف تہذیب بلکہ خلاف فطرت

(اس لئے کہ عورتیں میدان جنگ کے لئے پیدا نہیں ہوئی ہیں) کارروائی فرمائی۔ اور اقوال وافعال جناب رسول مقبول صلعم پر کچھ اعتنا نہ کی۔ تو اصحاب بیرونی میں جن میں ایک حضرت عائشہ ہی کے پدر بزرگوار اور دوسرے حضرت عمر تھے۔ جن کی سنگ دلی اور درشت مزاجی شہرۂ آفاق ہے۔ اور اگر غدیر کی کارروائی کو بھلادیا۔ اور مولائے مومنین کو مجبور کرکے خود تخت خلافت پر جلوس فرما ہوئے۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یعنی جب جناب رسول مقبول صلعم کے وعظ و پند کا اثر خود حضرت کی بی بی پر اتنا نہ ہوا۔ کہ ان کو علانیہ میدان جنگ میں حضرت علیؑ سے محاربہ کرنے میں روکے۔ تو حضرت کے خسر صاحبان کو تخت خلافت حضرت علیؑ سے چراغ گل اور پگڑی غائب کے لے لینے میں کون سی بات مانع تھی؟ پس جیسا حضرت عائشہ کی کارروائیوں سے جناب رسول مقبول صلعم پر کوئی دھبہ نہیں آسکتا، ویسا ہی ان حضرات کی کارروائیوں سے جناب رسول مقبول صلعم پر یا ان کے وعظ و پند پر کوئی الزام نہیں ہوسکتا۔ اور اگر یہ کہو کہ حضرت عائشہ عورت ذات تھیں۔ وہ مراتب جناب امیرؑ سے واقف نہ تھیں۔ یا ان پر جناب رسول مقبول صلعم کے وعظ و پند کا اثر ہونا ضروری نہیں ہے تو میں کہتا ہوں کہ اسی جنگ جمل میں حضرات طلحہ و زبیر جن کو آپ عشرہ مبشرہ میں داخل سمجھتے ہیں۔ موجود تھے۔ کیا ان کو جناب رسول نے یہی تعلیم کی تھی۔ کہ تم میرے معزز داماد پر لشکر کشی کرنا؟ کیا انہوں نے وعظ میں کبھی نہ سنا تھا۔ کہ جو علیؑ کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے۔ اور جو میرا دشمن ہے۔ وہ خدا کا دشمن ہے؟ کیا یہ لوگ لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربٰی سے بالکل ناواقف تھے۔ میں تو دیکھتا ہوں۔ کہ آل نبیؐ اور اولاد علیؑ سے لڑنا اور مخاصمہ کرنا تو اہل سنت جماعت کے پیشوا لوگوں کا ہی کام تھا۔ اس لئے اس بارے میں جناب رسول خدا صلعم پر الزام غلط ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ہدایت پانا اور راہ راست پر آنا بالکل قسمت کی بات ہے۔ اچھوں کی صحبت سے کچھ ضرور نہیں کہ ہر شخص اچھا ہو جائے۔ بلکہ قرآن مجید میں پروردگار عالم نے جناب رسول مقبولؐ سے یہاں تک فرمایا ہے۔ کہ صحبت تو درکنار کچھ ضرور نہیں کہ جس کو تم چاہو وہ ہدایت پائے البتہ اللہ تعالےٰ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لے جاتا ہے دیکھو پارہ بستم سورہ قصص انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین ط پس جب باوجود چاہنے جناب رسول مقبولؐ کے ہر شخص نے خواہی نخواہی ہدایت نہیں پائی۔ تو مجرد صحبت یا حضرتؐ کے وعظ و پند سننے سے راہ راست پر آنا اور اس پر قائم رہنا اور عاقبت بخیر ہونا ہر شخص کا کیونکر یقینی ہوسکتا ہے خود حضرت عمر کی سیرت اور سرشت کو دیکھئے۔ یہ تو آپ سن چکے کہ قبل اسلام کے حضرت عمر حضرت رسول خدا صلعم کی ایذا رسانی میں اشد الناس تھے اور ابوجہل سے کم نہ تھے (دیکھو کتاب سیرۃ الفاروق

ص۱۹ و صفحہ۲۰) اب بعد اسلام اور بعد حصول شرف صحبت رسول کے حضرت عمر کی ایک حرکت سنئے
کتاب اصابہ میں بصفحہ ۸۳ ایک حدیث مرقوم ہے کہ جب حضرت رقیہ زوجہ حضرت عثمان رض
نے جو آں حضرت صلعم کی بیٹی مشہور تھیں انتقال کیا تو آں حضرت صلعم بہت افسردہ تھے اور گھر
کی عورتیں جو برائے ہمدردی آپ کے پاس جمع ہوئی تھیں۔ حضرت رقیہ کے لئے رو رہی تھیں حضرت
عمر آئے اور ان عورتوں کو بمقابلہ رسول خدا صلعم کے مارپیٹ کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ جناب
رسول مقبول صلعم کو روکنے اور منع کرنے کی نوبت آئی۔

حدیث مذکور میں بصفحہ ۸۳ یوں مرقوم ہے۔ عن ابن عباس قال لما ماتت رقیۃ قال
النبی الحقی سلفنا عثمان ابن مظعون قبلت النساء علی رقیۃ فجاء عمر بن الخطاب فجعل
یضربھن فقال النبی مھما یکن من العین ومن القلب فمن اللہ والرحمۃ و مھما
یکن من الید واللسان فمن الشیطان۔

ترجمہ۔ ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ جب رقیہ نے انتقال کیا۔ تو حضرت رسول صلعم نے فرمایا
تو عثمان ابن مظعون سے ملحق ہو جا۔ پس عورتیں رقیہ کے لئے رونے لگیں۔ پس عمر ابن خطاب آئے
اور سب عورتوں کو مارنے لگے۔ حضرت صلعم نے فرمایا جو رونا آنکھ اور قلب سے ہوتا ہے وہ اللہ
کی طرف سے اور رحمت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور جو رونا ہاتھ یا زبان سے ہوتا ہے۔ وہ منجانب
شیطان ہوتا ہے۔ کتاب اصابہ من تمیز صحابہ ملا حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیفات سے ہے جو
شارح صحیح بخاری کے جس کا نام فتح الباری ہے ہیں ملا صاحب بڑے پایہ کے عالم ہیں۔ ان کی
تحقیقات پر سب علماء سنت جماعت گردن جھکا دیتے ہیں۔ اب ذرا غور کرو۔ کہ حضرت عمر کو
جناب رسول مقبول ص کی صحبت اور وعظ و پند کا یہی اثر ہوا۔ کہ ان کو جناب رسول مقبول صلعم
کے سامنے بغرض وہ ضعیف الخلقت شریف عورتوں کو مارپیٹ کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ اور نہ
اس حرکت کو انہوں نے خلاف انسانیت یا خلاف تہذیب یا خلاف ادب سمجھا!!! غور تو کرو اگر
بلاتشبیہہ کسی گورنر جنرل کی بیٹی مرجائے اور جس وقت وہ غمگین و افسردہ بیٹھے ہوں۔ اور
ان کی لیڈیاں اس لڑکی کے غم میں رو رہی ہوں۔ اس وقت اگر گورنر صاحب کی کونسل کا کوئی
ممبر گھر میں آکر عورتوں کو بیدھڑک مارپیٹ کرے۔ تو سارے یورپ۔ ایشیا۔ امریکہ کے اخبار والے
اس ممبر کو کیا کہیں گے۔ کیا ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی شخص گستاخ بیہودہ RUDE سنگدل وحشی
خیال کیا جاسکتا ہے؟ پس بھائی جس شخص کی فطرت میں کجروی اور سرشت میں درشتی اور سنگدلی
ہو اس کو صحبت سے کیا اثر ہوسکتا ہے؟ زمین شور سنبل بر نیارد!! حضرت عمر کی حرکات سے تو
ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ عورتوں کو مارپیٹ کرنے میں کوئی عیب نہ سمجھتے تھے ایک مرتبہ اپنی زوجہ

کو نفقہ طلب کرنے پر ٹھوک دیا ایک مرتبہ اپنی بیٹی حفصہ کو آنحضرتؐ کے سامنے پیٹ دیا۔ دیکھو تاریخ احمدی ص۷۵۔

ہاں اگر کوئی سبق لینا چاہے یا سبق لینا چاہتا ہو۔ تو واللہ اسی حدیث سے ایک اعلیٰ سبق ملتا ہے۔ یعنی جو بزرگوار حق تعالےٰ کے مقبول ہوتے ہیں۔ اور جن کی خلقت میں خلق عظیم ہے۔ وہ کس تحمل سے سب بدعنوانیوں کو برداشت کرتے ہیں۔

جناب رسول خداصلعم خود نہایت افسردہ اور غمگین بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے ایسی گستاخی ہو رہی ہے۔ کہ ان کے گھر کی عورتیں پٹ رہی ہیں مگر قربان تحمل جناب سرورِ کائنات کے کہ کوئی خنگی ظاہر نہیں فرماتے۔ بلکہ بکمال نرمی فرماتے ہیں کہ جو رونا آنکھ اور قلب سے ہوتا ہے۔ وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ دوسرا کوئی معمولی مزاج کا اگر ولی بھی ہوتا۔ تو اس کا ہاتھ کفش کی طرف بڑھتا۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص خود حضرت عمر کے سامنے ایسی گستاخی کرتا۔ تو آپ مارے غصہ کے بے خود ہو جاتے اور اس کی کھال کھینچ لیتے!! باوجود اس کے بعض حضرات علمائے سنت والجماعت کمال کرتے ہیں یعنی فرماتے ہیں۔ کہ جناب حضرت رسول خداصلعم نے فرمایا تھا۔ اگر نبوت مجھ پر ختم نہ ہوتی۔ تو میرے بعد حضرت عمر نبی ہوتے!!!

واہ سبحان اللہ!! کیا مضمون تراشا ہے!!!

میں کہتا ہوں کہ اگر ایسے حضرات نبی ہوتے۔ تو عرب کے صحرائی بدو لوگ کیوں نبی نہ ہوتے؟ قصور معاف اس کیرکٹر کے اشخاص کا نبی ہونا فی الحقیقت نبوت کی توہین ہے!!!

دوسری کھائی یعنی بوقت خلافت اول حضرت علیؑ نے کیوں سکوت کیا۔ اور معرکہ کربلا میں امام حسینؑ کیوں لڑ مرے؟

محی الدین۔ خیر بہرکیف اب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ حضرت علیؑ سا جوانمرد بہادر جنہوں نے جنگ خیبر و بدر و حنین فتح کی اور سینکڑوں غزوے سر کئے۔ اگر یہ الیکشن ناجائز ہوتا تو اس وقت ایک حملہ میں توڑ دیتے۔ انہیں کے فرزند ارجمند حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا گھربار لٹا دیا خود شہید ہوئے۔ مگر یزید کی بیعت نہ کی۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کیا ہوا۔ کہ باوجود ناجائز ہونے اس الیکشن کے (جیسا کہ تم کہتے ہو) ساکت رہے؟ حضرتؓ چاہتے تو ایک آن میں سارا زور توڑ دیتے۔ بلکہ طبقہ الٹ دیتے۔ پس حضرتؓ کا سکوت فرمانا صاف دلیل اس بات کی ہے۔ کہ یہ الیکشن صحیح تھا۔ اور حضرت صدیق اکبر خلیفہ برحق تھے۔

شہزادہ نورالایمان ۔ یا امیر خیبر گیر و ستم بگیر دوسری کھائی ہار۔

علی رضا۔ الحمدللہ کہ آپ کی اس پُرجوش تقریر نے ہمارے ٹیبل کے نمبر ۹ کو بخوبی ثابت کر دیا۔ یعنی یہ اب آپ کا مقبولہ ہوا۔ کہ حضرات ثلاثہ باہم متفق ہو کر حضرت علیؓ کی مخالفت پر تل جاتے۔ تو بھی حضرت علیؓ بوجہ اپنی شجاعت اور دلاوری کے آن کی آن میں سارا زور توڑ دیتے اس سے فی البدیہہ یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرت علیؓ شجاعت اور دلاوری میں ان حضرات سے فرداً فرداً بدرجہا زیادہ تھے۔ یہ تو علوم متعارفہ ہے۔ کہ اگر ایک چیز چند چیزوں کے مجموعہ سے زیادہ ہو گی۔ تو وہ ہر ایک فرد سے بہت زیادہ ہو گی۔ پس اس سے حضرت علیؓ کا اشجع لخلفا ہونا تمہارے قول سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کے سکوت سے جو آپ جواز خلافت خلفائے ثلاثہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر میں اتفاق نہیں کر سکتا۔ غور کیجیے کہ حقتعالےٰ جل جلالہٗ کی طاقت کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی طاقت کسی حساب میں نہیں۔ ایسا قادر مطلق کہ جس کے ایک لفظ کُن سے ساری دنیا قائم ہو گئی۔ اور ایسا قہار برحق کہ ایک صدائے صور اسرافیل میں دنیا تو ایک طرف ثوابت و سیار آفتاب و ماہتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے! اگر ہُوا کو حکم دے۔ تو ایک آن میں دُنیا برباد۔ اگر پانی کو اشارہ کرے۔ تو طرفۃ العین میں ہمالہ پہاڑ کی اونچی چوٹی غرق آب۔ اگر بجلی کو امر فرماوے تو ایک دم میں سارا جہان سوختہ! لیکن اس پر بھی روز ہزاروں عصیاں لاکھوں فسق و فجور ہوتے ہیں۔ جانیں معرض تلف میں آتی ہیں۔ اس کے احکام کی توہین کی جاتی ہے کیسے کیسے اس کے پیارے بندے قتل ہوتے ہیں۔ حتّٰی کہ اکثر مٹی کے پتلے اسی معبود برحق سے دعوئے تقابل کر بیٹھے ہیں۔ لیکن اس پاک بے نیاز نے کبھی اس کی پرواہ نہ کی۔ اتنا بھی نہ کیا کہ صرف رعد ہی کو حکم فرما دے۔ کہ تو بزبان فصیح ہی کڑک کر ان کج نہادوں سے کہہ دے کہ دیوانو۔ تو اپنی حقیقت خود سمجھو۔ تم خاک سے پیدا ہوئے اور خاک میں مل جاؤ گے اس پر اور مزہ یہ کہ ؎

"بہ عصیاں در رزق بر کس نہ بست"

پس بقول تمہارے تو خداوند عالم کے سکوت سے لازم آتا ہے۔ کہ کوئی گناہ گناہ نہیں حتّٰی کہ شرک بھی عصیان نہیں۔

محی الدین۔ بھئی خدا کی مثال بھی سہی نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کرے اس نے پارہ چہارم سورہ آل عمران میں فرمایا ہے انما علی لھم لیزدادوا اثماً و لھم عذاب مھین۔ یعنی ہم ظالموں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ جہاں تک کر سکیں ظلم کریں۔ ہم بروز حساب سمجھ لیں گے ہم بذریعہ اپنے رسولوں کے صرف خبر دیں گے۔ کہ آئندہ حجت نہ رہے۔ پس تم کو چاہیئے۔ کہ انسانی

مثال سے میری تشفی کرو۔

علی رضا۔ بہت خوب جناب رسول خدا صلعم حضرت علیؑ سے ہر طاقت میں زیادہ تھے اور درگاہِ کبریائی میں زیادہ اختیار بھی رکھتے تھے۔ پس کیوں ابتداء ہی سے آپ نے اپنے کو رسول ظاہر نہ فرمایا؟ کیوں ایک دن میں سارے کفار کو تہ تیغ نہ کردیا؟ کیوں ہجرت فرمائی؟ کیوں غار میں چھپے؟ کیوں کفار مکہ سے صلح کرلی؟ اگر حضرت علیؑ سے شجاع کا غصب خلافت پر صبر وسکوت کرنا آپ محال سمجھتے ہیں۔ تو جناب رسول مقبول صلعم سے قوی دل پیغمبرؐ کے خوف قریش سے غار میں چھپنے اور اپنے اہل وعیال کو دشمنوں میں چھوڑ کر گھر سے نکل جانے کو آپ محال تر سمجھیں گے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ہجرت فرمائی اور اسی میں مصلحت دیکھی۔ اور اگر آپ بوجہ صبر وسکوت حضرت علیؑ کے یہ نتیجہ نکال لیں۔ کہ حقیقتاً خلفائے ثلاثہ نے غصب خلافت ہی نہیں کیا۔ اور اس دلیل سے واقعات زمانہ خلافت کو بالکل غلط مان لینے کو کہتے ہیں۔ تو یہ ویسا ہوگا۔ کہ ایک پیرو کفار قریش کہے کہ نہ کفار نے جناب رسول مقبول صلعم پر کوئی ظلم کیا اور نہ حضرت نے ترکِ وطن کیا جس طرح تم کہتے ہو ویسا ہی وہ بھی کہے گا۔ کہ ممکن نہیں کہ رسول مقبولؐ سا قوی دل آدمی خوف جان سے غار میں چھپے اور اپنے عیال واطفال کو چھوڑ کر اپنے شہر سے دوسری جگہ چلا جائے۔ مگر واقعہ تاریخی دونوں قسم کی دلیلوں کو باطل کرتا ہے۔

علاوہ اس کے میرے اور آپ کے درمیان میں صرف یہ بحث ہے۔ کہ آپ کہتے ہیں۔ کہ جناب امیرؑ نے فوجداری کیوں نہ کی اور میں کہتا ہوں کہ حضرت نے صبر کیا۔ اب دیکھنا چاہیے۔ کہ دونوں باتوں میں کون سی بات مطابق سیرت نبوی ہے۔ اور اسلام اور اخلاق کس بات کی تعلیم کرتا ہے۔ کیا ہمارے رسولؐ نے صبر وتحمل کو لڑائی جھگڑے پر فوقیت نہیں دی ہے؟ کیا حضرتؐ کی شریعت صلح جو ہے یا جنگجو؟ کیا بعثت رسول مقبولؐ کا ایک باعث یہ نہیں ہے۔ کہ اسوقت عرب کی قوم لڑتی جھگڑتی رہتی تھی۔ اور اس لئے اسلام نے مثل آفتاب عالمتاب کے اپنی روشنی پھیلا کر صبر وآشتی کی تعلیم کی۔ اور ان کے دلوں کو نور صبر وتحمل سے منور کردیا؟ افسوس ہے کہ آپ لوگ صبر کو بڑی چھوٹی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن حقتعالےٰ اسی کو پسند فرماتا ہے۔ جیسا کہ ان اللہ مع الصابرین فرمایا ہے۔ آپ لوگ جناب امیرؑ کے فوجداری نہ کرنے پر جو چاہے الزام دیجئے لیکن ہمارے مولاؑ نے اسی صبر کی بدولت بڑا درجہ پایا ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہٗ عزّ وشانہٗ سورہ ہل اتیٰ میں جو بقول فریقین جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوا ہے فرماتا ہے وجزٰھم بما صبروا جنۃً وحریراً متکئین فیھا علی الارائک لا یرون فیھا شمساً ولا زمھریراً۔ یعنی بعوض صبر کرنے کے حقتعالےٰ نے ان کو باغ جنت اور حلہ فردوس عطا فرمایا۔ جہاں وہ تخت مرصع

پر مکین ہوئے اور ایسی جگہ پہنچے۔ جہاں نہ آفتاب کی سخت گرمی ہے اور نہ زمہریر کی سخت سردی ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ جناب امیرؑ نے تخت خلافت کے چھن جانے پر جو صبر کیا، بہت خوب کیا۔ کہ اس کے عوض میں باغ جنت اور حلۂ فردوس پایا۔ اور تخت مرصع پر جلوہ افروز ہوئے۔ کیا اب بھی آپ فرمائیں گے کہ جناب امیر علیہ السلام کو لازم تھا۔ کہ خیال عقبیٰ کو برطرف کرکے ضرور فوجداری کرتے۔ قطع نظر احکام شریعت اور جزائے صبر کے میں کہتا ہوں۔ کہ اس وقت بھی اخلاقاً و عرفاً و شرعاً فوجداری سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور جو زمیندار یا تعلقدار فوجداری سے درگذر کرتے ہیں۔ وہ پیش حکام ممدوح سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ خطاب پاتے ہیں۔ لیکن آپ لوگ مصدر اخلاق و احسان منبع عزت و وقار یعنی حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کو نہ معلوم کیا سمجھے ہیں کہ حضرت پر بار بار یہی فرمائش ہے۔ کہ آپ حضرت فوجداری کرتے۔ اور اگر آپ لوگ بوجہ فوجداری نہ کرنے کے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ حضرتؑ کا حق ہی نہ تھا۔ تو اس نتیجہ سے دروازہ عدالت کا اسی وقت بند ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر ایک شخص دوسرے شخص کا مکان غصباً و تعدیاً دخل کرلے اور شخص آخر فوجداری نہ کرکے مقدمہ عدالت میں رجوع کرے تو آپ لوگ تو یہ کہہ کر کہ اگر تمہارا حق ہوتا تو تم ضرور فوجداری کرتے۔ اس کا مقدمہ ہی ڈسمس کر دیجئے گا۔ کیونکہ آپ لوگوں کے نزدیک حق و ناحق کا مدار فوجداری پر ہے۔ عدالت کوئی چیز نہیں۔ لیکن میں اس کو پسند نہیں کرتا۔

محی الدین۔ تو ان باتوں سے تم کیا ثابت کرتے ہو؟

علی رضا۔ ہم یہ ثابت کرتے ہیں۔ کہ حق تعالےٰ نے انتظام دنیاوی میں اکثر مصالح دنیاوی کا لحاظ فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں چند ایسے احکام ہیں۔ جو ایک وقت صادر ہوئے وہ دوسرے وقت کسی مصلحت سے منسوخ کئے گئے۔ چنانچہ سورہ قل یا ایہا الکفرون کی آخر آیت لکم دینکم ولی دین ؕ بعد نزول سورہ برات کے منسوخ سمجھی جاتی ہے۔ ایسا ہی حضرت رسول مقبولؐ نے کیا۔ اور ایسا ہی حضرت کے نائب نے بھی کیا۔ یعنی حتی الامکان اپنے حقوق کا اعلان و اظہار کیا۔ اور اپنا حق طلب کیا۔ جب لوگوں نے نہ مانا تو سب بات کو حوالۂ خدا کرکے سکوت کر بیٹھے۔

محی الدین۔ تو حضرت علیؑ نے سکوت میں کیا مصلحت دیکھی؟

علی رضا۔ حضرتؑ نے دیکھا۔ کہ خلیفۂ ثانی کا فقرہ چل گیا۔ گروہ کے گروہ اُدھر متوجہ ہوگئے۔ یہ تین حضرات جو رسول مقبولؐ کے وقت میں ایک حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کی حق تلفی پر تل گئے حضرت عائشہ جن کو حرم رسول اللہؐ میں دخل تھا۔ اپنے والد کی فطرتاً طرفدار ہوگئیں۔ ایک رہ

گئے کون کہ ایک حضرت عباسؓ اور دوسرے چند بنی ہاشم اس پر گھر کی یہ کیفیت کہ جناب فاطمہ زہرا کو فراق پدر میں دم بھر قرار نہیں۔ دو بچے حسنؓ اور حسینؑ ابھی مدد کے قابل نہیں پس میں تم ہی سے پوچھتا ہوں۔ کیا اس جماعت ضعیف و قلیل کے ساتھ حضرت علیؑ کو اسوقت مناسب تھا کہ انبوہ کثیر سے بذریعہ طاقت انسانی مقابلہ کر کے خانہ جنگی پھیلاتے اور مقابلہ کرتے؟ اور اگر تم کہو کہ نتیجہ جو کچھ ہوتا حضرت علیؑ کو واجب تھا۔ کہ لڑ مرتے۔ تو تم کو یہ کہنا بھی لازم ہوگا کہ نتیجہ جو کچھ ہوتا۔ جناب رسول مقبول صلعم کو ضرور تھا۔ کہ مکہ ہی میں لڑ مرتے۔ غار میں نہ چھپتے۔ اور نہ گھر بار چھوڑ کر ترک وطن کرتے لیکن میں کہتا ہوں ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن که جاہا سپر باید انداختن

یہ عجب طرح کی بات ہے۔ کہ ہمارے نبی صلعم نے تو اس میں بڑا نام کیا کہ عرب سی جنگجو قوم کو صلح و آشتی کی راہ بتائی۔ اور آپ لوگوں کی فرمائش ہے۔ کہ جناب امیرؑ نے کیوں جنگ وجدال اور خونریزی نہ کی۔ اور کیوں اپنے کو تہلکہ میں نہ ڈالا!! خیر بہر کیف ہم کہاں تک سمجھائیں۔ ذرا خوب غور کر کے تم خود کہو کہ بعد کارروائی سقیفہ اور بیعت کرنے متعدد اشخاص کے جناب امیرؑ کو بصورت ناجوازی خلافت خلیفہ اول کے واقعی کیا کرنا لازم تھا؟ حضرتؑ واقعی کیا کرتے؟

محی الدین۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی کے ساتھ دینے یا نہ دینے کی مطلق پرواہ نہ کر کے ایک دم ذوالفقار میان سے کھینچ کر نعرۂ اللہ اکبر بھر کر دلانہ دارالامارہ میں گھس پڑتے اور ایک ضربت حیدری میں حضرت عمرؓ کا کام تمام کر کے تخت خلافت کو حضرت ابوبکرؓ سمیت الٹ دیتے اور حضرت عثمانؓ کو شہر بدر کر کے خود تخت خلافت پر بیٹھ جاتے۔

علی رضا۔ بھائی کیا تمہارے مذہب کے علماء و عقلاء کی یہی رائے ہے۔ اگر ان حضرات کی یہی رائے ہے۔ تو صد حیف! مجھ کو اس تقریر پر ایک قصہ اپنے دیہات کا جو پچاس ساٹھ برس کے اندر کا ہے۔ یاد آتا ہے۔ جس کو خفیف الحاق اور اضافہ کے ساتھ عرض کرتا ہوں۔

ایک شخص جو میر بھتو جاہل مطلق اور ذات کے سید تھے۔ انہوں نے کسی وجہ سے اپنی لڑکی کی شادی ایک کم ذات لڑکے سے کر دی یہ بات ان کی برادری والوں کو ناگوار ہوئی۔ کوئی شادی میں شریک نہ ہوا۔ مگر شادی انجام پاگئی۔ میر بھتو کے چچازاد بھائی میر بودھن بالکل جاہل مطلق کندۂ ناتراش جاہل لٹھ تھے۔ شب و روز تاڑی کے جلسے اور بدمعاشوں کی صحبت میں رہتے تھے۔ جب چار دن بعد شادی کے وہ لڑکا تازہ داماد اپنی سسرال آیا۔ تو ایک روز تاڑی پیتے پیتے میر بودھن کو جوش خاندانی جو اٹھا۔ تو گھر میں گئے۔ اور ننگی تلوار لے کر واہی تباہی بکتے ہوئے میر بھتو کے دروازے پر پہنچے۔ اس غریب لڑکے پر جو نظر پڑی۔ تو آٹھ دس ضرب

شمشیر لگا کر اپنی دانست میں اس کا کام ہی تمام کر دیا۔ بعدہٗ گھر میں یہ کہہ کر گھسے۔ کہ اب لڑکی زندہ رہ کر کیا کرے گی۔ اُن کی بھاوج (میر بھتو کی بیوی) نے شور کیا۔ کہ بھیا پہلے ہمیں قتل کر لو۔ تب میری بیٹی کو مارو لیکن وہ کب سنتے تھے۔ چار ضرب میں ان کو بھی گرا دیا۔ کہ وہ اپنے خون میں لوٹنے لگیں بعدہٗ وہ لڑکی کی خلوت کی طرف چلے جوں ہی در کے پاس پہنچے۔ کہ میاں بھتو بھی (جو کسی ضرورت سے باہر گئے تھے) تلوار لئے پہنچے۔ اور زنانہ مکان کے صحن میں دونوں بھائیوں کے درمیان میں تلوار چلنے لگی۔ اتنے میں بستی کے لوگ پہنچ گئے اور دونوں کو چھڑا دیا۔ دوسرے دن تھانہ دار لوگ آئے۔ میاں بودھن گرفتار ہو کر دورہ سپرد ہوئے۔ جہاں سے ان کی دس برس میعاد ہوئی۔ اور میاں بھتو کی بی بی اور داماد بیس پچیس دن ہسپتال رہ کر صحیح و سالم پھرے۔ کیوں بھائی محی الدین کیا آپ کے عقلا ہمارے علی مرتضیٰؑ کو میاں بودھن کے ایسا ناخواندہ جاہل لٹھ سمجھتے ہیں؟ ہزار افسوس جس بزرگ کی ذات سے تمام عالم نے ہر قسم کی تہذیب اور عقل اور شائستگی حاصل کی۔ جو ازابتدائے سن شعور تادم واپسیں سیرت رسول اللہ صلعم پر قدم با قدم چلتا رہا جس نے انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابہا کا خطاب پایا۔ اس پر یہ فرمائش۔ کہ میاں بودھن کا کام کرے!! اور اس وجہ سے اپنی کل نیکنامیوں کو بلکہ خاندان کل کے تہذیب و اخلاق کو جو شہرہ آفاق تھا اور جس سے خاندان سرورِ کائنات کا بہش خدا یطھرکم تطھیراً کا شرف حاصل کئے ہوئے تھا۔ مٹا دے۔ اور نعوذ باللہ نعوذ باللہ بدمعاشوں کی سیرت اختیار کرے حیف! صد حیف!! افسوس! صد افسوس!! پھر غور کرو کہ حضرت علیؑ نعوذ باللہ ویسی کارروائی کرتے جیسا تم کہتے ہو۔ تو نتیجہ اس کا سوائے اس کے اور کیا ہوتا۔ جو میاں بودھن اور بھتو کی لڑائی کا ہوا۔

محی الدین۔ یہ تو آپ نے فقط میرے لفظوں کی گرفت کر لی۔ اور اس پر ایسی تقریر کی اور ایسی مثال لانے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ میاں بودھن کی طرح یکایک نامردی سے بلا خبر دیئے ہوئے نہ جاتے۔ بلکہ پہلے آپ کہلا بھیجتے۔ یا لکھ بھیجتے۔ کہ تختِ خلافت ہمارا حق ہے۔ آپ لوگوں نے براہ ناجائز اس کو غصب کیا ہے۔ برائے ایمانداری تخت سے اٹھ جائیے۔

علی رضا۔ اس قدر تو حضرت علیؑ کر چکے تھے۔ یعنی بعد فراغت تجہیز و تکفین جناب رسول مقبول صلعم کے آپ نے اپنے حق کا اعلان کیا تھا۔ اور ہر طرح پر سمجھایا تھا کہ یہ ہمارا حق ہے۔ پس یہاں تو گفتگو یہ ہے۔ کہ جب خلفائے ثلاثہ تحریر و تقریر سے نہ مانتے۔ جیسا کہ نہ مانا۔ تو حضرت علی کیا کرتے؟

محی الدین۔ حضرت کہلا بھیجتے۔ کہ میں نے اپنا حق طلب کیا۔ لیکن آپ لوگ نہیں مانتے۔ پس اب آپ لوگ ہشیار ہو جائیے۔ کہ میں جنگ کو آمادہ ہوں۔

علی رضا۔ یہ تو کہلا بھیجتے۔ لیکن کرتے کیا۔

محی الدین۔ جنگ کی تیاری کرتے میدان پکڑتے؟

علی رضا۔ کیا تیاری کرتے؟ ادھر تھا کون؟ کیا امام حسنؑ کو کہ جن کا سن سات برس کا تھا میمنہ پر۔ اور امام حسینؑ کو جن کا سن چھ برس کا تھا میسرہ پر بھیجتے؟ کیا جناب فاطمہ زہرا قلب فوج میں ہوتیں؟ کیا صرف بنی ہاشم اور چند رفقا کے زور پر آپ میدان پکڑتے؟

محی الدین۔ اگر کوئی ساتھ نہ دیتا۔ تو خود بنفس نفیس آپ ذوالفقار کھینچکر دارالامارہ میں پہنچتے اس قدر کہہ کر محی الدین کچھ سوچ کر (یعنی دور کر کے بات پھر وہی آگئی) ساکت ہو گیا۔

علی رضا۔ تو یہی بات تو تم نے پہلے بھی کی تھی۔ اس لئے نتیجہ آخر تو وہی نکلتا ہے۔ کہ نعوذ باللہ حضرت علی میاں بودھن کی چال چلتے صرف فرق یہ ہوتا۔ کہ میاں بودھن کے ساتھ کوئی لڑکا نہ تھا۔ حضرت علیؑ کے ساتھ دو معصوم بچے حسنؑ اور حسینؑ بھی ہوتے!!! الغرض بات کو جس قدر بڑھائیے اور خوب غور کر کے دیکھیے۔ کہ نتیجہ کلام آخر وہی نکلتا ہے یا نہیں۔ ہم نے ہرگز لفظی گرفت نہیں کی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں۔ کہ جناب امیرؑ فوجداری کرتے تو اس وقت آپ لوگ الٹا الزام دیتے کہ دیکھئے حضرت نے اپنے عہدہ پانے کے لئے براہ نفسانیت خونریزی کی اور کتنوں کی جان لی۔ پس بیچارے حضرت علیؑ کو تو کسی حالت میں چین نہ تھا۔ حضرتؑ نے اپنی خلافت کے وقت میں جو امیر معاویہ کو معزول کیا۔ اس پر تو لوگ کس قدر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہ کارروائی حضرتؐ کے زمانہ کی پالیسی کے خلاف تھی۔ اگر اس وقت حضرت فوجداری کرتے۔ تو غالباً آپ لوگ حضرت کو کسی قابل نہ سمجھتے۔

محی الدین۔ تم خود کہہ چکے ہو کہ یہ امر عظیم تھا۔ یعنی اس الیکشن کی وجہ سے ساری شریعت میں رخنہ پڑتا تھا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے حقتعالےٰ سے کیوں دُعا نہ کی۔ اور حقتعالےٰ نے کیوں حضرتؑ کو قوت روحانی کے استعمال کی اجازت نہ دی؟

علی رضا۔ تھوڑی دیر قبل تم نے خود بیان کیا ہے کہ حقتعالیٰ قوت روحانی کے استعمال کی اجازت رسولوں اور نبیوں کو بہت کم دیتا ہے۔ خود فرماتا ہے۔ کہ ہم ڈھیل دیتے ہیں۔ یعنی جتنا چاہیں ظالم ظلم کریں۔ ہم عاقبت میں دیکھ لیں گے۔ پس حضرت علیؑ کو قوت روحانی کے استعمال کی اجازت حقتعالیٰ کیوں دیتا؟ حق تعالےٰ کے نزدیک اس عالم مجاز و اس عالم جاوید کے وقت کا فاصلہ کچھ بھی نہیں۔ پس چند نفس کے لئے کیوں خلاف انتظام دنیاوی کام کرتا۔ اس وجہ سے حضرت علیؑ کو سوائے صبر و سکوت کے کیا چارہ تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ الیکشن ایک امر عظیم تھا۔ اور اس کے غیر شخص کے ہاتھ میں جانے سے حضرت کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر حضرت نے صبر جمیل فرمایا۔

محی الدین۔ تو اب یہ بتاؤ کہ حضرت امام حسینؑ کیوں اپنی جماعت قلیل کے ساتھ کٹ

مرے؟ اس کا کیا جواب ہے؟

علی رضا۔ اس مقام پر پہلے تم سے عذر خواہی کر کے ایک اعتقادی بات کہتا ہوں جو ہر شخص کے ساتھ ہے اور جس کے نہ ماننے کا تمہیں اختیار ہے۔ بعدہٗ باعتبار ظاہر اس مسئلہ کو انشاءاللہ تعالیٰ بآسانی حل کروں گا۔ کہ اعتقاداً تو میرا ایمان ہے۔ کہ اس برگزیدۂ خدا شفیع روزِ جزا مصباح خاندان رسالت محسن اُمت نے اپنی شہادت ہم عاصیوں کی شفاعت اور بوجھ ہلکا کرنے کے لئے بہ طیب خاطر خود اختیار فرمائی ہے۔ اور باسباب ظاہر کوئی حجت بھی اٹھا نہ رکھی تاکہ کوئی یہ نہ کہے۔ کہ حضرتؑ نے اپنے کو آپ ہلاکت میں ڈالا۔ اور یہ بھی سچ ہے۔ جیسا تمہاری کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ جناب رسولِ خدا صلعم میں کل فضائل جو نبیوں کو علیحدہ علیحدہ حاصل تھے موجود تھے۔ صرف شہادت ظاہری حضرتؐ کو بہ نفس نفیس نہ ہوئی۔ لیکن یہ شرف بھی آپ کو بذریعہ آپ کے پارۂ جگر حضرت امام حسین علیہ السلام کے جن کے خون میں آپ کا خون ملا ہوا تھا۔ حاصل ہوا۔ اور ہر طرح پر حضرت رسول مقبولؐ افضل المرسلین ہوئے۔ اس قدر اعتقادی باتیں ہیں مانو یا نہ مانو۔ تمہارے سوال کا جواب ابھی باقی ہے۔ یعنی حضرت علیؑ نے کیوں سکوت فرمایا اور کیوں نہ لڑے اور حضرت امام حسینؑ کیوں شہید ہوئے۔ اس کے جواب میں میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر ایک شخص تمہارے سامنے آکر شراب پئے اور دوسرا شخص زبردستی تم کو شراب پلا دے تو ظاہر ہے۔ کہ نفرت تو تم کو دونوں سے ہوگی۔ مگر یہ کہو کہ اپنی طاقت جسمانی کا انتہائے استعمال کس میں کرو گے۔ شخص اوّل کے شراب نہ پینے میں یا اپنے شراب پینے سے بچنے میں؟

محی الدین۔ یہ بھی کوئی بات پوچھنے کی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مر جائیں گے۔ مگر شراب حلق کے اندر جانے نہ دیں گے اور شخص اوّل کو پہلے سمجھا دیں گے اگر نہ مانے گا۔ تو نکال دینے کی کوشش کریں گے۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوں گے تو سکوت کریں گے۔

علی رضا۔ کیوں اس حالت میں کیوں جان نہ دو گے۔

محی الدین۔ اس لئے کہ وہ شراب پیتا ہے۔ اپنے لئے ہم کو کیا۔ اس کے شراب پینے سے ہم پر کچھ الزام نہیں آئے گا۔ لا تزر وازرۃ وزر اخری۔

علی رضا۔ ماشاءاللہ بہت خوب اب تم غور کرو۔ کہ اس ناجائز الیکشن میں حضرت علیؑ شریک نہ تھے۔ اس لئے جو کچھ کہ ظلم بذریعہ اس ناجائز الیکشن کے ہوا یا ہوتا گیا۔ اور جتنے امور خلاف شریعت ہوئے اس کے حضرت علیؑ کسی طرح جوابدہ نہیں لا تزر وازرۃ وزر اخری حضرت امام حسینؑ کی ایسی حالت نہ تھی۔ اس لئے کہ جب یزیدؔ تخت پر بیٹھا۔ تو اس نے ہر طرح کی منہیات جاری کر دیں۔ اور ہر قسم کی منہیات اور عیاشی ناگفتہ بہ کا مرتکب ہوا حرام

کو حلال اور حلال کو حرام کرنا اس کے نزدیک کھیل ہو گیا۔ اس پر بھی اپنے کو امیر المومنین
مشہور کیا۔ خیر یہاں تک جو کچھ مردود کرتا تھا اپنے لیئے۔ لیکن غضب تو یہ کیا۔ کہ امام حسینؑ
سے بیعت لینے کی خواہش ظاہر کی۔ امام حسینؑ ایسے غیور کب اس فاسق و فاجر کی بیعت
کرنے والے تھے۔ صاف انکار کیا۔ جب ولید بن عتبہ نے زیادہ تشدد کیا تو شہر مدینہ چھوڑ
دیا۔ مکہ پہنچے جب وہاں بھی ظالموں کی چڑھائی ہوئی۔ تو عراق کا سفر اختیار کیا اور زمین کربلا
پر پہنچ کر ابن زیاد کی فوج میں گھر گئے۔ اس وقت بھی آپ نے سب حجتیں تمام کیں۔ اور
آخر وقت تک سمجھاتے رہے۔ کہ مجھ سے بیعت نہ لو۔ تو میں ترک وطن کرنے اور تمہارا ملک
تمہارے لئے چھوڑنے کو تیار ہوں۔ مگر ابن زیاد نے شرط بیعت یزید سے ہاتھ نہ اٹھایا تب مجبوراً
آپ لڑ مرے اور شہید ہوئے۔ کیونکہ بغیر بیعت یزید کے جانبری محال ہو گئی تھی اگر آپ سے
بیعت لینے پر اصرار نہ کیا جاتا۔ تو حضرت امام حسینؑ تو حضرت علیؑ سے زیادہ صبر و سکوت کرنے
کو حتیٰ کہ جلاوطنی اختیار کرنے کو تیار تھے۔

الغرض اب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر امام حسینؑ لڑ نہ مرتے اور یزید کی بیعت کر لیتے تو
کیا اس مردود بلکہ ساری دنیا کو منہیات کی سند نہ مل جاتی؟ کیا اس حالت میں یزید مونچھوں پر
تاؤ دے کر پکار کر یہ نہ کہتا۔ کہ مجھ کو یا میرے افعال کو کون برا کہہ سکتا ہے؟ رسول خدا کا پیارا
متقی ابرار نواسہ میرا مرید ہے!! کیا ایسے ننگ کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؑ سے غیور آدمی
کو اپنی جان کوئی چیز معلوم ہوتی ہو گی؟ کیا امام حسینؑ اس دین کو جس کو حق تعالےٰ نے بروز غدیر حضرت
کے ناناجان صلعم پر بمصداق آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت
لکم الاسلام دیناً کے مکمل کر دیا تھا۔ اس کو دیدہ دانستہ خاک میں ملا دیتے۔ کیا امام حسینؑ کی زبردستی
سے یزید کی بیعت کرنے کو کسی کی زبردستی شراب پلانے کے مقابلہ میں کم سمجھتے تھے؟ پس اب
تم ہی کہو کہ سکوت کرنا حضرت علیؑ کا اور سر دینا حضرت امام حسینؑ کا اپنے اپنے موقع پر صحیح تھا یا نہیں؟

محی الدین۔ گلے لپٹ کر جزاکم اللہ فی الدارین خیراً بھائی علی رضا خدا تمہیں عمر صد و سی
سال عطا کرے۔ اس وقت تو تم نے میرے آگے سے پردہ غفلت اٹھا دیا۔ اس اعتراض کو تو میں
ایک زمانہ سے لاجواب سمجھتا تھا۔ لیکن اب صاف معلوم ہوتا ہے کہ واقعی فعل الحکیم لا یخلو عن
الحکمۃ۔ یہاں پر جو حکم ہوا ہے وہی مناسب حال تھا۔ یہ صرف ہم لوگوں کی سمجھ کا پھیر ہے۔ کہ حالات
پر غور نہیں کرتے اور بیدھڑک اعتراض کر بیٹھتے ہیں

علی رضا۔ الحمد للہ کہ میری باتیں تمہیں پسند آئیں۔ تم اس اعتراض کو ایک زمانہ سے لاجواب
سمجھتے تھے۔ اور مجھے اس اعتراض پر ایک زمانہ سے نہایت تعجب تھا۔ کہ عوام تو خیر قابل درگذر

ہیں۔ تمہارے علماء کیوں ایسا بے دھڑک اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اور مثال کے ہر پہلو کو دیکھ نہیں لیتے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب تک مشبہ اور مشبہ بہ میں موافقت نہ ہو مثال درست نہیں ہوتی۔ پس اس اعتراض میں حضرت علیؑ کو حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں جو لائیے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن جب تک یہ بات ثابت نہ کی جائے۔ کہ نعوذ باللہ حضرت ابوبکر ٹھیک یزید کے ایسے فاسق وفاجر تھے۔ تب تک یہ اعتراض کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت علیؑ نے ٹھیک وہی کارروائی کیوں نہ کی۔ جو حضرت امام حسینؑ نے کی۔ حضرت امام حسینؑ کو مقابلہ ایسے شخص سے تھا۔ جو علانیہ ہر طرح کا فسق وفجور کرتا تھا۔ اور حضرت علیؑ کو مقابلہ ایسے حضرات سے تھا۔ جو ظاہراً اپنے کو مقدس اور پابند شریعت بنائے ہوئے تھے۔ تم خود غور کرو۔ کہ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے یا نہیں؟

محی الدین۔ واقعی ہم تو سمجھتے ہیں۔ کہ یہ اعتراض کرنا حضرت ابوبکر کے ساتھ سوء ادب کا مرتکب ہونا ہے۔ اور حق یہ ہے۔ کہ اگر ہمارا ہی یہ اعتراض نہ ہوتا۔ تو ہم تم سے اس وقت بگڑ بیٹھتے۔ کہ تم نے تقریر میں اپنا عہد وپیمان تہذیب کا قائم نہ رکھا۔ لیکن جب میرا خود اعتراض تھا تو ہم تم پر کیا الزام دیں گے۔ ہاں آج سے ایسا اعتراض کبھی نہ کریں گے اور نہ کسی اپنے ہم مذہب کو ایسا اعتراض کرنے دیں گے لیکن بھائی میں نے سنا ہے۔ کہ آپ لوگوں کے مذہب میں تقیہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے تب امام حسینؑ نے تقیہ کیوں نہ کیا؟

علی رضا۔ بھائی یہ محل تقیہ نہ تھا۔ تقیہ صرف وقتی حفاظت جان کے لئے جائز ہے لیکن اگر کسی فعل سے کوئی شخص ہمیشہ کے لئے بے ایمان یا کافر ہو جائے۔ تو وہ محل تقیہ نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ اگر جناب حضرت امام حسین یزید کی بیعت کر لیتے تو حضرت کا نعوذ باللہ ایمان ہی باقی نہ رہتا چونکہ اس کی تصریح میں مجھے الفاظ ناسزا کہنے کی نوبت آئے گی۔ جن کو میں مثالاً اور بطور نقل کفر بھی حضرت کی شان پاک میں زبان پر لانا جائز نہیں سمجھتا۔ اس لئے زید کی مثال دے کر عرض کرتا ہوں۔ یعنی اگر زید یزید کی بیعت کرتا تو اس کا کلمہ یہ ہوتا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ ولی اللہ یزید خلیفۃ رسول اللہ۔ تب ایسی حالت میں زید کا ایمان کہاں باقی رہتا۔ اور یہ ایک دن دو دن کی بات نہ ہوتی۔ بلکہ زید کو مدت العمر یہی اعتقاد رکھنا ہوتا۔ اور سب اعمال اسی دین کے موافق اس کو کرنا ہوتا۔ اور اگر زید اپنے خاندان کا معزز ترین شخص ہوتا۔ تو سب اہالی خاندان اسی کی پیروی کرتے اس لئے سب کا۔ بلکہ زید کے بیٹے پوتے پڑپوتے وغیرہم کا ایمان وہی ہوتا جو زید کا ہوتا۔ اس لئے زید کے خاندان میں پشت ہا پشت تک یہی ایمان جاری رہتا۔ تب ممکن ہے۔ کہ ہم لوگوں کے زمانہ تک یعنی تیرہ سو برس بعد تک بلکہ قیامت تک زید کی اولاد یہی ایمان رکھتی یعنی دنیا کی دنیا بالکل بے ایمان بلکہ کافر ہو جاتی۔ اس لئے زید کے لئے یہ ہرگز محل تقیہ نہ تھا۔

تب ہمارے آقا ہمارے مولا جناب حضرت امام حسینؑ سے یہ بات غیر ممکن تھی۔ کہ ایسی کارروائی کرتے۔ جس کا خراب اثر صدیوں تک بلکہ قیامت تک قائم رہتا۔ اس لئے حضرت نے واسطے بقائے ایمان و اسلام کے جو کچھ کیا وہ نہایت صحیح اور درست تھا۔ اور یہی کرنا چاہیے تھا

تیسری کھائی یعنی اگر خلافت اوّل ناجائز تھی تو جمہور نے کیوں قبول کر لیا؟

محی الدین۔ ہر چند سابقاً تم نے جواب اس کا بطور سرسری کچھ دیا ہے۔ مگر میرے دل میں یہ بات الجھتی نہیں۔ کہ اگر یہ الیکشن ناجائز تھا اور اس میں ایسی حرکت ہوئی تو لوگوں نے اس کو کیوں مان لیا اور کیوں خلفا کے ساتھ ہو گئے۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ یہ الیکشن صحیح تھا۔ اور خلفائے ثلثہ خلفائے برحق تھے۔

زمانہ بر سر جنگ است یا علیؑ مددے　　　 کمک بغیر تو تنگ است یا علیؑ مددے

شہزادہ نور ایمان۔ تیسری کھائی پار۔

علی رضا۔ بھائی یہ بن پڑے کی بات ہے۔ ایسے امور میں سلف سے گویا یہ فطرتی قاعدہ چلا آتا ہے۔ کہ جو بات ہو گئی وہ ہو گئی تم نے سنا ہوگا کہ جس وقت دو مخالف لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ میں آتے ہیں۔ تو ہر ایک سپاہی ہر ایک لشکر کا اپنے سر کو ہاتھ پہ لئے ہوئے دوسرے سارے لشکر کے خون کا پیاسا ہوتا ہے۔ لیکن جب افسر مارا گیا تو سارا قصہ گاؤ خورد ہو جاتا ہے اور سب کے سب تیغ و سپر ڈال دیتے ہیں۔ اور اپنے مخالف کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں علی ہذا القیاس جب ایک بادشاہ دوسرے ملک پر چڑھائی کرتا ہے۔ تو اس ملک والے ابتداءً اپنے بادشاہ کے لئے بہت کچھ کرتے ہیں۔ لیکن جب اس نے شکست کھائی۔ یا مارا گیا۔ تو فوراً اسی غنیم بادشاہ کے مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب ایک بادشاہ چند دعویدار چھوڑ کر مرتا ہے۔ تو جھٹ ایک دعویدار تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کو سلامی گذر جاتی ہے۔ سب لوگ اسی کے ہو جاتے ہیں۔ اور ملک اسی کا ہو جاتا ہے۔ اور اسی کا سکہ اور خطبہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے دعویدار کیسے ہی مستحق کیوں نہ ہوں۔ ساکت ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس بات کو خود علمائے اہل سنت جماعت قبول کرتے ہیں۔ کہ اگر اس الیکشن میں ایسی جلدی نہ ہوتی تو کوئی دوسرا خلیفہ ہو جاتا۔ اور تب اسی کا سکہ اور خطبہ جاری ہوتا۔ اسی وجہ سے یاروں نے موقع غنیمت پا کر جلدی سے اپنا کام نکال لیا۔ اور یہ الیکشن بطور چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کے انجام

پایا۔ اس پر بھی حضرت عمرؓ کو خوف لگا رہا۔ کہ شاید بنی ہاشم سر اٹھائیں۔ اس لئے حضرت نے فوراً مارشل لاء جاری کر دیا۔ کہ اب جو کوئی ایسا کرے۔ اس کو قتل کرو۔ اب آپ ہی فرمائیے کہ جمہور کو ایسی حالتوں میں سوائے اس کے کیا چارہ تھا کہ جو زمانہ کا طور ہے۔ اس طور پر چلیں۔ اور اس لئے اس الیکشن کو بطور سنگ آمد و سخت آمد سمجھ کر مان لیں پس قوم کے مان لینے پر استدلال کرنا عبث ہے قوم تو جو خلیفہ ہوتا۔ اسی کو مان لیتی۔ کیونکہ سلف سے آج تک یہی دستور زمانہ کا ہے۔ چنانچہ جب علمائے اہل سنت والجماعت سے کہا جاتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ جناب رسول مقبولؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ تھے تو بطور صفائی حضرات موصوفین کے فرماتے ہیں۔ کہ اگر خلفائے ثلاثہ تجہیز و تکفین میں شریک ہوتے تو سقیفہ میں سعد ابن عبادہ خلیفہ ہو جاتے اس کے روک تھام کے لئے یہ حضرات سقیفہ گئے اور حضرت صلعم کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوئے۔ اور بعد تخت نشینی خلیفہ اول کے پبلک سے کہہ دیا۔ کہ اب تو حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہو گئے۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس بات کو پبلک نے مان لیا۔ اس لئے کوئی شک نہیں۔ کہ پبلک اسی کو مانتی جو سقیفہ میں خلیفہ ہو جاتا۔ عام اس سے کہ زید ہو یا عمر یا بکر ہو۔ لیکن ایک بات البتہ یادگار ہے کہ یہ الیکشن ایسا بے وقعت تھا۔ کہ خلاف دستور قدیم اسی میں خرق عادت ہوا ہے۔ یعنی چونکہ یہ معاملہ دینی تھا۔ اس لئے باوجود تخت نشینی خلفائے ثلاثہ کے اور باوجود جاری ہونے اُن کے سکہ و خطبہ کے ایک بڑی معزز قوم اس وقت سے آج تک اس کی مخالف ہے یعنی جن لوگوں نے اس کو معاملہ دینی سمجھا اور جن کے دلوں میں نور ایمان بھرا تھا۔ وہ اسی وقت سے اس خلافت سے علیحدہ رہے اور اس وقت تک جُدا ہیں اور اور خدا کے فضل سے (باوجود سپارہ قتل عام کے) اس وقت سارے ایران اور عراق ہیں اور تھوڑا بہت ہر اقلیم میں حتٰی کہ ملک چین میں اشھد ان علیاً ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفۃ بلا فصل کا نعرہ لگا رہے ہیں

پس جتنا تم مجھ سے پوچھتے ہو۔ کہ اگر یہ الیکشن ناجائز تھا۔ تو جمہور نے کیوں تسلیم کر لیا (اور میں اس کا جواب معقول دے چکا) اسی طرح اب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر یہ الیکشن صحیح تھا۔ اور سبھوں نے بطیب خاطر مان لیا تھا۔ تو اسی وقت سے معزز لوگ اس کے مخالف کیوں ہوئے؟ کیوں بنی ہاشم بگڑے رہے؟ کیوں اتنا بڑا معزز فرقہ شیعہ اس سے علیحدہ رہا اور آج تک علیحدہ ہے؟ دنیاوی آرام و راحت سب کچھ خلفائے ثلاثہ کے ساتھ تھی پھر کیوں ان لوگوں نے عیش دنیا کو چھوڑ کر اپنے کو ورطہ ہلاکت میں ڈالا۔ اور کیوں اتنا بڑا مواخذہ عقبیٰ (اگر یہ خلافت جائز تھی) اپنی گردن پر لیا؟

جواب اس کا سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ کہ یا تو یہ لوگ سیاست کے سب دیوانے مسلوب

الحواس تھے۔ یا یہ کہ ان لوگوں کا کانشنس (ایمان) طمع دنیاوی کے اوپر تھا۔ اور اُن کے کونکشن (علم ویقین) کے نزدیک دنیاوی عیش وراحت کوئی چیز نہ تھی۔ سہ بارہ قتل عام نے ان کی تعداد نہ گھٹائی اور انواع اقسام کے مصائب حوادث نے اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے صراط مستقیم سے ڈگمگانے نہ دیا!! میں تو سمجھتا ہوں۔ کہ دنیا کی تواریخ میں یہ واقعہ نرالا ہے۔ کہ باوجود تخت نشینی خلفاء ثلاثہ اور باوجود جاری ہونے اُن کے سکہ و خطبہ کے معزز لوگ اس سے علیحدہ رہے۔ پھٹا پُرانا پہنتے رہے سوکھے چنے چبایا کئے۔ قید وجلا وطنی کی کڑیاں جھیلیں دیواروں میں زندہ چن دیئے گئے۔ تلواروں کی آگ میں کود پڑے۔ مگر اپنے کانشنس (ایمان) کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور دامن آلِ رسولؐ کو نہ چھوڑا۔ بلکہ اپنی گردن سے وابستہ رکھا! پس اس میں شک ہی نہیں۔ کہ شیعہ مذہب کا دار و مدار کانشنس (ایمان) اور کونکشن (علم ویقین) پر ہے۔ اور محبت واطاعت رسولؐ و آلِ رسولؐ رضوان اللہ علیہم کے مقابلہ میں یہ لوگ کسی نعمت یا لذت دنیاوی کو دھیان میں نہیں لاتے۔ اور نہ اپنی جان کو جان سمجھتے ہیں۔

بعضے حضرات سنت جماعت اس خیال سے کہ ایسے لوگوں کو دیوانہ کہنا بجائے خود دیوانہ پن ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ شیعہ لوگ کیوں خلافت اصحاب ثلاثہ کو نہیں مانتے۔ ایک امر عجیب و بہتان عظیم پیش کرتے ہیں یعنی فرماتے ہیں۔ کہ نعوذ باللہ مذہب شیعہ قائم کیا ہوا عبداللہ ابن سبا یہودی کا ہے۔ اور اس کے بہکانے کا اتنا بڑا اثر پڑا۔ کہ ایک بڑا فرقہ اسلام کا سُنت جماعت سے علیحدہ ہو گیا۔ ہر چند یہ امر بجائے خود محض لغو اور جھوٹ ہے۔ لیکن آپ کے اعتراض کا پورا جواب ہے۔ یعنی جب عبداللہ ابن سبا کے ایسے ادنیٰ یہودی کو ایسی طاقت تھی۔ اور اس وقت کے مسلمان ایسے ضعیف الاعتقاد تھے۔ کہ اس کے بہکانے سے ایک معزز فرقہ خلیفہ زمان سے علیحدہ ہو گیا تو حضرت عمر سے جن کا جبر و قہر مشہور ہے۔ کیا دور ہے۔ کہ انہوں نے عوام کالانعام کو دھوکا دے کر حضرت علیؑ سے بذریعہ انتخاب ناجائز کے برگشتہ کر دیا ہو۔ کیونکہ حضرت عمر کی حیثیت اور فطانت عبداللہ ابن سبا سے کسی طرح کم نہ تھی۔

کیا مذہب شیعہ واقعی قائم کیا ہُوا عبداللہ ابن سبا یہودی کا ہے؟

محی الدین۔ ہاں واقعی ہم نے سنا ہے۔ کہ مذہب شیعہ قائم کیا ہوا عبداللہ ابن سبا کا ہے۔ اور وہی آپ لوگوں کا پیشوا ہے۔ ذرا فرمائیے تو کہ واقعی یہ شخص ہے کون اور آپ لوگوں کے

مذہب کی ابتدا مرکیونکر ہے؟

علی رضا۔ عبداللہ ابن سبا کا میری کتابوں میں کہیں پتہ نہیں۔ اگر یہ شخص یہودی تھا۔ تو ہم اس پر سو بار تبرا کرنے کو تیار ہیں۔ اور یہ جو کہتے ہو۔ کہ وہ ہمارا پیشوا ہے۔ تو یہ عجیب طرح کا پیشوا ہے۔ جس کا ایک قول یا ایک حکم بھی ہماری کتابوں میں نہیں ہے۔ اور میں جملہ علمائے سنت والجماعت سے دعویٰ کرتا ہوں۔ کہ وہ ایک قول یا ایک حکم اس کا ہماری کتابوں سے نکال دیں تب عبداللہ ابن سبا کو شیعوں کا پیشوا کہنا ٹھیک ویسا ہے جیسا یہ کہنا کہ سنت والجماعت قائم کیا ہوا سامری ساحر کا ہے۔ اور وہی اس جماعت کا پیشوا ہے۔ افسوس کہ لوگ دروغ کو فروغ دینے کے لئے کیسی کیسی جھوٹی باتیں گڑھتے ہیں۔ شاید ان کو معلوم نہیں ہے کہ حقتعالےٰ نے کاذبین کے بارے میں کیا فرمایا ہے!! اخیر بہرکیف اس فقرہ کا بہتان عظیم ہونا ایک منٹ میں ثابت ہو جاتا ہے۔ یعنی عبداللہ ابن سبا یہودی تھا۔ اور یہ بات مشہور ہے کہ یہودیوں کو خاندان نبوی سے کمال عداوت ہے تب عبداللہ ابن سبا کیسا یہودی تھا۔ کہ اس فرقہ کو بہکا کر اپنے قبضہ میں تو لایا۔ مگر ایک کو بھی یہودی نہ بنایا۔ طرفہ یہ کہ سب کو اپنے دشمنوں کا یعنی آل رسولؐ و اہلبیت طاہرینؑ کا جاں نثار اور دلداوہ شیدا بنا دیا۔ واہ رے عبداللہ واہ!!!

پھر غور کیجئے کہ اگر فرقہ شیعہ بہکانے سے عبداللہ ابن سبا کے قائم ہوا۔ تو کیا کہہ کر وہ بہکاتا تھا۔ وہ یہی کہتا ہوگا۔ کہ تم لوگ خلفائے ثلاثہ سے نہ ملو۔ بلکہ علیؑ اور اولادِ علیؑ سے ملے رہو ایسی حالت میں اگر خلافت خلفائے ثلاثہ کی برحق ہوتی اور یہ حضرات اس سے راضی ہوتے تو خود جناب امیرؑ اور حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ و دیگر آئمہ معصومین علیہم السلام اس فرقہ شیعہ کو جو ان کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ سر اٹھانے نہ دیتے کس قدر وعظ کرتے کس قدر پند کرتے کس قدر خطوط لکھتے۔ کہ جس میں یہ لوگ خلفائے وقت سے علیحدہ نہ ہوں بلکہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو برحق جانیں۔ پس اگر ایک طرف عبداللہ ابن سبا بہکاتا تو دوسری طرف یہ حضرات سمجھاتے اور چونکہ ان حضرات کا رتبہ سب کا مانا ہوا تھا۔ اس لئے ان حضرات کے سمجھانے کا اثر زیادہ ہوتا۔ جس کے مقابلہ میں عبداللہ ابن سبا کا بہکانا بے کار ہو جاتا۔ اور اگر ان حضراتؑ کے سمجھانے کو یہ لوگ نہ مانتے۔ تو یہ حضراتؑ ان کو اپنے نزدیک آنے نہ دیتے۔ علاوہ اس کے عبداللہ ابن سبا بہت جیا ہوگا۔ تو ساٹھ برس اس کے بعد تو کوئی بہکانے والا نہ تھا۔ اور سمجھانے والے یعنی آئمہ طاہرین علیہم السلام تو مدتوں تک رہے۔ مگر بڑے تعجب کی بات ہے کہ آئمہ اثنا عشر کا زمانہ دو سو برس تک رہا۔ لیکن ان بزرگوں میں سے کسی نے ان لوگوں کو نہ سمجھایا۔ اور نہ ایک لفظ ان کے عقائد کے خلاف فرمایا۔ شیعوں کی کتابوں کا تو کیا ذکر سنت جماعت کی بھی ایک کتاب میں نہیں دیکھا۔ کہ شیعوں کے اعتقادات کی

مذمت آئمہ اثنا عشر علیہم السلام میں سے کسی نے کی ہو یا ان کے عقائد و ایمان کے خلاف ایک جملہ بھی فرمایا ہو۔ یا اعتراض کیا ہو۔ یا ان کی فہمائش کی ہو۔ کہ تم راہ راست پر نہیں ہو۔ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ فرقہ شیعہ برابر آئمہ معصومین علیہم السلام کا پیرو اور جاں نثار رہا اور یہ حضرات برابر اس کی صفت و ثنا کرتے رہے۔ چنانچہ خود جناب سرور کائنات نے ان لوگوں کو شیعان علی کا لقب دیا تھا۔ اور حضرات معصومین علیہم السلام انکے حق میں دعا کرتے رہے۔ کتاب سوانحعمری حضرت علی علیہ السلام کے صفحہ ۵۹ حصہ دوم و مابعد میں جتنی حدیثیں جناب مصنف نے فضائل شیعان جناب امیرؑ کی نسبت لکھی ہیں۔ بعینہٖ سطور ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) عن جابر بن عبد اللہ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاقبل علیؑ فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ ان ھذا وشیعتہ فھم فائزون یوم القیمۃ ونزلت ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت اولٰئک ھم خیر البریۃ لاخرجہ ابن عساکر والخوارزمی والسیوطی فی الدر المنثور۔ جابر ابن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم جناب رسالتمآب صلعم کے حضور میں حاضر تھے۔ کہ جناب امیرؑ تشریف لائے۔ آں حضرت صلعم نے ارشاد کیا۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ اور اس کے شیعہ پس وہی قیامت کے روز جنت کے رفیع درجوں تک پہنچنے والے ہیں۔ اور اسی حالت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں وہ نیک کام کرتے ہیں۔ وہی لوگ خلقت سے اچھے ہیں۔ (۲) عن ابن عباسؓ قال لما نزلت ھذہ الایۃ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت اولٰئک ھم خیر البریۃ قال رسول اللہ صلعم بعلیؑ ھو انت وشیعتک یوم القیمۃ امنین مرضیین واخرجہ ابن مردویہ وابونعیم فی الحلیۃ والدیلمی فی فردوس الاخبار والسیوطی فی الدر المنثور۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ بتحقیق جو لوگ ایمان لائے ہیں اور کام کئے ہیں اچھے وہی لوگ سب خلقت سے بہتر ہیں۔ جناب رسالتمآب صلعم نے جناب علیؑ سے ارشاد کیا وہ لوگ تم ہو اور تمہارے شیعہ ہیں۔ قیامت کے روز خوش اور خوشنود کیے گئے (۳) عن علیؑ قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الم تسمع قول اللہ تعالیٰ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحٰت اولٰئک ھم خیر البریۃ انت وشیعتک وموعدی وموعدکم الحوض الا ھم یوم القیمۃ تدعون غرالمحجلین داخرجہ ابن مردویہ والخوارزمی فی المناقب والسیوطی فی الدر المنثور جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ مجھ سے جناب پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا یا علیؑ کیا تو نے خدا تعالےٰ کے فرمانے کو نہیں سنا ہے۔ کہ بتحقیق وہ لوگ کہ ایمان لائے اور کام کئے ہیں اچھے وہی لوگ ہیں

سب مخلقت سے بہتر وہ لوگ تم اور تمہارے شیعہ ہیں میری اور تمہاری وعدہ گاہ حوض کوثر ہے
جب قیامت کے روز تمام گروہ حاضر ہوں گے۔ تو تم سفید منہ اور نورانی ہاتھ اور پاؤں والے
سمجھے جاؤ گے (۴) عن عبد اللہ قال انا عند رسول اللہ صلعم فی جمیع المہاجرین و
الانصار الامان فی السویہ ان قبل علیؑ یمشی وھو متغضب فقال رسول اللہ صلعم
من اغضبہ فقد اغضبنی فلما جلس قال رسول اللہ صلعم مالک یا علی قال اذانی
بنو عمک فقال یا علی اما ترضیٰ انک معی فی الجنۃ والحسن والحسین وذریاتنا
خلف ظھورنا وازواجنا خلف ذریاتنا و شیعتنا واتباعنا عن یماننا وشمائلنا
واخرجہ احمد فی المناقب وابو سعید فی شرف النبوۃ و محب الطبری فی الریاض
النظرۃ فی فضائل العشرۃ۔ عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک روز میں جناب سرور کائنات صلعم
کے حضور میں بیٹھا ہوا تھا۔ تمام مہاجر و انصار بھی موجود تھے۔ سو ان لوگوں کے جو لشکر میں تھے
اتنے میں جناب امیرؑ پیادہ پا آتے ہوئے نظر آئے۔ ان کے چہرہ سے غضب کے آثار نمایاں تھے
حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے اسے غضب دلایا ہے۔ اس نے مجھے غضب دلایا ہے۔
جب جناب امیرؑ آکر بیٹھ گئے۔ حضرتؐ نے ان سے پوچھا۔ یا علیؑ تمہیں کیا ہوا ہے۔ جناب علیؑ نے
عرض کیا یا رسول اللہ حضور کے بنی عم نے مجھے تکلیف دی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ کیا
تو راضی نہیں۔ کہ تو میرے ساتھ جنت میں چلے۔ اور حسنین ہماری ذریت ہمارے پس پشت
اور ہمارے شیعہ ہمارے دائیں بائیں ہوں (۵) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ
صلعم یدخل الجنۃ من ھذا الامۃ سبعون الفا لاحساب علیھم ثم التفت الی
علیؑ فقال ھولاء شیعتک یا علی وانت امامھم واخرجہ شیخ الحرام الحافظ
محمد بن یوسف بن الحسن الزرندی المدنی الانصاری فی درالسمطین
فضائل علیؑ والبتولؑ والحسنین) عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ کہ جناب سرور انبیاؐ
علیہ التحیۃ والثنا نے ارشاد فرمایا کہ اس امت سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں
داخل ہوں گے۔ پھر حضرت امیرؑ کی طرف ملتفت ہو کر ارشاد کیا۔ کہ وہ تیرے شیعہ ہیں۔ اور
تو ان کے آگے ہو گا (۶) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علی ان اللہ
قد غفر لک ولذریتک ولولدک ولاھلک ولشیعتک ولمحبی شیعتک فابشر انک الا
نزع البطین واخرجہ الدیلمی فی فردوس الاخبار) جناب امیرؑ سے مروی ہے۔ کہ
آں حضرت صلعم نے مجھ سے ارشاد کیا۔ کہ یا علیؑ بہ تحقیق خدائے تعالیٰ نے تجھے اور تیری ذریت
کو اور تیری اولاد کو اور تیرے شیعوں کو اور تیرے شیعوں کے دوستوں کو بخش دیا ہے پس تو

خوش ہو کہ تو انزاع اور بطین ہے (۷) عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلعم
یا علی انت غداً فی الاخرۃ اقرب الخلق منی انت علی الحوض خلیفتی وان شیعتک
علی منابر من نور مبیضۃ وجوہم حولی اشفع لہم یکونون فی الجنۃ جیرانی واخرجہ
ابن المغازلی فی المناقب والخوارزمی عن علیؑ والملا فی سیلۃ المتعبدین الی متابعۃ
سید المرسلین محمد بن یوسف اللنجی الشافعی فی کفایۃ المطالب ابرہیم بن عبد اللہ
الوصابی الیمنی الشافعی فی النفاق فضائل الاربعۃ الخلفاء وابن سبوع الاندلسی
فی الشفاء و ابوسعید عبد الملک ابن محمد ابن ابراہیم الخرنوشی فی شرح النبوۃ جابر
ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہ جناب سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جناب امیرؑ سے فرمایا
کہ یا علیؑ تم کل قیامت کو سب خلقت سے زیادہ میرے قریب اور حوضِ کوثر پر میرے خلیفہ ہو
گے اور تمہارے شیعہ نور کے منبروں پر سفید منہ والے میرے ارد گرد ہوں گے میں ان کی شفاعت
کروں گا۔ اور جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے (۸) عن ابی رافع قال قال رسول اللہ
صلعم یعلی انت وشیعتک تردون علی الحوض رواءً مرویین مبیضۃ وجوہکم
وان اعدائک یردون علی ظماء مقمحین واخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر
فی مسانید ابی رافع ابراہیم) ابو رافع سے مروی ہے کہ بہ تحقیق آں حضرت صلعم نے حضرت
امیرؑ سے ارشاد فرمایا۔ کہ تو اور تیرے شیعہ حوضِ کوثر سے سیراب ہوں گے۔ پورا سیراب ہونا۔
ان کے مُنہ نورانی سفید ہوں گے۔ اور تمہارے دشمن پیاس سے سر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔
(۹) عن ابی رافع ان رسول اللہ صلعم قال یعلی ان اول اربعۃ یدخلون الجنۃ انا وانت
والحسن والحسین وذریاتنا خلف ظہورنا وازواجنا خلف ذریاتنا وشیعتنا عن ایماننا
وشمائلنا واخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر) ابو رافع سے مروی ہے کہ بہ تحقیق سرور
دین پناہ صلعم نے جناب مرتضیٰؑ سے فرمایا۔ کہ جو چار شخص کہ سب سے اول جنت میں داخل ہوں
گے۔ وہ میں اور تو اور حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ اور ہماری ذریت ہماری پس پشت اور ہماری ازواج
اُنکے پس پشت اور ہمارے شیعہ ہمارے داہنے بائیں ہوں گے۔ (۱۰) عن ام سلمۃ قالت
ان فاطمہ عند رسول اللہ صلعم ومعہا علیؑ فرفع رسول اللہ صلعم الیہا راسہ
قال ابشر یا علی انت وشیعتک فی الجنۃ واخرجہ فخر الاسلام نجم الدین ابوبکر بن
محمد بن حسین السنبلا فی المرندی فی مناقب الصحابۃ) ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ
عنہا سے روایت ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام جناب امیرؑ کے ساتھ آں حضرت صلعم کے
حضور میں تشریف لائیں۔ حضرتؐ نے ان کی طرف سر اقدس اٹھا کر ارشاد کیا یا علیؑ خوش ہو تو

اور تیرے شیعہ جنت میں ہوں گے۔
محی الدین۔ اس کتاب میں تو جناب مصنف نے فرمایا ہے کہ ان حدیثوں میں شیعوں سے ہم اہلسنت والجماعت مراد ہیں۔
علی رضا۔ ماشاء اللہ چشم بدور!! یوں تو شیعوں کو رات دن برا کہتے رہو۔ ان سے عداوت رکھو اور اس نام سے انتہائی نفرت کرو۔ حتیٰ کہ اگر تمہیں کوئی شیعہ کہے تو مارنے دوڑو اور خود کہو کہ فرقہ شیعہ قائم کیا ہوا عبداللہ ابن سبا یہودی کا ہے۔ اور یہی شیعوں کا پیشوا ہے لیکن جب حدیث سے ثابت ہو کر فرقہ شیعہ مقبول بارگاہ اہل بیتؑ ہے۔ تو کہو کہ ہم شیعہ ہیں! بڑے خاصے!!! خیر اگر اس اعتقاد میں پورے ہو تو بسم اللہ آج سے اپنے کو شیعہ مشہور کرو۔ اور سب سنی بھائیوں سے کہو کہ اپنے کو شیعہ کہیں کہ جھگڑا ہی چکے۔ دل سے نہیں تو زبان ہی سے سہی ع
ایک مذہب ہو قاف سے تا قاف

بھائی شیعہ سنی کی تو صاف پہچان ہے شیعہ وہ ہے جو حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد پاک یعنی آئمہ معصومین علیہم السلام سے محبت رکھے اور ان کی غلامی کا دم بھرے اور ان سے لڑنے جھگڑنے جنگ وجدال کو کفر سمجھے اور فرقہ سنت جماعت وہ ہے۔ جو زبان سے کہے کہ ہم حضرت علی کرم اللہ وجہ اور ان کی اولاد پاک سے (جن کا اگر کوئی پوچھے تو نام بھی تبلا نہ سکیں) شیعوں سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ان حضرات کے دشمنوں کو یعنی ان حضرات سے جنگ وجدال اور لڑائی جھگڑا کرنے والوں کو اپنا بزرگ دین اور پیشوا سمجھے۔

حضرات امیر معاویہ وطلحہ وزبیر وبی بی عائشہ بقول فریقین حضرت علیؑ سے لڑے اور علانیہ حضرتؑ پر لشکر کشی کی اور حضرت علیؑ کے قتل کرنے میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا (دیکھو سوانح عمری حضرت علیؑ صفحہ ۲۵۹ لغایت ۲۶۸)۔

اس پر بھی یہ حضرات فرقہ سنت جماعت کے بڑے بزرگان دین اور معزز پیشوا ہیں اور جب وہ لوگ پیشوا ہیں تو سنت جماعت کا مذہب بھی وہی ہوگا۔ جو ان پیشواؤں کا مذہب تھا۔ اس لئے نتیجہ یہ ہوا کہ سنت جماعت کا مذہب وہی ہے جو حضرت علیؑ سے لڑنے والوں اور ان کے خون کے پیاسوں کا تھا۔ تب یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان فرقوں (شیعہ اور سنی) میں کس کا طریقہ حضرت علیؑ سے موافقانہ ہے اور کس کا منافقانہ؟ کس کی محبت دلی ہے اور کس کی زبانی؟ کس فرقہ پر حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پاک علیہم السلام اعتبار اور بھروسہ رکھتے ہوں گے اور کس فرقہ سے خائف اور ہوشیار رہتے ہوں گے؟ عقبیٰ میں یہ حضرات کس فرقہ کو اپنا غلام معتمد کہہ کر پکاریں گے اور حمایت کریں گے اور کس کو بوقت طلب حمایت اپنے دشمنوں کی طرف بھیجیں گے؟

کتب سیر اور تواریخ کی طرف اگر توجہ کیجیے تو ظاہر ہوگا۔ کہ آئمہ کرام علیہم السلام کی اولاد اکثر شیعہ ہوتی آئی۔ چنانچہ اس وقت بھی شیعوں میں سید زیادہ ہیں اور جہاں جہاں سادات مستند ہیں۔ وہ سب شیعہ ہیں۔ سنی شیعہ کی کتابوں کو دیکھ لیجیے۔ کہ شیعوں کی حدیثوں کا دارومدار اقوال آئمہ اثناء عشر علیہم السلام پر ہے۔ اور ان کے اقوال کو یہ لوگ مثل حدیث کے مانتے ہیں۔ برخلاف کتب سنت جماعت کے کہ ان کے نزدیک دارومدار حدیثوں کا اوپر اقوال امام ابو حنیفہ امام شافعی و مالک و حنبل کے ہے۔ آئمہ اثنا عشر سے بہت ہی قلیل حدیثیں مذکور ہیں ان سب وجوہات سے صاف ظاہر کیا ہے۔ کہ شیعوں کے مذہب کی ابتداء باعتبار تولائے اہلبیت علیہم السلام تو روز ازل سے ہے۔ کیونکہ یہ لوگ عالم ارواح سے دلدادہ و شیدا خاندان رسالت کے ہیں۔ اور باعتبار عالم اسباب ابتداء اس مذہب کی اس وقت سے ہے کہ جناب امیر رسول مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اور یہ لوگ اس کار خیر میں حضرت کے شریک تھے۔ اور جب اس کام سے فراغت پائی۔ تو زمانہ کا رنگ بدلا ہوا دیکھا۔ مگر یہ ثابت قدم لوگ جناب امیرؑ کے ساتھ اور جناب امیر ان کے ساتھ رہے اور بعد حضرت امیرؑ کے یہ لوگ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ اور اگرچہ عروج دنیا سقیفہ والوں کو ملا۔ مگر یہ عاقبت میں لوگ اہلبیت رسول اللہ صلعم سے جدا نہ ہوئے اور اگرچہ معرکہ کربلا میں خاندان رسالت پر بڑی تباہی آئی۔ تاہم ان لوگوں نے دامن اہلبیتؑ کا نہ چھوڑا اور نفع دنیا کا مطلق خیال نہ کر کے اہلبیتؑ سے ملے رہے۔ اور باوجود سہ بارہ قتل عام کے اس صراط مستقیم سے جدا نہ ہوئے اور حضرت آئمہ معصومین علیہم السلام بھی برابر ان سے راضی رہے اور ان پر اعتماد اور بھروسہ رکھتے آئے۔ یہ لوگ وہ ہیں۔ جنہوں نے مذہب اپنا صرف واسطے رضائے پروردگار کے بلا طمع دنیا محض علم و یقین سے اختیار کیا اور اگرچہ زمانہ ان سے برابر کجی کرتا آیا اور عوام لوگ ان سے ہمیشہ عناد رکھتے رہے۔ مگر انہوں نے خوشنودی آل پاک رضوان اللہ علیہم کو سب پر مقدم جانا اور اس کے مقابلہ میں کسی اعزاز یا آرام دنیا کو دھیان میں نہ لائے۔ بلکہ ان کی محبت میں سخت صعوبتیں اور اذیتیں گوارا کیں اور ہر وقت اسی پر رضا رہے ان لوگوں کی نسبت یہ کہنا کہ یہ لوگ بہکائے ہوئے عبد اللہ ابن سبا کے ہیں۔ چاند پر خاک ڈالنا اور دن کو رات کہنا ہے۔ میرے نزدیک جتنے مذاہب اس وقت پردۂ زمین پر پائے جاتے ہیں۔ ان میں فرقہ شیعہ کے برابر کوئی مظلوم نہیں ہے۔ باوجود اس کے کہ تیرہ سو برس میں اس فرقہ کا سہ بار قتل عام ہوا۔ اور باوجود انتہا درجہ کی سختی اور صعوبت کے اس فرقہ کا قائم رہنا بالکل حق تعالیٰ جلشانہٗ کی قدرت ہی قدرت ہے الغرض جب یہ بات محض غلط

قرار پائی کہ مذہب شیعہ قائم کیا ہوا عبداللہ ابن سبا کا ہے۔ تو میرا یہ اعتراض کہ اگر خلافت خلفائے ثلاثہ صحیح اور جائز تھی۔ تو اتنا بڑا فرقہ شیعہ اب تک اس کے مخالف کیوں ہے، لا جواب رہ جاتا ہے۔ اور تمہارے سوال کا جواب کہ اگر یہ خلافت ناجائز تھی تو عوام نے کیوں مان لیا ہم دے چکے بلکہ ایک بات اور بھی کہتے ہیں۔ کہ جمہور کے مان لینے سے خلافت ناجائز جائز نہ ہوگی۔ اور نہ ایسا خلیفہ خلیفہ برحق سمجھا جائے گا دیکھو کہ جب یزید تخت پر بیٹھا تو لاکھوں آدمیوں نے اس کی خلافت کو مان لیا۔ جن میں ایک لاکھ کے قریب تو معرکہ کربلا میں نواسۂ رسول خداؐ صلعم کے خون کے پیاسے موجود تھے۔ سارا کوفہ و شام اس کے زیر نگین تھا۔ مگر اس سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یزید خلیفہ برحق تھا پس اگر جمہور کے مان لینے کو دلیل حقیقت مذہب سمجھو گے۔ تو تمہیں بڑی مشکل ہو گی۔ یعنی یزید کو خلیفہ برحق ماننے کے علاوہ غالباً دائرۂ اسلام سے نکل جانا ہوگا۔ کیونکہ دیگر مذاہب یعنی بودھ وغیرہ کی تعداد اسلام کی تعداد سے زیادہ ہے۔ پس جس دلیل سے تم دیگر مذاہب کو باوجود ان کی کثرت کے باطل قرار دو گے۔ اسی دلیل سے ہم مذہب سُنت جماعت کو باوجود ان کی کثرت کے باطل قرار دیں گے۔ کیونکہ شیعہ مذہب کو مذہب سُنت والجماعت سے وہی نسبت ہے۔ جو اسلام کو دیگر مذاہب سے ہے ہم تو کہتے ہیں۔ کہ اچھوں کی تعداد بُروں کی تعداد سے ہمیشہ کم رہتی ہے یہاں تک کہ سب سے اچھا خُدا ہے۔ وُہ صرف ایک ہے۔

المختصر اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ جمیع طُرقِ اسلام میں طریقہ اہل بیت طاہرینؑ یعنی آئمہ معصومینؑ یعنی حضرت علیؑ و اولاد علیؑ پر چلنے والا صرف فرقہ شیعہ ہے۔ اور میں تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں۔ کہ تم کل علمائے سُنت والجماعت سے بشرطیکہ وہ میاں جی نہ ہُوں۔ پوچھ دیکھو کہ وہ حقتعالےٰ جلشانہ کو حاضر و ناظر جان کر فرمائیں۔ کہ آیا فرقہ شیعہ اپنے جمیع اصُول و عقائد کا دارو مدار ان بزرگواران الصلوٰۃ والسلام علیہم کے اعمال و اقوال و احکام پر رکھتا ہے یا نہیں اور آیا ان بزرگواران علیہم السلام کے ساتھ محبت اور مودت رکھنے میں کمال انہماک کرتا ہے یا نہیں۔ ایسی حالت میں اگر یہ لوگ راہ راست پر نہیں ہیں۔ تو ان لوگوں کو راہ راست پر لانا یعنی سُنی بنا لینا محض آسان تھا۔ ان لوگوں کو ان بزرگواران علیہم السلام کے اقوال و احکام دکھائیے جاتے اور سمجھا دیا جاتا۔ کہ جن بزرگواروں کو تم لوگ اس قدر مانتے ہو ان ہی بزرگواروں نے تو فلاں فلاں جگہ فرمادیا ہے کہ مذہب شیعہ محض لغو اور باطل بلکہ قابل نفرین ہے۔ پس قصہ ختم ہو جاتا لیکن ہم برخلاف اس کے دیکھتے ہیں۔ کہ ان بزرگواران علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و ارشادات سے دربارۂ دین محکم اور مقبول خدا ہونے مذہب شیعہ کے الماری کی الماری بلکہ لائبریری کی

لائبریری بھری ہوئی ہے۔ شیعہ مذہب کی کتابوں کو جانے دیجئے۔ سُنی مذہب کی کسی کتاب میں نہ ہیں نے دیکھا نہ تم دکھلا سکتے ہو۔ کہ بارہ اماموں میں سے کسی امام نے فرمایا ہو کہ مذہب شیعہ رجو اُن حضراتؑ کے وقت میں قائم ہو چکا تھا) محض لغو اور باطل اور قابل نفرین تھا یا یہ کہ خلافت خلیفہ اوّل کی جائز اور صحیح تھی۔ یا یہ کہ حضرات شیخین نے جناب حضرت فاطمہ زہراؑ کو ناراض نہ کیا تھا اور نہ ان کی حق تلفی کی تھی یا یہ کہ وہ معصومہؑ ان لوگوں سے تادم واپسیں راضی اور خوشنود رہیں۔ تب یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہمارا مذہب تو ٹھیک ان بزرگواروں کے طریقہ پر ہو جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا جن کو علم نبی سینہ بہ سینہ پہنچا اور جن کے بارے میں خود جناب رسولِ مقبول صلعم فرما گئے تھے۔ کہ اگر ان سے اور قرآن سے تم تمسک رکھو گے۔ تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ لیکن ہزار افسوس کہ ہم پر یہ الزام ہو کہ ہم عبداللہ ابن سبا کے پیرو ہیں۔ اور میرا مذہب اُس مردُود کا قائم کیا ہوا ہے۔ اس کا جواب دل تھام کر سوائے اس کے ہم اور کیا دیں۔ کہ اِس معاملہ کو داور محشر کے فیصلہ کے لئے روزِ قیامت پر اٹھا رکھیں اور تہ دل سے دعا کریں۔ کہ خدایا میرے سُنی بھائیوں کو مخصوص اُن کے علماء کو ایسی توفیق عطا فرما کہ وہ سچ بھی بولا کریں۔ اور خوب یاد رکھیں۔ کہ حقتعالےٰ جلشانہٗ نے قرآن مجید میں کاذبین کے حق میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔

چوتھی کھائی یعنی کیا واقعی جناب امیرؑ خلافت کے قابل نہ تھے؟

محی الدین۔ مگر ایک بات قابل غور ہے۔ کہ حضرت علیؑ ایک شخص عابد و زاہد خدا ترس تھے آپ کو زمانہ کی پالیسی سے بالکل ناواقفیت تھی۔ بعد انتقال جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ جس رنگ پر چلا اس کے لئے خلفائے ثلاثہ ہی موزوں تھے۔ حضرت علیؑ عبادت کے لئے مخصوص تھے۔ آپ کے لئے عبادت خانہ کا حجرہ اور خلفائے ثلاثہ کے لئے تخت خلافت مناسب مقام تھا ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند

شہزادہ نور ایمان۔ نادعلیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لک فی النوائب۔ چوتھی کھائی پار۔

علی رضا۔ کیا خوب! تو آپ کے نزدیک نائب رسُول ہونے کے لئے عابد و زاہد خدا ترس ہونا داخلِ عیب ہے۔ یا کم سے کم عابد و زاہد ہونے سے اس کی خلافت کی قابلیت میں کمی ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کی یہی رائے ہے تو قصور معاف کیجئے شہدے یا کم سے کم تارک صوم و صلوٰۃ

ناخدا ترس تو مستحق ترین خلافت ہو جائیں گے۔ نعوذ باللہ من ذالک!!! اور یہ جو کہتے ہو۔ کہ حضرت علیؑ زمانہ کی پالیسی سے بالکل ناواقف تھے۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ پالیسی سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ اگر پالیسی سے تمہارا مطلب مکر وزور، دغا و فریب کذب و بہتان ظلم و جور عیاری و فتنہ پردازی ہے تو مجھے تمہارے ساتھ بالکل اتفاق ہے۔ کہ حضرت علیؑ اس سے بالکل ناواقف و نافر تھے مگر اسلام کی بنیاد ہر گز ایسے بیہودہ اصول پر نہ تھی اور نہ اسلام نے ان مکروہ طریقوں سے رونق پائی۔ اور اگر تم اسلام کی ترقی ایسے نامعقول اصول پر چاہتے ہو۔ تو بڑی شرم کی بات ہے نصاریٰ اور یہودی کسی شاعر کا ایک مصرعہ بیک دست گوہر بیک دست تیغ" سنکر تو کس قدر طعن و طنز کرتے ہیں۔ اگر ان کو یہ کہو کہ اسلام کی ترقی اُن شرمناک طریقوں سے ہوئی۔ تو حیادار اور غیرت دار آدمیوں کو تو وہ مارے طعن و تشنیع کے راہ چلنے نہ دیں گے۔ یہی کہتا ہوں کہ ہمارے سردار آقا افضل المرسلین خاتم النبیینؐ نے اسلام کی مضبوط بنیاد صدق و صفا صبر و رضا رحم و کرم علم و حلم ریاضت و عبادت مروت و سخاوت شجاعت و عدالت پر قائم فرمائی ہے۔ پس جو بحث ہمارے تمہارے درمیان میں ہے۔ اس میں سوائے اس پالیسی کے جو حضرت رسول مقبول صلعم نے اختیار فرمائی تھی۔ اور جس پر حضرتؐ نے اسلام کی بنیاد قائم کی تھی۔ اور کسی پالیسی کا خیال کرنا نہ چاہیئے۔ اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ ان اصول اور اس پالیسی کا برتنے والا بعد رسول مقبول صلعم کے پڑہ زمین پر سوائے علی مرتضیٰؑ کے اور کون تھا۔ ان شائستہ اور پاک اصولوں کی بنا پر اگر جناب امیرؑ اور خلفائے ثلاثہ کی قابلیت کی جانچ پڑتال کی جائے تو ساری قلعی کھل جائے اور معلوم ہو جائے۔ کہ افضل و اعلیٰ کون ہے۔ چونکہ قبل میں ہم اُس کا موازنہ کر چکے ہیں۔ اس لئے اس وقت ایک سوال پر اس قصہ کو مختصر کرتے ہیں۔ یعنی کیا ممکن ہے کہ جبر الٹر سے پیکن تک کے علمائے سنت جماعت مل کر خلفائے ثلاثہ کو ان صفات حمیدہ میں جناب امیرؑ سے افضل ٹھہرا سکیں؟ کیا مجال اور یہ جو کہتے ہیں۔ کہ حضرت علیؑ عبادت خانہ کے حجرہ کے لئے موزوں تھے۔ تو اس میں شک نہیں کہ جس طرح ہمارے سردار حضرت سرور کائنات صلعم نے غار حرا میں ایسی عبادت کی۔ کہ فرشتے آسمان کے مدح و ثنا کرنے لگے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنے اخلاق ذاتی و صفاتی سے نور ایمان کو مثل آفتاب عالمتاب کے چمکایا۔ اسی طرح میرے آقا مظہر العجائب والغرائب نے حق تعالیٰ کی عبادت بھی انتہا کی کی اور اس کے ساتھ ساتھ خدا کی راہ میں اور اسلام کے سچے اصول کی اشاعت میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں کئے۔ کہ دُنیا کی تواریخ میں جن کا جواب نہیں۔ عبادت ایسی اور اس میں وہ محویت کہ گویا درجہ وصال کا حاصل۔

منقول ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے پائے مبارک میں تیر چبھ گیا تھا۔ جس کے نکالنے

میں آپ کو سخت تکلیف ہوئی تھی۔ لیکن قربانِ حضرتؑ کی محویت عبادت کے کہ جب آپ سجدۂ معبود کو جھکے تو ؎

کھینچا بزور پاؤں سے قنبرؔ نے تیر کو	اصلا خبر ہوئی نہ جناب امیرؑ کو

اس عبادت پر سخاوت ایسی کہ ایک وقت جب آپ رکوع میں تھے۔ ایک سائل نے سوال کیا۔ آپ نے سائل کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ کہ انگوٹھی نکال لے۔ جب اس نے انگوٹھی نکال لی اور حضرتؑ نے اس طرح پر زکوٰۃ وصلوٰۃ بیک وقت ادا کی۔ تو بارگاہِ قدرت سے خطاب ہوا۔ کہ میرے خاص بندے وہ ہیں کہ یوتون الزکوٰۃ وھم راکعون یعنی حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ دیکھو سورہ مائدہ پارہ ششم۔ پس بھائی ہمارے آقا تو عبادت ہی میں سب کچھ کر گئے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ کیا۔ وہ عبادت ہی عبادت تھی صدق وصفا میں آپ کا سینۂ نورانی آلائش دنیاوی سے بالکل پاک تھا آپ مجسم معصوم وطاہر تھے۔ سب سے پہلے ایمان لائے اور ابتدائے ولادت سے تا وفات کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ آپ کو جناب رسولِ مقبولؐ نے فرمایا انا وعلیؑ من نورٍ واحد پس جو بزرگ نورِ نبیؐ سے پیدا ہو۔ اس کے صدق وصفا کا کیا کہنا مروت وحمیت ایسی کہ حالت صوم میں عین افطار کے وقت تین دن متواتر مسکین ویتیم واسیر سائل ہوئے۔ آپ نے تینوں دن اپنے سامنے کی روٹیاں ان کے حوالہ کر دیں اور خود فاقے سے رہ گئے۔ اس وقت بارگاہ احدیت سے یہ بشارت ہوئی ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً واسیراً۔ دیکھو سورہ دہر پارہ ۲۹۔ ایک مرتبہ آپ نے دن کے وقت اور شب کو مخفی اور علانیہ خیرات کی۔ اس وقت بارگاہ احدیت سے ارشاد ہوا۔ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرًا وعلانیۃً فلھم اجرھم عند ربھم سورہ بقر پارہ سوم یعنی وہ لوگ ایسے ہیں۔ کہ اپنے مال کا نفقہ دیتے ہیں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر۔ پس ان کا اجر ان کے خدا کے پاس ہے۔ سخاوت تو ایسی لیکن اپنی ذات کے لئے آرد جو پر اوقات بسر کی۔ چنانچہ منقول ہے کہ اپنے کھانے کے جو کے آٹے پر آپ مہر کر دیتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا۔ کہ یا حضرتؑ اس آٹے پر آپ مہر کیوں کر دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے اس آٹے سے سوا طرح کی لذت حاصل ہے لیکن مجھے خیال ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میرے بیٹے مجھ پر ترس کھا کر اس میں آرد گندم ملا دیں۔ اس لئے میں مہر کر دیتا ہوں تاکہ روز حساب میں حساب دینے میں اُلجھ نہ جاؤں۔ میں روز حساب کے حساب سے بہت ڈرتا ہوں۔ افسوس ہے دوری راہ و قلت زادِ راہ پر!!! اس فاقہ کشی اور اس ریاضت اور عبادت پر شجاعت ایسی کہ جب غزوہ خیبر میں اصحاب کو پے در پے شکست ہوئی اور مرحب کی ڈکار سے کلیجے تھرانے لگے

اور میدانِ جنگ کی طرف رُخ کرتے ہوئے بدن میں رعشہ آنے لگا۔ اس وقت میرا آقا شاہِ مرداں شیرِ یزداں خود رسولِ مقبولؐ سے اجازت لے کر تن تنہا میدانِ جنگ میں موجود ہو گیا اور ایک ضربتِ حیدری میں اس دیوزاد کو واصل بجہنم کیا۔ اس وقت لا فتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار سے سقف فلک گونج اٹھا اور پھر درِ خیبر کو اکھاڑ کر خندق پر پُل بنا دیا کہ لشکر اسلام قلعہ میں داخل ہوا اور اسلام کا جھنڈا گڑ گیا۔ اس شجاعت پر رحم و کرم وہ کہ جب ابن ملجم لعین نے عین سجدہ میں آپ کے سرِ مبارک پر ضرب کاری لگائی اور بعدہٗ رسی میں جکڑا ہوا گرفتار ہو کر آپ کے سامنے لایا گیا۔ تو آپ نے اُس کی رسیاں کھلوا دیں اور فرمایا کہ اس وقت سے جو آب و غذا مجھے دو۔ وہ اس کو پہلے دے لو، تب مجھے دو۔ چنانچہ جب تک آپ زندہ رہے اس مردود کو آب و غذا سے سیر کرتے رہے۔ پھر سنیئے کہ ایک مرتبہ آپ کسی طرف جا رہے تھے۔ راہ میں ایک ضعیفہ جس کا شوہر کسی لڑائی میں مارا گیا تھا۔ پیٹھ پر مشک لئے کچھ آپ کی شکایت کرتی جاتی تھی۔ آپ سن کر کانپ گئے اور فرمایا کہ اے ضعیفہ مشک مجھے دے کہ میں تیرا بوجھ بٹاؤں۔ چنانچہ وہ مشک لئے ہوئے آپ اس ضعیفہ کے گھر پہنچے اور فرمایا کہ اے مومنہ اور کوئی خدمت ہو تو مجھ سے کہہ کہ میں بجا لاؤں۔ اس نے کہا۔ کہ تنور روشن کرو۔ اور روٹیاں لگاؤ اور میرے بچوں کو بہلاؤ۔ آپ نے خود تنور روشن کر کے روٹیاں تیار کیں۔ اور اس ضعیفہ کے بچوں کو مثل اپنے بچوں کے بہلاتے رہے۔ اور جب تنور کے دھوئیں سے آپ کی آنکھوں سے پانی جاری ہوا۔ تو آپ نے فرمایا ذُقْ یا علی اے علیؑ مزا چکھ اپنی غفلت کا۔ حلم وہ کہ مشہور ہے کہ جہاد راہِ خدا میں ایک کافر کو زیر کر کے آپ نے چاہا کہ اس کو قتل کریں اس نے آپ کے روئے مبارک پر تھوک پھینک دیا۔ اگر دوسرا کوئی ہوتا تو اس کا غصہ اور بڑھ جاتا۔ مگر قربان مولاؑ کے حلم کے کہ آپ نے فوراً اس کو چھوڑ دیا۔ اور جب لوگوں نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کو راہِ خدا میں قتل کرتا تھا۔ اس میں مجھ کو مطلق اپنی نفسانیت نہ تھی۔ لیکن اب اگر میں اس کو قتل کرتا۔ تو وہ اس کی بے ادبی کا بدلہ ہو جاتا اور مجھے ہرگز منظور نہیں۔ کہ اگر کوئی مجھ سے بے ادبی کرے تو میں اس کا بدلہ لوں صابر اور راضی برضا ایسے کہ جب شبِ ہجرت قریش کی تلواروں اور تیزوں نے خانہ پاک جناب رسولِ مقبولؐ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت یار لوگ جان لے کر اِدھر اُدھر جہاں جس کو موقع ملا بھاگ گئے یا چھپ رہے لیکن میرا دلاور بادشاہ بے خوف و خطر بسترِ پاک جناب رسولِ خدا صلعم پر ڈٹ گیا اور اپنی جان کو حوالۂ خدا کر دیا۔ اس وقت بارگاہ احدیت سے خطاب ہوا من یشری نفسہ ابتغا مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ یعنی میرے پیارے بندے وہ ہیں جو اپنی جان کو خداوند عالم کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ

اپنے ان بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ تبلیغ احکام یعنی سفارت میں حضرت علیؑ کو ہمثل ہونے کا سرٹیفکیٹ اللہ تعالیٰ جلشانہٗ سے حاصل مشہور ہے۔ کہ جب حضرت رسول مقبولؐ کو حکم جہاد آیا اور سورہ برأت نازل ہوا۔ تو اس فرمانِ عالی کے پڑھنے کے لیے حضرت ابوبکر بھیجے گئے۔ ابھی ؤہ مقام مقصود تک پہنچے بھی نہ ہوں گے کہ جبرئیلؑ آئے اور فرمایا کہ اعلیٰ حضرت جلشانہٗ کی مرضی یہ ہے۔ کہ علی مرتضیٰؑ اس کام کو سرانجام کریں۔ یہ کام ان کا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رستے سے واپس پھر آئے۔ اور علی مرتضیٰؑ نے بے خوف وخطر بمقابلہ جمہور مخالفین و منافقین فرمان احکم الحاکمین جو مثل اعلانِ جنگ کے تھا پڑھ کر سُنا دیا۔ عدالت ایسی کہ جب فیصلہ کیا تو دودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی۔ حتیٰ کہ خلفائے ثلاثہ کے وقت میں جب کوئی مسئلہ اہم یا قضیہ ادق پیش ہوا تو حضرت علیؑ ہی سے مدد لی گئی۔ اور حضرت ہی کی رائے صائب پر فیصلہ ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر کے وقت القضیۃ ولا ابا الحسن (یعنی قضیہ بلا ابوالحسنؑ کے کیونکر فیصل ہو سکتا ہے) ضرب المثل ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی کتنوں کی جان بچائی۔ چنانچہ حضرت عمر کا قول ہے لولا علیؑ لھلک عمر یعنی اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا مشہور ہے۔ بعض واقعات تو ایسے ہوئے کہ غریبوں پر بوجہ جہالت مسئلہ کے جس کو تم خطائے اجتہادی کہو گے حکم قتل صادر ہوا تھا۔ لیکن ان کے نصیبوں سے راہ میں جناب امیرؑ مل گئے اور مولیٰ کے حکم صحیح شرعی بتانے سے اُن لوگوں کی جان بچی اور وہ لوگ دار سے پھرے۔ علم وہ کہ علاوہ خطاب انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابھا کے روزمرہ ایسی ایسی باتیں بتائیں۔ کہ حکما کی عقل دنگ ہو جائے ایک مرتبہ تین عرب سترہ اونٹ لے کر آئے۔ اور حضرت سے کہا۔ کہ یا مولیٰ ان سترہ اونٹوں کے ہم لوگ اس طرح حق دار ہیں۔ کہ ایک حقدار نصف کا ہے اور دوسرا حقدار ایک ثلث کا ہے اور تیسرا حقدار نویں حصہ کا۔ اس کو ایسا تقسیم فرما دیجئے کہ اُونٹ کاٹا نہ جائے اور ہم لوگوں کو پورا حصہ مل جائے۔ سوال سے ظاہر ہے کہ بلا اونٹ کاٹنے کے تقسیم مشکل ہے لیکن قربان مولا کے ذہن و ذکا کے کہ آپ نے قنبر سے فرمایا کہ ایک اُونٹ میرا لا کر ملا دے جب وہ اُونٹ ملایا گیا تو اٹھارہ ہوئے۔ آپ نے نصف حصہ والے کو نو اور ثلث والے کو چھ اور نویں حصہ والے کو دو اونٹ دیئے۔ یہ سب ملا کر سترہ اونٹ ہوئے باقی ایک اونٹ اپنا جو بچا۔ اس کو قنبر کے حوالے کیا۔ اس تقسیم سے وہ عرب نہایت شاداں فرحاں مولیٰ کو دُعائیں دیتے چلے گئے۔ کہ ہر ایک نے اپنی پوری رسدی بھی پائی اور اونٹ بھی نہ کٹے یہ تقسیم ظاہرًا معجزہ معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقتاً یہ حساب کسر کا ہے۔ جس سے مولا کی اعلیٰ درجہ کی قابلیت علم حساب میں معلوم ہوتی ہے۔ اس پر بھی میں کہتا ہوں کہ سب شتر کا کو اپنی پوری رسدی ملنا اور اونٹ کا نہ کٹنا اگر معجزہ

نہیں۔ توکرامت میں شک ہی نہیں۔

اسی طرح دو عرب ایک جگہ جمع ہوئے ایک کے پاس پانچ روٹیاں اور ایک کے پاس تین دونوں ملا کر کھانے کو بیٹھے کہ ایک تیسرا عرب بھی شامل ہو کر کھانے لگا اور تینوں نے برابر روٹیاں کھائیں۔ جب تیسرا عرب کھا کر اٹھا تو اس نے آٹھ درہم ان دونوں کے حوالے کئے اور چلا گیا بعد جانے اس کے اُن آٹھ درہموں کی تقسیم میں ان دونوں میں جھگڑا پڑا۔ پانچ روٹی کھانے والے نے پانچ درہم خود لئے اور دوسرے کو تین درہم دینے لگا تو وہ راضی نہ ہوا۔ اور کہا کہ ہم نصف کے مستحق ہیں۔ آخر دونوں حضرتؑ کے پاس آئے آپ نے تین روٹیاں والے کو سمجھایا کہ تین درہم جو تجھ کو ملتے ہیں کیوں نہیں لیتا؟ اس نے کہا کہ یا مولیٰ میں نصف کا مستحق ہوں۔ تین درہم کیوں لوں۔ حساب سے مجھے چار درہم ملنا چاہئے آیندہ حضورؑ کو اختیار ہے۔ مولیٰ نے فرمایا کہ تو ایک درہم سے زیادہ نہیں پاسکتا۔ اس لئے کہ آٹھ روٹیوں کے ۲۴ ثلث ہوئے ہر ایک نے آٹھ آٹھ ثلث کھائے اور تمہاری تین روٹیاں تھیں اس کے نو ثلث ہوئے۔ ان میں سے آٹھ ثلث تم نے کھائے باقی ایک ثلث تمہاری روٹیوں سے مرد عرب نے کھایا اور تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیاں تھیں جسکے پندرہ ثلث ہوئے اس میں آٹھ ثلث اسنے خود کھائے باقی سات ثلث اس کے تیسرے عرب نے کھائے۔ اس لئے سات درہم کا مستحق وہ ہے۔ ایک درہم کے تم۔ یہ فیصلہ سن کر وہ شخص خاموش اور راضی ہوگیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت کو حساب کسور میں ملکۂ تامہ تھا۔ دیکھو کتاب المرتضیٰ ص ۱۳

چنانچہ ایک شخص نے کھڑے کھڑے حضورؑ سے سوال کیا۔ کہ یا حضرت ایک تو تک اعداد کا ذواضعاف اقل......(LEAST COMMON MULTIPLE) کیا ہے؟ اس سوال کے بتانے میں ہمارے اسکول کے لڑکے سلیٹ بھر دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے مولا نے کھڑے کھڑے اس کا جواب دو باتوں میں دے دیا۔ یعنی فرمایا اضرب ایام سنتک فی ایام الاسبوع یعنی سال کے دنوں کے اعداد کو جو ۳۶۰ ہیں۔ ہفتہ کے اعداد میں جو سات ہیں ضرب دے دو۔ جو عدد نکلے وہی L.C.M. ہے جائی محی الدین تم انگریزی قاعدے سے ایک تو تک کا L.C.M. نکالو۔ اسکے بعد ۳۶۰ کو سات سے ضرب دے کر دیکھو کہ دونوں طریقوں سے وہی ۲۵۲۰ نکلتا ہے یا نہیں! سبحان اللہ!!

تحقیق ایسی کہ ایک روز عین نماز کے وقت ایک شخص نے حضرت سے سوال کیا کہ یا حضرت کون کون جانور بچہ دیتے ہیں اور کون کون انڈا؟ آپ نے اتنے بڑے سوال کا کہ جس میں دنیا بھر کی بر و بحر کوہ وہاموں و صحرا کی تحقیقات درکار تھی صرف دو لفظوں میں جواب دے دیا کہ جن کے کان ظاہر ہیں وہ بچہ دیتے ہیں اور جن کے کان ظاہر نہیں وہ انڈا۔ اس جواب کو اگر معجزہ نہ کہئے تو اس میں شک ہی نہیں۔ کہ بغیر علم لدنی کے کوئی شخص ایسا جواب نہیں دے سکتا

مخصوص وہ شخص جس نے ظاہراً عرب کے دو تین شہروں کی سیر کی ہو۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ یہ نتیجہ اس تعلیم کا ہے۔ جو حضرت سرورِ کائنات نے درگاہ عالم الغیب سے حاصل کر کے سینہ بہ سینہ اپنے فرزند عالی وقار حیدرؑ کرار کو عطا فرمائی تھی۔ عقل سلیم اور طبع مستقیم ایسی کہ رسول خدا صلعم کے وقت میں آپ آنحضرتؐ کے مشیر اعظم تھے اور خود آپ کے علماء قبول کرتے ہیں۔ کہ بوقت خلافت ثلاثہ اہم مہمات میں حضرتؑ ہی کے مشورہ پر کام ہوتا تھا۔ پس ہم حیران ہیں کہ جب حجرۂ عبادت میں جناب امیرؑ اشرف العابدین اور میدانِ جنگ میں اشجع الناس اور کرسی حکومت پر صدر الصدور اور مدرسہ علمیہ میں اعلم العلماء اور کیبنٹ یعنی جلسہ وزراء میں آپ مثل ہارون کے وزیر اعظم اور محکمہ حساب میں سریع الحساب اور دار القضا اور دار العدالت میں بیعدیل تھے، تو پھر خلافت کے لئے اور کس بات کی ضرورت ہے کہ جناب امیرؑ نا قابل تصور کئے جاتے ہیں؟ اگر تمدن و تجربہ سے بحث کرو۔ تو خدا کے فضل سے جناب امیرؑ کی قابلیت اس میں بھی آزمائی ہوئی ہے۔ خود جناب سرورِ کائناتؐ نے جناب امیرؑ کو یمن کے لیے وسیع اور زرخیز صوبہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اور جناب امیرؑ نے بطور ولی عہد وہاں کا انتظام ایسا اچھا کیا۔ کہ جناب رسول مقبول صلعم ہمیشہ رضامند رہے جیسا کہ تمہارے علماء کا قول ہے۔ کہ یمن والوں کی شکایت پر جناب سرور کائناتؐ نے فرمایا تھا من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ۔ برخلاف اس کے اصحاب ثلاثہ کو ایک بیگہ یا بسوہ بھی جاگیر حکومت کے لئے نہ ملی تھی۔ باوجود اس کے جناب امیرؑ کو خلافت کے نا قابل سمجھنا اور خلفائے ثلاثہؓ کو فائق سمجھنا بالکل ہٹ دھرمی اور ضد نہیں ہے تو کیا ہے؟ اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ بعد انتقال جناب رسولِ خدا کے زمانہ جس رنگ پر چلا۔ اس کے لئے خلفائے ثلاثہ ہی موزوں تھے۔ اس پر مجھے ہنسی آتی ہے اور ایک شعر یاد آتا ہے ؎

مل کے مہندی ہے چوٹ مرجاں پر ہاتھ لانا نگار کیا کہنا

یہ عجب طرح کی بات ہے کہ جناب رسول مقبولؐ کی حیات تک تو حضرت علیؑ ہر طرح پر لائق فائق۔ عاقل۔ قابل۔ عادل۔ شجاع۔ بہادر۔ زیرک۔ دانا سب کچھ تھے۔ پھر یہ کیسی ہوا چلی۔ کہ حضرت سرورِ کائنات صلعم کی آنکھ بند ہوتے ہی آپ ایسے نا قابل ہو گئے کہ سوائے عبادت خانہ کی کوٹھڑی کے کہیں کے بھی قابل نہ رہے!!

اب ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ برائے خدا سوچو۔ کہ ایسے جامع کمالات صوری و معنوی اور ایسے مجموعہ صفات ظاہری و باطنی کو جس کی قابلیت کا سارا جزیرہ نمائے عرب بلکہ عجم گواہ ہے اور جس کو لیاقت اور قابلیت کے سرٹیفیکیٹ اللہ و رسولؐ سے حاصل ہیں اس کو تخت خلافت رسول مقبولؐ کے نا قابل سمجھنا صریح ظلم بلکہ خون انصاف ہے۔ یا نہیں۔ یاد رکھو کہ انشاء اللہ تعالےٰ ایک

وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم کو منہ دکھلاؤ گے۔ کیا خدانخواستہ حضرتؑ سے کھو گئے کہ یا حضرت جس بزرگ کو حضورؐ نے ستر ہزار آدمیوں کے سامنے مولائے مومنین قرار دیا۔ اور جس ولی کو حضور نے انہ منی وانا منہ کہا اور جس علیؑ کو حضورؐ نے انا و علیؑ من نور واحد فرمایا۔ اس کو ہم نے بوجہ عابد و زاہد خدا ترس ہونے کے حضورؐ کی نیابت کے قابل نہ سمجھا۔ اور اس لئے مذہب سنت جماعت پر قائم رہے؟ الامان؟ الحفیظ!!

پانچویں کھائی یعنی خلافت ثلثہ کا نتیجہ کیا ہوا؟ اہل بیتؑ اور آل رسول خدا صلعم کی اس کی بدولت کیا حالت ہوئی

محی الدین۔ خیر یہ سب کچھ سہی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اس الیکشن کا نتیجہ کیسا اچھا ہوا کہ اسپین سے کابل تک دین محمدی جاری ہو گیا۔ جبرالٹر سے انڈس تک اشھدان لا الہ الا اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ علوم و فنون کی ترقی ہوئی۔ پس میں تو کہتا ہوں۔ کہ بمصداق اصول نیکٹم ویلٹ یعنی الخیر فی ما وقع اس الیکشن کو جائز قرار دو اور اس کا احسان مانو۔

شہزادہ نور ایمان۔ لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار پانچویں کھائی پار۔

علی رضا۔ یہ تقریر تمہاری مجھے ایسی معلوم ہوتی ہے۔ کہ ایک شخص ایک شیر ببر کو پنجرے میں بند کر کے اس کے ہاتھ پاؤں کو زنجیر سے جکڑ دے۔ اور دانہ پانی اس کا موقوف کر دے بعدہٗ ایک سنڈ مسنڈ بھیڑئیے کو لومڑیوں کے شکار پر للکارے۔ اور جب وہ بھیڑیا ان لومڑیوں کا شکار کرے تو سب لوگ چلا اُٹھیں۔ کہ واہ واہ اس بھیڑئیے نے تو وہ کام کیا جو اس شیر ببر سے ممکن نہ تھا۔ اور بعد برسوں کے جب وہ اسد فاقوں کی شدت اور قید کی مصیبت سے ضعیف و ناتواں ہو جائے اور جوارح اس کے سست ہو جائیں۔ اور اس وقت لومڑیوں کے شکار کو بھیجا جائے اور اس میں اگر تھک جائے۔ تو لوگ کہیں کہ اس اسد سے تو وہ بھیڑیا اچھا ہے بھائی خدا کے لئے ذرا سوچو اور غور کرو۔ اس الیکشن کے نتائج کی اس قدر تعریف تو کرتے ہو مگر یہ کیونکر کہہ سکتے ہو۔ اگر یہ الیکشن نہ ہوتا اور حضرت علیؑ موافق خواہش حضرت رسول خداؐ تخت نشین ہوتے تو رونق اسلام زیادہ نہ ہوتی؟

تھوڑی عقل کو زور دینے اور غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ الیکشن نہ ہوتا اور حق بحقدار پہنچتا۔ تو دنیا بہشت ہو جاتی۔ سب لوگ ایک دل ایک زبان ایک مذہب ایک ایمان رہتے۔ شریعت کی رونق یوماً فیوماً بڑھتی رہتی۔ بارہ نسلوں تک نور خاندان رسالت کا چمکتا

رہتا۔ دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی۔ اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا نہ جاتا۔ جہاز رانی کا کارخانہ بڑھتا۔ تجارت کے لئے شتاوصیف کا خیال نہ ہوتا قل سیروا فی الارض کی پوری تعمیل ہوتی، اخلاق وتہذیب نبوی کی ترقی ہوتی۔ مکر وزور۔ دغا وفریب کا نام نہ ہوتا لوگ حق شناس ہوتے احسان فراموشی، نمک حرامی، وعدہ خلافی اور نفاق کا نام نہ لیتے۔ علوم دینی و دنیاوی جو خانہ جنگیوں کی وجہ سے طاق پر رکھ دیئے گئے تھے ترقی پکڑتے جھوٹ فریب دغا کا نام نہ رہتا اس ترقی علمی میں عجب نہیں کہ میری قوم ملک امریکہ ڈھونڈ نکالتی اس وقت یونائیٹڈ اسٹیٹ اور برازیل سے چین اور جاپان تک انگلستان اور پرتگال سے کیمسکٹکا تک مغربی افریقہ سے مشرقی ایشیا تک صدائے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً رسول اللہ واشھد ان علیاً ولی اللہ بلند ہوتی۔ برخلاف اس کے اس الیکشن نے تو نور خاندان رسالت کو اسی وقت نظر بند کر دیا نفاق باہمی واختلاف قومی نے انتہا درجہ کی ترقی کی جس کو ہم تم آج تک کس خرابی سے بھگت رہے ہیں غور کرو کہ اگر یہ الیکشن نہ ہوتا اور حضرت علیؑ اس وقت تخت پر بیٹھتے تو یہ سنی شیعہ کا اختلاف کاہے کو ہوتا؟ اگر حضرت عثمان خلیفہ نہ ہوتے تو معاویہ ایسے موروثی دشمن خاندان رسالت کو ایسی طاقت کہاں ہوتی کہ سارے شام کے مالک ہو جاتے؟ پھر یزید کس شمار میں ہوتا؟ تب یہ معرکہ سخت جس کی وجہ سے

افسوس کہ کربلا میں گھر زہراؑ کا ایسا اُجڑا کہ پھر نہ آباد ہُوا

کیوں واقع ہوتا؟ خاتون جنتؑ کی اولاد ایسی سرگردان کیوں ہوتی۔ کہ بعد سخت مصائب جھیلنے کے کسی کو کربلا۔ کسی کو کاظمین، کسی کو سامرہ اور کسی غریب کو خراسان آرام کی جگہ ملی؟ سادات بنی فاطمہؑ کا تین مرتبہ قتل عام کیوں ہوتا؟ ہزاروں سادات بغداد کے کمرک خانہ کی دیواروں میں کیوں چن دیئے جاتے؟ پس ہمارا تو اس الیکشن کی بدولت خاتمہ ہو گیا تباہ ہو گئے اور تم کہتے ہو کہ ہم اس الیکشن کا احسان مانیں!! ہم سادات بنی فاطمہؑ کیونکر احسان مان سکتے ہیں ہم تو سمجھتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ اگر یہ الیکشن نہ ہوتا، تو باسباب ظاہر قتل حسینؑ غیر ممکن تھا۔ علاوہ اس کے اشاعت اسلام کو تو آپ نے اس قدر شد ومد سے بیان کیا اور سب کا باعث اسی الیکشن کو گردانا مگر اسلام میں بڑے بھاری عیب جو رہ گئے۔ اس کی جواب دہی کون کرتا ہے۔ بغض۔ نفاق۔ حسد۔ احسان فراموشی۔ نمک حرامی جو اسلام میں اس وقت سب قوموں سے زیادہ ہے۔ اس کا الزام کس کی گردن پر رکھئے گا واقعات تاریخی کو دیکھئے ترک مسلمان آفیسروں میں یہ عیب کہ رشوت لے کر اپنی سلطنت کے غنیم سے مل جانا اور اپنے آقا اور بادشاہ سے نمک حرامی کرنا سب قوموں سے زیادہ پایا جاتا ہے یا نہیں۔ پس آپ تو

اشاعت اسلام کا باعث اسی الیکشن کو بتاتے ہیں پھر ہم اپنے آقا اور مالک سے نمک حرامی کرنے کے عیب کو کس طرف پھینکیں ؟ اور کیونکر کہیں کہ اس عیب کی ابتدا کب اور کیونکر ہوئی۔ اصول فیکٹم ویلٹ کو جو تم نے بیان کیا۔ تعجب ہے غصب یا جرائم ملکی میں فیکٹم ویلٹ کو دخل نہیں اگر کوئی شخص تمہاری چاندی کی گھڑی چرا کر اس پر سونے کا پانی پھروا دے اور اس کو بہت اچھے مخملی بکس میں رکھے تو فیکٹم ویلٹ سے وہ گھڑی اس چور کی نہیں ہو جائے گی اور نہ چوری اس کی جائز ہو جائے گی یا اس کی سزا میں کمی ہوگی۔

محی الدین۔ یہ تو تم نے خیالی پلاؤ پکایا! حضرت علیؓ آخر میں تو خلیفہ ہوئے پھر کہاں کوئی تمہاری خیالی باتیں ظہور میں آئیں۔ اور یہ جو ایک کلمۂ سخت تم بول گئے۔ وہ تو بالکل مہمل ہے قتل حسینؓ کا اور اس الیکشن سے کیا تعلق ؟ وہ کب کی بات اور یہ کب کی۔

علی رضا۔ افسوس کہ تم نے میرے الفاظ کا خیال نہ کیا۔ وہ سب نتیجے اس وقت ہوتے جب یہ بانی فساد الیکشن نہ ہوتا اور حضرت علیؓ ابتداء ہی میں تخت نشین ہوتے خلافت آخری جو حضرت علیؓ کو ملی وہ کب ملی ؟ سارا عالم سنی شیعہ جانتا ہے کہ وہ زمانہ نہایت ہی ناموافق تھا یعنی دو فرقے شیعہ سنی قائم ہو چکے تھے خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں تھیں اور حضرت عثمان کے ضعف سے سلطنت کی ناؤ کنارے لگ گئی تھی۔ چنانچہ مصنف سیرۃ الفاروق اپنی کتاب مطبوعہ لاہور کے صفحہ ۲ میں لکھتے ہیں " اصلی زمانہ خلافت حضرت عثمان ان کی خلافت کا اخیر زمانہ سمجھنا چاہیے جس میں تمام اصول سیاست تمدن اور وہ اصول سلطنت جمہوری جس پر اس عالیشان محل کی بنیاد قائم ہو گئی تھی، سب کے سب سست اور درہم و برہم ہو گئے تھے۔ اور غدر ہونا اس کا ایک ضروری نتیجہ تھا جو ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ تک جب خلافت پہنچی۔ تو ایسی ابتر اور خراب ہو گئی تھی جس کا درست ہونا اگر محال نہ تھا تو قریب ناممکن تھا۔ اس کی اصلاح میں جہاں تک ممکن تھا کوشش کی گئی۔ ملک دیئے گئے۔ دوسری حکومتیں تسلیم کی گئیں۔ مگر اصلاح نہ ہوئی اور روز بروز خرابی بڑھتی گئی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ خرابی جڑ پکڑ گئی تھی۔ کہ معاویہ کو ملک شام میں پوری طاقت حاصل ہو گئی تھی۔ اور خاندان رسالت کے مٹا دینے کا سامان اس کے پاس پورا مہیا ہو گیا تھا۔ بایں ہمہ حضرت علیؓ نے جو پانچ برس سلطنت کی وہ فیلیور نہیں ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ معاویہ اور حضرت عائشہ کے عناد کی وجہ سے اکثر اوقات آپ کی جنگ میں صرف ہوتی اور ملکی ترقی کا موقع آپ کو بہت کم ملا " اب میں تم سے حقاً ایماناً پوچھتا ہوں کہ اگر حضرت علیؓ ابتداً تخت پر بیٹھتے تو معاویہ ملک شام میں کیونکر جگہ پاتا۔ اور اگر معاویہ شام میں زور نہ پکڑتا تو امام حسنؓ پنشن لے کر خانہ نشین کیوں ہوتے اور اگر معاویہ اپنی کوشش بلیغ سے خلاف شرط صلح یزید کو اپنا ولیعہد

نہ کرتا تو امام حسینؑ کو کون قتل کرتا۔ اور خاندان محمدی و مرتضوی پامال کیوں ہوتا۔ تو کیا سلسلہ و نتیجہ نکالنے سے وہی الیکشن قتل امام حسینؑ کا باعث نہیں ہوتا ہے ؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔
محی الدین۔ یہ سب باتیں قیاسی ہیں اور مذہب میں قیاس کو دخل نہیں۔ میں فیکٹ اور فگر (واقعات اور تعداد) سے بحث کرتا ہوں۔ آپ دیکھئے تو سہی کہ اس الیکشن کی بدولت لاکھوں آدمی مشرف باسلام ہوئے اور ہزاروں میل دائرہ اسلام وسیع ہوا۔
علی رضا۔ میں چند بار کہہ چکا ہوں۔ کہ تعداد افراد اور وسعت ملک دلیل حقیقت مذہب ہو نہیں سکتی۔ بایں ہمہ چونکہ بالفعل حضرات سنت جماعت انگریزی تعلیم یافتہ چہ صغیر وچہ کبیر اس بات پر بہت ناز کرتے ہیں اور ہر شخص کو اس الیکشن کے نتیجہ پر بڑا غرا ہے اس لئے میں نے ایک ٹیبل تیار کیا ہے۔ جس میں دکھلایا ہے۔ کہ مذہب اسلام اور بانی اسلام نے کس بات کی تعلیم کی۔ اور مسلمانان الیکشن نے اور اُن کے تبع تابعین نے اِن اصولِ پاک کو کیسا پامال کیا ہے اور بانی اسلام اور اس حبیبِ خدا صلعم کی اولاد کے ساتھ کیسا مخاصمانہ سلوک کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہمارے سنت جماعت بھائیوں نے اس معاملہ کو محض ایک طرفہ مان لیا ہے اور صرف تعداد افراد اور وسعت ملک پر نگاہ ڈالی ہے مگر اس بات کی طرف مطلق توجہ نہیں کی ہے۔ کہ اس الیکشن کی بدولت اصول اسلام کی کیسی توہین ہوئی ہے۔ اور بانی اسلام کے خاندانِ پاک پر کیسی تباہی آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس الیکشن کا احسان ماننے کو کہتے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ میرے ٹیبل پڑھنے کے بعد میں تو میں یا تم تو تم غالباً کوئی انگریز جرمن و یہود و نصاریٰ ہندو ایسا نہ ہوگا۔ جس کا دل مسلمانوں کی شقاوت اور قساوت اور اس الیکشن کے خونخوار نتائج پر ہل نہ جائے گا۔ اس ٹیبل میں ایک امر کی معذرت کرتا ہوں۔ کہ بعض باتیں جو میں کہہ چکا ہوں اور بعض باتیں جو میں آئندہ بہ تصریح کہوں گا۔ اس ٹیبل میں مجملاً درج ہو گئی ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ بوجہ تقابل کے اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت آگئی ہے۔ اس لئے میں مجبور ہو گیا۔

خلافت ثلثہ و تبع تابعین کے وقت میں احکام خدا کے خلاف الٹی کارروائی، احکام حقتعالیٰ جلشانہٗ وعم نوالہٗ

۱	قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ - ترجمہ:۔ کہو اے محمدؐ میں تم سے اجر رسالت نہیں چاہتا۔ میں تم سے صرف اپنے اقربا کی مودّت چاہتا ہوں۔ پارہ ۲۵۔ سورہ شوریٰ
۲	لا تفسدوا فی الارض من بعد اصلاحہا وادعوہ خوفاً وطمعاً ان رحمۃ اللہ قریبٌ من المحسنین ۔ ترجمہ:۔ نہ فساد کرو زمین پر بعد اصلاح کے اور پکارو خدا کو از روئے خوف وطمع کے بہ تحقیق رحمت خدا کی نزدیک ہے۔ نیکی کرنے والوں کے۔ سورہ اعراف پارہ ہشتم۔

مسلمانان الیکشن کی نافرمانی اور الٹی کارروائی

۱۔ جناب رسول خدا صلعم نے مودت اقربا کے لئے ایسی التجا فرمائی۔ مگر ہزار افسوس کہ حضرت کی رحلت کے دو ہی دن کے بعد بانی الیکشن نے اس کی یہ تعمیل کی۔ کہ آنحضرت صلعم کی نور دیدہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے مکان میں آگ لگانے کا اقدام کیا۔ جو متواترات سے ثابت ہے۔ چنانچہ بالفعل کے انگریزی تواریخ عالم موسومہ ہسٹورینز ہسٹری چھپی ہے اس کی جلد ۸ صفحہ ۱۴۶ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"علی اس الیکشن میں حاضر نہ تھے۔ جب انکو یہ خبر ملی۔ تو وہ مطلق خوش نہ ہوئے۔ کیونکہ ان کو امید تھی۔ کہ لوگوں کی پسند (خلافت کیلئے) انہیں پر وارد ہوگی۔ ابوبکر نے عمر کو فاطمہؑ کے گھر پر جہاں علیؑ اور انکے چند احباب تھے بھیجا اور حکم دیا۔ کہ اگر وہ لوگ خوشی سے نہ آئیں۔ تو ان کو زبردستی لاؤ۔ اور بیعت کراؤ۔ عمر نے جب مکان میں آگ لگانا چاہا۔ تو فاطمہؑ نے کہا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ عمر نے کہا۔ کہ ہم ضرور مکان کو جلا کر خاک سیاہ کر دیں گے۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں گے (یعنی بیعت نہ کریں گے جیسا اوروں نے کیا ہے)"۔

سبحان اللہ حکم خدا اور وصیت رسول کی کیا اچھی تعمیل ہوئی ہے!!! اگر اس وقت جناب رسول خدا زندہ ہوتے۔ تو کس قدر خوش ہوتے۔ کہ واہ میرے پیارے فاروق نے میری وصیت کی کیا اچھی تعمیل کی!! نعوذ باللہ من ذالک!!!

۲۔ خلافت خلفائے ثلاثہ میں جو کچھ فساد ہونا تھا ہو چکا۔ اس پر بھی افسوس ہے کہ جب اس کی اصلاح کا زمانہ آیا۔ یعنی حضرت علی خلیفہ ہوئے۔ تب بھی لوگ فساد سے باز نہ آئے اور حضرت بی بی عائشہ طلحہ اور زبیر نے حضرت علیؑ پر لشکر کشی کی۔ اور قریب مقام بصرہ حضرتؑ سے جنگ کی۔ اور خود حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہو کر میدان جنگ میں آئیں اور حضرت علیؑ سے جدال کیا (دیکھو تذکرۃ الکرام صفحہ ۲۴۹ و صفحہ ۲۵۰) اور اسی طرح معاویہ امیر شام نے برسوں جناب امیرؑ سے جدال و قتال کیا۔ اور بعد اصلاح کے فساد برپا کرتے رہے (دیکھو سوانح عمری حضرت علیؑ صفحہ ۲۲۰)

احکام حق تعالیٰ جلّشانہٗ وعم نوالہٗ

۳- ومن یقتل مومنًا متعمدًا فجزآؤہٗ جھنم خالدًا فیھا وغضب اللّٰہ علیہ ولعنہٗ واعدلہ عذابًا عظیمًا۔ ترجمہ :- جو قتل کرے مومن کو عمدًا جزا اس کی جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور اُس پر خدا کا غضب ہے اور خدا اس پر لعن کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے اس کے لئے عذاب عظیم مہیا کیا ہے۔ سورہ نساء پارہ پنجم۔

مسلمانانِ الیکشن کی نافرمانی اور اُلٹی کارروائی

۳۔ حقتعالےٰ نے ایک مومن کے قتل عمد پر کیسی ناراضی ظاہر فرمائی ہے کہ خدایا اس سے سخت تر الفاظ غضب الٰہی کے ہو نہیں سکتے۔ مگر ہزار افسوس کہ الیکشن والے مسلمانوں نے قتل مومن کو ایک بائیں ہاتھ کا کھیل بنالیا۔ اور اپنا شعار کرلیا چنانچہ قتل عظیم تو وہ ہوا کہ عاشورہ محرم کو حضرت رسول مقبول خاتم النبیین افضل المرسلینؐ کے نواسے امام ابن امام۔ کریم ابن کریم۔ رحیم ابن رحیم حضرت امام حسین علیہ السلام کو تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کیا۔ اور حضرتؑ کے سامنے آپ کے بیٹوں۔ بھائیوں۔ بھتیجوں اور بھانجوں کو قتل کیا یہاں تک کہ جب ایک بچہ ششماہہ آپ کا شدت تشنگی سے تڑپنے لگا۔ تو خود اس کو میدان میں لائے اور فرمایا کہ تمہارے زعم میں اگر مجرم ہیں۔ تو ہم ہیں۔ اس بچے نے کیا قصور کیا ہے۔ برائے خدا دو گھونٹ پانی اس بچے کو الگ سے پلادو۔ کہ اس کی جان بچ جائے۔ مگر ہزار افسوس کہ دو لاکھ مسلمانوں میں کسی نے رحم نہ کھایا۔ بلکہ اس کی گردن نازنین پر ایک تیر مارا جس سے وہ بچہ تڑپ کر رہ گیا اور شہید ہوا۔ اور اسی طرح بہتر بزرگوار بے جرم وخطا شہید ہوئے۔ اس ظلم پر بھی خاتمہ نہ ہوا۔ اور بعد آپ کے جتنے امام ہوتے گئے سوائے امام عصر کے سب قتل کئے گئے۔ تفصیل سب آئمہ معصومین کی شہادت حسب ذیل ہے۔ پس کیا اچھا نتیجہ الیکشن کا ہوا کہ اولاد رسولؐ میں جو جو بزرگ سب سے اچھے ہوئے وہ ضرور قتل کئے گئے۔

نام معصومین	تاریخ ولادت	تاریخ وسن شہادت	ذریعہ قتل	نام قاتل	مقام مدفن
جناب رسولخدا محمد مصطفےٰؐ	۱۷۔ ربیع الاول	۲۸ ر صفر سنہ ۱۱ھ	×	×	مدینہ منورہ
جناب حضرت فاطمہ زہراؑ	۲۰ جمادی الثانی	۳ ر جمادی الثانی سنہ ۱۱ھ	×	×	مدینہ منورہ جنت البقیع
حضرت علی علیہ السلام	۱۳ ر رجب	۲۱ ر رمضان سنہ ۴۰ھ	ضرب شمشیر	ابن ملجم	نجف اشرف
حضرت امام حسنؑ	۱۵ ر رمضان	۲۸ ر صفر سنہ ۵۰ھ	زہر ہلاہل	جعدہ باشارہ معاویہ امیر شام	مدینہ جنت البقیع
حضرت امام حسینؑ	۳ ر شعبان	۱۰ ر محرم سنہ ۶۱ھ	ضرب خنجر	شمر ملعون بحکم یزید پلید	کربلائے معلیٰ
حضرت امام زین العابدینؑ	۱۵ ر جمادی الاول	۲۵ محرم سنہ ۹۵ھ	زہر	ولید ابن عبدالملک	مدینہ جنت البقیع
" محمد باقرؑ	یکم رجب	۷ ر ذی الحجہ سنہ ۱۱۶ھ	زہر	ہشام	مدینہ "
" جعفر صادقؑ	۱۷ ر ربیع الاول	۱۵ شوال سنہ ۱۴۸ھ	زہر	منصور	مدینہ "
" موسیٰ کاظمؑ	۷ ر صفر	۲۵ رجب سنہ ۱۸۳ھ	زہر	ہارون رشید	کاظمین
" علی رضاؑ	۱۱۔ ذیقعد	۲۳ ذیقعد سنہ ۲۰۳ھ	زہر	چند بنی عباس	خراسان
" محمد تقیؑ	۱۰ ر رجب	۲۹ ر ذیقعد سنہ ۲۲۰ھ	زہر	معتصم	کاظمین
" علی نقیؑ	۵۔ رجب	۳۔ رجب سنہ ۲۵۴ھ	زہر	معتز	سامرہ
" حسن عسکریؑ	۱۰ ر ربیع الثانی	۸ ر ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ	زہر	معتمد ابن متوکل	سامرہ
حضرت صاحب الامرؑ	۱۵۔ شعبان	×	×	×	حضرت بحکم خدا غائب ہیں

لے دیکھو سوانح عمری حضرت امیر علیہ السلام سراج المبین حصہ اول ودوم حسب تحقیق مولوی اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی (دیکھو کتاب سیرۃ النقی صـ۱۱۳ والعسکری صـ۱۳)

سلہ یہ کتابیں مینیجر کتب خانہ اثناعشری (رجسٹرڈ) لاہور مغل حویلی موچی دروازہ سے طلب فرمائیں۔

احکام حق تعالیٰ جلّشانہ و عمّ نوالہ

۴۔	والذین یؤذون المومنین والمومنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتاناً واثماً مبینا۔ پارہ ۲۲ سورہ احزاب۔ ترجمہ :۔ وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں مومنین و مومنات کو بغیر اس کے کہ برا کیا ہو انہوں نے پس بہ تحقیق اٹھایا انہوں نے اپنے اوپر بہتان اور گناہ ظاہر کو۔
۵۔	ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب پارہ ۱۷ سورہ حج۔ ترجمہ :۔ جو کوئی تعظیم کرے خدا کی نشانیوں کی پس وہ پرہیزگار قلب ہے۔

مسلمانان الیکشن کی نافرمانی اور اُلٹی کارروائی

۴۔ حقتعالےٰ نے تو عام مومنین و مومنات کو ایذا دینے سے منع کیا۔ لیکن افسوس کہ الیکشن کے مسلمانوں نے بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیاری بیٹی کو ایذا دی اور اس کا حق تلف کیا۔ دیکھو صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۔ اس کے بعد حضرت خاتون جنت کے پوتے امام زین العابدینؑ کو حالت مرض میں قید کیا۔ اور طوق و زنجیر پہنا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے گئے۔ دیکھو تذکرۃ الکرام صفحہ ۲۹۷۔ اسی طرح حضرت کی بیٹیوں بہوؤں پوتیوں کو اسیر کر کے دیار بدیار پھرایا کہ اسی عالم میں آپ کی پوتی معصومہ صغیر سن گھٹ گھٹ کر قید خانہ میں مر گئی۔ اس کے بعد آپ کے فرزند حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو چودہ برس تک قید رکھا ؎

حضرتؑ پہ انتہائے اسیری گذر گئی ۔۔۔ زندان میں جوانی و پیری گذر گئی

دیکھو تذکرۃ الکرام صفحہ ۲۰۰۔
علاوہ اولاد رسولؐ کے اصحاب رسولؐ کو جو حضرت کے خاندان سے ملے رہے۔ ایذائیں دی گئیں چنانچہ حضرت عمار یاسرؓ کو جو بڑے معزز صحابی تھے۔ اور جن کے بارہ میں آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ عمار یاسر سر سے پانگ تک مجسم ایمان ہے۔ حضرت عثمان کے اقران نے بڑی ایذا دی اور ان کو اس قدر مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے دیکھو تذکرۃ الکرام صفحہ ۲۳۰۔

۵۔ ظاہر ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور کربلائے معلیٰ اور دیگر روضات مقدسات حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام شعائر اللہ ہیں۔ لیکن ہزار افسوس کہ خانہ کعبہ پر حجاج سپہ سالار خلیفہ عبدالملک نے شعلہ پھینکا۔ اور آگ لگائی چنانچہ کچھ حصہ اس متبرک جگہ کا گرا دیا گیا۔ اور شعلہ پھینک کر دشمنوں نے (مسلمانوں نے اس میں آگ لگائی۔ دیکھو تذکرۃ الکرام صفحہ ۲۳۲۔ علیٰ ہذا القیاس یزید پلید کے عہد میں مدینہ منورہ پر حملہ ہوا اور مسجد نبویؐ میں گھوڑے اور خچر باندھے گئے۔ اور اس متبرک جگہ کا احترام مثل اصطبل کے کیا گیا۔ دیکھو روضۃ الصفا و تذکرۃ الکرام۔ اسی طرح خلیفہ متوکل نے ۲۳۶ھ میں حکم دیا۔ کہ قبر امام حسینؑ کی مع حوالی کی قبروں کے ڈھا کر کھیت کر دیں۔ تاکہ کوئی زیارت کو نہ آئے۔ چنانچہ کربلا ویران اور جنگل ہو گئی۔
دیکھو تذکرۃ الکرام صفحہ ۱۵۱

احکام حقتعالیٰ جلشانہٗ وعمّ نوالہ

۶- واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدها وقد جعلتم الله علیکم کفیلا - پارہ ۱۴ - سورہ نحل -

ترجمہ :- اور پورا کرو خدا کے عہد کو جب عہد کرو - اور نہ توڑو قسموں کو مؤکد کرنے کے بعد اور تحقیق کہ تم نے اللہ کو اپنے اوپر ضامن کیا -

۷- فاما الیتیم فلا تقهر - پارۂ ۳۰ - سورۂ والضحیٰ

ترجمہ :- یتیم پر قہر نہ کرو -

مُسلمانانِ الیکشن کی نافرمانی اور اُلٹی کارروائی

۶- حقتعالےٰ جلشانہٗ نے ایفائے عہد کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ مخصوص جب امورِ مذہبی اور تمدن میں ہو۔ چنانچہ اس وقت جب دو سلطنتوں میں کوئی معاہدہ ہوتا ہے تو اس کی تعمیل لازمی ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ خلفائے الیکشن نے اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ امیر معاویہ نے حضرت امام حسنؑ کے ساتھ دو شرطوں پر صلح کی۔ ایک یہ کہ کوفہ کی آمدنی امام حسنؑ کو دی جائے۔ اور دوسری یہ کہ امیر معاویہ اپنی حیات میں کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کریں۔ جس کو عامۂ خلائق پسند کریں وہی خلیفہ ہو۔ لیکن معاویہ نے دونوں معاہدوں کو توڑ دیا۔ اور کسی کی تعمیل نہ کی۔ یعنی نہ تو کوفہ کی آمدنی حضرت امام حسنؑ کو دی اور نہ اپنا خلیفہ نامزد کرنے سے باز رہا۔ بلکہ یزید کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اور کوشش بلیغ کی کہ لوگ یزید کی بیعت کریں۔ دیکھو تذکرۃ الکرام صـ ۲۸۳

۷- حقتعالےٰ نے یتیموں پر جبر و قہر تک جائز نہیں رکھا ہے۔ لیکن ہزار افسوس کہ دشمنانِ اہلبیت نے یتیمانِ جناب امام حسینؑ کو سخت ایذا دی۔ منقول ہے کہ بروز عاشورا جب جناب امام حسینؑ نے شہادت پائی۔ تو اشقیائے کوفہ و شام واسطے غارتگری کے خیمہ مبارک میں دھنس پڑے قضارا شمر لعین کو ایک لڑکی چار سالہ جس کے کان میں گوشوارے تھے ملی۔ اُس شقی نے اُس معصومہ کو طمانچے مارے اور گوشوارے اُس کے اس طرح کھینچ لئے۔ کہ کان اُس کے مجروح ہو گئے۔ اور وہ لڑکی مُنہ کے بل زمین پر گر کر فریاد واتباہ بلند کرنے لگی۔ تب اشقیاؑ نے اس معصومہ کو اسیر کیا۔ اور کوفہ و شام لے گئے۔ جہاں وہ معصومہؑ فراقِ پدر میں روتی اور تڑپتی رہی۔ آخر ایک دن یزید پلید نے اس کے بہلانے کے لئے سر مبارک جناب امام حسین علیہ السلام کا اُس کے پاس بھجوا دیا۔ جس وقت اس معصومہ نے اپنے باپ کا سر مبارک دیکھا۔ منہ سے مُنہ ملنے لگی۔ اور اسی حالت میں جاں بحق تسلیم کی۔ اور اہل بیت پر ایک مصیبت عظیم واقع ہوئی۔ کہ اس یتیم امام حسین علیہ السلام نے عالمِ غربت میں انتقال کیا۔ اور ملک شام میں دفن ہوئی۔ دیکھو روضۃ الصفا صـ ۱۳ام

احکام حقتعالیٰ جلّشانہ وعمّ نوالہٗ

۸ -	یا ایھا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوت النبی الّا ان یؤذن لکم۔ پارہ ۲۲ سورہ احزاب۔ ترجمہ:۔ اے ایمان لانے والو نہ داخل ہو گھر میں نبی کے جب تم کو اجازت نہ دیں۔
۹ -	ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً ویتیماً وّاسیراً۔ پارہ ۲۹۔ سورہ دہر۔ ترجمہ:۔ اور کھلاتے ہیں محبت خُدا میں مسکین و یتیم و اسیر کو۔
۱۰ -	الحج اشھرٌ معلوماتٌ فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔ پارہ ۲۔ سورہ بقر۔ ترجمہ:۔ حج کے مہینے معلوم ہیں۔ پس جو شخص ان میں حج مقرر کرے۔ تو اس کو عورتوں کی طرف رغبت کرنا اور گناہ کرنا اور جدال و قتال کرنا نہ چاہیے۔
۱۱ -	یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ پارہ ۷۔ سورہ مائدہ۔ ترجمہ:۔ اے ایمان والو بتحقیق شراب اور جوا اور انصاب ناپاک ہیں اور عمل شیطان ہے۔ بس بچو اس سے تاکہ فلاح پاؤ۔

مسلمانانِ ایکشن کی نافرمانی اور اُلٹی کارروائی

۸۔ پروردگارِ عالم کے اس حکم کی تعمیل ملائکہ مقربین نے کی حتیٰ کہ ملک الموت نے جو ہر جگہ جانے کے لئے ماذون ہے بغیر حکم اہل بیت کے خانۂ رسولؐ میں داخل نہ ہوا اس گھر کا احترام حضرت عمر نے کیا کہ آگ لگانے کو مستعد ہوگئے اور اشقیا کوفہ و شام دشت کربلا میں درانہ خیمہ جناب امام حسینؑ میں دھنس آئے اور کل مال و اسباب لوٹ لیا۔ اور خیمہ میں آگ لگا دی اور اہلبیتؑ کو اسیر کرکے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے گئے۔ دیکھو روضۃ الشہداء قاتل اہل بیتؑ۔

۹۔ یہ آیہ کریمہ جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوا ہے اس لئے کہ آپ نے تین دن متواتر عین افطار کے وقت اپنے سامنے کا طعام مسکین و یتیم و اسیر کو کھلا دیا اور خود فاقہ کش رہے لیکن ہزار افسوس کہ جب اس ولی خدا کے یتیم بچے پوتے اور پوتیاں اسیر ہوئیں تو کسی نے اتنی بھی خبر نہ لی کہ وہ کیا کھاتے ہیں اور کیا کھانے کو ملتا ہے۔ یہاں تک کہ جب یہ لٹا ہوا قافلہ شہر کوفہ میں داخل ہوا تو کوفی عورتوں نے اپنے بچوں کا صدقہ ان یتیموں کی طرف پھینکا۔ مگر قربان غیرتِ ہاشمی کے ان بچوں نے اس کو نہ کھایا اور جناب حضرت اُم کلثوم علیہا السلام نے فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ کہ فیوکر ان صدقہ علینا حرام۔ یعنی ہم خاندان پاک کے رہنے والے ہیں صدقہ ہم پر حرام ہے۔

۱۰۔ حق تعالےٰ نے اس آیت میں بزمانہ حج جدال و قتال کی سخت ممانعت فرمائی ہے لیکن ہزار افسوس مسلمانانِ ایکشن ظاہرا تو حج کے لئے جمع ہوئے لیکن عین خانہ کعبہ میں جگر گوشہ جناب رسول مقبولؐ سے جدال و قتال پر تل گئے اس لئے جناب امام حسینؑ کو بخیالِ حرمت حرم محترم عین حج میں اس مقام کو چھوڑ دینا پڑا اور عرفہ کے دن یعنی نہم ذی الحجہ کو حج کو عمرہ سے بدل کر کوفہ کی طرف مع انصار و اہلبیت روانہ ہوگئے اور حج نہ ادا کرنے کی حسرت اپنے ساتھ لے گئے جیسا کہ حضرت کا قول میر انیس مرحوم نے نظم کیا ہے ؎

حج بھی نہ میسر ہوا مغموم چلا ہوں   احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

یہ واقعہ عہد سلطنت یزید کا ہے۔ معاویہ کے عہد میں بھی معاویہ نے لشکر بھیجکر ان لوگوں کو جن کو جناب امیرؑ نے واسطے حفاظت حاجیوں کے معین کیا تھا قتل کروا ڈالا۔ دیکھو روضۃ الصفا۔

۱۱۔ خلفائے بنی امیہ کا شراب پینا اور قمار بازی کرنا مشہور ہے چنانچہ جس وقت سر مبارک امام حسینؑ کا یزید پلید کے سامنے لایا گیا۔ تو وہ بنا بر مشہور اس وقت شراب پیتا تھا اور شطرنج کھیلتا تھا۔ اور خلفائے بنی عباس بھی شراب پیتے تھے۔ چنانچہ متوکل کے شراب پینے کا ذکر تذکرۃ الکرام صفحہ ۱۰۲۹ میں مندرج ہے۔ اور ولید نے تو یہاں تک غضب ڈھایا تھا کہ قصد کیا تھا۔ کہ شراب پی کر خانہ کعبہ پر جائے۔
دیکھو روضۃ الصفا۔

احکام حق تعالیٰ جلشانہٗ وعم نوالہٗ

۱۲۔ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ۔ پارہ ۲۲۔ احزاب
ترجمہ:۔ اے نبی کی بی بیو تم لوگ گھروں میں قرار پکڑو۔ اور جاہلیت کی طرح بناؤ نہ بناؤ۔

۱۳۔ انما المومنین اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ پارہ ۲۶ سورہ حجرات۔
ترجمہ:۔ سب مومنین بھائی ہیں آپس میں۔ پس اصلاح کرو درمیان اپنے بھائیوں کے۔ تاکہ تم لوگ فلاح پاؤ۔

۱۴۔ الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔
ترجمہ:۔ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔

مسلمانان الیکشن کی نافرمانی اور الٹی کارروائی

۱۲۔	حق تعالٰے نے عورتوں کے لئے پردہ داری کا حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ تم لوگ گھروں میں رہو اور وہیں قرار کرو۔ لیکن حضرت بی بی عائشہ خود جنگ جمل میں بمقام بصرہ کھلے بندوں میدان جنگ میں آئیں اور جنگ کی۔ ناظرین غور فرمائیں کہ اگر جناب رسولخدا صلعم اس بات کو دیکھتے تو حضرت کے قلب کا کیا عالم ہوتا۔
۱۳	حقتعالٰے نے آپس کی لڑائی جھگڑے کو بہت ناپسند فرمایا ہے لیکن ہزار افسوس کہ اس الیکشن کے تابعین نے جنگ وجدال ہی کو اپنا شعار کیا حضرت بی بی عائشہ اور طلحہ و زبیر جناب امیرؑ سے لڑے خالد نے مالک بن نویرہ سے جنگ کی۔ عبد الملک ابن زبیر سے لڑا خلیفہ ماموں نے خلیفہ امین سے جنگ کی اور درمیان بنی امیہ اور بنی عباس کے اس قدر جدال و قتال ہوا۔ کہ مسلمانوں کے خون کے دریا بہے اور بقول ایک انگریزی مورخ کے اسلام اپنے خون میں آپ نہایا۔
۱۴	حقتعالٰے نے جھوٹوں سے اپنی بڑی ناراضگی ظاہر فرمائی ہے۔ لیکن مسلمانان الیکشن کے بڑے بڑے لوگ اس قدر جھوٹ بولے ہیں کہ اس کا انحصار مشکل ہے۔ حضرت عمر کا باوجود علم وفات جناب سرورکائناتؐ کے یہ فرمانا۔ کہ آنحضرتؐ نے انتقال ہی نہیں کیا ہے امیر معاویہ کا محض جھوٹ یہ کہنا کہ امام حسینؑ وغیرہ نے خلوت میں یزید کی بیعت کی مشہور ہے۔ ایک پبلک جھوٹ کا واقعہ یہ ہے۔ جب بی بی عائشہ جناب امیرؑ سے لڑنے کے لئے بمقام بصرہ جاتی تھیں۔ تو رستہ میں بمقام حوأب آپ کے ناقہ کے چاروں طرف کتے بھونکنے لگے۔ تب آپ نے دریافت کیا۔ کہ اس جگہ کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا اس مقام کو حوأب کہتے ہیں۔ یہ سن کر آپ بہت گھبرائیں اور فرمایا کہ حضرت نبی صلعم نے فرمایا تھا کہ میری ایک بی بی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ جب کہ وہ بر سر ناحق ہوگی۔ اس پر لوگوں نے جھوٹ یہ کہلا دیا کہ یہ مقام حوأب نہیں ہے اور حضرت طلحہ و زبیر نے پچاس آدمیوں سے جھوٹی گواہی دلوادی۔ دیکھو تذکرۃ الکرام صفحہ ۲۵۔ مطلب اس جھوٹی گواہی سے یہ تھا۔ کہ حضرت عائشہ جناب امیرؑ سے جنگ کرنے میں پسپانہ ہو جائیں اس واقعہ کو مصنف ہسٹورینز ہسٹری نے بھی بصفحہ ۱۷۱ جلد ۸ بصراحت لکھا ہے اور لکھا ہے کہ یہ پہلا پبلک جھوٹ بولا گیا۔

احکام حق تعالیٰ جلّ شانہ وعم نوالہ

۱۵۔ حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہِ قانتین۔ پارہ ۲ سورہ بقرہ۔

ترجمہ:۔ حافظ ہو نمازوں پر اور بیچ والی نماز پر (نماز ظہر و عصر) اور کھڑے ہو اللہ کے آگے ادب سے۔

۱۶۔ واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للہِ خمسہٗ وللرسول ولذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمساکین وابن السبیل۔ پارہ ۱۰۔ سورہ انفال۔

ترجمہ:۔ جان رکھو کہ جو مال غنیمت سے تم کو ملے تو اس میں ایک خمس اللہ اور رسولؐ اور ذوی القربیٰ اور یتیموں اور مساکین کے لئے ہے۔

۱۷۔ یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیل اللہ لعلکم تفلحون۔ پارہ ۶۔ سورہ مائدہ

ترجمہ:۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تم لوگ فلاح پاؤ۔

مسلمانانِ الیکشن کی نافرمانی اور الٹی کارروائی

۱۵-	حق تعالےٰ نے نماز کے لئے مسلمانوں کو بڑی تاکید فرمائی ہے۔ مگر ہزار افسوس کہ مسلمانان الیکشن خود نماز کیا پڑھیں گے۔ بڑے بڑے مقدس نمازیوں کو نماز میں شہید کیا۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کو عین سجدۂ خدا میں ضرب لگائی اور جناب امام حسین علیہ السلام کو نماز عصر میں جس وقت کہ وہ حضرتؑ سجدہ میں تھے شہید کیا اور آپ کے سر مبارک کو نیزہ پر چڑھایا۔ اور حضرتؑ کی نعشِ اطہر کو مع نعش ہائے دیگر شہداء بے دفن وکفن جلتی ریت پر میدان کربلاؑ میں چھوڑ دیا۔
۱۶-	حق تعالےٰ کا حکم ہے کہ مالِ غنیمت سے خمس اللہ اور رسول کے لئے ہے لیکن مسلمانان الیکشن نے بجائے خمس دینے کے خود خانۂ جناب رسولؐ یعنی یتیمان جناب امام حسین علیہ السلام کو لوٹا اور کچھ بھی اسیران اہل بیتؑ کے لئے رہنے نہ دیا۔ اور آب وطعام سے ان بزرگواروں کو ترساتے رہے۔ اور خمس بھی گھر میں نہ چھوڑا۔
۱۷-	حق تعالےٰ نے اس آیت میں حکم دیا ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ یا امام زمانؑ کے ساتھ کافروں پر جہاد کرو مگر تابعان الیکشن نے ٹھیک اس کے برعکس کارروائی کی۔ یعنی خود خلیفہ وقت یا امامِ زمان سے جنگ وجدال کیا۔ جیسا سابقاً لکھا گیا۔ کہ حضرات بی بی عائشہ اور طلحہ وزبیر نے جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام سے جو اس وقت بقول فریقین خلیفہ زمان تھے۔ لڑائی کی اور امیر معاویہ نے جنگ صفین میں جناب امیر علیہ السلام کے لئے چیدہ اور منتخب پہلوان پے درپے میدانِ جنگ میں بھیجے اور ہر طرح کی ترغیب دی اور کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ کہ جس میں جناب امیر علیہ السلام قتل کئے جائیں۔ دیکھو سوانح عمری جناب امیر علیہ السلام صفحہ ۲۴۔

خلافت ثلثہ و تبع تابعین میں رسولِ خدا صلعم کے احکام کی کیسی مخالفت کی گئی اور کیسی الٹی کارروائیاں ہوئیں

اَحکام رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱	من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہٗ۔ دیکھو تفسیر کبیر۔ آیہ یاایہا الرسولؐ۔ ترجمہ:۔ یعنی جس کا میں مولا ہوں۔ اُس کا علیؑ مولا ہے۔ خدایا دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے اس کو اور دشمن جان اُس کو جو دشمن جانے اس کو اور نصرت کر اُس کی جو نصرت کرے اس کی۔ اور ذلیل کر اس کو جو ذلیل کرے اسے۔ دیکھو مسٹر امیر علی کی اسپرٹ آف اسلام ص۳۱۴ سوانح عمری حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ص۲۰۳ تا ص۲۰۴
۲	انا و علیؑ من نورٍ واحدٍ دیکھو سوانح عمری حضرت علی علیہ السلام ص۵۲۶ ترجمہ:۔ میں اور علیؑ نورِ وحدت سے ہیں۔
۳	النظرُ الی وجہِ علیٍ عبادۃٌ۔ دیکھو سوانح عمری حضرت علی ص۱۳۶ تتمہ کتاب ترجمہ۔ علیؑ کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے۔ اِس حدیث کے راوی خود حضرت ابوبکر ہیں۔ دیکھو فتوحات اسلام محاربۂ صدیقیہ ص۱۳

مسلمانانِ الیکشن کی نافرمانی اور الٹی کارروائی

۱۔ جناب رسول مقبولؐ نے بہ مقابلہ ستر ہزار آدمیوں کے باضابطہ طریقہ پر فرمایا۔ کہ جس کا میں مولا ہوں۔ اس کا علیؑ مولا ہے۔
لفظ مولیٰ کا اس جگہ پر درجہ مساوات کا دکھلاتا ہے۔ اور یقیناً لفظ خلیفہ سے معزز تر ہے کیونکہ خلیفہ یعنی نائب اپنے منیب سے کم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ جناب رسول مقبول صلعم حضرت علیؑ کو مثل اپنے سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ جو خدا نے اپنی شان میں استعمال کیا وہی لفظ حضرت علی کی شان میں استعمال فرمایا ہے۔ جس سے یقیناً یہ بات مراد تھی۔ کہ لوگ حضرت علیؑ کو ویسا مانیں جیسا حضرتؐ کو مانتے ہیں۔ مگر ہزار افسوس کہ یہ کل کارروائی حضور کی بیکار ہو گئی اور سقیفہ میں یاروں نے مثلِ رسولؐ سے ایسا قطع نظر کیا۔ کہ گویا کوئی معمولی لیاقت کا بھی آدمی اس خاندان پاک میں اس وقت نہ تھا۔ یعنی جب حضرت علیؑ آنحضرت صلعم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ تو دوسرے لوگ مولائے مومنین بن بیٹھے۔ اور حضرت علیؑ کا نام تک نہ لیا گیا۔ شاید الیکشن کی ڈکشنری میں محبت و ولا کے یہی معنی ہیں۔ لیکن دیکھنا ہے کہ رسول مقبولؐ کی دعا بروز محشر اپنا کیا اثر دکھلاتی ہے۔

۲۔ جناب رسول مقبول صلعم نے تو اپنے کو اور حضرت علیؑ کو نورِ واحد سے قرار دیا۔ مگر افسوس کہ بعد انتقال حضورؐ کے حرص اور طمع دنیاوی کی ایسی تاریکی چھائی۔ کہ یہ نور یاروں کی نظروں سے چھپ گیا۔ اور زمانہ میں ایسا اندھیرا ہوا کہ اس نور کا نظر بند اور خانہ نشین رہنا موجب رونق اسلام سمجھا گیا!! افسوس اور صد ہزار افسوس!!!

۳۔ جناب رسول مقبولؐ نے تو زیارت علیؑ کو عبادت میں داخل کیا تھا۔ لیکن حضرت علیؑ کے ساتھ یہ عبادت اس طرح بجا لایا گیا۔ کہ آپ گرفتار کر لئے گئے۔ اور آپ کے مکان میں آگ لگانے کا اقدام کیا گیا اور کہا گیا کہ اگر بیعت نہ کرو گے۔ تو تم کو قتل کریں گے۔ دیکھو کتاب الامامۃ والسیاسۃ۔ سبحان اللہ عبادت ہو تو ایسی ہو!!!

احکام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۴ - من سبَّ علیاً فقد سبّنی۔ سوانح عمری حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ص۱۴۵ تتمۂ کتاب
ترجمہ:- جس نے علیؑ کو بُرا کہا۔ اس نے مجھ کو بُرا کہا۔

۵ - الحسن والحسین سیّدا شباب اہل الجنۃ۔ دیکھو سوانح عمری حضرت امیرؑ ص۳۴۹
ترجمہ:- حسنؑ اور حسین علیہم السلام سردارِ جوانانِ بہشت ہیں۔

۶ - حسین منّی وانا من الحسینؑ۔
ترجمہ:- حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں

مسلمانان الیکشن کی نافرمانی اور الٹی کارروائی

۴۔ جنابِ رسول مقبولؐ نے تو حضرت علیؑ کی شان میں یہ فرمایا۔ مگر مسلمانان الیکشن نے اس کی یوں تعمیل کی۔ کہ حضرت علیؑ کی شان میں جامع مسجد میں بمقام دمشق عام طور پر تبرا ہوتا تھا اور خلفائے عباسیہ کے وقت میں بھی حضرت علیؑ پر علانیہ سب ہوتا رہا۔ دیکھو تذکرۃ الکرام صفحہ ۲۶۹ اور فیصلہ مصدرہ ۱۸۶۶ء مصدرہ ہائی کورٹ بمبئی جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۳ نعوذ باللہ من ذالک۔ پس مسلمانان الیکشن نے کیا اچھی ترقی کی کہ اپنے رسولؐ کو گالی دینے لگے۔

۵۔ جناب رسول مقبولؐ اپنے پیارے نواسوں کو سردارِ جوانانِ بہشت فرماتے تھے۔ مگر مسلمانان الیکشن نے سردارِ اوّل کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ کہ وہ زہرِ دغا سے شہید کئے گئے۔ اور جب ان کی نعش مبارک کو پہلوئے جناب رسول مقبولؐ میں دفن کرنا چاہا تو حضرت بی بی عائشہ مزاحم ہوئیں اور جدال و قتال کی نوبت پہنچی اس لئے سردارِ مظلوم گورِ غریبان میں بمقام بقیع دفن ہوئے دیکھو تاریخ اعثم کوفی مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۔ اور سردارِ دومؑ کے ساتھ تو مسلمانان الیکشن نے وہ کیا جو کوئی کافر بھی نہ کرتا یعنی ان کا سر مبارک کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام لے گئے۔ اور اس طرح اپنے سردار کی سرداری نباہی!! الامان۔ الحفیظ!!!

۶۔ جناب رسول مقبولؐ نے فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ لیکن ہزار افسوس کہ جب اسی پیارے حسینؑ مظلوم کا سر مبارک یزید پلید کے سامنے لایا گیا۔ تو اس شقی نے ایک چھڑی سے لب و دندان مبارک امام حسینؑ کو کھولا اور کہا کہ کیا اچھے لب و دندان حسینؑ ہیں۔ اس پر ایک شخص چلا اٹھا۔ کہ اے یزید جلد اس چھڑی کو اٹھا لے۔ کہ میں نے بارہا دیکھا تھا کہ جناب رسول مقبولؐ انہی لب و دندان کے بوسے لیتے تھے۔ دیکھو روضۃ الشہداء صفحہ ۳۰۳ اور مسٹر امیر علی کی اسپرٹ آف اسلام صفحہ ۴۲۵۔

اگر اس وقت جناب رسول خدا صلعم اپنی آنکھ سے اس واقعہ کو دیکھتے تو عیاذاً باللہ الیکشن کے اسلام پھیلانے سے کس قدر خوش ہوتے!!!

احکام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۷۔ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی :۔ دیکھو سوانح عمری جناب امیرؑ ص ۳۸۶

ترجمہ :۔ میں تم لوگوں میں دو بڑی بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ یعنی کتاب اللہ اور اپنی عترت۔

۸۔ اکرموا اولادی الصٰلحین للہ والطٰلحین لی۔

ترجمہ :۔ تعظیم کرو میری اولاد کی۔ صالحین کی خدا کے لئے۔ اور گنہگاروں کی میری خاطر سے۔

مسلمانانِ الیکشن کی نافرمانی اور اُلٹی کارروائی

۷۔ حضور پرنور نے دو امانتیں چھوڑیں۔ ایک کتاب خدا اور دوسری عترت طاہرہ کتاب خدا کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ حضرت عثمان نے بہت سے کلام پاک جلوا دیئے۔ دیکھو تذکرۃ الکلام ص۲۳۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ چونکہ آپ چند جلدیں مرتب کر چکے تھے۔ اس لئے اور سب اوراق کو جلوا دیا۔ تو میں کہوں گا جس قدر کلام تھے وہ کلام خدا اور امانت رسولؐ تھے اس امانت کے نقصان اور ضائع کرنے کا حضرت کو کیا حق تھا۔ اس سے بڑھ کر امانت میں خیانت کیا ہو گی کہ خود جلوا دیا۔ ولید نے بھی کلام پاک کی بڑی بے حرمتی کی یعنی اس کی طرف تیر چلایا۔ دیکھو روضۃ الصفا۔ اور دوسری امانت جو رسولِ خدا صلعم چھوڑ گئے تھے۔ اس کے ساتھ مسلمانانِ الیکشن نے جو سلوک کیا۔ اس کو بیان کر چکا ہوں اس جگہ صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ؎

مشہد میں کربلا میں نجف میں مدینہ میں — بکھرے گلِ ریاضِ پیمبرؐ کہاں کہاں

۸۔ مسلمانانِ الیکشن نے جو سلوک ساتھ فرزندانِ خاص جناب رسول مقبول صلعم کے جو درجہ امامت پر فائز تھے کیا وہ مختصر لکھا جا چکا ہے۔ اب عام اولاد کے ساتھ جن کی تعظیم کے لئے حضور نے اپنا واسطہ دیا تھا یہ سلوک کیا گیا۔ کہ تین مرتبہ ان کا قتل عام ہوا۔ یہاں تک کہ اپنے علم میں ظالموں نے اولاد رسولؐ میں ایک کو بھی نہ چھوڑا۔ چنانچہ ایک قتل عام ۶۲۵ھ میں معتصم باللہ کے زمانہ میں ہوا۔ کہ جس میں کل شیعہ قتل کر دیئے گئے اور اس شقی نے ایک عام اشتہار دیا۔ کہ سُنی لوگ شیعوں کو بے خوف وخطر لوٹیں۔ ان کے گھروں کو مسمار کر دیں۔ ان کی زراعت کو پامال کریں۔ اور اُن کی عورتوں کو اور لڑکوں کو لونڈی غلام بنائیں۔ الامان۔ الحفیظ!!! دیکھو مسٹر امیر علیؒ کی اسپرٹ آف اسلام ص۴۶۱ و پرسنل قانون محمدی ص۱۴ دیباچہ الغرض مسلمانانِ الیکشن نے حضور پرنور رسول مقبولؐ کی وصیت کی کیا اچھی تعمیل کی اور حضرتؐ نے جو خدا کا اور اپنا واسطہ دیا تھا اس کو کیا خوب نباہا۔

احکامِ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۹- التعزیۃ تورث الجنّۃ

ترجمہ:- تعزیت کرنے سے جنت حاصل ہوتی ہے۔

۱۰- من عاد مریضاً فلہ لکلّ خطوۃ حتی یرجع الی منزلہ سبعون الف حسنۃٍ

ترجمہ:- جو شخص عیادت کرے مریض کی تو اس کے ہر قدم پر اپنے گھر واپس آنے تک ستر ہزار ثواب ملتے ہیں۔

۱۱- من شیع جنازۃً فلہٗ لکلّ قدمٍ یرفعہٗ ملأت حسنۃٍ

ترجمہ:- جو شخص کسی جنازہ کی مشایعت کرتا ہے۔ تو اس کو ہر قدم پر ثواب ملتے ہیں۔

مسلمانان الیکشن کی نافرمانی اور الٹی کارروائی

۹ - یہ امر محتاج دلیل نہیں ہے کہ جب کسی گھر میں کوئی حادثہ یا غمی واقع ہو تو اس کے اہل کو پرسا دینا چاہیئے اور دلدہی کرنا چاہیئے۔ مگر ہزار افسوس کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو ان کے اہل بیت کیساتھ بجائے تعزیت یعنی پرسا دینے کے یہ بیرحمی کی گئی کہ جس خیمہ میں عورتیں اور بچے تھے اس میں آگ لگا دی گئی اور شب بھر اہلبیتؑ اسی میدان میں اسیر رہے اور جب دشمنوں کا لشکر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ تو بہ نظر ایذا دہی اہلبیتؑ کی مخدرات کو قتل گاہ کی طرف سے لے گئے۔ اس وقت ان خواتین کو اپنے اپنے پیاروں کو فرش خاک پر خواب عدم میں سوتے ہوئے دیکھ کر جو صدمہ پہنچا ہوگا وہ بیان سے زیادہ قابل خیال ہے۔ پس اہلبیتؑ رسولؐ کے ساتھ اُن کے غم والم میں رسم تعزیت کیا اچھی طرح سے بجالایا گیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

۱۰ - یہ امر محتاج بدلیل نہیں۔ کہ مریض کی خدمت کرنا فعل حسنہ ہے مگر ہزار افسوس۔ کہ فرزندانِ رسولؐ سے مسلمانان الیکشن ایسے بگڑے کہ جناب امام زین العابدینؑ کو بعد شہادت حضرت امام حسینؑ جب بسترِ مرض پر پایا تو بجائے علاج اور خدمت کے جس فرش پر آپ لیٹے تھے اس کو کھینچ لیا اور آپ کو طوق وزنجیر میں جکڑ کر کربلا سے کوفہ سامنے ابن زیاد[۳] کے لے گئے۔ جہاں اُس شقی نے آپکے قتل کا حکم دیا دیکھو روضۃ الشہداء۔ الغرض فرزندانِ رسولؐ پاک کی کیا خوب عیادت اور خدمت کی گئی۔

۱۱ - یہ امر بھی محتاج بسند نہیں کہ مذہب اسلام نے احترام نعش مُسلمان کو فعل حسنہ سمجھا ہے۔ مگر ہزار افسوس کہ نواسۂ رسولؐ اور دیگر شہدائے کربلا کی نعشہائے مقدس میدان کربلا میں بے دفن وکفن چھوڑ دی گئیں اور کسی کو اتنی توفیق نہ ہوئی۔ کہ جنازہ ترتیب دے اور اس کی مشایعت کرے۔ یا ان عزیزوں کی قبریں بنا کر دفن کر دے آخر قوم بنی اسد نے ساتھ امام زمانؑ کے چند روز کے بعد جناب امام حسینؑ اور حضرت عباس علیہ السلام اور شاہزادگان علیؑ اکبر و علیؑ اصغر علیہم السلام کو علیحدہ علیحدہ قبروں میں دفن کیا اور بقیہ کُل شہدائے راہ خُدا کی لاشوں کو ایک جگہ گنج شہیدان میں دفن کیا۔

احکام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

۱۲۔ من اکرم غریبًا فی غربتہٖ او نفّس غمہ او اطعم او سقی شربۃً او ضحک فی وجھہ فلہُ الجنّۃ۔

ترجمہ:۔ جو اکرام کرے غریب مسافر کا اس کی مسافرت میں، یا غم اس کا غلط کرے یا کھانا کھلائے یا ایک گھونٹ پانی پلائے یا اس کے سامنے بشاشت ظاہر کرے تو اس کے لئے جنّت ہے۔

۱۳۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصین

ترجمہ:۔ طلب کرو علم اگرچہ وہ چین میں ہو۔

۱۴ ان اللہ حرّم الجنۃ علیٰ من ظلم اھلبیتی او قاتلھم او غارھم او سبّھم

(دیکھو سوانح عمری حضرت علیؑ صفحہ ۳۸۶)

ترجمہ:۔ اللہ تعالےٰ نے حرام کیا ہے جنّت کو اس شخص پر جس نے میرے اہلبیتؑ پر ظلم کیا یا اُن سے قتال کیا۔ یا ان کو برا کہا۔

والذی نفسی بیدہ لا یبغض اھل البیت احدٌ الا کبّہُ اللہ فی النّار۔

سوانح عمری حضرت علی

ترجمہ:۔ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ہم اہلبیت سے وہی بغض رکھے گا۔ جس کو اللہ تعالیٰ آگ میں اوندھا گرائے گا۔

مسلمانانِ الیکشن کی نافرمانی اور الٹی کارروائی

۱۲۔ یہ امر ظاہر ہے۔ اور محتاج بہ ثبوت نہیں کہ مہمان اور غریب الوطن کی خاطرداری اخلاق کے اچھے کاموں میں سے ہے مگر ہزار افسوس کہ الیکشن کے تعلیم یافتہ مسلمان ایسے نکلے کہ زمانہ جاہلیت تک کی حمیت ان میں باقی نہ رہی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ جب حضرت مُسلم کو ابن زیاد نے شہید کیا۔ تو حضرت کے دو معصوم بچے نو دس برس کے سن کے محبس میں بھیج دیئے گئے۔ وہاں کے افسر نے ترس کھا کر ان کو محبس سے نکال دیا وہ یتیم وغریب اُفتاں و خیزاں ایک درخت کی آڑ میں جا چھپے۔ اتفاقاً وہاں ایک عورت پانی بھرنے کو آئی اُس نے ان معصوموں کو دیکھ کر ترس کھایا اور اپنے گھر لائی۔ اس کی بی بی مومنہ دوست دار اہلبیتؑ تھی اُس نے ان معصوموں کو اپنے گھر میں جگہ دی اور مہمان بنایا شب کے وقت اس کے شوہر نے جو دشمن اہلبیتؑ تھا۔ بچوں کی آہٹ پا کر اس گھر میں گیا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ اُن بچوں نے اس کو دوست دار سمجھ کر کہا کہ ہم پسران مسلمؑ ہیں۔ یہ سن کر وہ شقی غضب ناک ہوا اور بچوں کے رخساروں پر طمانچے لگائے اور رسی میں دونوں کے ہاتھ باندھ کر پلنگ میں باندھ دیا اور صبح کو دریائے فرات پر لے جا کر قتل کرنا چاہا۔ بچوں نے نمازیں پڑھیں۔ بعدہٗ اُس شقی نے بڑے بھائی کا سر قلم کر کے جدا اطہر اس کا دریائے فرات میں ڈال دیا چھوٹا بھائی بڑے بھائی کا سر گود میں لے کر مُنہ سے مُنہ ملنے لگا اسی عالم میں چھوٹے بھائی کے سر کو بھی اس مردود نے قلم کر کے نعش کو دریا میں پھینک دیا۔ آخر دونوں نعشیں نکالی گئیں اور دونوں معصوموں کا ایک روضہ بنا۔ جو اب تک مسیب میں مرجوع ہے۔ دیکھو روضۃ الشہدا صفحہ ۲۷۶

الغرض الیکشن نے ایسے مسلمان بنائے جو شقاوت اور قساوت میں دُنیا بھر کے اشقیا سے گوئے سبقت لے گئے۔

۱۳۔ جناب سرورِ کائناتؐ بڑے علم دوست تھے۔ مگر حضرت خلیفہ دوم کو علوم سے کچھ ایسی نفرت تھی کہ آپ نے اسکندریہ کا کتبخانہ جلوا دیا اور اس میں اتنا بھی لحاظ نہ فرمایا کہ اس میں کون کون کتابیں رہنے کے قابل ہیں اور کون کون نہ رہنے کے قابل ہیں بلکہ بلاتحقیق و تفتیش سارے کتبخانہ کو خاک میں ملا دیا۔ اس پر بھی مسلمانوں کا ناز کرنا کہ خلفائے ثلثہ کے وقت میں علوم کی ترقی ہوئی کس قدر بے محل ہے۔

۱۴۔ ان حدیثوں کو صغریٰ اور جس قدر واقعات اوپر تحریر ہوئے ان کو فرداً فرداً کبریٰ قرار دے کر جو نتیجے نکلیں ان کو آپ خود نکال لیں میرے لئے زیادہ حد ادب۔

(آپ کا خادم سیّد علی رضا)

محی الدین۔ براہ عنایت مجھے یہ ٹیبل عنایت کیجیے۔ کہ میں اس کو باطمینان پڑھوں اور نتائج پر غور کروں۔

علی رضا۔ بسم اللہ حاضر ہے۔

یہ کہہ کر علی رضا نے وہ ٹیبل محی الدین کو دیا۔ اور انہوں نے اپنے گھر لے جاکر پڑھا اور اکثر باتوں کو کتابوں سے ملایا۔ تو واقعات مندرجہ ٹیبل کو صحیح پایا۔ تب اس کے دل میں بڑی الجھن پیدا ہوئی۔ دو روز کے بعد علی رضا کے مکان پر گیا اور ٹیبل واپس کیا؟

علی رضا۔ کیوں بھائی آپ نے ٹیبل ملاحظہ کیا؟

محی الدین۔ ہاں بھائی میں نے بغور دیکھا۔

آلِ رسولؐ خدا پر بہ نتیجہ خلافت پر کیسے کیسے شدائد گزرے؟

علی رضا۔ کیوں بھائی محی الدین تم تو الیکشن کے نتائج کے فیکٹ اور فگر سے بحث کرتے ہو۔ تو میں کہتا ہوں کہ نعوذ باللہ تم کو اس فیکٹ پر ناز ہے۔ کہ رسول مقبولؐ تو مودت اقربا کے لئے وصیت اور التجا کر گئے تھے۔ لیکن دو تین ہی روز بعد انتقال آپ کے اس وصیت کی یہ تعمیل ہوئی۔ کہ آں حضرت کی پیاری بیٹی کے گھر میں آگ لگائی گئی۔ یا آگ لگانے کا اقدام کیا گیا؛ اور کس نے ایسا کیا؟ بانی الیکشن نے!! کیا تم کو اس فیکٹ واقعہ پر ناز ہے کہ جناب رسول مقبولؐ کا لختِ جگر (حضرت امام حسنؑ) اپنے جدِ بزرگوار کے پہلو میں دفن ہونے نہ پائے اور ان کی نعش مطہر پر تیر برسائے گئے؟ اور یہ کس کے حکم سے؟ الیکشن کے بڑے حضور کی صاحبزادی کے حکم سے!! کیا تم کو اس فگر پر ناز ہے۔ کہ جنگ صفین میں ستر ہزار مسلمان جناب امیر علیہ السلام خلیفہ وقت اور نائب رسولؐ سے جنگ کرنے کو آئے تھے۔ اور ان میں ہر ایک حضرت علیؑ کا سر کاٹنے کے لئے کمربستہ تھا۔ دیکھو سوانح عمری حضرت علی ابن ابی طالب صفحہ ۲۲ اور یہ کس کے حکم سے الیکشن کے چھوٹے حضور کے چچیرے بھائی کے حکم سے!! کیا نعوذ باللہ تم کو یا کسی مسلمان کو اس فگر پر ناز ہے کہ معرکہ کربلا میں دو لاکھ شامی اور کوفی خاندان رسالت کو ایک دم تباہ و برباد کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے اور سبھوں نے جانتے ہوئے اس خاندان پاک کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ یعنی اس حبیب خدا کے نور عین حضرت امام حسینؑ کو اور ان کے بیٹے بھائی بھتیجے بھانجے حتی کہ بے زبان شیر خوار لڑکے کو بے جرم و گناہ کو تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کیا تھا؟ اور کس نے یا کس کے حکم سے؟ الیکشن کے چھوٹے حضور کے بھتیجے اور حضرت معاویہ کے صاحبزادے بلند اقبال فخر خاندان کے حکم سے!!

کیا خدانخواستہ تم کو یا نعوذ باللہ کسی مسلمان کو اس مسلمانی اور اس وسعت ملک پر ناز ہے ؟ کہ حبیب خدا اشرف انبیا صاحب قاب قوسین افضل المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین کی نواسیاں اور بہوئیں اور پوتیاں بیجرم و خطا اسیر ہو کر سر برہنہ شتران بے کجاوہ پر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے قادسیہ اور تکریت اور وادی نخلہ سے موصل اور ارض نصیبین اور حلب اور عسقلان اور بعلبک وغیرہ ہو کر ملک شام میں دمشق تک پھرائی گئیں اور بیس دن تک زندان شام میں مقید رہیں۔ لیکن کسی نے ان غریبوں پر اتنا ترس نہ کھایا۔ کہ ان بیکسوں کو ظالموں کے پنجے سے چھڑائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ خیال کرو کہ اسی حبیب پاکؐ کے اس نواسہ کا سر جس کو آپ اپنے کاندھے پر چڑھاتے تھے۔ اور حسین منی وانا من الحسین فرماتے تھے ظالموں نے نیزہ پر چڑھایا اور اسی طرح شہر بہ شہر دیار بدیار لیے گئے اور ایسا سخت واقعہ کس کے ہاتھ سے اور کس کے حکم سے ہوا ! مسلمانوں کے ہاتھ سے اور حضرت معاویہ کے صاحبزادے کے حکم سے !!!

اب یہ بات نہایت غور کے قابل ہے کہ عرب کی حمیت مشہور ہے۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ ایسے شدید واقعات پر سارے عراق عرب اور سارے ملک یعنی شام کے مسلمانوں نے ایسی بے اعتنائی کی۔ کہ رسول زادیاں اسیر ہوئیں اور رسول خدا کے نواسے کے سر مبارک کی تشہیر ہوئی۔ مگر سارے عراق و شام کے الیکشن والے مسلمان منہ دیکھتے رہ گئے۔ اور کسی نے ان اسیروں کو ظالموں کے پنجے سے نہ چھڑایا !!! اگر کسی نے کچھ کیا تو صرف اتنا کہ اشقیائے کوفہ و شام کو اپنے شہر میں ٹھہرنے نہ دیا۔ میرے نزدیک اس حسرتناک بے اعتنائی کی وجہ تو ظاہراً یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ الیکشن کے تعلیم یافتہ مسلمان تو جانتے تھے۔ کہ انکے پیشوا اور رہبر دارین یعنی الیکشن کے منچلے حضور ان اسیروں کی مادر گرامی کا گھر جو خاتون جنت کہلاتی تھیں۔ اپنے دست مبارک سے جلا چکے تھے۔ پھر ان کی بیٹیاں بہوئیں پوتیاں اسیر ہوئیں تو کیا ہوا ؟ وہ کیوں حمایت کرنے لگے یا ان کو چھڑانے لگے ! بھائی محی الدین تم خود غور کرو۔ کہ اگر ایسا سبق غلط ہوتا تو ممکن تھا کہ رسول اللہ کی نواسیاں پوتیاں یوں دیار بدیار سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل پھرائی جائیں اور کسی شہر میں یا کسی دیار میں کسی مسلمان کو حمیت عرب یا جوش اسلام نہ ہوا ؟ کیا اس وقت ممکن ہے کہ زار روس خدانخواستہ خدانخواستہ سلطان المعظم عبدالحمید خان کی لونڈیوں کو اسیر کر کے ماسکو وغیرہ مسلمان شہروں میں تشہیر کرے اور اسی کی رعایا ان شہروں کی اس کو گوارا کریں۔ اور چپ چاپ تماشہ دیکھیں ؟ اس لیے میں کہتا ہوں۔ کہ اگر تمہارے نزدیک میرا قیاس غلط ہے تو برائے خدا تم بتلاؤ کہ اس حسرتناک اور افسوسناک بے اعتنائی کی کیا

وجہ ہے تم ٹوئیکٹ اور فگر پر بہت ناز کرتے ہو۔ پھر یہ کیسا ٹیکٹ ہے اور یہ کیسا فگر ہے۔ کہ رسول خدا کے نواسہ کا سر اور اُس رحمۃ للعالمین کی نواسیاں۔ بہوئیں اور پوتیاں اسیر ہو کر شہر بہ شہر دیار بدیار پھرائی گئیں۔ اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں کوس کے لاکھوں مسلمان الیکشن کے تعلیم یافتہ منہ دیکھتے رہ گئے اور کسی نے کچھ نہ کیا!!!

بھائی محی الدین بڑی لائبریری اس شہر میں موجود ہے۔ جاؤ اور سب ملک کی تواریخ دیکھ جاؤ۔ دیکھو کہ حضرت آدم سے لے کر اس وقت تک کسی ملت مذہب قوم۔ قبیلہ۔ فرقہ تعلیم یافتہ۔ جنگلی۔ وحشی۔ صحرائی۔ دریائی۔ کوہستانی گورے۔ کالے نے ایسا اندھیر کیا ہے کہ اپنے مذہب کے پیشوا یا پیغمبر یا ولی یا پیر یا گورو کی عورتوں یعنی نواسیوں اور بہوؤں اور پوتیوں کو اس طرح پر ذلیل کیا ہے۔ یا ان کو شہر بہ شہر دیار بدیار پھرا کر تشہیر کیا ہے؟ ہزار افسوس کہ دُنیا کی تواریخ میں یہ واقعہ نرالا ہے اور اس کا کریڈٹ (ناموری) صرف الیکشن والے ہی مسلمانوں نے حاصل کیا ہے!! ایک معاملہ جناب سید الشہداء علیہ السلام کے سر مبارک کا ہے کہ کہاں کہاں پھرایا گیا اور کہاں کہاں رکھا گیا۔ اور پھر اُس کے ساتھ کیسی کیسی بے ادبیاں کی گئیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ جسد اطہر کے ساتھ کربلا میں دفن ہوا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مصر میں دفن ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں دفن ہوا۔ جسدِ اطہر اس مظلوم غریب الوطن کا چند دن تک میدان کربلا میں بے غسل و کفن پڑا رہا اور بعدہٗ قبر نصیب ہوئی۔ جسدِ اطہر اور سر مبارک کے حالات کو جناب میر انیس مرحوم نے بزبان حال سر مبارک کی اس طرح پر نظم کیا ہے۔ اس میں شاعر نے صرف اس قدر شاعری کی ہے کہ سر مبارک کے حالات کو سر مبارک کی زبانی بیان کیا ہے۔ سوائے اس کے اور مطلق شاعری یا مبالغہ نہیں ہے۔ بلکہ سچے واقعات نظم ہوئے ہیں اور ہر ایک مصرعہ روایت صحیح سے ثابت ہے ؎

کٹا عاشور کو پیاسا گلا حضرت کا خنجر سے
رہی سر کو جدائی تا بہ چہلم جسم اطہر سے
پس از رنج و مصیبت چھوٹ کر قیدِ ستمگر سے
سر و تن جب ملے سر نے کہے تب تن کے کہار سے
کہ بے گور و کفن افتادہ تم بن ہم تو بن میں تھے

خبر ہے کچھ کہ اسواروں نے روندا ہم کو زیر سم
فلک سے صبح تک گرتے تھے شکوٹوٹ کر انجم
وہ دن کی دھوپ وہ آندھی اماں نایاب راحت کم
کہو اب سرگذشت اپنی کہاں تھے کس طرح تھے تم
وہاں آرام و آسائش بھی یا رنج و محن میں تھے

کبھی راحت بھی پائی یا اٹھائے جور بیدرداں
سبھی تھے سنگدل یا کوئی جوہر بیں وجوہر داں
مدد کرنے کو آئے تھے کسی دکھ میں شہ مرداں
کہا سر نے کبھی ہم تھے سر نیزہ پہ سرگرداں

کبھی لگے ہوئے تھے بال دست تیغ زن میں تھے

تیکانوں سے کبھی صدمہ اٹھائے ہم نے تیر و تبر ۔ کبھی پتھر لگا زخمی ہوئی پیشانی انور
کبھی رستے سے خولی لے گیا تھا ہم کو اپنے گھر ۔ کبھی ہم راکھ میں آلودہ تھے تنور کے اندر
کبھی ہم سامنے ظالم کے سونے کی لگن میں تھے

سر نیزہ عجب گردش میں زیر چرخ گرداں تھے ۔ پہاڑوں میں کبھی تھے گاہ مابین بیاباں تھے
کوئی دم تھی نہ آسائش کبھی یاں تھے کبھی واں تھے ۔ نئے گھر میں. کبھی شیریں کے ہم شب باش مہماں تھے
اسیروں کے کبھی نزدیک زندان کہن میں تھے

کبھی تھے چاند سے ہم شام کے لشکر کے بادل میں ۔ گذر جاتے تھے ہم پر سینکڑوں دکھ دسواک پل میں
کبھی دیہہ میں کبھی شہروں میں تھے اور گاہ جنگل میں ۔ کبھی ہم چپ تھے ہو کر بند صندوق مقفل میں
کبھی قرآن تلاوت کرتے ہم اہل سخن میں تھے

کبھی اپنی مصیبت پر تھے چشموں سے گہر ریزاں ۔ کبھی تھی چہرہ پُرخوں پہ گرد پائے شب دیزاں
چلے جاتے تھے زنداں تک کبھی افتاں کبھی خیزاں ۔ کبھی قندیل ساں تھے ہم در حاکم پہ آویزاں
کبھی اپنی سکینہؑ لاڈلی کے پیرہن میں تھے

کبھی ہم راہ میں لٹکائے جاتے تھے درختوں پر ۔ چھڑی رکھی کبھی ظالم نے ان ہونٹھوں پہ ہنس ہنس کر
محل میں ہند کے شب باش تھے ہم اور کبھی باہر ۔ کبھی پوشیدہ و پنہاں رہے ہم خوان کے اندر
کبھی ہم آشکار اہل حرم کی انجمن میں تھے

کیوں بھائی محی الدین جس نواسہ کو جناب رسول مقبول حسین منی وانا من الحسین فرمائیں۔ جس پارۂ جگر کو لحمک لحمی و دمک دمی کہیں اس کا سر مبارک مسلمانوں کے ہاتھوں سے نیزہ پر چڑھایا جائے اور یوں تشہیر کیا جائے اور ایسی مسلمانی پھیلنے پر ناز کیا جائے؟ نعوذ باللہ من ذالک۔ اسلام اگر یہی ہے تو اسلام کو سلام!!! واللہ ایسے مسلمانوں کو جو اپنے رسول کی عترت پاک کو یوں ذلیل کریں۔ اُن کو ہم آدمیوں سے بدتر کیا کہیں۔

ایسے مسلمان تو سگ و خوک سے بدتر ہیں اور بھائی ایسا اسلام اگر اسپین اور پرتگال کیا معنی تو اس کو شیا اور فوازنبلا بلکہ یونائیٹڈ اسٹیٹ اور برازیل تک پھیلا تو ہم کو کیا! ہم تو مٹ گئے۔

قاتلانِ حسینؑ کا مذہب

محی الدین۔ مگر ہم نے بعض سُنّت جماعت کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ امام حسین علیہ السلام

کو شیعوں نے قتل کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے وقت میں کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا تھا۔ اس لئے بہت سے کوفی شیعہ ہو گئے تھے انہیں لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھ لکھ کر بلوایا۔ اور جب حضرتؑ کربلا پہنچے تو انہیں لوگوں نے جا کر حضرتؑ کو شہید کیا۔

علی رضا۔ نعوذ باللہ من ذلک یہ کہنا کہ امام حسینؑ کو شیعوں نے قتل کیا۔ صریح جھوٹ اور بہتان ہے بلکہ نقیض فی نفسہ ہے یعنی CONTRADICTION INTERMS اس لئے کہ بموجب نص صریح آیہ وافی ہدایہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ جمہور شیعیان عالم مودت اقربائے رسولؐ کو جزو ایمان سمجھتے ہیں اور چونکہ حضرت امام حسینؑ ایسے پیارے نور نظر و لختِ جگر جناب رسولِ خدا صلعم کے تھے کہ آپ اکثر حسین منی و انا من الحسین فرماتے تھے۔ اس لئے مودت حسینؑ کو تمامی شیعان عالم جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ یعنی جس دل میں مودت حسینؑ ابن علیؑ ہے وہ شیعہ ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ اس معیار سے ظاہر ہے کہ جس دل میں ذرا بھی بغض و عداوت امام حسین علیہ السلام سے ہے۔ وہ بدرجۂ اتم شیعہ نہیں ہے اور نعوذ باللہ جو شخص امام حسینؑ کو ایذا دینے کا قصد کرے۔ وہ بمجرد قصد کے شیعہ نہیں رہتا بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے تب معاذ اللہ ثم معاذ اللہ یہ کہنا کہ شیعوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا کس قدر جھوٹ اور غلط اور نقیض فی نفسہ ہو جاتا ہے۔ شیعوں کے اعتقاد سے تو امام حسینؑ کو ایذا دینے والا اور اس کے لئے حرکت کرنے والا بمجرد قصد کے اسی وقت کافر ہو جاتا ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک شخص بہ نیت قتل امام حسینؑ کے تیغ و نیزہ لے کر اپنے گھر سے چلا تو گھر سے چلتے ہی وہ کافر ہو گیا۔ اب فرض کیجئے کہ راستہ میں اس کو سانپ نے کاٹا اور راہ میں مر گیا تو کوئی شک نہیں کہ یہ شخص ہر اعتقاد کی رو سے کافر مرا اس لئے میں پکار کر باواز دہل کہتا ہوں کہ کربلا میں جتنے اشقیا بقصد قتل حسینؑ جمع ہوئے تھے اور اپنے اس قصد پر ثابت قدم رہے تھے وہ سب گھر سے نکلتے ہی کافر ہو گئے تھے اور اس قصد پر قائم رہے اور مارے گئے۔ تو یقیناً کافر رہے۔ تمام اس سے کہ ان کا مذہب گھر سے چلتے وقت جو کچھ ہو اسی اعتبار سے میں کہتا ہوں۔ کہ یہ کہنا کہ شیعوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا نقیض فی نفسہ ہے جب کوئی شخص امام علیہ السلام کو ایذا دینے کا قصد کرتے ہی کافر ہو جاتا ہے تو امام علیہ السلام کو قتل کرنیوالا کوئی شخص کیونکر رہ سکتا ہے اسلئے میں کہتا ہوں کہ امام حسینؑ کو قتل کرنیوالا نہ شیعہ ہو سکتا ہے اور نہ شیعہ رہ سکتا ہے۔ باعتبار واقعات کے بھی میں یہ سمجھا ہوں کہ قاتلان حسینؑ ہرگز ہرگز شیعہ نہ تھے۔ بلکہ سب کے سب سُنّی تھے۔ جناب علی علیہ السلام نے سنہ ۴۰ھ میں شہادت پائی۔ اس کے بعد سنہ ۶۰ھ تک معاویہ نے اپنی سلطنت شام و عراق و حجاز مستحکم کر لی اور امام حسینؑ نے جو برائے نام خلافت کی وہ قابلِ شمار نہ تھی۔ اس لئے بیس برس

میں بہت سے کوفی لوگ اپنے مذہب سابقہ پر لوٹ گئے اور جب ابن زیاد بصرہ سے کوفہ پہنچا اور عنان سلطنت ہاتھ میں لی تو اس نے بہت سے شیعوں کو قتل کر ڈالا اور بہتوں کو جیل بھیجا۔ یہاں تک کہ آخر میں حضرت مسلم کو شہید کر دیا پھر تو شیعوں کا کہیں ٹھکانہ نہ رہا تب ابن زیاد کو کونسی ایسی ضرورت لاحق ہوئی کہ اس نے شیعوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا چنانچہ فوج یزید میں جہاں تک مشہور نام پائے جاتے ہیں وہ سب سُنّی معلوم ہوتے ہیں۔ تم خود کہو بلکہ اپنے علماء سے تحقیق کر کے کہو کہ عبید اللہ ابن زیاد عمر ابن سعد شمر ذی الجوشن۔ خولی۔ نوفل۔ حرملہ۔ سنان ابن انس وغیرہ وغیرہ ملاعین کا کیا مذہب تھا۔ کیا یہ لوگ سنّت جماعت میں نہ تھے۔ اور کیا یہ لوگ بلکہ جملہ افواج یزید حضرت عمر ابن خطاب کو اپنا رہبر کونین اور ہادی دارین نہیں سمجھتے تھے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ علماء سُنّت جماعت دل میں خوب سمجھ کر کہ افواج یزید میں سب کے سب سُنّی تھے مجبوراً اپنی شرم مٹانے کے لئے اور جاہلوں کو خوش کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شیعوں نے قتل کیا۔ ورنہ افواج یزید و ابن زیاد کا مذہب وہی تھا جو خود یزید و ابن زیاد کا تھا اور چونکہ وہ لوگ سُنّت والجماعت تھے اس لئے یہ لوگ بھی اسی جماعت میں یقینی داخل تھے۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ خاندانِ رسالت کا خاتمہ خاندانِ بنی اُمیہ کے ہاتھوں ہوا۔ اسی خاندان نے جسے قرآنِ پاک میں شجرہ ملعونہ کہا گیا ہے خاندان بنی ہاشم کو جسے شجرۂ طیبہ کہا گیا ہے، تباہ و برباد کر دیا اور کسی قسم کا ظلم و ستم اٹھا نہ رکھا اور سب چھوٹے بڑے حتیٰ کہ طفل شیر خوار تک شہید کر دیئے گئے۔ سب مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ نبی زادیاں اسیر ہو کر دیار بدیار پھرائی گئیں اور دربار عام میں پیشِ یزید پلید حاضر کی گئیں اور ان کا جائزہ لیا گیا۔

اتنا کہنا تھا کہ علی رضا اور محی الدین کو ایسی رقّت طاری ہوئی کہ دونوں کی ہچکیاں بندھ گئیں اور گفتگو موقوف ہو گئی۔ دوسرے دن محی الدین علی رضا کے گھر پر گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر باتیں شروع ہوئیں۔ محی الدین نے شب بھر سوچ کر یہ پہلو نکال رکھا تھا کہ ان شدید واقعات کا انکار ہو نہیں سکتا۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس کا منظمہ یزید کے سر پھینکوں اور پھر الیکشن کے نتائج کا بُرا پہلو باقی نہ رہے۔ اسی لئے

محی الدین۔ مگر یہ افعال قبیحہ تو یزید اور اس کے لشکریوں نے کئے ہیں ان لوگوں کو تو ہم بھی کافر کہتے ہیں۔

علی رضا۔ جزاک اللہ! میں یہی بات آپ کے منہ سے کہلانا چاہتا تھا۔ یعنی اب خود آپ کے قول سے ثابت ہوا۔ کہ الیکشن نے لاکھوں مخلوق خدا کو مسلمان بنایا، کافر ہونے کے لئے! واہ

الیکشن اور واہ رے تیری تعلیم!! اور اس پر واہ رے مسلمانوں کا ناز!!!

بھائی خدا کے لئے غور کرو کہ اگر کوئی سپاہی پھکیت کا استاد لوگوں کو فن حرب وضرب یعنی شمشیر زنی۔ نیزہ بازی۔ تیر اندازی سکھائے۔ لیکن اس کے تعلیم یافتہ شاگرد فی سینکڑہ پچاس ڈاکو راہزن ہو جائیں۔ رات دن ڈاکہ ڈالیں لوگوں کو لوٹیں ماریں ستائیں۔ اور بعدہٗ حبس دوام بعبور دریائے شور ہوں تو کیا تم کہو گے کہ استاد کی تعلیم کا نتیجہ کیا اچھا ہوا؟ میں تو کہتا ہوں کہ اگر فی سینکڑہ پچیس بھی اس کے تعلیم یافتہ ایسے خراب نکلیں۔ تو کوئی عاقل ایسے اُستاد کی تعریف نہ کرے گا۔ اور نہ کوئی شریف آدمی اپنے لڑکے کو اس پھکیت سے تعلیم کرائے گا۔ اور اگر وہ اُستاد صاحب خود بھی دو ایک مرتبہ ڈاکہ ڈال چکے ہوں اور کبھی کبھی اپنے شاگردوں کو بھی ساتھ لیتے گئے ہوں تو اُن کی تعلیم بجائے تحسین کے سزاوار سونفرین کی ہوگی۔

اسی سے قیاس کر لیجئے کہ جب الیکشن اسکول کے تعلیم یافتہ ایسے اشخاص نکلے۔ جن کو آپ بھی کافر کہتے ہیں۔ تو الیکشن کے نتیجہ کو کیونکر پسند کر سکتے ہیں؟ علاوہ اس کے یہ تو فرمائیے کہ آخر یزید کس کا بیٹا تھا؟ اس کا آبائی مذہب کیا تھا۔ کیا وہ الیکشن کے احاطہ سے باہر تھا۔ کیا وہ الیکشن کے چھوٹے حضور کا بھتیجا نہ تھا! کیا وہ اور عبید اللہ ابن زیاد اور عمر ابن سعد اور شمر ذی الجوشن اور سارا لشکر کوفہ وشام جو معرکہ کربلا میں خاندانِ رسالت کی بیخ کنی کے لئے موجود تھا۔ سنی مذہب نہ تھا؟ کیا سب کے سب بانیِ الیکشن یعنی حضرت عمر ابن خطاب کو اپنا پیشوائے دارین اور ہادیٔ کونین نہیں سمجھتے تھے؟

اس جواب سے محی الدین کے آتے حواس جاتے رہے۔ اور دل میں کہنے لگا کہ واہ مادرچہ خیالیم وفلک درچہ خیال۔ رات بھر میں جو بات سوچ کر نکالی وہ یوں کٹ گئی۔ ایک گھنٹہ تک سر جھکائے ہوئے سوچتا۔ آخر سوچ ساچ کر ایک بات نکالی۔

محی الدین۔ یہ تو سب صحیح ہے۔ مگر واقعہ کربلا تو بعد خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے ہوا پھر سب کا الزام آپ الیکشن کی تعلیم پر کیوں دیتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے اپنی خلافت میں اس تعلیم کے اثر کو کیوں نہ مٹایا؟ پھر ہمارے خلفائے الیکشن پر سارا الزام کیوں دیا جائے گا۔

علی رضا۔ ماشاء اللہ چشم بدور۔ البتہ یہ بات تو سوچ کر خوب نکالی۔ لیکن شاید آپ میری بات بھول گئے۔ میں نے کہا نہ تھا۔ کہ خلافت ظاہری حضرت علی کو کب ملی۔ حضرتؑ کو خلافت ظاہری اس وقت ملی۔ جب خاندانِ رسالت کو مٹا دینے کا میگزین تیار ہو چکا تھا۔ یعنی معاویہ کو ملک شام میں پوری طاقت حاصل ہو چکی تھی۔ اور جناب امیرؑ کے اوقات اس موروثی دشمن خاندان رسالت کے ساتھ جنگ میں زیادہ صرف ہوئے۔ اس لئے پانچ برس کی خلافت میں آپ ان نتائج الیکشن کو جو مضبوط جڑ پکڑ چکے تھے۔ دفع نہ کر سکے۔ اور یہ جو تم نے سوچ کر بات نکالی۔ کہ حضرت علیؑ نے الیکشن کی تعلیم

کو اپنے زمانہ میں کیوں نہ مٹایا اور صرف بیچارے خلفائے ثلثہ پر الزام کیوں دیا جائے گا۔ اس سے تو میری دلیل اور قوی ہو جاتی ہے۔ یعنی تم خود کہہ چکے ہو اور ناز کرتے ہو۔ کہ یہ لوگ الیکشن کے بنائے ہوئے مسلمان تھے۔ تب الیکشن نے ان کو اہل بیت رسول خدا صلعم سے بے اعتنائی اور مخاصمت کی ایسی تعلیم دی۔ اور وہ تعلیم ان کے دلوں پر ایسی نقش کالحجر ہو گئی۔ کہ ایک ولی خدا کے مٹائے سے بھی نہ مٹی۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ جناب امیرؑ یہ کبھی نہ کہتے ہوں گے کہ لوگو میری بیٹیوں۔ بہوؤں۔ پوتیوں کو اسیر و ذلیل کرنا وہ کبھی یہ نہ کہتے ہوں گے۔ کہ تم میرے بیٹے کا سر کاٹ کر نیزہ پر چڑھانا وہ یہی کہتے ہوں گے۔ کہ ہم لوگ تمہارے رسول کی آل ہیں۔ ہماری تعظیم کرو ہمارا اکرام کرو اور بموجب وصیت سردار کائنات کے ہم سے مودت رکھو۔ مگر ہزار افسوس کہ الیکشن والے مسلمانوں نے ایک نہ سنی اور ایسا کام کر گئے جو کسی کافر نے نہیں کیا تھا۔ اس لئے جب ان کے مسلمان ہونے کا اور ان میں مسلمانی پھیلنے کا کریڈٹ الیکشن کو ہے۔ تو ان کے کفر کا کریڈٹ سوائے الیکشن کی تعلیم کے اور کس کو ہوگا؟ میں پوچھ چکا ہوں۔ اور پھر پوچھتا ہوں۔ کہ کس نے اور کس تعلیم نے دو لاکھ آدمیوں کو ایسا مسلمان بنایا کہ ان کو کافر ہونے میں کچھ باک نہ ہوا۔ اور کس تعلیم نے عراق اور شام کے لوگوں کو ایسا مسلمان بنایا کہ ان میں ایام جاہلیت کی حمیت تک باقی نہ رہی؟ یعنی نبی کا کنبہ اسیر و ذلیل ہوا۔ اور دیار بدیار پھرایا گیا۔ اور وہ لوگ منہ دیکھتے رہے۔ اور کچھ نہ کر سکے؟ پھر غور کیجئے کہ یزید کو آپ امام حسینؑ پر لشکر کشی کرنے کی وجہ سے کافر کہتے ہیں۔ تب اس کے والد ماجد امیر معاویہ کو جنہوں نے جناب امیرؑ پر لشکر کشی کی اور خود بہ نفس نفیس میدان جنگ میں آئے اور جناب امیرؑ کے سر کاٹ لانے کا انعام مقرر کیا تھا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت بی بی عائشہ طلحہ و زبیر جو الیکشن کے اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہیں۔ مگر خود بنفس نفیس میدان جنگ میں بمقام بصرہ جنگ جمل میں حضرت علیؑ سے لڑنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ ان کو آپ کیا فرماتے ہیں؟ ان حضرات کو کس نے ترغیب دی کہ خلاف حکم خدا و رسولؐ اہلبیت سے بجائے مودت کے جدال و قتال پر تل گئے۔ اور اس میں ایسا انہماک کیا۔ کہ خود حضرت بی بی عائشہ عورت ہو کر میدان جنگ میں تشریف لائیں؟ گویا شوہر خاتون جنت سے جدال و قتال کرنا مذہبی کام تھا۔ اور عیاذاً باللہ جناب رسولؐ مقبول بجائے محبت و مودت قربیٰ کے ان سے جدال و قتال کو کہہ گئے تھے!! اگر یہ لوگ تابع الیکشن مسلمان تھے اور اس سے تم کو انکار نہیں کہ یہ تابع تابعین تھے۔ تب تم کو ماننا ہوگا۔ کہ الیکشن کا نتیجہ ایسا ہوا۔ کہ رسولؐ کے انتقال کے پچیس برس ہی کے اندر اعلیٰ طبقہ کے مسلمان بجائے مودت کے آل رسولؐ سے جدال و قتال کرنے لگے اور عوام میں دو لاکھ مسلمانوں کا ایسا رسالہ تیار ہو گیا جس نے نفس رسولؐ اور پارہ نور رسول (انا و علی من نور واحد) سے جنگ کرنے اور اس کا خون بہانے

کو کارِ خیر سمجھا!! لاحول ولا قوۃ الا باللہ !!! کیا بھائی تم کو اس نیکٹ اور نگر پر خدا نخواستہ ناز ہے؟

محی الدین۔ نعوذ باللہ ہرگز نہیں۔ مَیں کہتا ہوں۔ کہ واقعہ کربلا بہت بڑا ہولناک و حسرتناک واقعہ ہوا۔ لیکن جنگِ جمل تو اتفاقِ وقت سے اور جنگِ صفین خطائے اجتہادی سے ہوئی۔ تو اس کے بعد اسلام کیسا چمکتا گیا ہے۔ اس کا کریڈٹ تو اسی الیکشن کو ملنا چاہیئے

علی رضا۔ قہ قہ قہ۔ رسولِ خدا کی وصیت کی سرتابی اور اس کے برعکس کارروائی اور اتفاقِ وقت اور خلیفۂ وقت سے جدال و قتال اور خطائے اجتہادی!!

واہ میرے شیر جیتے رہو۔ مگر خیر اس پر بھی میری بات جاتی نہیں۔ یعنی الیکشن کی شریعت نے یہ تعلیم دی اور ایسے مجتہد تیار کئے۔ جن کا یہ اجتہاد ہوا۔ کہ رسُولؐ لاکھ اپنی عزت کے لئے کہیں، لاکھ مودت و محبت و اطاعت کے لئے وصیت کریں تم شوق سے اِن کو مارو۔ لوٹو۔ ان کا مال کھاؤ۔ سب حلال! رسولِ خدا کہا کریں۔ کہ انا وعلی من نور واحدٍ ہمارا اجتہاد یہ ہے کہ جو ان کا سر کاٹ لائے اس کو ایک ہزار درہم انعام!!!

واہ رے الیکشن اور واہ رہے تیرے مجتہد اور واہ رے تیری تعلیم کا نتیجہ!! اس مقام پر علمائے سنت والجماعت نے کمال کیا ہے۔ بلکہ بڑا کمال کیا ہے۔ یعنی جب ہم لوگ ان لوگوں کا جرم جنہوں نے جناب امیرؑ سے جنگ و جدال و مقابلہ و مقاتلہ کیا مقبولہ واقعات سے ثابت کر کے حدیث نبوی یاد دلاتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص میرے اہلبیتؑ پر ظلم کرے گا۔ یا ان سے جدال و قتال کرے گا۔ اس پر بوئے بہشت حرام ہے۔ اور وہ اوندھا دوزخ میں گرایا جائے گا (دیکھو سوانح عمری حضرت علیؑ صفحہ ۳۸۶) تو علمائے موصوفین یہ کمال کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ حضرات مجرمین نے توبہ کی ہو گی۔ اس لئے وہ سارے الزام سے بری ہیں۔ اور ان کی تعزیر ہو نہیں سکتی "

مَیں کہتا ہوں۔ کہ "توبہ کی ہوگی" کی ایک ہی کہی!!! جب کسی شخص پر جرم بغاوت یعنی خلیفۂ وقت سے جدال و قتال کرنا ثابت ہو گیا تو "توبہ کی ہوگی" کا قیاس کیونکر پیدا ہونے لگا؟ اور اس کی برأت کیوں ہونے لگی؟ اور یہ "ہوگی" کا دم چھلا آپ لگانے والے کون؟ علاوہ اس کے مجرد توبہ کرنے سے تو جرم بغاوت یا دیگر جرائم سنگین NEINOUS OFFENCES کا مجرم کسی قانون یا شریعت کی رو سے تعزیر سے بری ہو نہیں سکتا۔ توبہ جب تک قبول نہ ہو تب تک محض بیکار ہے مگر اس مقام پر علمائے سُنت والجماعت نے بڑا کمال یہ کیا ہے۔ کہ حضرات طلحہ و زبیر وغیرہ کے جرم بغاوت اور خلیفۂ وقت جناب حضرت امیرؑ سے جنگ و جدال و قتال کرنے کو قبول کر کے بعض علما نے یہ کہہ دیا کہ ان لوگوں نے توبہ کی۔ اس پر سارے علما نے ان کی توبہ کو بہ اختیارِ خاص بلا مرضی حق تعالےٰ جلشانہٗ کے قبول

کرکے بخشدیا۔ اور ان کو پاک وصاف طیّب وطاہر بنادیا گویا توبہ کا قبول کرنا ان لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔ اور حقتعالےٰ جلشانہٗ کو اس میں مطلق دخل نہ تھا۔ یا یہ کہ حقتعالےٰ جلشانہ نے اپنی غفاریّت میں ان لوگوں کو شریک کر لیا ہے۔ یا کوئی حصّہ عطا فرمایا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الاّ باللہ!!!

بھائی مَیں کہتا ہُوں کہ توبہ قبول کرنا یا نہ کرنا خاص پروردگار عالم جلشانہٗ کا حق ہے پس اس معبود برحق کے حاضر ناظر ہوتے ہوئے تم اس مجرم کی توبہ قبول کرنے والے کون؟ اور اس کو تعزیر سے نجات دینے والے کون؟ پس جب تک ان اشخاص کا توبہ کرنا اور اس توبہ کا حقتعالےٰ جلشانہٗ کا قبول کرنا ثابت نہ ہو۔ تب تک اُن کی توبہ کا قیاس کر لینا اور اس توبہ کو قبول کر کے ان کے جرائم سنگین کو بخشدینا خدائی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ اور اسی کو مَیں کہتا ہُوں کہ یہ بڑا کمال ہے تم خود غور کرو کہ اگر مجرد توبہ کرنا جرم سنگین سے برائت کے لئے کافی ہو۔ تو اس وقت بدمعاشوں کا بول بالا ہو جائے۔ بلا تکلف وہ لوٹ مار کریں۔ بیگناہوں کو قتل کریں۔ ڈاکہ ڈالیں بعدہٗ زبان سے توبہ کریں اور قصہ ختم ہو۔ ایسی حالت میں عدالت فوجداری مخصوص سشن جج تو ایک دم بیکار ہو جاتا ہے۔ ایک ڈاکو ڈاکہ ڈال کر قتل عمد کر کے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا ہو۔ اور کہے کہ ہاں حضور ہم نے قصور تو کیا ہے۔ لیکن توبہ کرتے ہیں۔ معاف کیا جائے۔ یہ سُنکر جج صاحب تو دم بخود ساکت رہیں۔ لیکن مجرم کے مختار لوگ اس مجرم کو باختیار خاص کٹہرے سے باہر کر کے اس کو اپنے گھر پہنچا دیں۔ اور وہ مجرم ہنستا کھیلتا خوشی خوشی اپنے گھر پہنچے اور پھر اسی لوٹ مار کے پیشے میں مصروف ہو جائے۔ ماشاء اللہ! چشم بد دور! سلطنت خود اختیاری ہو تو ایسی ہو! اور یہ جو کہتے ہو۔ کہ بعد واقعہ کربلا کے جو اسلام چمکا ہے اس کا کریڈٹ اسی الیکشن کو دینا چاہئے۔ یہ خیال خام ہے الیکشن نے تو بروز عاشورا اپنے جانتے تو اسلام و ایمان کو مٹا ہی دیا تھا۔ تم خود غور کرو کہ اگر جناب سیّد الساجدینؑ اور اُن کے صاحبزادے قدرت خدا سے بچ نہ جاتے تو سیادت کہاں امامت کہاں نور رسالت کہاں رہتا؟ اور جب نورِ رسالت نیست و نابود ہو جاتا۔ تو خود اسلام کیا باقی رہتا۔ اس لئے اسلام کے چمکنے کا کریڈٹ ہرگز الیکشن کو کسی صورت نہیں مل سکتا! الیکشن تو روز الیکشن سے آجتک نور ایمان و اسلام کو مٹانے سے باز ہی نہیں آیا۔ ابتدائے تخت نشینی خلیفہ اوّل سے تا روز عاشورا جیسے جیسے کار نمایاں الیکشن اور تبع تابعین الیکشن نے کئے اور جیسے جیسے رسالے مسلمان کافروں کے تیار کئے اس کو ہم بتصریح بیان کر چکے۔ اور تم مان چکے ہو اب کچھ عاشورا کے بعد کے کرتوت الیکشن اور تبع تابعین الیکشن کے عرض کرتا ہوں۔ کہ کیوں بھائی محی الدین! بعد جاننے واقعات کربلا کے اور جاننے حال (اسیری) جناب امام زین العابدینؑ کے کوئی دل والا بشر گمان بھی کر سکتا ہے کہ اب یہ بیچارے مظلوم بے پدر

بے برادر پر جو باپ بھائی چچا سب کو کھو کر گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ اور جس کا نہ کوئی یار تھا۔ اور نہ مددگار تھا اور جس کو شب و روز سوائے گریہ وزاری و ورد وظائف کے کچھ کام نہ تھا۔ اور جس کی مناجات اور جس کی دعائیں جو صحیفہ کاملہ میں اب تک موجود ہیں۔ ایسی ہیں کہ بعد قرآن مجید کے شاید ہی کوئی ایسا مؤثر کلام ہو۔ اس پر پھر کوئی ظلم و ستم کرے گا۔ مگر ہزار افسوس اور حیف صد حیف کہ یہ رحیم ابن رحیم کریم ابن کریم غریب ابن غریب امام ابن امام پھر گرفتار ہو کر شام بھیجا گیا!!! جب آپ اسیر ہو کر شام جانے لگے تو جناب زینبؑ خاتون آپ کی پھوپھی ساتھ ہوئیں۔ حضرت عابدؑ نے فرمایا۔ کہ اے پھوپھی اماں آپ ایک مرتبہ تو اسیر ہو کر ہزاروں سختیاں اور مصائب جھیل چکی ہیں۔ اب میرے ساتھ کیوں ہوتی ہیں۔ جناب زینبؑ نے فرمایا بیٹا میرے سوا اب تیرا کون ہے۔ میں نہ جاؤں تو کیا بھائی عباسؑ کو ساتھ کر دوں؟ اپنے لخت جگر علی اکبرؑ کو ساتھ کر دوں؟ قاسم کو ساتھ کر دوں؟ کیا دونوں مرنے والے تیرے بھائیوں عون و محمدؑ کو ساتھ کر دوں؟ کیا بھائی خود ساتھ جاتے ہیں۔ کہ میں نہ جاؤں؟

الغرض جناب زینبؑ ساتھ ہوئیں۔ لیکن ہزار افسوس کہ اس امام زادی رسولؐ کی نواسی کو شام کی راہ میں ایک لعین نے ایک بیلچہ مار کر شہید کیا۔ حضرتؑ کی قبر راہ شام میں اب تک موجود ہے۔ جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ اب مجھے کوئی بتلائے کہ یہ رسولؐ زادی تو مدینہ کے رہنے والی تھیں۔ یہ راہ شام میں کیوں دفن ہوئیں؟ اور ہر ملک کی تواریخ دیکھ کر کہئے تو کہ کسی پیغمبر کی امت نے یا کسی مذہبی پیشوا کے تابعین نے سوائے الیکشن والے مسلمانوں کے ایسا غضب ڈھایا ہے کہ اپنے مذہبی پیشوا کی نواسی کو شہید کیا ہے۔ الامان۔ الحفیظ! الغرض جب جناب امام زین العابدینؑ پیش یزید لائے گئے۔ تو اس نے دیکھا کہ ان میں تو کوئی حالت ہی باقی نہیں ہے۔ یہ کیا بغاوت یا سرکشی کریں گے۔ اس لئے اس وقت تو رہا کر دیا۔ لیکن اس پر بھی آپ زہر سے شہید کئے گئے۔ کیوں بھائی کیا کربلا اور کوفہ اور شام کی مصیبت اس امام زادے کے لئے کم تھی۔ کہ پھر شہید کئے گئے؟ اور پھر کس کے ہاتھ سے؟ مسلمانوں کے ہاتھ سے؟ اس تقریر سے دونوں صاحبزادوں کا دل بھرا ہوا تھا۔ رقت طاری ہوئی۔ قریب تھا کہ غش آجائے۔ اور جناب زینبؑ کے کلمات جو حضرت عابدؑ سے کہے تھے۔ ان پر تو دونوں بہت روئے اور پھر کچھ بول نہ سکے۔

قضیۂ فدک

محی الدین۔ بھائی فدک کے بارے میں مَیں نے مختلف باتیں سُنی ہیں۔ آپ فرمائیے۔ کہ واقعی کیا بات ہے۔

علی رضا۔ اس قضیہ کے بارے میں فریقین کے علماء اور مصنفین نے مطول کتابیں لکھی ہیں۔ اور خوب طبع آزمائی اور خامہ فرسائی کی ہے لیکن میں اس کی کوئی ضرورت نہیں دیکھتا۔ کیونکہ واقعات اس کے محض مختصر ہیں۔ اس لئے مَیں بطور نقل و دل مختصراً عرض کرتا ہُوں۔

واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ باغ فدک خاندان رسالت کے قبضہ میں بہت دنوں سے چلا آتا تھا۔ بعد انتقال جناب سرورِ کائنات صلعم کے اس باغ کو حضرت ابوبکرؓ نے ضبط کر کے اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اور اس وجہ سے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے آزوقہ میں کمی ہو گئی اور حضرت کی زندگانی چند روزہ عُسرت سے کٹنے لگی۔ تب حضرتؑ نے اسی محکمۂ خلافت میں اپنا دعویٰ دائر کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر نے اس دلیل سے کہ آنحضرتؐ کی حدیث ہے کہ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ یعنی ہم گروہ انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ کسی کو وارث چھوڑتے ہیں۔ اور جو کچھ ترکہ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ اس لئے حضرت فاطمہؑ کے دعویٰ کو ڈسمس کر دیا۔ اور بعد چند روز کے حضرت ابوبکر نے کسی خیال سے سند واگذاشت لکھ دی تو اس کو حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؑ کے چھین کر چاک چاک کر دیا۔ تو جناب فاطمہ زہراؑ مایوس و محروم اپنے گھر واپس آئیں دیکھو تواریخ ۱ مراۃ الزمان ابن سبط جوزی و ۲ شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۴۰۵ و ۳ نبراس شرح شرح عقائد صفحہ ۵۴۸ و صفحہ ۳۶۲ و صفحہ ۵۳ و ۴ سیرۃ الحلبیہ برہان الدین حلبی۔ اب خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اس کے بعد جب خُمس بھی موقوف ہو گیا ہو گا۔ تو حضرت معصومہؑ اپنی بسر اوقات کیونکر فرماتی ہوں گی۔ اور کس طرح اپنے فرزندانِ جگر گوشگان حضرت رسُول صلعم کی پرورش و پرداخت کرتی ہوں گی۔

اَب میں اس حدیث پر غور کرتا ہُوں۔ تو اس کو صریح مخالف حکم خُدا کے پاتا ہُوں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ جلشانہ نے قرآن مجید پارہ ۱۹ سورہ نمل میں فرمایا ہے ورث سلیمان داؤد یعنی حضرت داؤد کے سلیمان وارث ہوئے۔ تب یہ قول کہ ہم لوگ گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں چھوڑتے صریح مخالف حکم خدا ہو جاتا ہے۔ تب یہ امر دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو جناب سرورِ کائنات صلعم نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ اس حکم خدا کو بھول گئے تھے یا یہ کہ حضرت خلافت مآب ابوبکر کو اس حکم خدا کا علم ہی نہ تھا۔

ہماری شریعت کی رو سے جناب رسُول خدا صلعم کا کسی حکم خُدا کو بھُول جانا بالکل ناممکن ہے۔ بلکہ حضرتؐ کی طرف ایسا گمان و بیان کرنا بھی عصیان سے خالی نہیں۔ تب سوائے اُس کے اور کوئی دوسری بات ہو نہیں سکتی۔ کہ حضرت خلافت مآب ابوبکر کو اس حکم کا علم ہی نہ تھا اور اپنے زعم ہمدانی میں نحن معاشرالانبیاء الا فرمادیا۔ اس قول کی تصدیق کی نسبت خود علماء و محققین سُنت جماعت ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو سوائے حضرت ابوبکر کے اور کوئی شخص نہیں جانتا تھا۔ جیسا کہ قول فاضل معتزلی علامہ ابن ابی الحدید یہ ہے کہ ھذا الحدیث غریب لان المشھور انہ لم یرو حدیث انتقاء الارث الا ابوبکر واحد یعنی یہ حدیث غریب ہے۔ اس لئے کہ مشہور ہے کہ نفی میراث کی اس حدیث کو سوائے ایک ابوبکر کے اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ اسی طرح سے امام سیوطی نے بھی لکھا ہے۔ کہ اس حدیث کے راوی صرف حضرت ابوبکر ہیں اور بعضوں نے حضرت بی بی عائشہ کو بھی شامل کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس حدیث کے راوی بقول جمہور محدثین سوائے حضرت ابوبکر اور حضرت بی بی عائشہ کے اور کوئی نہیں ہے اور اہالی خاندان رسالت کے بارے میں خود حضرت عمر کا قول ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے اس حدیث کا ذکر کیا تو حضرت علیؑ اور حضرت عباس علیہم السلام نے ان کو جھوٹا گنہگار اور خائن بتایا۔ دیکھو صـ ۲۲۲ کتاب ہذا و کتاب صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۹۱۔

اب میں حیران ہوں کہ جب یہ حکم حضرت ابوبکر کا صریح مخالف قرآن ہے اور تصدیق اس قول کی کسی ثبوت سے نہیں ہوتی۔ تو پھر حضرت فاطمہ زہراؑ کے دعوٰی کو ڈسمس کرنا صریح خلاف قرآن بلکہ خون انصاف ہے۔

اب ایک بات قابل غور ہے۔ کہ جب آیۂ قرآنی سے یہ امر محقق اور مُسلم الثبوت ہو گیا۔ کہ ایک نبی حضرت سلیمان علیہ السلام دوسرے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس کے علم و یقین کے بعد تو عوام الناس میں بھی عام اس سے کہ وہ اہل ہند ہوں۔ یا اہل عرب اس بات کو کوئی شخص زبان پر لا ہی نہیں سکتا۔ کہ گروہ انبیاء میں سلسلہ وراثت نہیں ہے۔ تب ہم کیونکر اس کا قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ ہمارے مولا ہمارے آقا حضرت ختم المرسلین صدق الصادقین حضرت پیغمبر خدا صلعم نے باوجود کثرت تلاوت آیۂ کریمہ و ورث سلیمان داؤد کے ایسا عام جملہ کہ نحن معاشر الانبیاء و لا نرث ولا نورث فرمایا ہو۔ یہ تو ہو نہیں سکتا۔ تب اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں۔ کہ بوقت تصنیف اس حدیث کے جناب خلافت مآب حضرت ابوبکر کو یا حضرت کے مشیر اعظم حضرت عمر کو اس آیۂ وافی ہدایہ کی مطلق خبر ہی نہ تھی۔ اور اسی عالم بے خبری میں ایسا عام جملہ بیدھڑک فرمایا ہے کہ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ورنہ ایسا عام جملہ تو عوام الناس

میں بھی کوئی شخص زبان پر لا نہیں سکتا۔ اللّٰھم احفظنا من شرور انفسنا۔ تب اس کارروائی کو خود کوزہ خود کوزہ گر و خود گل کوزہ کہنا غلط نہیں ہے۔ کیونکہ اس فیصلہ میں مدعیہ حضرت فاطمہ زہرا تھیں۔ اور مدعا حضرت ابوبکر اور مفتی حضرت ابوبکر اور گواہ حضرت ابوبکر اور جج یعنی حاکم حضرت ابوبکر تھے۔

بھائی محی الدین تم کو واللہ۔ سارے ہندوستان کی ساری عدالتوں میں اور ہائیکورٹوں میں دیکھ جاؤ۔ کہیں کسی کورٹ یا عدالت میں ایسا فیصلہ ہوا ہے۔ یا کسی نے دیکھا اور سُنا ہے۔ ہرگز نہیں مجھ کو بہت افسوس ہوتا ہے۔ کہ دس بیس۔ سو۔ پچاس درختوں کے لئے حضرت خلافت مآب ابوبکر کا بمشورہ اپنے مشیر قانونی حضرت عمر کے بنت رسُول خدا صلعم کو یُوں ستانا اور حق سے محروم رکھنا ہرگز ہرگز روا نہ تھا۔ اور ہم لوگ غلامان و نمک خواران حضرت پنجتن پاک علیہم السلام جس وقت اس بات کو یاد کرتے ہیں خون جوش کھانے لگتا ہے۔ اور اپنے آپے میں نہیں رہتے۔ اور جو کچھ دل میں آتا ہے۔ اول فُول بک جاتے ہیں۔ اسی کو میر انیس صاحب مرحوم نے کیا خُوب دو مصرعوں میں نظم کیا ہے ؎

چھین کر باغ فدک یہ پھل ملا　　　اپنے حق میں آپ کانٹے بو گئے

بعد واقعہ کربلا کے آل رسُولؐ کیساتھ کیا سلوک ہوا؟

المختصر واقعہ فدک تو یوں ختم ہوا۔ لیکن اولاد رسول صلعم کے ساتھ ظلم و ستم کا اس پر بھی خاتمہ نہ ہوا۔ چنانچہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ زہر سے شہید کئے گئے اور کس نے شہید کیا؟ الیکشن والے مسلمانوں نے پھر حضرت امام موسیٰ ابن جعفرؑ چودہ برس تک بغداد کے جیل خانہ میں قید رہے اور بعد ازاں زہر سے شہید ہوئے۔ اور کس کے حکم سے؟ الیکشن کے طبقہ اعلیٰ کے تبع تابعین یعنی خلیفہ ہارون رشید کے حکم سے!!!

امام علی رضاؑ۔ امام محمد تقیؑ۔ امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ سب زہر سے شہید ہوئے اور کس نے شہید کئے؟ الیکشن والے مسلمانوں نے۔ کیوں بھائی محی الدین یہ گیارہ امام حجت خدا تھے ان کا خون رسُول مقبولؐ کے خون سے ملا ہوا تھا یہ سب جناب فاطمہ زہرا کے پیارے تھے۔ اُن کی خلقت اسی نور سے ہوئی تھی۔ جو جناب حضرت عبداللہ کے صلب پاک میں تھا۔ پس کیا یہ بڑی شرم کی بات نہیں ہے کہ گیارہ اماموں میں ایک بھی اپنی موت سے نہ مرے۔ سب قتل کئے گئے!! کس کے ہاتھوں سے؟ مسلمانوں کے ہاتھوں سے!! اب آپ فرمائیے کہ امام زین العابدینؑ سے لیکر امام حسن عسکری تک جب یہ ائمہ طاہرین علیہم السلام شہید ہوئے، اس وقت یزید کہاں تھا۔ اس وقت کے مسلمان

تو وہی الیکشن والے مسلمان تھے۔ جن کی ترقیوں پر فخر و مباہات کیا جاتا ہے۔ اس وقت تو فرزندان جناب فاطمہ زہراؑ کو انہیں لوگوں نے شہید کیا۔ جو لوگ حضرت خاتون جنت علیہا السلام کے گھر جلانے والے کو اپنا پیشوا اور ہادی دارین جانتے تھے اور جن کی کارروائیوں کو اپنے لئے سبق مانتے تھے۔ اور جن کے قدم بہ قدم چلنے کو باعث ثواب دارین سمجھتے تھے۔

محی الدین۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ ان لوگوں نے جو ایسے افعال قبیحہ کئے۔ وہ اپنے نفس امارہ اور وسوسہ شیطانی سے کئے۔ ان کی حرکات کو آپ الیکشن کی طرف کیوں پھینکتے ہیں؟

علی رضا۔ یہ اچھی کہی۔ جب لوگوں کے اسلام لانے کا باعث آپ الیکشن کو گردانتے ہیں تو جو افعال ذمیمہ نسبت اصول اسلام کے الیکشن والے مسلمان کریں۔ اُس کو الیکشن کے ذمہ نہ لیجئے گا یہ کون انصاف؟ آپ کہتے ہیں۔ کہ الیکشن نے ہزاروں کافروں کو مسلمان بنایا اور ہم کہتے ہیں۔ کہ جن کو الیکشن نے مسلمان بنایا ان میں بہتیرے آخر میں کافر ہو گئے۔ پس اگر میرا قول صحیح ہے تو الیکشن کی اس میں کون سی سرسبزی ہوئی؟ کیا الیکشن ان مسلمانوں پر ناز کر سکتا ہے۔ جو آخر میں کسی وجہ سے کافر ہو گئے؟ پس انصاف یہ ہے کہ اگر لیجئے تو دونوں پہلو ورنہ کچھ نہ لیجئے۔ اگر آپ کہتے ہیں۔ کہ ان لوگوں نے اپنے نفس امارہ کے وسوسہ سے کفر کیا۔ الیکشن کا کیا قصور۔ تو ویسا ہی ہم بھی کہیں گے کہ جو لوگ مسلمان ہوئے۔ اپنے نصیب سے بمقتضائے فطرت مسلمان ہوئے۔ اس میں الیکشن کی کون بڑائی ہوئی کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام۔

محی الدین۔ یہ سچ ہے۔ انصاف یہ ہے کہ کریڈٹ اور ڈسکریڈٹ دونوں لینا چاہئے لیکن ایک بات میں کہتا ہوں۔ کہ معرکۂ کربلا کے بعد جب حسینی قافلہ لٹا ہوا شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ اس وقت آپ کے شیعان علی کہاں تھے۔ آپ نے سب الزام سنیوں پر دے دیا۔ وہ الزام تو شیعوں پر بھی ہو سکتا ہے۔

علی رضا۔ شیعوں کی کارروائی سے یہاں بحث نہیں مما نحن فیہ تو یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ الیکشن نے بڑا اچھا کام کیا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ کچھ نہ کیا۔ یہاں پر الیکشن والوں سے بحث نہیں۔ با اینہمہ جن جن شہروں سے لٹا ہوا حسینی قافلہ گیا ہے وہ سب شہر جن کے نام ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس زمانہ میں الیکشن والے مسلمانوں سے بسے اور بھرے ہوئے تھے اور سب معاویہ اور یزید لعین کے زیر نگین تھے لیکن جب یہ خبر مشتہر ہوئی۔ تو شیعیان علیؑ نے ظالموں کا پورا قلع قمع کیا ہے۔ حضرت مختار ثقفیؒ اور حضرت ابراہیمؒ خلف الصدق جناب حضرت مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا انتقام لیا ہے۔ کہ سب کافروں کو داخل جہنم کیا ہے۔ چونکہ یہ معرکہ ہماری اور تمہاری بحث سے بالکل علیحدہ ہے۔ اس لئے تصریح اس کی فضول ہے تمہارا جی چاہے تو کتاب مسیّب نامہ یا مختار نامہ پڑھو۔ ابھی

میرا سلسلۂ کلام باقی ہے۔ یعنی بعد آئمہ معصومین علیہم السلام کے بھی الیکشن اور اس کے تبع تابعین مسلمانوں کی کارروائیاں نہایت خطرناک ہوئیں سادات بنی فاطمہ کا سہ بار قتل عام ہوا ہے۔ ہزاروں سادات بغداد کے گرگ خانہ کی دیواروں میں چُن دیئے گئے ہیں۔ خُلفائے عباسیہ اور بنی اُمیہ نے چند بار چاہا کہ روضۂ اقدس جناب علی مرتضیٰؑ اور شہید کربلا کو نیست و نابود کر دیں۔ دیکھو سیرۃ الفاروق مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۸ مسلمانان الیکشن کی بے اعتنائی۔ جناب خاتون جنت علیہا السلام اور ان کی اولاد پاک سے اب تک ہر جگہ عیاں و آشکارا ہے۔ مدینہ منورہ میں جا کر دیکھو لو۔ کہ مسجد نبوی میں غالباً اس گمان سے وہاں خلفائے ثلاثہ مدفون ہیں۔ کیسی تیاریاں ہیں۔ کہ سبحان اللہ کیسے کیسے جھاڑ کیسے کیسے کنول کیسے کیسے فانوس روشن ہوتے ہیں۔ اور کتنے حاجی و زوار کا ہجوم رہتا ہے۔ مگر ہزار افسوس کہ بقیعہ میں جہاں جناب خاتون جنتؑ کی قبر ہے۔ اور جہاں وہی غریب ابن غریب و مظلوم ابن مظلوم جناب امام حسنؑ اور امام زین العابدینؑ امام محمد باقر علیہم السلام اور امام جعفر صادقؑ کا مزار ہے وہاں ایک چراغ بھی نہیں جلتا۔ سرِ شام ہی سے دروازہ بند ہو جاتا ہے !!! اور سو میں ایک بھی سُنّی حاجی زوار ادھر زیارت کو نہیں جاتے۔ اور اگر کوئی شیعہ وہاں کوئی چیز نذر کرتا ہے۔ تو اُسکو وہاں کے خدام فوراً بیچ کھاتے ہیں۔ اور اب تو ابن سعود مردود نے بقیعہ شریف کے جمیع روضات مقدسات کو بیخ و بُن سے مسمار کر دیا ہے وسیعلمون الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

اب مجھے کوئی بتلائے۔ کہ اگر اسی الیکشن کی تعلیم کا یہ اثر نہیں ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ اولادِ جناب فاطمہؑ سے ایسی بے اعتنائی ہے ؟ یہ بزرگوار بھی تو فرزندانِ رسولؐ ہیں۔ اُن کی تعظیم کیلئے بھی تو رسولِ خدا وصیت کر گئے ہیں۔ پھر ایک جگہ اور ایک شہر میں اتنا بڑا فرق کیوں ہے۔

واقعہ مجلس عظیم آباد

اس وقت مجھ کو ایک واقعہ اپنے اسی شہر عظیم آباد کا یاد آ گیا۔ جس کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ میرے شہر کے رئیس اعظم جناب نواب سید لطف علی خاں صاحب مرحوم مغفور ہر عشرہ محرم میں بڑی عالیشان مجلس منعقد فرماتے تھے جس میں بڑا مجمع ہوتا تھا اور جناب میر وحید صاحب مرحوم و مغفور اعلی اللہ مقامہٗ مرثیہ خوانی فرماتے تھے۔ چونکہ موصوف الیہ کے مرثیوں میں شاعری کا کوئی پہلو اُٹھا نہیں رہتا تھا۔ اس لئے ہر مذہب و ملت کے لوگ بکثرت شریک ہوتے تھے۔

ایک سال یہ خبر مشتہر ہوئی۔ کہ میر صاحب کل نیا مرثیہ پڑھیں گے۔ اس لئے دوسرے دن بڑا

مجمع ہُوا۔

اس شہر میں ایک محلہ موسومہ لودی کٹڑہ حضرات سُنّت جماعت سے آباد ہے۔ اور ان میں بہت سے حضرات سخن سنج اور سخنور تھے اور ہیں۔ اس لئے اس مجلس کی خبر سُن کر بہت سے حضرات لودی کٹڑہ بھی جمع ہو گئے۔ اور سب ممبر کے گرد بیٹھ گئے۔

جناب نواب صاحب مرحوم خود ایک کوٹھڑی کے در پر جس میں تبرکات کربلائے معلیٰ وغیرہ رکھے تھے۔ قیام فرماتے تھے۔ اور ایک احاطہ معین کے اندر کوئی ہندو جانے نہیں پاتا تھا لیکن اس روز اتفاقاً زیادہ بھیڑ ہونے کی وجہ سے ایک بیچارہ (لیکن پڑھا لکھا اور واقعات کربلا سے واقف) ہندو اس احاطہ کے اندر جا بیٹھا۔ نواب صاحب نے حکم دیا۔ کہ اس کو نکال دو۔ پیادہ لوگ اس کو نکالنے لگے۔ تو وہ بیچارہ اٹھ کھڑا ہُوا اور جلے دل سے بآوازِ بلند بول اُٹھا۔

حضورؐ ہم کو تو اس وجہ سے نکالتے ہیں۔ کہ ہم ہندو ہیں۔ لیکن یہ بات یاد رکھئے اور خوب یاد رکھئے۔ کہ معرکۂ کربلا میں امام حسینؑ پر ظلم کرنے والا ایک بھی ہندو نہ تھا۔ بلکہ بروز عاشورا امام حسینؑ کو نیزہ و شمشیر سے گھیرے ہوئے وہی سب مسلمان تھے جیسے اس وقت یہ مسلمان لوگ ممبر کو گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں۔

اس غریب کا اتنا کہنا تھا کہ ساری مجلس میں سنّاٹا ہو گیا۔ آخر ایک دو منٹ کے بعد نواب صاحب نے فرمایا۔ اچھا بھائی بیٹھو بیٹھو بھائی بیٹھو" (اس جملہ کے دوہرانے کا یہ مطلب ہے۔ کہ جو کچھ تم کہتے ہو سچ ہے) ظاہر تو اس بیچارے ہندو نے ایک جملہ کہا۔ لیکن اگر کوئی اس کی صداقت اور سچائی کی شرح لکھے تو ایک جلد ہو سکتی ہے۔

جناب شمس العلماء مولانا نذیر احمد صاحب واقعہ کربلا کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ کہ کربلا کا واقعہ ایسا ہوا ہے کہ جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے اور پھر تحریر فرمایا ہے اور کس قدر سچ تحریر فرمایا ہے۔ کہ" وہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے۔ کہ اگر سچ پوچھو تو وہ دُنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے" دیکھو کتاب مناظر المصائب صفحہ ۱۵۲۔

واقعی یہ عجیب وغریب بات بھی کس قدر حیرت انگیز ہے کہ انبیائے سلف رضوان اللہ علیہم مثل حضرت نوحؑ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ علیہم السلام کو جو کچھ اذیت اور ایذا پہنچی وہ اپنے مخالفین مذہب سے پہنچی اور اپنے مذہب والے اکثر مطیع و فرمانبردار رہے۔ لیکن ہمارے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیارا معصوم محبوب متقی ابرار نواسا جسکو خود حضرت رسُول مقبول صلعم حسین منی و انا من الحسین فرماتے تھے۔ تین دن کا بھوکا پیاسا بے جرم و خطا شہید کیا گیا اور اس کا سارا ہرا بھرا خاندان دوپہر میں تہ تیغ کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ ایک شیر خوار بچہ بھی شہید کیا گیا۔ اس کا سب مال واسباب لوٹ لیا گیا۔ اس کے مخدرات حرم نبی زادیاں اسیر ہو کر دیار بدیار پھرائی گئیں۔ اور پھر یہ سب ظلم و شقاوت بیدردی و بے رحمی اُن اشقیاء

کے ہاتھوں سے ظہور میں آئی جو اپنے کو مسلمان اور اُمی نبیؐ کا کلمہ گو کہتے تھے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

افسوس صد ہزار افسوس کہ بروز محشر اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لئے ہوئے وہی لوگ اٹھیں گے۔ جو دنیا میں اپنے کو مسلمان اور نبی آخر الزمان صلعم کا کلمہ گو بتاتے تھے۔ اس لئے یہ گروہ بھی بروز محشر اپنے رنگ میں یکتا اور دوسرے مذاہب کی امت کے لئے طرفہ تماشا ہوگا۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ من ذالک القوم الفاسقین۔

الغرض تھوڑا غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ بعد انتقال جناب رسول خدا صلعم کے دو پارٹی ہو گئیں۔ ایک الیکشن کی پارٹی اور ایک اہلبیتؑ کی پارٹی۔ اہلبیت کی پارٹی ہمیشہ مظلوم رہی۔ اور الیکشن کی پارٹی ہمیشہ برسر عروج دنیاوی رہی اور اہلبیتؑ کی پارٹی کی بیخکنی میں ہمیشہ مصروف رہی اور جب موقع ملا۔ اہلبیتؑ کی پارٹی کو ایذا دیتی اور ستاتی چلی آئی اور چلی آتی ہے؟

محاسن سلطنت برطانیہ و آزادی مذہب شیعہ

ہندوستان میں دیکھ لیجئے۔ کہ ہر محرم میں سادات اور غلامانِ آلِ رسولؐ پر کیسے کیسے حملے ہوتے ہیں۔ لیکن ہزار شکر پروردگار عالم کا ہے۔ کہ اُس حاکم حقیقی نے اس وقت ہماری حمایت کے لئے ہم کو ایسا شاہنشاہِ عادل یعنی شاہنشاہ جارج ششم دام سلطنتہٗ دیا ہے۔ کہ اُس کے زور اور قانون کے مقابلہ میں کسی قوی کی مجال نہیں۔ گو اس کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو کسی ضعیف کو گو اس کی تعداد کتنی ہی کم ہو ستائے۔ ایسی جہاں پناہ سلطنت میں ہم لوگ کس عزت و آبرو سے اوقات بسر کرتے ہیں اور کیسی آزادی سے اپنے مذہبی اعمال اپنے کانشنس کے موافق بجا لاتے ہیں۔ اور جب بھی الیکشن والی پارٹی ہم کو دبانا چاہتی ہے۔ تو ہمارے حضور قیصر ہند کے عادل حکام ہماری حمایت فرماتے ہیں اور جب بھی مقدمہ ہوا۔ تو بلا پاسداری احدے دودھ کا دودھ پانی کا پانی فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ اور ہمارے مخالفین کا زور چلنے نہیں دیتے اگر خدانخواستہ ہم لوگ الیکشن والی سلطنت میں ہوتے تو اب تک پس دیئے جاتے۔ ہم تو کہتے ہیں۔ کہ جیسا ہم تم سے بول رہے ہیں۔ اسی کی سزا میں دار پر کھینچ دیئے جاتے۔ مگر واہ رے میرا قیصر ہند کہ اس کی سلطنت میں سب لوگ اپنے اپنے کانشنس کے مطابق اپنے اپنے مذہبی اعمال بجا لاتے ہیں۔ کتابیں چھاپتے ہیں۔ اپنے اپنے عقائد اخباروں میں شائع کرتے ہیں مگر کسی کی مجال نہیں۔ کہ اس میں کچھ چون و چرا کر سکے۔ اس لئے ہم شیعوں کے لئے تو یہ

سلطنت نعمت عظمےٰ ہے۔ اس لئے ہم لوگ سب شیعے قندھارسے مانڈلے اور نیپال سے کیپ کومورن تک کے رہنے والے دعا کرتے ہیں۔ کہ حقتعالےٰ اس عادل اور مہربان سلطنت کو ہمیشہ قائم رکھے اور ہمارے حضور قیصر ہند کو طول عمر عطا فرمائے!! ہم لوگ بارہ سو برس سے کڑیاں جھیلتے اور ایذائیں سہتے سہتے تھک گئے۔ الٰہی اب ایسا فضل و کرم ہو کہ ہم لوگ اس سلطنت میں چین سے زندگی بسر کریں۔ اور جمعیت خاطر سے تیری عبادت اور تیرے حبیب کے فرزندوں سے مودت رکھنے میں مصروف رہیں۔

محی الدین۔ اب تو بھائی میرے سب چوٹی کے سوالات ختم ہو گئے۔ اب تو میری آنکھوں سے پردۂ غفلت اُٹھ گیا۔ اب میرے نزدیک یہ بات واضح اور آشکارا معلوم ہوتی ہے کہ الیکشن اولاد جناب خاتون جنتؑ کے ہمیشہ خلاف رہا۔ حتیٰ کہ اس خاندان کی بیخ کنی پر موقع ملا تو کمر باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس لئے تم سچ کہتے ہو کہ اگر ایسا اسلام اسپین اور پورچوگل گیا معنی نوا سکوشیا تک پھیلا تو ہم کو کیا۔ کیونکہ اسلام تو یہ ہے کہ خدا اور رسول کو مانے اور ان کے احکام کو بجا لائے اور اولاد رسول کے ساتھ مودت رکھے ان کی تعظیم کرے۔ پس جس اسلام میں یہ نہیں وہ کچھ نہیں۔ میں ضرور تمہاری تقریر کو اپنے ہم مذہب دوستوں سے اعادہ کروں گا اور تمہارا ٹیبل دکھاؤں گا۔ اس کے بعد میرا خیال ہے کہ کوئی شخص اب ان نیکٹ یا نمگر پر ناز نہیں کرے گا۔ لیکن خدا کے فضل سے اس گئے گذرے پر بھی چاروں اقلیم میں نور ایمان و اسلام قائم ہے۔ پس اگر الیکشن اس کا باعث نہیں تو پھر اور کیا باعث ہے؟

نور ایمان خلافت ثلثہ سے چمکا۔ یا امام حسین علیہ السلام کی نمایاں کارروائیوں سے

علی رضا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ الیکشن نے تو بروز عاشورا محرم نور ایمان و اسلام کو گویا ٹھنڈا ہی کر دیا تھا۔ وہ تو محض خدا کی قدرت تھی کہ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ بچ گئے کہ نور محمدیؐ دنیا میں قائم رہا ورنہ الیکشن نے تو اسلام کا خاتمہ ہی کر دیا تھا۔ ہاں اب تک چار دانگ عالم میں جو اس نور کا جلوہ دیکھا جا رہا ہے۔ اور اسلام اپنے اصلی اور سچے نور میں چمک رہا ہے اس کا باعث وہ برگزیدۂ خدا ہے جس نے اصول اسلام کو اپنی گردن کی رگ سے وابستہ رکھا اور جس نے باغ ایمان کو اپنے طاہر خون سے سینچا اور تمام عالم کو دکھلا دیا۔ کہ سچے اور خدا کے پیارے بندے اس کی راہ میں کس صبر و استقلال سے اپنا گھر بار لٹا دیتے ہیں اس مقبول بارگاہ احدیت کا نام نامی ہے۔

دُرِ یگانۂ دریائے مجمع البحرین بجوئی طپیدۂ کرب و بلا امام حسینؑ

اس فخرِ روزگار نے دکھلا دیا کہ سچے مسلمان اور اسلام کے سچے حامی اسلام پر داغ آنے کے مقابلہ میں اپنی جان کو جان اور مال کو مال نہیں سمجھتے۔ چنانچہ خود مع اقرباکٹ گئے۔ مگر یہ ننگ گوارا نہ کیا۔ کہ یزید فاسق و فاجر کی جس نے جمیع محاسن اسلام کو ڈبو دیا تھا اور جس نے اس پاک مذہب کو محض ذلیل کر دیا تھا۔ بیعت کریں۔ واقعات کربلا پر نظرِ غائر ڈالنے سے صاف ظاہر ہوگا۔ کہ اسلام کے جتنے اعلیٰ اصول حق سبحانہٗ عزوشانہٗ نے قرآن مجید میں قائم فرمائے ہیں۔ اُن سب کو جناب سیدالشہداؑ نے ایک دن میں اپنی نمایاں کارروائیوں سے چمکا دیا اور مستحکم کر دیا۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ اصولِ دین وحدانیت عدالت۔ امامت اور معاد ہیں۔

وحدانیت کا سبق آپ نے یوں دیا۔ کہ دنیا ایک طرف تھی اور آپ تنہا ایک طرف تھے اس پر سوائے واحد مطلق کے آپ کسی کو دھیان میں نہ لائے۔ حتیٰ کہ ملائکہ اور اقوام اجنہ کی مدد قبول نہ کی اور دکھلا دیا کہ شیدائے وحدانیت سوائے اس معبود برحق کے اور ہر شئے کو لاشئے سمجھتے ہیں۔

عدالت کی تعلیم یوں فرمائی کہ انصار نیکوکار کو جیتے جی باغ ارم کی سیر دکھا دی۔ اور مخالفین بیدین کو ایک نگاہ قہر سے واصل بجہنم کیا۔ اور دکھلا دیا کہ بروز محشر صالحین اپنی نیکی کی جزاء اور بدکار اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔

نبوت کو یوں ثابت کیا کہ جتنے انبیائے سلف گذرے ان سب بزرگواروں نے ایک ایک مصیبت گوارا فرما کر درجات عالی حاصل فرمائے۔ اور خود پروردگار عالم نے بھی فرمایا کہ ہم تمہارا امتحان مفصلہ ذیل مصائب میں سے صرف ایک میں لیں گے اور اگر اس پر ثابت قدم رہو گے۔ تو تم میری صلوات اور رحمت کے مستحق ہو گے۔ تفصیل اُن کی یہ ہے خوف۔ بھوک۔ مال کا نقصان۔ جان کا نقصان پھل یعنی اولاد کا نقصان۔ قربان ہمت فرزند ختم المرسلینؐ کے کہ آپ نے سب مصائب میں بیک روز بیک وقت اپنے صبر و استقلال کا امتحان دیا۔ یعنی عالم انتہائے خوف میں جس وقت چاروں طرف دریائے آہن اُمڈا ہوا تھا۔ اور نیزہ و شمشیر کا نیستان بس گیا تھا۔ تین دن کی بھوک و پیاس میں بیٹے۔ بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے جو آپ کے ثمرات زندگانی تھے۔ سب کو نذر خدا کر کے بالنفس نفیس کمال صبر و استقلال سے عین عبادت پروردگار میں سوکھا گلا کٹوا دیا۔ اور عالمِ غربت میں سارا گھر بار لٹا دیا۔ اور اس امتحان میں ایسے کامل برآئے۔ کہ ملائک عرش اعظم کے فخر و مباہات کرنے لگے اور تمام عالم سے منوا دیا۔ کہ جس خیر البشر فخر بنی آدمؑ کی ذریت ایسی ہو تو اس کے افضل المرسلین اور خاتم النبیین ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے اور اس کا عرشِ اعظم پر جانا اور قاب قوسین کا درجہ حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

امامت کو یوں ثابت کیا کہ نائب رسولؐ ہونے کے لئے اپنے جو ہر ذاتی و صفاتی سے مقبول بارگاہ احدیت ہونا چاہئے۔ پہلے صوم و صلوٰۃ صبر و رضا و عبادت و ریاضت محبت و مروت شجاعت

وسخاوت۔ صداقت وعدالت میں پیش خدا اور رسولؐ و ملائکہ مقربین درجہ حاصل کرلے۔ تب نیابت رسولؐ کا حوصلہ کرے۔

ان اصولوں کو جس تکمیل سے جناب سیدالشہداء علیہ السلام نے معرکۂ کربلا میں چمکایا دُنیا کی تواریخ میں جواب نہیں رکھتا۔ میں چاہتا تھا۔ کہ ہر ایک اصول کے برتنے میں حضرت کی کارروائیوں کو عرض کروں۔ مگر بخوفِ طوالت مجمل عرض کرتا ہُوں۔ کہ جو شخص واقعات کربلا سے واقف ہے وہ بلاتامل کہے گا۔ کہ ان اصُول پاک کے برتنے میں جناب سیدالشہداؑ تمام عالم پر گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ دیکھو کتاب شارع الاخلاق مصنفہ مولوی سید محمد لطیف صاحب زنگی پوری جس میں مصنف مرحوم نے مثل بدیہات کے ثابت کیا ہے۔ کہ جناب حضرت سیدالشہداءؑ نے یقینؒ۔ قناعتؒ۔ صبرؒ۔ شکرؒ۔ حلمؒ حُسن اخلاق۔ سخاوتؒ۔ غیرتؒ۔ شجاعتؒ۔ مروتؒ میں ایسے ایسے کار نمایاں کئے ہیں۔ جن کا جواب دُنیا کی تواریخ میں نہیں ہے۔ ایک امر مروت ہی کو دیکھئے۔ کہ جب کوئی شخص عالم غربت میں کسی آفت میں پھنستا ہے تو اپنے ساتھیوں کو سمیٹے رہتا ہے۔ اور تنکے کا سہارا ڈھونڈھتا ہے مگر قربان قناعت و صبر استقلال ومروت حضرت سیدالشہداؑ کے کہ نویں محرم کو جب راہ امن وامان بالکل بند ہوگئی۔ اور سوائے موت کے اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔ تو شام کے وقت آپ نے اپنے سب انصار کو جمع کیا۔ اور فرمایا کہ یہ اشقیا صرف میرے سر کے طلبگار ہیں۔ تم سے ان کو کچھ مخاصمہ نہیں پس کیا ضرور ہے کہ تم لوگ میرے ساتھ ورطۂ ہلاکت میں پڑو۔ میں تم کو بخوشی اجازت دیتا ہُوں۔ کہ تم لوگ میرا ساتھ چھوڑ دو اور جدھر چاہو چلے جاؤ۔ چنانچہ اکثر کم نصیب لوگ واقعی شب کو ادھر اُدھر چلے گئے۔ مگر بہتر قمر آسمان سعادت وشہادت اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے اور آپ کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہُوئے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ امام یا نائب رسولؐ وہی ہوتا ہے جو اپنے جوہر ذاتی وصفاتی سے مقبول خُدا ہوتا ہے۔ اس عہدہ کے لئے کسی محلہ کے چند خفیف الاوقات لوگوں کا ووٹ محض بے حقیقت ہے۔

قیامت:۔ ہر چند معرکۂ کربلا بجائے خود تمام عالم کے لئے ایک واقعہ قیامت خیز تھا۔ مگر جناب سیدالشہداءؑ نے اپنی مستقل کارروائیوں سے ثابت کر دیا۔ کہ دنیا محض فانی اور بے حقیقت چیز ہے اور ہر چیز کے لئے دنیا کی زندگانی دوروزہ پلک جھپکنے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ آئندہ زندگی کا سرمایہ حاصل کرے۔ اگر بشر کی ابتداء اور انتہاء اسی دنیاوی زندگی پر ہوتی تو آپ کو ان مصائب کے برداشت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر آپ نے اپنے استقلال سے اپنے تابعین کو بتلا دیا۔ کہ یہ دُنیا کچھ نہیں ہمیشہ آخرت کی خبر لیتے رہو۔ اور ایسا کام کر جاؤ۔ کہ جو برزخ محشر وہاں کام آئے۔ بھائی محی الدین اب تم اپنے دِل میں غور کرو کہ بارہ تیرہ سو برس گذرنے پر تمہارے بلکہ سب سچے مسلمانوں کے دلوں میں ہمت ورغبت، صبرو استقلال وعبادت وریاضت مروت شجاعت وغیرہ محاسن مذہب اسلام سے، واقعات کربلا سُنکر

ہوتی ہے یا واقعات سقیفہ سُن کر؟ پس اب تم خود کہو کہ نورِ ایمان و اسلام واقعہ کربلا کے سبق سے چمکتا ہے یا الیکشن کے کرتوت سے؟

محی الدین۔ اس میں تو کوئی شک بھی نہیں کہ واقعات کربلا سے جمہورِ اسلام کو صبر و رضا کا اعلیٰ سبق ملتا ہے اور ساری دُنیا کے عالی خیال لوگ مان گئے ہیں۔ کہ سچے مسلمان مذہبی استقلال میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ مگر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ الیکشن والے مسلمان بھی استحکام اسلام میں کارنمایاں کر گئے ہیں۔

علی رضا۔ کہنے کو لوگ جو کچھ کہیں مگر واقعہ یہی ہے کہ جس قدر جنگ و جدال اور خونریزی مسلمانوں میں ہوئی۔ اس کا باعث وہی سقیفہ کا الیکشن ہے اور ساری آگ اسی روز کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ نہ حضرت عمر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بناتے نہ یہ روزِ سیاہ ہم لوگ دیکھتے۔ یہ البتہ ہے کہ جو بیج حضرت عمر سقیفہ کے روز بو گئے۔ اس کا پھل معاویہ نے کھایا اور اس ننگِ روزگار نے خاندانِ رسالت کے ساتھ وہ کام کیا جیسا کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ فرعون نے۔

محی الدین۔ مَیں دیکھتا ہُوں کہ تم حضرت معاویہ کا نام تحقیر سے لیتے ہو۔ کیا یہ صحابۂ رسُولؐ میں سے نہ تھے۔

خاندانِ رسالت سے خاندانِ معاویہ کا برتاؤ کیسا رہا؟

علی رضا۔ بھائی ان کے بارے میں تو ہم کچھ نہ کہیں گے۔ صرف اتنی بات یاد رکھو کہ ان کے پدر بزرگوار جن کا نام ابوسفیان تھا۔ حضرت رسولِ مقبولؐ سے برابر لڑا کئے۔ مادر گرامی آپ کی ہندہ ایسی سنگدل و بیرحم تھیں کہ حضرت حمزہؓ کا جگر چاک کر کے کھایا تھا خود ذات شریف حضرت علیؑ کے خون کے پیاسے رہے اس برگزیدہ خدا پر برسوں لشکر کشی کی آپ کے فرزند دلبند تو ایسے فخرِ خاندان ہوئے کہ چراغِ امامت کو گل ہی کر چلے تھے۔ وہ تو بڑی خیریت ہوئی۔ کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاتھ سے بچے ویسے ہی حضرت امام زین العابدینؑ اس مردود کے ہاتھ سے بچ گئے۔ کہ نورِ ایمان دنیا میں قائم رہا۔ ورنہ خاندانِ امامت و رسالت کا تو خاتمہ تھا۔ پس خاندانِ رسالت کے ایسے دشمن ازلی و ابدی کی تعظیم مجھ سے نہیں ہو سکتی۔ اس میں مجھے معاف رکھو۔ مَیں تو سمجھتا ہُوں۔ کہ جیسے حضرت خیر البشر صلعم کے خاندان پر رحم و کرم کا خاتمہ ہُوا ہے۔ ویسے ہی امیر معاویہ کے خاندان پر ظلم و جور و قساوت کا خاتمہ ہُوا۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

دوستانِ پسر ہند مگر نشنیدند	کہ از و بر سرِ اقرانِ پیمبر چہ رسید
پدرِ او درِ دندانِ پیمبر بشکست	مادرِ او جگرِ عمِ پیمبر بمکید

او بنا حق حق داماد پیمبر بگرفت　　پسر او سر فرزند پیمبر ببرید

محی الدین حضرت علیؓ سے لڑائی تو بوجہ خطائے اجتہادی کے ہوئی تھی تا۔ اس کو آجتک یاد رکھنا اور حضرت کو برا بھلا کہنا صریح تعصب ہے۔

علی رضا۔ تمہاری اس تقریر نے ہمیں ایک قصہ یاد دلایا۔ اسی کالج میں ایک روز ایک مولوی صاحب مرزا رفیع سوداؔ کا قصیدہ "اُٹھ گیا" بہمن ودے کا چمنستان سے عمل" جو حضرت علیؓ کی شان میں ہے، پڑھا رہے تھے۔ اتفاقاً اس میں ذکر امیر معاویہ کا آگیا مولوی صاحب نے جیسا تم کہتے ہو فرمایا۔ کہ شیعہ لوگ واقعی بڑے متعصب ہیں۔ کہ حضرت امیر المومنین معاویہ سے اس قدر مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ اصحاب رسولؐ میں سے تھے آپ نے حضرت علیؓ سے جو بوجہ خطائے اجتہادی کے جنگ کی ہرگز قابل خیال نہیں ہے۔ اتفاقاً اس وقت اس کلاس میں ایک سُنّی مذہب لڑکا جو امیر معاویہ کی کارستانی اور پالیسی سے خوب واقف تھا موجود تھا۔ مولوی صاحب کی اس گفتگو سے دل میں کمال برہم ہوا مگر غصہ کو ضبط کر کے نہایت متانت سے کہنے لگا۔ کہ شیعہ تو شیعہ ہم لوگ کیا کم متعصب ہیں۔ اور ذرا سی بات کو کس قدر طول دیتے ہیں۔ حضور ہی فرمائیے۔ کہ حضرت شیطان رضی اللہ عنہ کیسے مقرب بارگاہ احدیت تھے کہ گروہ ملائکہ میں آپ سب سے ممتاز تھے۔ حضرت سے ذرا سی غلطی اجتہادی یہ ہوئی کہ آپ نے نیک نیتی سے اپنی خلقت کو حضرت آدمؑ کی خلقت پر افضل سمجھ کر حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا۔ فقط یہ واقعہ نہ معلوم کس قدر ہزار برس کا ہے۔ اور غالباً اس کارروائی میں دو چار دس بیس منٹ سے زیادہ نہ گذرا ہوگا۔ اس پر ہم لوگوں کی یہ زیادتی ہے۔ کہ رات دن اٹھتے بیٹھتے حضرت کو سخت و درشت کہتے ہیں۔ اب حضور ہی فرمائیں کہ یہ تعصب نہیں ہے تو کیا ہے؟ جب مولانا نے جواب ترکی بہ ترکی سُنا۔ تو چیں بہ جبیں ہو کر فرمانے لگے۔ کہ میاں تم بڑے بے ہودہ ہو۔ کیا واہیات بکتے ہو۔ لڑکے نے کہا۔ کہ حضور ہم نے تو کچھ اور نہیں کہا۔ ہم نے تو صرف اس اصول کی تائید کی ہے۔ جس کو حضور نے کس شد و مد سے بیان فرمایا۔ مولوی صاحب یہ سنکر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے خبردار کبھی شیعہ کے سامنے ایسی تقریر نہ کرنا۔ لڑکے نے کہا۔ کہ میں نے سوائے آپ کے اور کسی کے سامنے ایسی تقریر نہ کی ہے۔ اور نہ انشاء اللہ آیندہ کبھی کروں گا۔

بھائی محی الدین ذرا غور کرو کہ خطائے اجتہادی فروعات میں قابل عفو ہے یا اصول میں کیا کوئی شخص اگر خطائے اجتہادی سے کافر ہو جائے۔ تو اس کو تم روا رکھو گے؟ کسی مذہب میں خطائے اجتہادی اصول میں یا ملکی جرائم میں جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی خطائے اجتہادی سے خدا کا قائل نہ ہو رسولؐ کی رسالت پر شک کرے۔ خلیفہ وقت سے جنگ کرے اپنے بادشاہ وقت سے بغاوت کرے تو وہ ہرگز قابل عفو نہیں ہے۔ آپ دیکھنا چاہیے کہ حضرت علیؑ بقول فریقین خلیفہ وقت تھے۔ اس

وقت ان کی اطاعت سب پر واجب تھی۔ لیکن امیر معاویہ نے برخلاف اس کے ان سے جنگ کی۔ اور ستر لڑائیاں لڑے جس میں ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ اور خون کے دریا بہے۔ اس کارروائی کو شرعاً قانوناً اخلاقاً کون شخص جائز رکھ سکتا ہے۔ اور اگر جائز کہے۔ تو میں اتنا ضرور پوچھوں گا۔ کہ ستر ہزار مسلمان آدمیوں کا خون جو جنگ صفین وغیرہ میں قتل ہوئے۔ کس کی گردن پر رہا؟ علاوہ اس کے ایک بات اور سن لو کہ امیر معاویہ کو حضرت علیؑ سے وہ عناد تھا جو شیعوں کو اصحاب ثلثہ سے نہیں تم کو معلوم ہو گا کہ شاہ ایران نے اپنے ملک میں علانیہ تبرا کرنے کو جرم قرار دیا ہے۔ مگر معاویہ کو حضرت علیؑ سے وہ عداوت تھی۔ کہ ان کے عہد سلطنت میں جامع مسجد دمشق میں علانیہ آپ پر تبرا ہوتا تھا۔ اور امیر معاویہ دیکھتے اور سنتے تھے۔ حالاں کہ مشکوٰۃ المصابیح میں جناب رسول مقبول صلعم کا قول ہے۔ من سبَّ علیاً فقد سبنی۔ یعنی جس نے علیؑ کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا۔

محی الدین۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ امیر معاویہ کے وقت میں حضرت علیؑ پر تبرا ہوتا تھا۔

علی رضا۔ جناب شاہ محمد کبیر صاحب ابو العلائی تاریخ تذکرۃ الکرام میں بہ صفحہ ۲۶۹ یوں تحریر فرماتے ہیں۔ آپ (حضرت امام حسنؑ نے کہا کہ تین شرط پر خلع خلافت کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوفہ کی آمدنی میرے صرف کے لئے رہے۔ دوسرے یہ کہ آپ اپنے بعد کسی کو جانشین نامزد نہ کیجیے۔ جس کو عامہ خلائق پسند کریں وہی خلیفہ ہو تیسرے یہ کہ حضرت علیؑ کی شان میں تبرا نہ کہا جائے۔ امیر معاویہ نے سابق کی دونوں شرطوں کو قبول کیا۔ اور تیسرے سے انکار کیا کہ یہ اختیار سے باہر ہے ہم کس کس کو روکیں گے۔ اس پر لوگوں نے حضرت امام حسنؑ کو سمجھایا۔ کہ پس پشت کسی کے کہنے کا خیال نہ چاہیے چنانچہ انہیں شرطوں پر تصفیہ ہوا۔ لیکن حضرت امام حسینؑ کو اختلاف تھا۔ اور آپ نے فرمایا کہ ہمارے باپ اور بنی ہاشم کی اس سے بے عزتی ہوتی ہے۔ لیکن امام حسنؑ نے نہ سنا۔ اور اپنے بھائی کو لئے ہوئے مدینہ آئے حضرت علیؑ کے نام پر ہر جمعہ کو دمشق میں تبرا ہوتا تھا۔ مصنف کتاب سوانح عمری جناب امیر علیہ السلام نے اپنی کتاب کے حصہ دوم میں بصفحہ ۲۵۰ ایک روایت بہ سند معتبر لکھی ہے۔ کہ خود امیر معاویہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم علیؑ پر سب کیوں نہیں کرتے ما یمنعک ان سبّ ابا تراب" اور کتاب عقد الفرید میں ہے۔ کہ معاویہ نے اپنے عمال کو لکھا۔ کہ حضرت علیؑ پر ممبروں پر سب و شتم کریں۔ دیکھو تاریخ احمدی صفحہ ۲۰۶ تا صفحہ ۲۰۸ پس کیا ایسا شخص کبھی قابل تحسین ہو سکتا ہے؟ علاوہ اس کے قطع نظر اعتقادات مذہبی کے امیر معاویہ کے لائف کتاب تاریخ اعثم کوفی یا جس کتاب میں جی چاہے دیکھئے اور غور کیجئے۔ کہ عمر بھر آپ نے اپنی اوقات شریف صرف مکر و دغا فریب جھوٹ بہتان میں صرف کی ہے یا نہیں؟ ان کے بارے میں جناب حافظ عبدالرحمٰن صاحب اپنی کتاب المرتضےٰ میں بہ صفحہ ۱۱۴ کیا خوب تحریر فرماتے ہیں۔ معاویہ اور ان کے مددگاروں کا یہ حال تھا۔ کہ مکر کرنے جھوٹ بولنے

اور مسلمانوں کا ناحق خون بہانے میں ان کو ذرا تامل نہ ہوتا تھا۔ دریائے فرات کا پانی مسلمانوں پر بند کرنا، حالتِ شکست میں قرآن کا نیزہ پر لٹکانا، معاملہ تحکیم میں ابو موسےٰ کو فریب دینا، قیس بن سعد حاکم مصر کو لالچ دے کر انحراف کی کوشش کرنا، یہ سب ایسے واقعات ہیں۔ جن کا ظہور ایک بھلے آدمی سے ہونا مشکل بلکہ محال معلوم ہوتا ہے۔

اَب مَیں حیران ہُوں کہ جب حضرات سُنّت جماعت کے بزرگانِ دین ایسے ہیں۔ تو ان کے بزرگانِ دُنیا کیسے ہوں گے؟ کیا اس سیرت کے آدمی کا بزرگ دین ہونا اس دین کا ننگ ہے یا نہیں؟

اس پر مزید لُطف یہ ہے کہ اکثر سُنّت جماعت امیر معاویہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں۔ جب ایسا ہی تو (نعوذ باللہ) جناب رسول مقبول صلعم کی حالت قابلِ افسوس ہے۔ یعنی حضرت نے بمقام غدیر فرمایا تھا اور دُعا کی تھی اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ یعنی خداوندا دوست رکھ۔ اس کو جو دوست رکھے اسے (یعنی علیؑ کو) اور دشمن جان اسکو جو اس سے (یعنی علیؑ سے) دشمنی کرے۔ معاویہ کی دشمنی اور حضرت علیؑ سے مخالفت اظہر من الشمس ہے۔ اس پر بھی اگر نعوذ باللہ حقتعالےٰ جلشانہٗ معاویہ سے راضی ہے۔ تو کوئی شک نہیں کہ تیرہ سو برس گذر گئے۔ مگر رسُول مقبولؐ کی یہ دُعا مقبول نہ ہوئی۔ بلکہ حق تعالےٰ بجائے معاویہ کو دشمن جاننے کے اُس سے راضی ہوگیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

امیر معاویہ کے بارہ میں مجھ کو ایک فقرہ جناب مولانا خواجہ حسن نظامی مدظلہ کا بھُولتا نہیں۔ موصوف نے فرمایا۔ کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے پوچھا۔ کہ آپ معاویہ کو کیسا سمجھتے ہیں۔ اس شخص نے کہا۔ ہم اس کو یزید کا بھی باپ سمجھتے ہیں۔"

اس جملہ میں لفظ بھی نے کیسا لطف دیا ہے اور بلاغت کی کیسی شان رکھی ہے!! حضرات سُنّت جماعت کا ایک مسئلہ قصور اور معافی قصور کا ایسا ہے۔ جو ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا ہے اور نہ قیامت تک سمجھ میں آئے گا۔ یعنی قصور تو کریں۔ حضرت امیر معاویہ اور وہ بھی کس کا کہ حقیقتاً اللہ پاک جلشانہٗ کا اور باسباب ظاہر حضرت علی علیہ السلام کا، یعنی برسوں اس متقول فریقین خلیفہ رسولِ خُدا سے جنگ وجدال کریں جس میں ہزاروں جانیں تلف ہوئیں سینکڑوں بچے یتیم ہوں۔ سینکڑوں عورتیں بیوہ ہوں۔ لیکن اس قصور کو معاف کریں کون میاں منگر وقصاب ساکن داناپور اور میاں منو بھٹیارہ ساکن لودیکٹرہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

تدابیر محرومی حضرت علی علیہ السلام خلافت رسول صلعم سے

محی الدین۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ بس اب ان کے بارے میں زیادہ کہنے کی احتیاج نہیں۔
سچ کہتے ہو کہ اگر امیر معاویہ حضرت علیؑ کے دوست تھے۔ تو شاہ ایران بہت بڑے دوست حضرات
خلفائے ثلثہ کے ہیں۔ پس ان سے قطع نظر کرکے میں پوچھتا ہوں کہ تم نے اب تک جتنے الزام بیان
کئے وہ حضرت عمر کے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان پر کیا الزام ہو سکتا ہے۔

علی رضا۔ بھائی خاص باتیں ہر ایک کی بہت ہیں۔ مگر اس میں طول ہونے کا خوف ہے
اور میں چنداں اس کی ضرورت بھی نہیں دیکھتا ہوں۔ کیونکہ تمہارا جواب ایک خیالی حکایت کے
ذریعہ سے ابھی دیتا ہوں۔ نقل ہے کہ یزید خداوند عالم کے سامنے لایا گیا اور اس سے سوال ہوا کہ
تو نے حسینؑ کو کیوں قتل کیا۔ اس نے کہا کہ ہم کاہے کو ان کو قتل کریں گے۔ ہم نے ان کو دیکھا بھی نہیں
ان کو قتل کیا ہوگا تو ابن زیاد نے یا عمر ابن سعد نے۔ جب ابن زیاد سے سوال ہوا۔ تو اس نے کہا ہم تو
بالکل بے قصور ہیں۔ یزید نے حکم دیا ہم نے بموجب حکم اس کے ابن سعد کو بھیجا۔ پس مجرم ہیں۔ تو وہ
دونوں جب ابن سعد سے سوال ہوا۔ تو اس نے کہا کہ ابن زیاد نے حکم دیا شمر نے قتل کیا۔ گنہگار ہیں
تو وہ دونوں۔ ہم تو بالکل بے جرم ہیں۔ جب شمر سے پوچھا گیا۔ تو اس نے کہا کہ ہم تو سب سے زیادہ بے قصور
ہیں۔ نہ یہ لوگ حکم دیتے نہ میں مرتکب ایسے امر عظیم کا ہوتا۔ پس اگر قصوروار ہیں۔ تو وہ تینوں۔ ہم تو
بالکل بے جرم ہیں۔ پس بھائی تم اپنا جواب اسی حکایت سے قیاس کر والعاقل تکفیہ الاشارہ۔ علاوہ
اس کے ایک بات اور سن لو کہ پینل کوڈ میں ہے کہ جب پانچ آدمی مل کر کسی خاص مقصد کے لئے جماعت
ناجائز مقرر کرکے کچھ فساد کریں۔ تو اس مقصد کے حاصل کرنے میں ہر ایک شخص جو کام کرے گا۔ اس
کے سب ویسے ہی مجرم ہوں گے۔ کہ گویا خود ان لوگوں نے اس فعل کو کیا۔ پس تمہارے جواب کے لئے
تو اسی قدر کافی ہے لیکن اتنا اور یاد رکھو کہ حضرت علی کے تخت پر فریبی الیکشن کے ذریعہ سے حضرت
ابوبکر کا بطور ناجائز بیٹھنا اور حضرت عثمان کا غصبی خلافت کے ذریعہ سے معاویہ کو قوت دینا جو سارے
فسادات دنیا کا باعث ہوا۔ کیا کم الزام ہے؟ اس مقام پر ایک امر عرض کرنا غالباً بے موقع نہ ہوگا
کہ جس طرح حضرت عمر نے اپنے کانشنس یعنی علم و یقین کو بالائے طاق رکھ کر انواع
و اقسام کی پالیسیوں سے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنایا۔ اس احسان کو حضرت ابوبکر مرتے دم تک نہ بھولے
یعنی آپ نے بھی اسی طرح عقبیٰ کی جوابدہی اپنی گردن پر رکھ کر حضرت عمر کو خلیفہ اور نائب و جانشین
مقرر فرمایا۔ اور اس طرح احسان کا بدلہ احسان کیا۔

تم کو یاد ہوگا۔ کہ قبل انتقال جناب حضرت سرور کائنات صلعم کے حضرت عمر نے بڑے سول

سرجن جبکہ حضور اقدس کو ہدایت نامہ لکھنے نہ دیا اور بعد انتقال آنحضرت صلعم کے پہلے تو آپ مجذوب از خود رفتہ ہو کر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ آنحضرت نے انتقال ہی نہیں کیا ہے بعدہٗ آپ بڑے مدبر الممالک بن کر سقیفہ پہنچ کر اپنی کڑکتی اور مسلمانوں کے دلوں کی ہلانے والی آواز سے حضرت ابوبکر کو خلیفہ رسول بنایا۔ اور بعدہٗ آپ بڑے جرار سپاہی بن کر جناب فاطمہ زہرا کے گھر میں آگ لگانے اور حضرت علی مرتضیٰ کو بجبر گرفتار کرنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ اور ان تدبیروں سے حضرت ابوبکر کو مسند خلافت پر قائم فرمایا۔

حضرت ابوبکر نے چاہا۔ کہ میں بھی اسی طرح احسان کا بدلہ احسان سے کروں۔ لیکن ان بیچارے سیدھے سادھے آدمی کو اس قدر چال اور گھات کب آتی تھی۔ اس لئے آپ نے غور فرمایا کہ میری تخت نشینی کے وقت میرے ساتھ حضرت عمر سا ہوشیار۔ چالاک۔ ذہین۔ فطین قوت بازو موجود تھا جس نے میرے لئے کوئی دقیقہ پالیسی کا اٹھا نہ رکھا۔ اور مجھ کو میری خوش نصیبی سے یہ مبارک موقع مل گیا تھا کہ علی مرتضیٰ جناب رسول مقبول کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے تھے۔ اب اس طریقے سے میرے قوت بازو کو میرے بعد خلافت ملنا غیر ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ کیونکہ میری تجہیز و تکفین سے علی مرتضیٰ کو کیا مطلب؟ اور میرے قوت بازو (حضرت عمر) کو اس کے ایسا ہوشیار چالاک مجلس کو گونجانے والا اور مسلمانوں کے دلوں کو ہلانے والا قوتِ بازو کہاں مل سکتا ہے کہ علی مرتضیٰ کے مقابلہ میں بازی جیتے۔ اور اس کو تختِ خلافت پر بٹھائے۔ اس لئے اب الیکشن کی ضرورت نہیں ؎

ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے

اب کسی دوسری تدبیر سے احسان کا بدلہ احسان کرنا چاہئے۔ اس لئے حضرت ابوبکر نے الیکشن کے اصول کو جڑ سے کاٹ کر پھینک دیا اور نامینیشن یعنی نامزد کرنے کی کارروائی کو مستحسن سمجھ کر حضرت عمر کو اپنا خلیفہ اور جانشین نامزد کر دیا اور اعلان کر دیا۔ کہ میرے بعد میرے نائب اور جانشین عمر ابن خطاب ہیں۔ الغرض جس طرح حضرت عمر نے خلافت غصب کر کے حضرت ابوبکر کو دی تھی۔ اسی طرح حضرت ابوبکر نے اس کو حضرت عمر کے حوالہ کیا اور عطائے خواجہ بلقائے خواجہ کر دیا۔ اور مطلق خیال نہ کیا۔ کہ اگر بروز محشر جناب رسول خدا صلعم نے یہ سوال کیا۔ کہ میں نے علی مرتضیٰ کو من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ کس دن کے لئے کہا تھا اور آیا النظر الی علیٍ عبادۃٌ تمہارے سامنے نہیں کہا تھا۔ دیکھو فتوحات اسلامیہ مطبوعہ مصر بقیہ صہ۳۱۱ پھر علی مرتضیٰ کے ہوتے تم نے عمر ابن خطاب کو کیوں اور کس استحقاق سے اپنا جانشین کیا۔ تو کیا جواب دوں گا!!!

بعض حضرات سنت جماعت جو غالباً غدیر کی کارروائی سے ناواقف ہیں۔ بڑے جوش میں آ کر جناب رسول مقبول صلعم کی مدح میں ایک بار بول اٹھتے ہیں کہ سبحان اللہ ہمارے رسول خدا

کی کیا ذات پاک تھی۔ کہ آپ نے اپنی حیات میں کسی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر نہ فرمایا اور امر خلافت کو پبلک کی رائے پر چھوڑ دیا۔ اب کہاں ہیں یہ حضرات ذرا حضرت ابوبکر کی کارروائیوں کو ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے اصول مفروضہ کو مسترد کر دیا اور بذریعہ نامینیشن کے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ اب یہ حضرات دیگر علمائے سُنّت جماعت سے پوچھیں کہ حضرت ابوبکر نے کس استحقاق سے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا؟ اور حضرت ابوبکر کو کب اور کس نے ایسا اختیار دیا تھا؟ اور حضرت ابوبکر نے پبلک حق کو کیوں چھین لیا۔

اصُول قائم کردہ الیکشن اور حضرت علیؑ کی محرومی

جہاں تک واقعات پر غور کیجئے۔ تو سب کا جواب ایک معلوم ہوتا ہے یعنی بعد انتقال جناب سرور کائنات صلعم کے اصل اصُول یہ قائم ہوا۔ کہ حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا علیہما السلام کے حقوق تلف اور غصب کرنے میں اور ان کے مدارج کے گھٹانے میں نہ کسی قانون کی ضرورت تھی اور نہ کوئی قاعدہ درکار تھا۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جو کارروائی ہو جائے وہی قانون ہے اور جو فقرہ چل جائے وہی قاعدہ ہے۔ اور اس میں جس قدر مکر و زور و دغا فریب سنگدلی بیرحمی بے مروتی خاک اندازی کی جائے سب جائز اور مباح ہے!!! الامان الحفیظ!!

غور کر کے دیکھو کہ بار اوّل تو حضرت علی سے خلافت المناغوچی طور سے یعنی بذریعہ MOCKERY OF ELECTION یعنی انتخاب مضحکہ انگیز کے چھین لیگئی۔ اب اس مرتبہ جب دیکھا گیا۔ کہ اس کا موقع نہیں ہے۔ تو بطور آفت بالائی بالا بالا کارروائی کر کے خلافت حضرت ابوبکر سے حضرت عمر پر اچھال دی گئی۔ جس میں بیچارے حضرت علیؑ کو یا دوسرے کسی مسلمان کو زبان ہلانے تک کا موقع نہ دیا گیا!! لاحول ولا قوۃ الا باللہ!!

حضرت عمرؓ سے شیعوں کو اس قدر مغائرت کیوں ہے؟

محی الدین۔ لیکن ایک بات میں نے عجیب سُنی ہے۔ کہ آپ لوگوں کو حضرت فاروق سے بڑی نفرت ہے۔ پس جب آپ کہتے ہیں۔ کہ سب خلفاء نے حضرت علیؑ کی حق تلفی کی تو بیچارے حضرت عمر نے کیا قصور کیا ہے کہ آپ لوگ ان سے اس قدر برہم ہیں!

علی رضا۔ بھائی ہم سادات کے لئے یہ ترکہ موروثی ہے۔

محی الدین۔ یہ کیا؟

علی رضا۔ آپ کی مستند کتابوں میں ہے۔ کہ جب بعد وفات جناب فاطمہ زہراؑ کے لوگوں
کے رُخ حضرت علیؑ سے پھر گئے۔ تو آپ نے حضرت ابوبکر کو تنہا بلا بھیجا اور چونکہ حضرت علیؑ کو
حضرت عمر کی صورت سے کراہت تھی۔ اس لئے کہلا بھیجا کہ آپ کے ساتھ کوئی دوسرا نہ آئے۔
چنانچہ صحیح مسلم کی یہ عبارت ہے فارسل الی ابی بکر ان ائتنا ولا یاتنا معک احدٌ کراھۃ محضر
عمر ابن الخطابؓ فقال عمر لابی بکرؓ واللہ لاتدخل علیھم وحدک یعنی حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکرؓ
کو بلوا بھیجا۔ کہ آپ آئیے۔ لیکن عمر ابن خطاب کی حضوری (یعنی صورت) سے کراہت ہونے کی وجہ
سے کہلا بھیجا۔ کہ آپ کے ساتھ کوئی دوسرا نہ آئے۔ تب حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ واللہ
آپ تنہا ان لوگوں کے پاس نہ جائیے۔ علیٰ ہذاالقیاس تاریخ طبری میں ہے فارسل ابی بکر ان
ائتنا ولا یاتنا احد معک دکرہ ان یاتیہ یعنی حضرات ابوبکر کو کہلا بھیجا۔ آپ آئیے اور آپ
کے ساتھ کوئی نہ آئے اور کراہت کی عمر کے آنے سے بھائی محی الدین جب حضرت علیؑ اور حضرت
عمر کا باہم گر ایسا خیال تھا۔ کہ جناب امیرؑ کو حضرت کی صورت سے نفرت تھی اور حضرت عمر کو حضرت
علیؑ سے مہمان کشی کا شک تھا۔ تو پھر یہ کہنا۔ کہ دونوں حضرات بڑے قلبی دوست تھے کچھ آپ ہی لوگوں
کا یا آپ کے علماء کا کام ہے!! کیا واقعی آپ کے علماء کا یہ خیال ہے۔ کہ جو بات وہ کہیں گے وہ کیسی
ہی خلاف قیاس کیوں نہ ہو۔ آج کل کے منصف مزاج لوگ ضرور مان لیں گے اور طرفہ یہ کہ طرفین کی
ایسی فیلنگ حضرت عمر کے مرتے مرتے دم تک باقی رہی کتاب تاریخ اعثم کوفی چھاپہ دہلی مطبع یوسفی
کے ۱۲۲ میں دربیان حال انتقال حضرت عمر کے لکھا ہے کہ بوقت انتقال حضرت عمر کے حضرت علیؑ
وہاں موجود تھے۔ لیکن جب حضرت عمر نے انتقال کیا۔ تو اقلیم نے غسل وکفن وحنوط دے کر لاش کو تختہ
پر رکھ دیا۔ بعدہٗ صہیب بن سنان کی طرف رُخ کر کے بولا آگے بڑھ اور نماز جنازہ پڑھ کیونکہ تجھی کو
نماز پڑھانے کی وصیت تھی۔ اس نے نماز پڑھی۔

اب اس مقام پر یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ جمہور اسلام میں ہر شخص کی فطرتاً خواہش ہوتی
ہے۔ کہ اس کے جنازہ کی نماز جناب رسول مقبول صلعم کے خاندان کا صالح ترین شخص پڑھائے۔ اس
لئے اس جگہ یہ بات کھٹکتی ہے کہ جب اس خاندان میں اس وقت ایسا شخص موجود تھا۔ جس کو رسول مقبول
صلعم نے انا و علیؑ من نور واحد اور انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا اور النظر الی علیٍ عبادۃٌ
فرمایا تھا اور جس کو خود حضرت عمر نے بروز غدیر بخٍ بخٍ یا علی انت مولائی و مولیٰ المومنین کہا
تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے صہیب بن سنان کو نماز جنازہ پڑھانے کی کیوں وصیت کی۔ یہ امر دو حال
سے خالی نہیں ہے۔ یا تو حضرت فاروق کو یقین تھا۔ کہ حضرت علیؑ ان کے جنازہ کی ہرگز نماز نہ پڑھائیں
گے۔ جیسا کہ سابق کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ یا یہ کہ حضرت عمر کے نزدیک حضرت علیؑ کی وقعت

صہیب بن سنان کے بھی برابر؛ تھی۔ برائے خدا تم خود غور کرو کہ تمہارا کیا خیال ہوتا ہے۔ اگر پہلی بات مانو تو حضرت علیؑ کی نفرت حضرت عمرؓ سے حضرت عمر کے مرتے دم تک مقبولۂ فریقین ہو جاتی ہے۔ یعنی حضرت علیؑ نے حضرت عمر کی سیرت اور آپ کے اسلام کو کچھ ایسا ہی پایا تھا۔ کہ حضرت کو اس معمولی امر خیر یعنی نماز جنازہ پڑھانے میں بھی تامل ہوتا۔ اور بحالت ثانی حضرت عمر کا حضرت علیؑ کو اپنا مولےٰ اور مولائے مومنین کہنا بالکل بناوٹ تھا۔ اور رسولِ خدا صلعم کی حدیثوں کو آپ بالکل غلط اور بے معنی سمجھتے تھے اور اس پر مطلق اعتقاد یا اعتبار نہ کرتے تھے۔

اب مَیں تم ہی سے پوچھتا ہُوں۔ کہ جس کو میرے آقا ایسا مکروہ سمجھیں یا جو میرے آقا کو ایسا بے وقعت سمجھے۔ اس کو ہم کیا سمجھیں؟ خیر بہر کیف مجھے اس سے کیا مطلب کوئی کچھ سمجھے۔ مَیں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ جس شخص کی صورت سے ہمارے آقا اور ہمارے جدّ کو اس قدر کراہت ہو کہ اس کا اپنے سامنے آنا گوارا نہ کریں یا جو شخص میرے آقا مولائے مومنین و مومنات کو ایک معمولی شخص صہیب ابن سنان سے کم سمجھے اُس شخص سے بمقتضائے فطرت انسانی اور جوش خون کے اُن حضرات کی سعید اولاد کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا ممکن ہے کہ وہ تعظیم کر سکے؟ ہم تو سمجھتے ہیں۔ کہ جس سید کے دل میں فیلنگ (خیال محکم) نہ ہو۔ اس کی رگ ہاشمی میں غالباً اس مقدس خون کا کوئی چھینٹا بھی نہیں ہے۔ اولاد تو اولاد ذرا خیال کر کے غور کرو کہ جس شخص کی صورت سے آقا کو کراہت ہوتی ہے۔ اس سے فرمانبردار اور نمک حلال نوکر خلا ملا رکھ سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

علاوہ اس کے اپنے سب سُنّی بھائیوں سے جو مرید ہو چکے ہیں۔ پوچھ دیکھو کہ جس شخص سے ان کے حضرت صاحب یعنی پیر و مرشد کو نفرت یا کراہت رہتی ہے۔ اس سے اُن کے دل کا خود کیا عالم رہتا ہے؟ وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں؟ کیا اس کی صورت سے اُن کو نفرت نہیں ہوتی؟ پس بھائی اسی سے خیال کر لو کہ جس شخص سے میرے آقا نے نفرت کی اُس کی طرف ہم نمک خوار غلام ہو کر کیونکر رغبت کر سکتے ہیں؟ ہماری تو وہی راہ ہے۔ جو اُن بزرگوار کی راہ تھی۔ اور ہم تو وہی چال چلتے ہیں جو ہمارے آقا اور ہمارے پیشوا چلے۔ علاوہ اس کے حضرت عمر کا سنگدل اور درشت مزاج ہونا تو مقبولہ فریقین ہے۔ تاریخ خمیس صـ ۲۶۹ اور تاریخ کامل جلد دوم صـ ۱۶۳ میں مندرج ہے کہ جب حضرت ابوبکر کے انتقال کا وقت قریب آیا۔ تو آپ نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا۔ اس پر جملہ سرداران فرقہ سنّت والجماعت مثل طلحہ اور زبیر وغیرہ کے بول اٹھے کہ ھو فظٌ غلیظٌ ہم لوگ اس کو افسر بنانا نہیں چاہتے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ کہ فظ غلیظ یعنی درشت مزاج اسی وقت تک ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ میرے بعد وہ نرم دل ہو جائے گا۔ افسوس ہے کہ حضرت ابوبکر کا یہ خیال بھی غلط ٹھہرا۔ حضرت عمر اپنے عہد خلافت میں بھی فظ غلیظ ہی رہے۔ چنانچہ آپ کی لائف

میں لکھا ہے کہ آپ صبح و شام تازیانہ لے کر بازاروں میں اور گلیوں میں پھرتے تھے جو شخص کچھ بھی خلاف شرع کام کرتا تھا۔ اُس کو کوڑے رسید کرتے تھے۔ ایسی حرکت کسی خلیفہ نے نہ کی۔

یہاں پر ایک بات قابلِ غور یہ ہے۔ کہ جس گلی میں جس کوچہ سے ہمارے آقا ہمارے مولا جناب رسول خدا صلعم یا جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام گذر فرماتے تھے۔ تو وہ گلیاں معطر ہو جاتی تھیں۔ اور لوگ باغ باغ ہو کر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قریب آکر دست بوسی و قدمبوس ہوتے تھے۔ اور لوگوں میں فرطِ مسرت سے عید ہو جاتی تھی۔ برخلاف اس کے جس گلی کوچہ سے حضرت عمر گذارا کرتے ہوں گے۔ وہاں ایک بھاگڑ مچ جاتی ہوگی۔ کوئی بیتابانہ ادھر بھاگتا ہوگا۔ کوئی اُدھر بھاگتا ہوگا۔ کوئی اپنی چیزوں کو چھپاتا ہوگا۔ یہ تو مردوں کی حالت ہوتی ہوگی۔ اور ہر طرف عورتیں یہ صدا بلند کرتی ہوں گی۔ ارے بھاگو بھاگو وہ دیکھو مُوا کوڑے باز خاں چلا آتا ہے۔ ماشاءاللہ ایسے ایسے وحشیانہ حرکات پر بعض حضرات مصنفین سُنّت جماعت کو ناز ہے۔ حیف صد حیف۔ مَیں کہتا ہوں۔ کہ اگر یہ حرکت اچھی تھی۔ تو دوسرے کسی خلیفہ نے کیوں نہ کی۔

المختصر حضرت عمر ایسے شخص تھے۔ کہ اُن کی غلظیت طبع سے اُن کے احباب خاص بھی اپناہ مانگتے تھے۔ اور حق یہ ہے۔ کہ کون سا فردِ بشر دُنیا میں ہے جس کو فظاً غلیظ سے نفرت نہ ہوگی۔ علاوہ اس کے دُنیا میں ہر شخص کو دیکھا اور سنا ہے۔ کہ مرنے کے وقت خدا کو یاد کر کے قتل یا خونِ ناحق سے پناہ مانگتا ہے۔ اور استغفار کرتا ہے۔ مگر حضرت عمر عجیب ذات بزرگ تھے۔ کہ مرتے دم تک ان کو بے گناہوں کے قتل ہی کی سوجھی ہے

واقعہ یہ ہے کہ کنز الاعمال میں ہے کہ جب ابو لولو فیروز کے زخم کاری سے حضرت عمر کا وقت آخر آگیا۔ اور طبیب نے جواب دے دیا۔ تو آپ نے لوگوں سے پوچھا۔ کہ میرے بعد کس کو خلیفہ مقرر کرو گے بعض لوگوں نے کہا حضرت علی کو۔ اس پر آپ نے فرمایا قسم ہے میری جان کی تم علی کو خلیفہ نہ کرنا۔ بخدا اگر علی کو خلیفہ مقرر کرو گے تو چاہیے۔ تم ناخوش ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تم کو امر حق پر قائم کئے بغیر نہ رہیں گے۔"

گویا امر حق پر قائم کرنا گناہِ کبیرہ تھا!! نعوذ باللہ من ذالک۔ اس کے بعد لوگوں نے پوچھا۔ کہ حضور کی کیا رائے ہے۔ تو آپ نے صہیب سے فرمایا۔ جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے کہ میرے بعد امر خلافت چھ اشخاص میں دائر رہے۔ علی۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبدالرحمان۔ سعد مشورہ کر کے خلیفہ مقرر کریں۔ ان میں پانچ آدمی اگر باہم اتفاق کریں۔ اور ایک شخص اختلاف کرے تو اُس کا سر اُڑا دیں۔ اور اگر چار شخص متفق ہوں اور دو آدمی انکار کریں۔ تو ان دونوں کے سر کاٹ دیئے جائیں۔ اگر تین آدمی ایک رائے ہوں تو فیصلہ کے لئے عبداللہ ابن عمر کو حکم قرار دے اور اگر یہ لوگ عبداللہ ابن عمر کا حکم

ہونا منظور نہ کریں۔ تو جس گروہ میں عبدالرحمان ہوں رہنے دیں اور باقی اشخاص کو قتل کردیں۔ دیکھو تاریخ احمدی صفحہ ۱۲۵۔

پس حضرت عمر عجیب کیرکٹر کے گذرے ہیں۔ کہ میدان جنگ سے فرار کرنا آپ کے شعار میں داخل تھا۔ لیکن بیگناہوں کے قتل میں اور لوگوں کے مثل مولی پیاز سر قلم کرتے ہیں حضرت کو مرتے دم تک کوئی تردد نہ ہوتا تھا۔

ان چھ اشخاص میں ایک حضرت علیؑ بھی تھے۔ جن کے بارے میں حضرت عمر ابھی اپنی جان کی قسم دے چکے ہیں کہ اُن کو خلیفہ مقرر نہ کرنا۔ تب کوئی شک نہیں۔ کہ اُس حکم قتل میں حضرت عمر کے دلی مشارٌالیہ حضرت علیؑ تھے۔ اس لئے حضرت عمر اپنے دم واپسین تک قتل علیؑ کا خیال اپنے دل میں لئے ہُوئے دُنیا سے اٹھے ہیں۔ اور یُوں اپنی عاقبت بخیر کر گئے ہیں! الامان!! الحفیظ!!!

اور یہ وہی حضرت علیؑ ہیں۔ جن کے بارے میں جناب رسُول مقبول صلعم نے فرمایا تھا انا و علیٌ من نور واحد۔ اور یہی وہ علی ہیں۔ جن کو خود حضرت عمرؓ نے کہا تھا بخٍ بخٍ یا علی انت مولائی و مولی المومنین!!

علاوہ ان سب واقعات کے قرآن مجید سے ایک عجیب وغریب نکتہ نکلتا ہے۔ جو تمہارے سوال کا جواب بھی ہے۔ اور نہایت دلچسپ بھی ہے۔ یعنی قرآن مجید میں حقتعالےٰ جلّشانہٗ نے سورۂ مومن پارہ ۲۴ میں ایک جگہ فرعون ہامان قارون کو متصل فرمایا ہے۔ کما قال ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا و سلطان مبین الی فرعون و ھامان و قارون فقالوا ساحرٌ کذاب ۔ اور قاعدہ مشہور یہ ہے۔ کہ پنج حرفی الفاظ میں وسط کا حرف یعنی تیسرا حرف اس لفظ کا دل سمجھا جاتا ہے۔ اب تم خود دیکھ لو کہ اس قاعدے سے قرآن مجید کے رو سے فرعون ہامان قارون کا دل حضرت خلیفہ ثانی یعنی عمر ہوتے ہیں یا نہیں۔ فقط اتنا یاد رہے۔ کہ جو قرآن آنحضرت پر نازل ہُوا تھا۔ اس میں اعراب نہ تھا۔

پس جو شخص قرآن مجید کی رو سے فرعون ہامان۔ قارون کا دل ثابت ہُوا۔ اس سے ہم لوگوں کا دلی نفرت رکھنا ہرگز خلاف قیاس نہیں ہے۔ بلکہ عین فطرت ہے۔

محی الدین۔ اس کا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ اور نہ اب میرے ذہن میں کوئی اعتراض باقی ہے۔

علی رضا۔ تو اب کہو۔ کہ تمہارا ایمان کیا کہتا ہے۔ اس قدر تو ظاہر اً تمہارا مقبولہ ہے حضرت علیؑ

ا اس کے بعد قصہ مختصراز صفحہ ۱۶۰ تا صفحہ ۱۶۳ کتاب ہٰذا ملاحظہ فرمائیے۔

ہر طرح پر افضل صحابہ تھے۔ اس لئے حضرت مستحق خلافت بلا فصل کے تھے اور یہ ایکشن جائز طریقہ اور نیک نیتی سے نہ ہوا۔ اور اسی سے حضرت علیؓ سخت ناراض ہوئے۔

محی الدین۔ بھائی اس کا جواب کل عرض کروں گا۔

اس گفتگو کے بعد صحبت برخاست ہوئی۔ لیکن شب کے وقت جب محی الدین آرام کے لئے گیا تو اس کو یہ سماں نظر آیا۔

شہزادہ نور ایمان۔ پانچوں کھائیاں پھاند کر قلعہ کے دروازے پر موجود ہے۔ اور دبی دبی زبان سے کہتا ہے کہ پھاٹک کھول۔

حضرت دل۔ (شہزادے کو جھروکے سے دیکھ کر) خیر مقدم اہلاً و سہلاً بیا بیا کہ نمانده است تاب مہجوری۔

تعصب زبان کی طرف۔ ہے ہے۔ غضب ہو گیا۔ اب تو وہ درِ قلعہ تک پہنچ گیا۔ حضرت دل تو اور اس کو بلا رہے ہیں! ہائے ہم کیا کریں!! اس وقت اماں جان بس آپ ہی کا سہارا باقی ہے۔ جان بچائیے۔ ورنہ ہم تو بے موت مرتے ہیں!

زبان۔ ہر چند وقت بہت برا آ گیا ہے۔ مگر تم گھبراؤ نہیں۔ میں قفل ہی نہ کھولوں گی۔ پس یہ بانکے حضرت آئیں گے کیونکر؟

دوسرے دن جب صبح ہوئی محی الدین علی رضا کے مکان پر آیا۔ بعد صاحب سلامت و مزاج پرسی

علی رضا۔ کہو بھائی اب تمہاری کیا رائے ہے؟

محی الدین۔ بھائی تم کہتے تو سب ٹھیک ہو۔ مگر ہم کو سوائے خاموشی کے جائے دم زدن نہیں یہ رسولؐ کے داماد وہ لوگ حضرت کے صحابہ ہم کیونکر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات بس اس وقت میرے لئے سکوت ہی مناسب ہے۔

علی رضا۔ تو آخر تمہارا ایمان کیا رہا؟ ایمان تو قلب سے ہے زبان سے لاکھ کہو مذہب تو وہی ہے جو دل میں ہے یعنی جس کا اعتقاد اور یقین کامل ہے۔

محی الدین۔ میں کہتا ہوں کہ یہ فعل اُن کا ایک عصیاں تھا۔ اس سے بالکل بے ایمان تو نہیں ہو گئے اور حضرت رسول خدا صلعم کے وقت کا ایمان بیسوں برس کا اس سے مٹ تو نہیں جائے گا۔

علی رضا۔ حدیث میں ہے کہ جس نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؑ کو رنج دیا۔ اس نے رسولِ خدا کو رنج دیا اور جس نے رسولِ خدا کو رنج دیا اس نے خدا کو رنجیدہ کیا اور جس نے خدا کو رنجیدہ کیا وہ کافر ہے۔ دیکھو صحیح بخاری ص ۴۳۵ جلد اوّل چھاپہ میرٹھ مشکوٰۃ المصابیح سوانح عمری حضرت علی مؤلفہ مولوی عبید اللہ ص ۳۱۳ و ص ۶۳۹

لغایت ص۴۹۴۔ اور رسولوں کے ایذا دہندگان کے بارہ میں سورہ احزاب پارہ ۲۲ میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ و اعدلھم عذابا مھینا۔ یعنی جو لوگ اللہ ورسولؐ کو ایذا دیتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور آخرت میں ان کے لئے عذاب سخت مقرر کیا

محی الدین۔ تو اصحاب ثلثہ نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو کہاں رنج دیا۔

شیخین نے جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کیساتھ کیا سلوک کیا؟

علی رضا۔ صحیح بخاری جلد اوّل ص۴۳۵ و جلد دوم ص۹۹۵ چھاپہ میرٹھ اور صحیح مسلم جلد ۲ ص۵۱ چھاپہ کلکتہ میں یہ حدیث ہے کہ جب حضرت فاطمہ زہراؑ نے اپنا حق طلب کیا۔ تو خلفاء نے انکار کیا۔ اس سے جناب فاطمہ زہراؑ نہایت ناراض ہوئیں اور بعدہٗ مدت العمر ان سے کلام نہ کیا۔ اور وصیت کی کہ وہ لوگ میرے جنازے کے پاس نہ آئیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بضعۂ رسولؐ کی تجہیز و تکفین و تدفین کے وقت اصحاب ثلاثہ میں سے کوئی نہ تھا۔ اور آپ کو پہلوئے پدر بزرگوار میں جگہ نہ ملی۔ اس لئے آپ گورستان بقیع میں دفن ہوئیں ؎

دفن ہیں گورِ غریبانِ بقیع میں بتول یوں وطن میں بھی غریب الوطنی ہوتی ہے

اب یہ امر قابلِ غور ہے۔ کہ مسجد نبویؐ میں خلفائے ثلاثہ کو تو جگہ ملے۔ لیکن پارۂ جگر رسول مقبولؐ یعنی حضرت سیدۃ نساء العالمین گورِ غریباں میں دفن ہوں۔ اس کا کیا باعث ہے۔ اگر خلفائے وقت کے دل میں محبت اور وقعت جناب فاطمہ زہراؑ کی ہوتی۔ تو نہایت تعظیم و اکرام سے اس معصومۂ زہرا کا جنازہ اٹھاتے۔ حضرات خلفاء ثلاثہ جو خدمت آخری جناب رسول مقبولؐ سے بوجہ کارروائی سقیفہ کے محروم رہ گئے تھے۔ اس وقت اس کی پوری تلافی کرتے کیونکہ اس وقت کوئی امر مانع نہ تھا۔ خود بہ نفس نفیس شریک ہوتے۔ اور اپنے کاندھوں پر اس معصومہ کے جنازے کو لاکر پہلوئے رسول مقبولؐ میں دفن فرماتے لیکن درست ٹھیک۔ اس کا الٹا ہے یعنی جب سیدہؑ شب کو دفن ہوئیں اور ان کی میت پر خود جناب امیرؑ نے نماز پڑھی۔ اس سے یہ امر صاف ثابت ہے۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ کو جناب فاطمہ زہراؑ اور حضرت علیؑ سے عداوت تھی۔ اور کم سے کم طرفین کی ایسی حالت تھی۔ کہ ایک کو دوسرے کی روح سے نفرت تھی۔

محی الدین۔ البتہ یہ بات تو مناسب ہوئی۔ لیکن کوئی عملی ظلم تو جناب سیدہ پر نہ ہوا۔

علی رضا۔ واہ میں نے تو اس کو پانچویں کھاتی کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ شاید آپ بھول گئے۔

محی الدین۔ اس میں تو آپ نے ان جفاؤں کا بیان کیا ہے۔ جو لشکر یزید نے امام حسینؑ کے اہلبیت

طاہرین پر کیا تھا۔

علی رضا۔ نہیں اس کو بھی میں نے بیان کیا تھا۔ لیکن سب کی تصریح زیادہ کی تھی اور اس کو مجمل کہا تھا۔ اس لئے آپ کو خیال نہیں بہرکیف اب قبل اس کے کہ میں آپ سے عملی ظلم کا حال بیان کروں۔ ایک سوال کرتا ہوں۔

محی الدین۔ فرمائیے۔

جو شخص جناب رسول خدا صلعم کی التجا کے برعکس کارروائی کرے وہ کیسا ہے؟

علی رضا۔ میں پوچھتا ہوں۔ برائے خدا بتلائیے۔ کہ اطاعت خدا اور رسول صلعم ہر مسلمان پر فرض ہے یا نہیں؟

محی الدین۔ بیشک فرض ہے۔ حقتعالٰے نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

علی رضا۔ بہت خوب۔ تو جس کام کیلئے جناب رسول مقبول حکم دیں۔ اس کا بجالانا فرض ہے یا نہیں۔

محی الدین۔ بیشک فرض ہے۔

علی رضا۔ اور اگر جناب رسول خدا کسی امر کی التجا کریں تو اس کا بجالانا کیسا ہے؟

محی الدین۔ تب تو اور بھی بڑا بھاری فرض ہے۔

علی رضا۔ اور اگر اس کو کوئی بجا نہ لائے تو کیا ہوگا؟

محی الدین۔ بیشک وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

علی رضا۔ اور اگر کوئی اس التجا یا اپیل کے برعکس کرے۔ یعنی جناب رسول صلعم فرمائیں۔ دیکھو بھائی ذرا میرے مکان کی حفاظت کرنا اور وہ شخص برعکس اس حکم کے حضرتؐ کے مکان میں آگ لگادے۔ تو اس کا کیا مآل ہوگا؟

محی الدین۔ بیشک وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگا۔

علی رضا۔ اور اگر جناب رسول خدا صلعم کو کسی امر کی کمال خواہش ہو۔ اور پروردگار عالم بھی اس کو منظور کرکے آں حضرتؐ سے فرمائے کہ ہاں میرے حکم سے تم اپنا مدعائے دلی ظاہر کردو۔ اس پر جناب سرور کائناتؐ اس دلی مدعا کو ظاہر فرمائیں۔ اور اپنی امت سے اس کی اپیل یعنی التجا کریں۔ تو میں پوچھتا ہوں۔ کہ ایسی التجا کو سن کر اگر کوئی شخص اس التجا کے برعکس یعنی الٹی کارروائی کرے۔ تو تم اس کو کیا کہوگے؟

محی الدین۔ مَیں تو بلا تامل کہوں گا۔ کہ اس کے کافر ہونے میں ہرگز شک نہیں۔
علی رضا۔ (بات کاٹکر) ہاں میرے شیر اتنی جلدی نہ کرو۔ ذرا اپنے مولوی صاحب سے پوچھ لو۔
محی الدین۔ تو کیا میرے مولوی صاحب یہ کہیں گے۔ کہ جناب سرور کائنات صلعم کی اپیل (التجا) کے ریپانس (جواب) میں اگر کوئی شخص اس التجا کے برعکس کارروائی کرے تو بھی مسلمان بنا رہے گا؟

علی رضا۔ اپنے مولوی صاحبوں کی بے تکی کو نہ پوچھو۔ ہم کو تم کو تو وہ کوٹ پتلون پہننے اور بُوٹ پہننے اور فروعی مسائل کے اختلاف میں کافر بنادیں گے۔ لیکن جب واقعات ماسبق سے گفتگو کی جائے۔ تو وہ لوگ نفس رسُول یعنی حضرت علی سے ستر وستر لڑنے والے کو خدا کا دوست کہہ دیں گے۔ حالانکہ اس کے بھی قائل ہیں۔ کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا تھا کہ جو علیؑ کا دشمن ہے۔ وہ میرا دشمن۔ اور جو میرا دشمن ہے۔ وہ خدا کا دشمن۔ اور جو خدا کا دشمن ہے وہ کافر ہے۔ خیر بہرکیف ان لوگوں کی باتوں کو جانے دیجئے۔ اصل مطلب کی بات سُنئے۔ کہ حضرات پنجتن پاک علیہم السلام مقبول ترین بارگاہ احدیت تھے۔ اور پروردگار عالم کے نزدیک اہلبیت طاہرین علیہم السلام یعنی حضرت خاتون جنتؑ اور ان کے شوہر بزرگوار اور اُن کے فرزندان کی بڑی عظمت اور وقعت تھی اور جناب رسول مقبول صلعم کی بھی دلی خواہش تھی۔ کہ حضرتؐ کی کل امت بلکہ جمہور اسلام ان بزرگوں کی عزت و توقیر و تعظیم و تکریم کریں۔ اور ان سے مودت و محبت رکھیں۔ اس لئے پروردگار عالم نے حکم دے دیا۔ کہ ہاں اے محمد قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ یعنے اے محمدؐ تم سبھوں سے کہہ دو کہ ہم نے جس قدر تمہارے لئے صعوبت اٹھائی اور جس قدر اجرائے احکام پروردگار عالم میں محنت و جفاکشی کی۔ اس کا اجر ہم کچھ نہیں چاہتے ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ میرے قربیٰ کے ساتھ مودت رکھو۔ یہ آیہ کریمہ سورہ شوریٰ پچیسویں پارے میں موجود ہے جناب رسولِ خدا صلعم نے بتعمیل اس حکم کے یہ بات کہہ سُنائی اور یہ سوال کر دیا اور ہم لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ جب تک یہ آیت قرآن مجید میں موجود ہے تب تک حضور اقدس گویا سُنا رہے ہیں۔ سبحان اللہ قربان قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے اور نثار جناب رسُول مقبوُل کی پاکیزہ نفسی اور غیرت دیکھئے کہ آپ نے اپنی صعوبت اور محنت کا اجر نہ چاہا لیکن صرف ذکر کر دیا۔ اور یاد دلا دیا۔ لیکن کیا صاحبانِ بصیرت و علم و کمال اس نکتہ کو سمجھ نہ جائیں گے۔ اور کیا ہم لوگ امتیوں کو واجب و لازم نہیں۔ کہ اس حکم کی تعمیل کو اپنے اوپر ایسا فرض گردانیں۔ کہ گویا آں حضرت صلعم نے اپنے احسانات کا عوض طلب کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی غور کے قابل ہے کہ یہ حکم جناب رسول مقبوُل نے فقط اپنی ذاتی و فطری خواہش سے جاری نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ حکم شاہنشاہ عالم مالک حقیقی کی طرف سے صادر

ہوا ہے۔ ورنہ عام اولاد کے لئے تو جناب سرور کائناتؐ نے خود فرمایا ہے اکی موا اولادی الصلحین
للہ والطلحین لی۔ ظاہراً اس اہتمام کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ اہلبیت طاہرین علیہم السلام
یعنی جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت علی مرتضیٰ و حسنین علیہم السلام علاوہ فرزندان رسولؐ
ہونے کے خود بھی مقبول بارگاہ خداوند عالم جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کے تھے۔ جن کی تعظیم و تکریم ہر مسلمان
کے لئے ضروری تھی اور جن سے مخالفت کرنا باعث ناخوشنودی پروردگار عالم تھا۔ اس لئے غالباً اس
خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ بعد انتقال جناب سرور کائناتؐ کے آپ کی اُمت یہ سمجھ کر کہ رسالت تو ختم
ہو گئی۔ اب اہلبیت طاہرینؑ کا کیا فائدہ۔ حضرتؐ کے اقرباء سے بے اعتنائی کرے اور اس وجہ سے مورد
عتاب حضرت شاہنشاہی ہو۔ اور مغضوب ہو جائے۔ اس لئے دربار کبریائی سے فرمان عالی صادر ہوا
تاکہ سب لوگ واقف ہو جائیں۔ کہ اقربائے رسولؐ بھی قابل تعظیم و تکریم بلکہ واجب الاطاعت ہیں
اور ان سے مودت رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ تاکہ کوئی حجت باقی نہ رہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کاروائی
اور یہ اہتمام حقیقۃً امت ہی کے نفع کے لئے کیا گیا تھا۔ ورنہ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں کے مودت
کرنے سے حضرات اہلبیت طاہرینؑ کا درجہ ایک انچ نہ بڑھا اور نہ کسی کے مودت نہ کرنے یا ایذا
دینے سے ایک انچ گھٹا۔ یہ حضرات جیسے نورانی خلقت پیدا ہوئے ویسے ہی پاک اور معصوم رہے
اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ جس بات کے لئے جناب حضرت ختم المرسلین خاتم النبیین محسن عالم
فخر بنی آدم اپنی اُمت سے التجا کریں۔ اور یہ التجا پروردگار عالم کے حکم سے ہو۔ اور اُس کے پیش
کرنے میں آپ اپنی مصوبات اور احسانات کو یاد دلائیں۔ باوجود اس کے اگر کوئی شخص بجائے مودت
کے حضرت خاتون جنت علیہا السلام کو ستائے یا ایذا دے یا ان کے گھر میں آگ لگائے یا آگ لگانے کا
اقدام کرے۔ وہ شخص کیسا ہے؟ کیا ایسا شخص ابولہب وغیرہ سے جنہوں نے خود حضرتؐ کو ستایا، بال
بھر بھی کم ہے؟ تم خود غور کر کے دیکھ لو کہ اگر ایک شخص پتھر سے حضرت کے دندان مبارک کو شہید کرتا
اور دوسرا شخص حضرت کے سامنے آپ کی نور دیدہ جناب فاطمہ زہراؑ کا گھر جلاتا اور لات مار کر
دروازہ کا پٹ اس معصومہؑ پر گراتا، جس سے اس مظلومہ کو ضرر شدید پہنچتا۔ تو حضرت کو کس کے فعل
سے زیادہ صدمہ پہنچتا؟ یا یہ کہ ایک شخص حضرت کی طرف ڈھیلا پھینکتا اور دوسرا شخص آپ کے
سامنے حضرت خاتون جنت کا گھر جلانے کے لئے لکڑی اور آگ لئے ہوئے آتا۔ تو ان دونوں میں
سے کس کی حرکت سے جناب رسالتمآبؐ کو زیادہ ایذا پہنچتی کیا کوئی شخص جس میں ذری سیادت کی
بو ہے۔ اپنی بیٹی کی ہتک عزت کو اپنی جسمانی ایذا سے کم سمجھے گا؟ ہرگز نہیں۔
جناب رسول مقبولؐ تو جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کو نور دیدہ اور پارہ جگر سمجھتے تھے اور بار
بار فرماتے تھے۔ کہ جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے عداوت رکھی۔ اور جس کو مجھ سے عداوت

ہے۔ وہ خدا کا دشمن ہے۔

محی الدین لیکن آیہ کریمہ کا تم نے مطلب ہی غلط سمجھا ہے۔ آیہ کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ تم لوگ آپس میں یعنی اپنے قرابت مندوں میں محبت اور مودّت رکھو۔ یعنی میل جول سے رہو۔ تم نے یہ مطلب کہاں سے نکالا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے اقرباء سے مودّت رکھو۔

علی رضا۔ ماشاء اللہ بات تو خوب سوچکر نکالی ہے۔ مگر افسوس کہ اس تاویل غلط سے بھی حضرات شیخین کی برأت نہیں ہوتی۔ بلکہ بات ویسی کی ویسی رہ جاتی ہے۔ یعنی حضرت فاطمہؑ اور حضرت علی علیہ السلام حضرات شیخین کے کوئی غیر نہ تھے۔ بلکہ قرابت مند قریب تھے۔ یعنی قطع نظر قرابت خاندانی کے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام حضرات شیخین کے داماد کی بیٹی تھیں اور حضرت علیؑ حضرات موصوفین کے داماد کے داماد تھے۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ یہ عزیزان علیہم السلام حضرات شیخین کے قرابت مندوں میں ضرور داخل تھے۔ ایسی حالت میں اگر ان بزرگوار نے جناب فاطمہ زہراؑ یا علی مرتضیٰؑ کو ایذا دی یا ستایا تو بلاشبہ اس حکم کی صریح نافرمانی کی۔ اس لئے اس تاویل غلط کے نکالنے سے تمہاری حالت تو ٹھیک وہی ہوئی۔ جیسی عربی میں ہے الفار من القضاء الغالب کما لمتقلب فی ید الطالب یعنی قضاء غالب سے بھاگنے والا گرفتار کرنے والے کے ہاتھ میں پڑجاتا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ نص صریح اور قرینۂ حالیہ و مقالیہ کے رو سے یہ تاویل ایک دم غلط ہے۔ اس لئے کہ آپس میں قرابت مندوں کے میل جول سے رہنا تو معمولی وعظ کی بات ہے۔ جو آنحضرت صلعم ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔ اس معمولی وعظ کے لئے حضرتؐ کا اپنی رسالت کی کارروائیوں اور جاں فشانیوں کو درمیان میں لانا محض فضول اور بے کار معلوم ہوتا ہے۔ اُن امور کا درمیان میں لانا اور سوال کرنا صرف اسی وقت مناسب معلوم ہوتا ہے جب کوئی خاص غرض مضمر ہو اور وہ خاص غرض وہی ہے۔ جس کو میں کہہ رہا ہوں۔ یعنی آں حضرت صلعم کی دلی خواہش تھی۔ اور اس کے لئے بحکم خدا آپ نے سوال فرمایا تھا کہ تم لوگ میرے اقرباء سے محبت اور مودّت رکھو۔

یہ مطلب میں نے اپنے دل سے نہیں نکالا ہے۔ بلکہ خود آپ کے علماء کا یہ قول ہے اور اکثر مفسرین حضرات سنت جماعت نے اس آیہ کریمہ کی یوں ہی تفسیر فرمائی ہے۔ دیکھو ۱ تفسیر کشاف ۲ تفسیر بیضاوی ۳ تفسیر اکلیل علامہ جلال الدین سیوطی ۴ علامہ حسن بن محمد نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

عن سعید ابن جبیر لما نزلت ھذہ الایۃ قالوا یا رسول اللہ من ھولاء الذین وجبت علینا مودتھم بقرابتک فقال علی و فاطمۃ و ابناھما و لاریب ان ھذا فخر عظیم و شرف تام۔ یعنی سعید ابن جبیر صحابی سے روایت ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی

تو لوگوں نے حضرت رسول صلعم سے دریافت کیا کہ آپ کے وہ کون رشتہ دار ہیں جن کی مودت ہم پر واجب کی گئی ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ کہ وہ علیؑ اور فاطمہؑ اور ان کے فرزندان ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ بڑا ہی فخر اور شرف تام ہے۔

ایسی حدیثیں اور بھی بہت ہیں۔ بہ نظر اختصار صرف ایک پر اکتفا کرتا ہوں کہ یہ التجا کرنا جناب رسول مقبول کا صرف میرا ہی قول نہیں ہے۔ بلکہ قول جمہور ہے۔ علاوہ اس کے اگر صرف یہی مطلب ہوتا جیسا کہ تم کہتے ہو۔ تو حقتعالے نے جس طرح اور احکام صادر فرمائے ہیں مثلاً کتب علیکم الصیام لصوم کے بارے میں فرمایا ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرما دیتا کہ کتب علیکم المودۃ فی القربیٰ تب اسی اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ کہ حق تعالے اپنے حبیب سید المرسلینؐ کو اپنی امت کے سامنے سائل بناتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ حکم حق تعالے کا اسی غرض خاص سے ہے۔ جس کو میں کہہ چکا اور تمہارے علما بھی قبول کر چکے ہیں۔

محی الدین۔ لیکن آیہ کریمہ میں لفظ سوال کا ہے۔ پھر بار بار جو آپ لفظ التجا کا استعمال فرماتے ہیں۔ یہ تو بالکل عبارت آرائی ہے۔ التجا کا لفظ تو قرآن میں کہیں نہیں ہے۔

علی رضا۔ میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ کہ اس لفظی گرفت سے آپ نے مجھے زیادہ موقع دیا۔ کہ میں اس لفظ کی زیادہ شرح کروں۔

یہ معلوم ہے کہ بڑا شخص اپنے چھوٹوں کو مثلاً بادشاہ اپنی رعیت کو جب کچھ کہتا ہے یا حکم دیتا ہے تو اسے فرمان۔ کمانڈ۔ حکمنامہ۔ آرڈر۔ پروانہ وغیرہ کہتے ہیں۔ اور جب چھوٹا بڑے سے کچھ کہے۔ تو اس کو سوال۔ درخواست۔ استدعا عرضی وغیرہ کہتے ہیں۔ اب یہ بات تمہارے بلکہ سارے مسلمانوں کے غور کرنے کی ہے کہ مودت اقربا کے لئے علاوہ اس اہتمام کے جو میں نے ابھی ذکر کیا۔ حضرت رسولخدا صلعم اور کیا کرتے۔ یعنی اس کام کے لئے وہ بادشاہ کونین جو عرش اعظم پر نعلین پہنے پھرا اور جس کا اعلیٰ حضرت جلشانہٗ سے صرف دو کمان کا فرق رہ گیا وہ عالیجاہ اس کام کے لئے ایسی پستی اور عاجزی کی جگہ اختیار کرتا ہے۔ کہ اپنے کو سائلوں میں داخل کرتا ہے اور سوال کرتا ہے!! اور کس سے؟ اپنی اُمت سے جس کا کل بار ایک روز اپنی گردن مبارک پر اٹھانے کو موجود ہے!! اللہ اکبر اللہ اکبر آپ خود فرمایئے کہ ایسے شاہنشاہ کا اپنے کو ایسی عاجزی میں ڈالنا۔ اور سائل بن کر اپنے غلاموں سے سوال کرنا کیا التجا سے کم ہے؟ التجا پھر اور کس کو کہتے ہیں؟ اس لئے میں کہتا ہوں۔ کہ میں نے ہر گز عبارت آرائی نہ کی۔ بلکہ آپ خود لفظی گرفت کرتے ہیں۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ شرعاً۔ عرفاً۔ اخلاقاً۔ تہذیباً جب ایسا مربی اور محسن اپنی حیثیت سے اتر کر اپنے غلاموں سے کسی امر کا سائل بنے تو کیا غلاموں کو لازم و واجب و فرض نہیں ہے کہ اس کی بجا آوری میں اپنی جان کو جان اور مال کو مال کچھ نہ سمجھیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اپنے ایسے آقا کے ایسے سوال کی تعمیل نہ کرے۔ یعنی حضورؐ کے اقربا سے مودت

نہ رکھے۔ وہی بڑا نالائق کمبخت، بدنصیب ہے۔ اور ہرگز وہ بروز محشر جناب رسول مقبولؐ سے امید شفاعت رکھ نہیں سکتا۔ اور جو شخص کہ اس سوال کے برعکس کرے یعنی حضور اقدسؐ کے اقربا کو ایذا دے اس کا کیا حشر ہوگا اور کیونکر وہ مسلمان کہا جا سکے گا۔ میری سمجھ سے باہر ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے کہ خانۂ کعبہ ایک مقدس جگہ ہے اس کی تعظیم کرو اور طواف کرو۔ لیکن ایک شخص تو زبان سے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا جاتا تھا اور خانہ کعبہ پر ڈھیلے اور پتھر مارتا تھا۔ تو کیا بوجہ اس کلمہ پڑھنے کے وہ مسلمان تھا۔ اسی طرح ایک شخص نعرۂ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھر کر حضور اقدسؐ کی نور دیدہ جناب فاطمہ زہراؑ کے گھر میں دردانہ چلا آئے اور اس معصومہؑ پر دروازہ کاٹ گرا کر مجروح کرے۔ جس سے اس معصومہ کو سخت ایذا پہنچے۔ تو کیا وہ اس نعرہ بھرنے سے مسلمان باقی رہا؟ کیا اس وقت اس کے دل میں حضرت رسول خداؐ کی ویسی ہی وقعت تھی۔ جیسی سب مسلمانوں کو چاہیئے؟ کیا بروز محشر وہ رسول مقبولؐ کو منہ دکھانے کے قابل ہے؟ کیا رسول خداؐ اس سے ناراض نہ ہوں گے؟ اس وقت لاہور کی شاہی مسجد میں تبرکات موجود ہیں جن کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ آں حضرت کے وقت کے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک حضرت کی نعلین مبارک ہے اور ایک جانماز حضرت خاتون جنتؑ کی ہے۔ ان چیزوں کے ساتھ جو محض اعتقادی ہیں۔ اگر کوئی بےحرمتی کرے تو مجھے مطلق شک نہیں کہ لاہور کے کل مسلمان چہ شیعہ و چہ سنی اس کی حفاظت میں جان دیدینگے۔ اور کل علمائے شیعہ و سنی بےحرمتی کرنیوالوں پر کفر کا فتویٰ دیں گے۔ تب یہ کون مسلمانی ہے کہ جس کی فرضی یا اعتقادی نعلین پاک کی بےحرمتی سے تو آدمی کافر ہو جائے۔ لیکن اس کی نور دیدہ اور لخت جگر کو جس کی مودت کے لئے آپ سوال کر جائیں اگر کوئی ایذا دے تو وہ مسلمان قائم رہے! جس کی فرضی اور اعتقادی جانماز کی بےحرمتی سے تو آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو۔ لیکن جو اس کے گھر کو آگ لگائے وہ مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کا رہبر اور پیشوائے دین ہو!! نعوذ باللہ من ذٰلک !!!

یاد رکھو کہ جو شخص احکام خدا اور رسول بجا نہ لائے وہ گنہگار ہے لیکن یہ مسئلہ متفق علیہ درمیان شیعہ و سنی کے ہے۔ کہ جو شخص ان احکام کی توہین یا تحقیر کرے وہ ایک دم دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ مثلاً خدا نے حکم فرمایا ہے کہ تم نماز پڑھو۔ اس لئے جو نماز نہیں پڑھتا ہے وہ گنہگار ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کہے کہ نماز کی اٹھ بیٹھ واہیات ہے۔ عربی میں سورہ پڑھنا مہمل ہے۔ ہم بیٹھے بیٹھے آنکھ بند کئے اپنے خالق کی عبادت دل میں کرینگے۔ اور نماز کبھی نہ پڑھیں گے۔ تو یہ شخص ایک دم کافر ہے اسی طرح بعد نزول آیہ لا اسئلکم جو شخص مودۃ اقربائے رسولؐ نہ کرے وہ گنہگار ہے۔ بلکہ بڑا گنہگار ہے لیکن جو شخص یہ کہے کہ یہ حکم واہیات ہے۔ رسول خداؐ نے اپنے سلفش مو تو (ذاتی غرض) سے ایسا حکم جاری کرایا ہے تو وہ ایک دم کافر ہے۔ اور جو عملدرآمد خلاف اس سوال کے کرے۔ یعنی بجائے مودت کے اہلبیت کو ایذا دے۔ اس کے لئے ہم کیا کہیں تم خود کہہ چکے ہو کہ اس کے کفر میں ہرگز شک نہیں۔

محی الدین۔ اب میری عقل دنگ ہے۔ اب میرے دل میں مطلق شک نہیں کہ جناب سیدہؑ کو ایذا دینے والا بہت برا شخص ہے۔ کیونکہ قطع نظر آیت قرآنی کے یہ امر صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ کون آدمیت وانسانیت ہے کہ جس گھر سے اسلام پائیں، ساری نعمت پائیں۔ پھر اسی گھر کو جلائیں۔ یہ تو بالکل نمک خوردن ونمک دان راشکستن ہے مگر آپ اس قدر تمہید کر رہے ہیں۔ آخر یہ تو بتائیے۔ کہ واقعہ کیا ہے جناب سیدہؑ پر عملی ظلم کیا ہوا۔

احراق خانہ پاک حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام

علی رضا۔ ہائے افسوس عملی ظلم تو ایسا ہوا۔ کہ جس کے بیان میں میری زبان کانپتی ہے یعنی حقتعالیٰ نے فرمایا ہے لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم اور یہ کہ اذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ، پارہ بست ودوئم سورہ احزاب۔ اور گھر حضرت کا ایسا پاک تھا۔ کہ ملائکہ مقربین بھی بلا اجازت کے نہیں جاتے تھے۔ مگر ہائے افسوس اس گھر کی یہ خرابی ہوئی۔ کہ بعد الیکشن مذکورہ بالا اور تخت نشینی حضرت ابوبکر کے جب حضرت علیؑ نے بیعت سے انکار کیا۔ تو یہ امر حضرت عمر کو نہایت ناگوار گذرا۔ حضرت علیؑ محض کمزور خانہ نشین ہو چکے تھے۔ اور حضرت عمر کی پارٹی (جماعت) قوی ہو گئی تھی۔ اس لئے حضرت عمر زبردستی حضرت علیؑ کو پکڑ کر بیعت کرانے کے لئے مستعد ہو گئے۔ چنانچہ اس ارادے سے ایک چھوٹی فوج اور ہاتھوں میں لکڑی اور آگ لے کر دروازے پر آئے اور حضرت علیؑ کو للکارا کہ گھر سے نکلو۔ جب حضرت علیؑ باہر نہ آئے تو آگ لگانے کا قصد کیا اور پکار کر کہا۔ کہ اگر نہ نکلو گے۔ تو گھر میں آگ لگا دیں گے۔ اور (معاذ اللہ معاذ اللہ) سب کے سب جل مرو گے۔ اس وقت کا انتشار حضرت علیؑ کا اور بیقراری حضرت فاطمہ زہراؑ کی بیان سے زیادہ قابل خیال ہے۔ کیسا صدمہ ان معظمہ کو ہوا ہوگا۔ جس وقت یہ خیال فرماتی ہوں گی۔ کہ ابھی چند روز کی بات ہے۔ کہ میرے باپ کے وقت میں یہ لوگ وانت کاٹی روٹی کھاتے تھے۔ ملائکہ میری ڈیوڑھی پر پہرہ دیتے تھے۔ اور آج میں اس حالت کو پہنچ گئی۔ کہ محاصرہ میں ہوں۔ اور وہی نمک خوار میرا گھر جلانے آئے ہیں!! حضرتؑ کے صدمہ کا حال کچھ حضرتؑ ہی کے شعر سے ظاہر ہے

صُبّت علی مصائبُ لو انّھا   صُبّت علی الایام صرن لیالیا

یہ شعر جناب فاطمہ زہراؑ کا مشہور ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ واقعہ ہوئیں مجھ پر وہ مصیبتیں کہ اگر وہ مصیبتیں روز روشن پر پڑتیں تو وہ (یعنی دن) شب دیجور ہو جاتا!!! اللہ اکبر کیسا جگر خراش مضمون موزون ہوا ہے۔ پس کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ بوقت موزوں فرمانے اس شعر کے حضرت سیدہؑ کے سامنے یہ واقعہ جانکاہ پیش نظر نہ تھا؟! در بھائی میرے دل سے تو یہ بات اٹھتی نہیں۔ کہ چھوٹے چھوٹے بچے

حسن اور حسینؑ اسوقت کیسے مضطرب اور بیقرار ہُوں گے۔ کہ ہائے میرے بابا کو سب پکڑ لے آئے ہیں کہاں لے جائیں اور کہاں چھپائیں۔ اور اے وائے کہ گھر میں آگ لگا رہے ہیں کدھر چھپیں۔ کہاں بیٹھیں۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ الغرض جب دروازے میں آگ لگانے لگے (اور بقول اکثر واقعی آگ لگا دی) تو حضرت فاطمہ زہراؑ خود دروازے کے پاس تشریف لائیں اور فرمایا کہ مجھے کیوں ستاتے ہو۔ میں صرف چند دن کی مہمان ہوں؟ اس پر لوگوں نے دروازے پر لات ماری کہ بقول لے وہ دروازہ حضرت سیدہؑ پر آ گرا اور حضرت مجروح ہوئیں۔ آخر جناب امیرؑ خود باہر نکل آئے۔ ہائے افسوس کہاں تھے اس وقت حضرت رسُول خُدا صلعم کہ دیکھتے کہ جس شخص کی عزت افزائی کے لئے آپ نے یہ اہتمام فرمایا تھا۔ کہ لق و دق میدان میں ستر ہزار آدمیوں کو جمع کر کے فرمایا تھا۔ کہ جس کا مَیں مولیٰ ہُوں اُس کا علیؑ مولیٰ ہے۔ اس کو لوگوں نے یوں ذلیل کیا۔ اور جس نور دیدہ کو حضورؐ نے پارہ جگر قرار دیا تھا۔ اور جس کی عزت و حرمت کو حضورؐ نے جمہور اسلام کے سپرد فرمایا تھا۔ اور جس کے ساتھ مودت رکھنے کی التجا کی تھی۔ وہ یوں حقیر کی گئی اور اس پر ایسی سختیاں ہوئیں کہ چھ مہینے بھی بعد آپ کے چین سے رہنے نہ پائی!! افسوس صد ہزار افسوس!! بھائی محی الدّین جناب فاطمہ زہراؑ کے مدارج کون نہیں جانتا۔ ان کے ساتھ جب یہ سلوک ہُوا۔ تو اس سے زیادہ اور عملی ظلم کیا ہوتا؟

اسی انقلاب کو جناب میر انیس صاحب مرحوم نے کیا خوب نظم فرمایا ہے:۔

ماں باپ پہ واجب نہیں فرزند کی تکریم　　اس امر میں زہراؑ کو ہے ہر خلق پہ تقدیم
لکھا ہے کہ جب جاتی تھیں زہراؑ پئے تسلیم　　خود اٹھ کے رسُول عربی کرتے تھے تعظیم
اخلاق محمد ہُوں یہ جس باب کرم پر
دروازہ گرائیں اسی بی بی کے شکم پر

محی الدّین۔ یہ واقعہ تو البتہ ہولناک معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کی سند کیا ہے۔

علی رضا۔ اس کی سند ہم اپنی کتابوں سے کیا دیں۔ یہ قصہ تو ایسا مشہور ہے کہ انگریزی مورخوں نے بھی واقعہ خلافت کے ساتھ یہ سارا قصہ لکھا ہے۔ دیکھو (۱) گبن صاحب کی تاریخ عروج و زوال سلطنت روم صفحہ ۹۲۹ (۲) اسپرنگ صاحب کی تواریخ خلفاء واقعہ خلافت خلیفہ اوّل (۳) اروِنگ صاحب کی تواریخ خلفاء صفحہ ۴ (۴) ہسٹورینز ہسٹری جلد ۵ صفحہ ۱۲۶ علاوہ اس کے تمہاری مستند کتابوں میں یہ واقعہ بتصریح درج ہے (۵) تاریخ ابوالفداء چھاپہ مصر صفحہ ۱۹۴ (۶) تاریخ طبری (۷) تاریخ واقدی (۸) کتاب المرتضیٰ (۹) کتاب سقیفہ تصنیف ابوبکر جوہری (۱۰) کتاب الامامۃ والسیاسۃ (۱۱) تاریخ احمدی صفحہ ۱۰۹ تا صفحہ ۱۱۳ وغیرہ وغیرہ۔

محی الدین نے دو روز میں ان کتابوں کو (جس قدر لائبریری میں ملیں) دیکھا تو سارا قصہ موجود پایا

اور تب حسرت اور افسوس کے ساتھ خلفاء ثلاثہ سے دل میں کمال برہم ہوا۔ تیسرے دن کالج میں علی رضا سے ملاقات ہوئی۔ بعد صاحب سلامت۔

علی رضا۔ کہو بھائی کتابیں دیکھیں۔ میں نے جو کہا تھا صحیح تھا یا غلط؟

محی الدین۔ بھائی میں نے کتابیں تو دیکھیں۔ لیکن میرا دل اب بہت گھبراتا ہے! اور تم سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ نہ معلوم کس ساعت میں ہم سے اور تم سے یہ باتیں شروع ہوئی تھیں۔ کہ میرے دل کی الجھن روز بروز بڑھتی جاتی ہے:

علی رضا (دل میں) یار ساعت تو ایسی اچھی تھی۔ کہ اب خدا چاہتا ہے تو عنقریب دونوں جہان میں تمہارا بیڑا پار ہوتا ہے۔ خدا تم پر رحم کرے۔

علی رضا۔ (زبان سے) آخر ہوا کیا۔ کتابیں دیکھیں یا نہیں؟

محی الدین۔ بھائی سب کتابیں تو لائبریری میں نہیں ملیں۔ لیکن جس قدر ملیں اور دیکھیں ان کی حقیقت کہنے کو دل نہیں چاہتا ہے۔

علی رضا۔ بھئی تمہیں واللہ سچ کہنا۔ کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں یہ عبارت لکھی ہے یا نہیں

ان ابابکر تفقد قوماً تخلفوا عن بیعتہ عند علی فبعث الیھم عمر ابن الخطاب فجاء فناداھم وھم فی دار علی فابوا ان یخرجوا فدعیٰ عمر بالحطب و قال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن او لاحرقن علیکم علیٰ ما فیھا فقیل یا اباحفص ان فیھا فاطمۃ فقال فان فخرجوا فبایعوا الا علیاً فانہ زعم انہ قال حلفت ان لا اخرج ولا اضع ثوبی علیٰ عاتقی حتی اجمع القران فوقفت فاطمۃ علیٰ بابہا فقالت ترکتم جنازۃ رسول اللہ بین ایدینا وقطعتم امرکم ومنکم تستأمرون او لم نزدلنا حقاً فاتی عمر ابا بکر فقال لہ الا تاخذ واھذا المتخلف عنک بالبیعت فقال ابو بکر لقنفذ وھو مولی لہ اذھب فادع علیاً قال فذھب قنفذ الی علی فقال ما حاجتک قال یدعوک خلیفۃ رسول اللہ قال علی لسریع ما کذبتم علی رسول اللہ فرجع قنفذ وابلغ الرسالۃ قال ابو بکر لقنفذ عد الیہ فقال امیر المومنین یدعوک لتبایع فجاء قنفذ فابلغ الرسالتہ ثم قام عمر فمشی معہ الجماعۃ حتی اتوا باب فاطمۃ فدقوا الباب فلما سمعت اصواتھم نادت باعلیٰ صوتھا یا ابت رسول اللہ ماذا لقینا بعدک من ابن الخطاب وابن ابی قحافۃ فلما اسمع القوم صوتھا وبکاءھا انصرفوا باکین وکادت قلوبھم تتصدع واکبادھم تنفطر وبقی عمر ومعہ قوم فخرجوا علیاً ومضوا بہ الی ابی بکر فقال لہ بایع فقال ان انا لم افعل

قالوا اذاً واللّٰہ الذی لا الٰہ الا ہو یضرب عنقک فقال اذاً تقتلون عبد اللّٰہ واخا رسول
قال عمر اما عبد اللّٰہ فنعم واما اخو رسول اللّٰہ فلا وابوبکر ساکتٌ لا یتکلم فقال عمر الا تامر فیہ بامرک فقال
اکرہ علیٰ شیئٍ ما کانت فاطمۃ علیٰ جنبہٖ فلحق علیٌّ بقبر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و
آلہٖ وسلم وھو یبکی وینادی یا ابن عمران القوم لیستضعفونی وکادوا یقتلونی۔

ترجمہ :۔ جب ابوبکر نے ان لوگوں کو جنہوں نے بیعت کرنے سے اختلاف کیا تھا۔ غیر
حاضر پایا تو عمر ابن خطاب کو ان لوگوں کے پاس بھیجا۔ جب کہ وہ لوگ علیؑ کے مکان میں تھے پس عمر
آئے اور سب کو بلایا جب ان لوگوں نے باہر نکلنے سے انکار کیا۔ تو عمر نے لکڑی مہیا کی۔ اور کہا قسم
ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے۔ ہم ان لوگوں کو ضرور نکالیں گے یا جلا دیں گے۔
کہ سب کے سب جل مریں۔ پس کسی نے کہا اے ابا حفصہ (عمر) اس میں تو فاطمہؑ بھی ہیں۔
انہوں نے (عمر نے) کہا کہ ہوں۔ تب لوگ نکل آئے اور بیعت کی لیکن علیؑ (نہ نکلے) عمر نے خیال کیا۔
کہ علیؑ نے قسم کھائی ہے۔ کہ جب تک قرآن جمع نہ ہولے گا۔ میں گھر سے نہ نکلوں گا اور نہ رداء دوش
پر رکھوں گا (اس لئے باہر نہ آئے) بعدہٗ جناب فاطمہؑ دروازہ کے پاس کھڑی ہوئیں اور فرمایا۔ کہ تم لوگوں
نے جنازہ رسولؐ کا چھوڑ دیا۔ اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اب ہم پر تحکم کرنے
کے لئے آئے ہو۔ جو ہمارے حقوق کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اس کے بعد ابوبکر کے پاس
آئے اور کہا کہ کیا آپ اس مخالف (علیؑ) سے بیعت نہ لیں گے؟ ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ سے
کہا کہ جا اور علیؑ کو بلا لا۔ تب قنفذ علیؑ کے پاس گیا۔ آپ نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے۔ قنفذ نے
کہا آپ کو خلیفہ رسول بلاتے ہیں۔ علیؑ نے فوراً کہا کہ کس قدر تم لوگ رسولؐ کی تکذیب کرتے
ہو۔ اس پر قنفذ پھر گیا اور پیغام سنایا۔ اس پر ابوبکر دیر تک روئے۔ تب عمر نے ابوبکر سے
کہا کہ تم اس مخالفِ بیعت (علیؑ) سے بیعت نہ لوگے۔ تب ابوبکر نے قنفذ سے کہا کہ جا کر
کہہ کہ امیر المومنین بیعت کے لئے بلاتے ہیں۔ تب قنفذ آیا اور جو حکم لایا تھا کہہ سنایا
حضرت نے باآواز بلند (غضبناک ہو کر) فرمایا سبحان اللہ کیا اچھا دعوےٰ ہے۔ جس کا مطلق حق
نہیں۔ اس پر پھر قنفذ آیا اور پیغام کہہ دیا۔ ابوبکر بہت رونے لگے۔ تب عمر اٹھے اور ان کے ساتھ
ایک جماعت بھی چلی۔ یہاں تک کہ فاطمہؑ کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب حضرت فاطمہؑ
نے اُن کی آواز سنی تو بہت زور سے چلائے اور واویلا کرنے لگیں کہ اے بابا رسول اللہ (اپنی
بیٹی کی خبر لیجئے) یہ ہم بعد آپ کے ابن خطاب (عمر) اور ابن ابی قحافہ (ابوبکر) کے ہاتھ سے کیا
تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ پس جس وقت قوم نے حضرت فاطمہؑ کی فریاد و زاری سنی روتے ہوئے
پھر گئے۔ درحالیکہ دل ان کے دکھتے تھے اور جگر ان کا پارہ ہوتا تھا۔ لیکن عمر مع ایک

جماعت کے ٹھہرے رہے اور علیؑ کو نکالا۔ اور ابوبکر کے پاس لے گئے اور کہا کہ بیعت کرو۔ حضرت علیؑ نے کہا اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہو؟ جواب دیا قسم اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ کہ اس حالت میں ہم لوگ تمہاری گردن کاٹیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ کیا ایک بندۂ خدا اور رسولؐ کے بھائی کو قتل کرو گے۔ عمر نے کہا کہ بندہ خدا تو خیر مگر رسولؐ کا بھائی غلط۔ اس وقت ابوبکر ساکت بیٹھے اور کچھ بولتے نہ تھے۔ تب عمر نے ان سے کہا کہ اپنے کام کے لئے اُن سے کیوں نہیں کہتے۔ ابوبکر نے کہا۔ کہ جبتک فاطمہ ان کے پہلو میں ہے۔ میں کسی طرح پر جبر نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد قبر رسول اللہ پر تشریف لائے اور نالہ و فریاد و بکا کر کے کہنے لگے۔ اے ابن عم (میری خبر لیجیے) قوم نے مجھے بہت ضعیف بنا دیا اور میرے قتل کو آمادہ ہیں۔

اور گبن صاحب کی تاریخ عروج و زوال سلطنت روم میں جو عبارت ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے؛ گبن صاحب لکھتے ہیں۔

"صرف بنو ہاشم نے بیعت سے انکار کیا اور ان کے افسر (علیؑ) نے چھ مہینے سے زیادہ تک اپنے مکان میں صبر و سکوت اختیار کیا اور عمر کی دھمکیوں کی بھی جس نے چاہا کہ پیغمبر خداؐ کی بیٹی کے گھر کو جلا کر خاک سیاہ کر دے کچھ پرواہ نہ کی لیکن فاطمہؑ کے انتقال اور اپنی جماعت کے ضعف نے علیؑ ستم رسیدہ کو مجبور کر دیا۔ انھوں نے یکسر شان گوارا کی کہ امیر المومنین ابوبکر کو سلام کرنے لگے اور ان کی مجبوریوں کے عذر کو قبول کر لیا۔ اور نہایت عقلمندی سے ان کی اخلاقی و زبانی خواہش کو نسبت چھوڑ دینے تخت خلافت کے نامنظور کیا۔"

محی الدین۔ بھئی ایمان ہے تو سب کچھ ہے۔ یہ عبارت اس کتاب میں لفظ بلفظ مندرج ہے اسی نے تو مجھے اس قدر الجھن میں ڈال رکھا ہے باایں ہمہ میرا خیال یہ ہوتا ہے کہ حضرات شیخین ایسے بزرگ دین پرست والا و شیدائے خاندان رسالت تھے۔ ان کی ذات بابرکات سے ایسی امید نہیں کی جا سکتی ہے۔ کہ وہ لوگ ایسی بے ادبی بلکہ بے حرمتی کریں اس سے میرے دل پر یہ خیال جمتا ہے۔ کہ ہو نہ ہو کسی شیعہ نے اتنی عبارت بڑھا دی ہے

علی رضا۔ بھائی اگر یہ رنگ تقریر کا ہے۔ تو دروازہ مناظرہ کا بند ہو جاتا ہے۔ جو بات میرے موافق تمہاری کتابوں سے ہو اس کو تم کہو۔ کہ شیعوں نے بڑھا دی ہے اور جو میری کتاب میں تمہارے موافق ہو۔ تو اس کو ہم کہیں۔ کہ سُنیوں نے بڑھا دی ہے۔ تو پھر گفتگو ہو نہیں سکتی سُنیوں کی کتابوں میں شیعوں کے بڑھاتے ہوئے جملوں کا اتنے دنوں تک قائم رہنا بجائے خود بخلاف قیاس ہے۔ علاوہ اس کے یہ واقعہ تو آپ کے علماء متاخرین تک کا مقبولہ ہے جیسا

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں اور شاہ ولی اللہ صاحب اس واقعہ کو قبول فرما کر اس کی تاویل کرتے ہیں۔ کسی عالم نے آجتک یہ الزام نہیں لگایا ہے۔ کہ یہ عبارت کسی شیعہ نے بڑھا دی ہے۔ متاخرین میں جناب مولانا شبلی صاحب نے بھی اس واقعہ کو قبول کیا ہے مگر اس مقام پر ان کی حالت سانپ چھچھوندر کی ایسی ہوئی ہے۔ کہ نہ نگلتے چین نہ اگلتے چین۔ اگر پوری طرح سے قبول کرتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ اہلبیتؑ کے دشمن ہوجاتے ہیں۔ اور اگر قبول نہیں کرتے ہیں۔ تو فرض واقعہ نویسی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے جناب مولانا بہت کچھ پیچ و تاب کئے ساتھ اس واقعہ کو یوں تحریر فرماتے ہیں "صرف بنو ہاشم اپنے ادعا پر رُکے رہے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان سے بزور بیعت لینی چاہتے تھے لیکن بنو ہاشم حضرت علیؑ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مقتل میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ تاہم اگر آپ کے یہاں لوگ اس طرح مجمع کرتے رہیں گے۔ تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کے رواۃ کا حال ہم کو معلوم نہیں ہوا۔ تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں "۔ اس عبارت کو پڑھ کر پڑھنے والے کو جناب مصنف کی بیکسی اور بے بسی پر بڑی حسرت ہوتی ہے۔ اور مثال اس کی یہ ہوتی ہے۔ کہ کسی مریض کے سامنے کوئی کڑوی دوا مثل افسنتین وغیرہ کے ایک قدح میں لائی جائے۔ پہلے تو اس قدح کو دیکھتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تب وہ ذائقہ بدلنے کے لئے کچھ گلاب اور کچھ پیپر منٹ ملا دیتا ہے۔ پھر آنکھ بند کر کے اس قدح کو پیتا ہے۔ تو زبان اور حلق کی تلخی سے بُری حالت ہوتی ہے۔ ناک بھوں سکڑ جاتی ہے۔ چہرہ بگڑ جاتا ہے اور چاہتا ہے۔ کہ دوا کو پھینک دے۔ لیکن دوا حلق تک پہنچ چکی ہے پھینکے تو کیونکر پھینکے۔ آخر دم سادھنے سے کچھ دوا تو اچھو ہو گئی۔ اور کچھ حلق کے اندر فرو ہوئی تب کلی کر لی۔ بعدہٗ کہتا ہے۔ اہاہاہ۔ یعنی مصنف کو واقعہ نگاری کا مرض تھا۔ اس میں واقعہ ہولناک احراق خانہ جناب زہراؑ کا آپ کے سامنے آیا۔ اتنا تو آپ ضرور جانتے تھے۔ کہ رسول خدا نے فرمایا تھا کہ جس نے فاطمہ زہراؑ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ اس لئے پہلے تو آپ گھبرائے۔ لیکن واقعہ تھا سچ کیونکر چھوڑ سکتے تھے۔ تب اس میں گلاب یہ ملایا۔ کہ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ "خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں" اور پیپر منٹ یہ ملایا "کہ میں ان لوگوں کی وجہ سے آگ لگا دوں گا"

اور بعد اس کے علامہ طبری ایسے مستند مورخ کی سند پر واقعہ کو جھونک میں لکھ دیا۔ تب دوا کی تلخی معلوم ہوئی یعنی یہ سمجھا۔ کہ اس عبارت سے تو واقعہ ہولناک کا اقرار ہو جاتا ہے۔ تو چاہا۔ کہ اس کو مُنہ سے پھینکدیں۔ یعنی لکھا کہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے۔ مگر دوا حلق تک چلی جا چکی تھی۔ یعنی علامہ طبری کی سند موجود تھی۔ تب دم بخود ہونے سے کچھ دوا اچھو ہوئی۔ یعنی لکھا۔ کہ اس کے روایت کا حال ہم کو معلوم نہیں ہے۔ اور بقیہ دوا حلق سے فرو ہوئی۔ یعنی لکھا۔ کہ "تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور کلی کرنے کے بعد کہا۔ کہ اہا ہاہ یعنی "حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں ہے۔" مگر بھائی افسنتیں پھر افسنتیں ہے گلاب ڈالنے یا پیپرمنٹ ملانے سے کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر نے جناب فاطمہ زہرا کو محبوب یہی سمجھا۔ کہ ان کے گھر میں آگ لگانا انہوں نے کوئی بڑی بات نہ سمجھی۔ اور یہ بنی ہاشم کی وجہ سے ہو۔ یا کسی کی وجہ سے ہو حضرت عمر نے اپنے نزدیک اصل مجرم تو جناب فاطمہؑ ہی کو ٹھہرایا اور سزا انہیں کو کہہ سنائی۔ یعنی گھر جلنا تو حضرت فاطمہؑ کا نقصان ہوتا۔ بنو ہاشم کا کچھ نہ بگڑتا۔ اس لئے بنو ہاشم کی وجہ سے کا جوڑ لگانے سے بات یہی رہی۔ کہ حضرت عمر نے خانہ جناب فاطمہؑ کو جہاں ملائکہ مقربین بے اجازت نہ آتے تھے۔ محض بے حقیقت سمجھا۔ اور اس گھر کے جلانے کے لئے بنو ہاشم کا جملہ کافی پایا۔ اگر صرف بنو ہاشم سے حضرت فاروق کو مخاصمہ ہوتا۔ تو وہ لوگ جب باہر آتے تب انہیں منع کرتے یا دھمکی دیتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت عمر کو صرف جناب فاطمہؑ زہرا اور ان کے شوہر بزرگوار علی علیہ السلام سے لاگ تھی۔ اور ان کی توہین و تذلیل و ایذا پر تلے ہوئے تھے۔ اگر دیگر بنی ہاشم سے مخاصمہ تھا۔ تو ان کے گھروں پر چڑھائی کرتے حضرت فاطمہ زہرا کے خانہ پاک نے کیا قصور کیا تھا جو اس تعذیر کا مستحق سمجھا گیا؟

علاوہ اس کے ایک دن تو حضرت عمر اس طرح پر کہہ گئے اگر بعد اس کہنے کے بھی پھر بنو ہاشم اس مکان میں جمع ہوئے ہوں گے۔ تو حضرت عمر کے غصہ کا ٹمپریچر تو اور بھی بوائلنگ پوائنٹ تک پہنچ گیا ہوگا۔ اس لئے حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے مطلق بعید نہیں۔ کہ آپ نے اپنے دست مبارک سے جناب فاطمہؑ کے گھر کو آگ دی ہو اور دروازہ پر لات مار کر اس کا پٹ جناب فاطمہؑ پر گرا دیا ہو۔ جس سے اس معصومہ کو ضرر شدید پہنچا ہو۔ کیونکہ یہ فطرتی بات ہے۔ کہ جب محرور المزاج آدمی کی بات مانی نہیں جاتی ہے تو وہ آگ ہو جاتا ہے۔ اس لئے جیسے حضرت رسول خدا صلعم کے انتقال کے بعد آپ کو جوش سودا سے جنون ہو گیا تھا۔ (جس کو خود مولانا شبلی صاحب قبول کرتے ہیں) ویسا ہی اس وقت جوش صفرا سے آپ ہمہ تن شعلہ جوالہ ہو گئے ہوں گے۔ اور یہ جو شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس کی رواۃ کا حال مجھے معلوم نہیں

اس سے روایت کا کیا قصور؟ جو لوگ مولانا سے کم علم ہیں، وہ اتنا بھی نہیں جانتے۔ مگر یہ روایت ہے کہ علامہ طبری سے مستند محقق مورخ نے اس کو قبول کیا ہے اور وہ سُنی مذہب تھے۔ اگر اس روایت میں ذرا بھی شک وشبہ ہوتا۔ تو ممکن نہ تھا۔ کہ وہ ایسی بات کو جس سے درمیان اہلبیت اور خلفائے کے عناد پایا جائے لکھتے مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ واقعہ ان کے وقت میں ایسا شائع وضیا تھا۔ کہ اس کے لکھنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ ۱۸۹۶ء میں ایک ذی علم محقق کامل جناب حافظ عبدالرحمن صاحب حنفی المذہب نے کتاب المرتضیٰ تصنیف فرمائی ہے (یہ کتاب بعد طبع اول نور ایمان کے جو ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی تھی چھپی ہے) اس میں ذی علم مصنف نے اس واقعہ کو محض تھوڑے فروعی اختلاف کے ساتھ بہ صفحہ ۸۰۵ یوں تحریر فرمایا ہے:۔

علیؓ والعباس والزبیر فقعدوا فی بیت حتی بعث الیہم ابوبکر عمر ابن الخطاب لیخرجہم فی بیت فاطمۃ وقال لہ ان ابوا فقاتلہم فاقبل بقبس من نار علی ان یضرم علیہم الدار فلقیتہ فاطمۃ فقالت یا ابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا قال نعم او تدخلوا فیما دخلت فیہ الامۃ فخرج علیؓ حتی دخل علی ابابکر فبایعہ۔

ترجمہ:۔ علی مرتضیٰ حضرت عباسؓ وزبیر بی بی فاطمہؑ کے گھر بیٹھے۔ ابوبکر صدیق نے عمر فاروق کو ان کے پاس اس غرض سے بھیجا۔ کہ ان کو بی بی فاطمہؑ کے گھر سے نکال دیں اور یہ کہہ دیا کہ اگر ان کو نکلنے سے انکار ہو تو ان سے لڑائی کرو۔ عمر فاروق تھوڑی سی آگ بھی گھر پھونکنے کے ارادہ سے ہمراہ لے گئے۔ اس اثناء میں بی بی فاطمہؑ راستہ میں ان سے مل گئیں۔ اور پوچھا۔ کہ اے خطاب کے بیٹے کہاں جاتا ہے۔ کیا ہمارا گھر پھونکنے آیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں ورنہ جس بیعت میں تمام اُمت داخل ہوئی ہے تم بھی داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ علی مرتضیٰ باہر نکلے اور ابوبکر صدیق سے آکر بیعت کی (مورخ ابوالفدا کے نزدیک بھی یہ روایت مُسلم ہے) جناب مصنف نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ یہ روایت کسی شیعہ نے لگا دی ہے۔ اور کیونکر ایسا کہہ سکتے تھے۔ کیونکہ کوئی شیعہ بیعت کا اقرار نہیں کرتا اور اس روایت میں بیعت کا بیان ہے۔ بلکہ جناب مصنف یوں تحریر فرماتے ہیں۔ تینوں روائتیں اگرچہ باہم مختلف ہیں۔ اگر یہ امر خاص تینوں میں مشترک ہے کہ علی مرتضےٰ بیعت کے مجمع میں شامل نہیں ہُوئے۔ اور آخر کار ابوبکر صدیق کو صحابہ کرام کے ذریعہ سے انہیں طلب کرنا پڑا جو حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں علی مرتضیٰ کی بیعت کی ہے۔ وہ روضتہ الاحباب کی روایت کی موید معلوم ہوتی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بیعت بی بی فاطمہؑ کے انتقال کے بعد عمل میں آئی۔ جو رسول کریم صلعم کے چھ ماہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ تاریخ ابوالفدا چھاپہ مصر صفحہ ۱۶۴ کی یہ عبارت ہے۔

ثم ان ابابکر بعث عمر ابن الخطاب الی علی ومن معه یستخرجهم من بیت فاطمة وقال ان ابوعلیك فقاتلهم فاقبل عمر بشیٔ من نار علی ان یقوم الدار فلقیه فاطمة وقالت الی این یا ابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا قال نعم او تدخلوا فی مادخل فیه الامة۔

ترجمہ :- ابوبکر نے عمر بن خطاب کو بھیجا۔ کہ علی کو اور جو لوگ وہاں ہوں فاطمہؑ کے گھر سے نکال لاؤ اور کہا کہ وہ انکار کریں تو ان سے قتال کرو۔ تب عمر تھوڑی سی آگ مکان جلانے کی نیت سے لے کر آگے بڑھے اور فاطمہؑ سے ملاقات ہوئی۔ فاطمہؑ نے کہا۔ اے ابن الخطاب کہاں جاتے ہو کیا میرا گھر جلانے جاتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہاں، ورنہ تم لوگ اس جماعت میں داخل ہو جاؤ جس میں اُمّت داخل ہوئی۔ یعنی بیعت کرو۔ الامان الحفیظ!! جو خلافت الماغوجی بکذا جاپتی طریقہ پر حاصل کی گئی ہو۔ اس کے لئے رسول اللہ کی بیٹی سیّدۃ النساء العالمینؑ پر یہ تشدد یہ سختی!! الامان معاذ اللہ!!! چوری اور پھر اس پر یہ سینہ زوری! نعوذ باللہ من ذالک!!! اس پر میں سوائے اس کے اور کیا کہوں کہ ؎

خدا کے آگے ہے پس اپنا لے قلق انصاف
بتوں سے حشر میں ہو گا مقابلہ دل کا

اس مقام پر حضرات علماء سُنّت والجماعت عجیب کمال کرتے ہیں۔ یعنی اس واقعہ شدید اور دردناک کو قبول کر کے اس کے اثر کو محض آسانی سے چٹکیوں پر اڑا دینا چاہتے ہیں۔ یعنی لکھتے ہیں۔ کہ یہ واقعہ تو سچ ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے آگ اور لکڑی لے کر حضرت فاطمہؑ زہرا علیہا السلام کے گھر پر چڑھائی کی تھی اور بآواز بلند کہا تھا۔ کہ اگر اس گھر سے لوگ نکل کر حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کریں گے۔ تو ہم اس گھر میں آگ لگا دیں گے۔ کہ سب کے سب جل مریں مگر یہ بات حضرت فاروق نے صرف بنظر دھمکی کے کہی تھی۔ پھر اس سے کیا ہوا اس کے جواب میں پہلے ایک محض مختصر سی بات عرض کرتا ہوں۔ کہ جب خلیفہ صاحب کے ایک غمگین سوگ نشین بنتِ رسول صلعم خاتونِ جنتؑ کے گھر پر آگ اور لکڑی لے کر چڑھائی کرنے میں اور ان معظمہ غمگین وسوگ نشین کو عالم غمگینی وسوگ نشینی میں دھمکی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تو پھر ہم لوگ اُن معظمہؑ کے غلامان ونمک خواران کے دو چار لفظ تبرا کے انہیں خلیفہ صاحب کی شان میں اپنی زبان سے اپنے گھر پر استعمال کرنے میں کیا مضائقہ۔ اگر وہ بات جائز

تھی تو یہ بات کیوں ناجائز ہونے لگی۔ بلکہ اس میں تو ایک عملی جرم کا اقدام ہے۔ اور یہاں تو بالکل زبانی جمع خرچ ہے۔

پھر حضرات سُنّت جماعت کا بے چارے شیعوں سے اس قدر نفرت کرنا کیسا؟

بھائی محی الدین یہ بات فطری ہے کہ ہر شخص اپنے آقا کے ایذا دینے والوں سے فطرتاً ضرور نفرت رکھتا ہے۔ اس لئے اس بات کے جواب میں ہم دل کو ہاتھوں سے تھام کر بصد ادب انہیں علماء کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص ان کی اپنی چہیتی بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کرے یعنی جس وقت وہ غریب عالم حزن و ملال میں سوگ نشین ہو اور دُنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہو۔ اس وقت اگر کوئی شخص حضرت عمر کی طرح اس غریب کے گھر پر چڑھائی کرے اور کہے کہ اگر اس مکان کے رہنے والے فلاں کام نہ کریں گے۔ تو ہم اس مکان کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالیں گے تو اس وقت ان حضرات علماء کے خود قلب کی کیا حالت ہو گی کیا اُن کا خون دلوں میں جوش نہ کرے گا۔ اور اس شخص کو بیدرد و ظالم و تنگ دِل اور شقی نہ سمجھیں گے۔

پس جب حضرات علماء کی اپنی بیٹی پر تشدد ہونے کا ایسا صدمہ ہو کہ اپنے آپے میں نہ رہیں۔ تو جناب رسُول خدا نے تو بہ توبہ کیا قصور کیا تھا۔ کہ ان کی بیٹی معظمہ پر ایسی شدید سختی اور سنگدلی کی جائے کہ جس سے ہر شخص کا دِل کانپ جائے۔ لیکن اس پر بھی یہی حضرات علماء اس سنگدل کو حضرت کا بڑا یار غار اور جاں نثار کہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک

اس کو یاد رکھنا چاہیئے اور اعتقاد کامل رکھنا چاہیئے کہ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام بڑے باپ کی بیٹی تھیں وہ باعتقاد جملہ فرقہائے اسلام کے سیدۃ النساء العالمین تھیں۔ اور وہ ایسی معظمہ تھیں۔ کہ ان کی ذات پاک کی وجہ سے دُنیا میں نورِ محمدی قائم رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت خدا کے فضل سے چار دانگ عالم میں حضرت کی اولاد سادات کرام پھیلے ہوئے ہیں۔ اور یہ معظمہ خود اپنی ذات پاک کی وجہ سے ایسی معظمہ سمجھی جاتی تھیں کہ خود جناب سرورِ کائنات صلعم آپ کی تعظیم کرتے تھے جیسا کہ میر انیس صاحب مرحوم نے اِس کو نظم کیا ہے ؎

ماں باپ پہ واجب نہیں فرزند کی تکریم — اِس امر میں زہرا کو ہے سب خلق پہ تقدیم
لکھا ہے کہ جب جاتی تھیں زہرا پئے تسلیم — خود اُٹھ کے رسُولِ عربی کرتے تھے تعظیم

المختصر جیسا درجہ جناب معظمہ کا پیش خدا اور رسُول تھا۔ اس کا احصار مشکل ہے۔ درجات روحانی کے علاوہ خود جناب سرور کائنات کی شفقت فطری اور پدری کی حالت

ایک ذیل کے قصہ مختصر سے معلوم ہو گی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب جناب امیر علیہ السلام کی شادی جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام سے ہو گئی۔ تو چند ماہ کے بعد حضرت عباس علیہ السلام نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ تم فاطمہؑ کو اپنے گھر میں لاکر اپنا گھر آباد کیوں نہیں کرتے ہو۔ حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں کہا۔ کہ جناب رسول خداؐ اپنی بیٹی کو بہت چاہتے ہیں۔ میری مجال نہیں۔ کہ میں اس بارے میں حضرتؐ سے کچھ کہوں۔ تب حضرت عباسؓ نے کہا۔ کہ اچھا میں کہوں گا۔ چنانچہ چند روز کے بعد آپ نے حضرت رسولِ خدا صلعم سے اس بارے میں خود کہا۔ جناب رسولِ خدا صلعم دیر تک ساکت رہے۔ پھر کہا کہ خود علیؑ کیوں نہیں کہتے۔ تب حضرت عباس نے کہا۔ کہ وہ بوجہ حضورؐ کی شفقت پدری کے اِس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے اس پر پھر تھوڑی دیر تک حضرتؐ ساکت رہے۔ بعدہ سر اٹھا کر کہا۔ کہ اچھا علیؑ سے کہہ دیجئے کہ فلاں تاریخ اپنی زوجہ کو اپنے گھر لے جا کر اپنا گھر آباد کریں۔ چنانچہ بتاریخ معینہ حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ کو اپنے گھر لے آئے اس کے بعد جو واقعہ ہوا۔ اس کو خود حضرت علیؑ یوں فرماتے ہیں۔ کہ جب میں نماز صبح کے لئے اٹھا اور دروازہ کھولا تو دیکھا ایک شخص کھڑا ہوا ہے۔ بعدہٗ غور سے جو دیکھا تو معلوم ہوا۔ کہ خود سرور کائناتؐ کھڑے ہیں اس وقت میں نے پوچھا۔ کہ حضورؐ کس وقت سے اور کیوں کھڑے ہیں۔ تو حضرتؐ نے فرمایا کہ علی ابھی مجھ سے کچھ بات نہ کرو۔ جبتک کہ میں اپنی بیٹی کو نہ دیکھ لونگا۔ تب تک میرے قلب کو اطمینان نہ ہو گا اور میں تمہارے گھر میں بلا اذن تمہارے اس لئے چلا نہ آیا۔ کہ بلا اذن مالک کے کسی کے گھر میں جانا نہ چاہئے۔ اب میں فریاد کرتا ہوں۔ کہ یا رسول اللہ آپ اُس وقت کہاں تھے۔ جس وقت آپ کے ایسی نور دیدہ بیٹی کے گھر پر آگ اور لکڑی لیکر لوگ چڑھ آئے تھے اور اِس معظمہ کو ہر طرح سے مجبور کر دیا تھا۔ کہ وہ معظمہ سخت ایذائیں سہہ کر دُنیا سے رخصت ہوئیں۔ پس جب بوجہ محبت فطری و شفقت پدری کے آں حضرت صلعم کا یہ حال تھا کہ ذرا آنکھ سے اوجھل ہو جانے سے اور اس معظمہ کے اپنے گھر جانے میں اس قدر بیچین ہو جاتے تھے۔ تو ہم پھر پوچھتے ہیں۔ کہ بھائی محی الدین تمہیں واللہ ذرا غور کر کے کہو۔ کہ اگر اس وقت جناب رسُول خدا صلعم موجود رہتے۔ تو حضرتؐ کے قلب پاک کا کیا عالم ہوتا۔

بس اس قدر ثبوت کافی کے بعد آپ کا یہ کہنا کہ یہ عبارت کسی شیعہ کی بڑھائی ہوئی ہے۔ بڑی زیادتی

ہے لیکن ایک بات یاد رکھو کہ جب کسی واقعہ کی نسبت صدق و کذب کی بحث ہو تو اس کے جانچنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ پہلے واقعات مقبولہ اور سندی کو خیال کر و۔ اور تب دیکھو کہ یہ واقعہ مختلفہ ان واقعات مقبولہ سے موافق فطرت انسانی اور عادات بشری کے موافق ہے یا مخالف۔ اگر عقلاً موافق پاؤ تو سمجھو کہ وہ واقعہ سچ ہے ورنہ غلط۔ اب اسی قاعدے سے اس روایت کو جانچو کہ آیا یہ روایت صحیح ہے یا غلط۔ ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ خلافت کے قریب قریب ماقبل و ما بعد کے واقعاتِ مقبولہ حسب ذیل ہیں (۱) بمقام غدیر خم جناب سرورِ کائناتؐ نے حضرت علیؑ کو مولائے مومنین قرار دیا (۲) لیکن سقیفہ میں حضرت ابوبکر جس وقت حضرت علیؑ رسُولؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے خلیفہ بنائے گئے (۳) حضرت علیؑ کا سقیفہ میں نام تک نہ لیا گیا۔ گویا حضرت کا وجود ہی نہ تھا (۴) بعد خلافت کے حکم دیا گیا۔ کہ اب جو کوئی ایسا کرے اس کو قتل کر دو (۵) حضرت علیؑ نے چھ مہینے تک بیعت نہ کی (۶) جب جناب فاطمہؑ نے انتقال کیا۔ تو آپ شب کے وقت گورغریبان بقیع میں دفن ہوئیں۔ اور بوقت دفن کے خلفاء ثلاثہ میں سے کوئی نہ تھا (۷) حضرت عمر بڑے درشت مزاج تھے۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ کو ان کی صُورت سے کراہت تھی۔ اور بیرحمی اور سخت مزاجی میں ان کو بڑی قابلیت حاصل تھی۔ حتیٰ کہ جب ایک خیال بندھ گیا۔ تو اپنے بیٹے اور بہن کو ایذا دینے میں ان کو کوئی تردد نہ ہوتا تھا (۸) جناب رسُول خدا صلعم کے گھر کی عورتوں کو روبرو جناب رسُول خُدا صلعم کے حضرت عمر نے مارا (دیکھو کتاب اصابہ صفحہ ۸۳)

پس جب سامنے نبی اکرم کے حضرت عمر کو آنحضرتؐ کے اہلبیت اور دردمند عورتوں کو مار پیٹ کرتے ہیں کوئی تامل نہ ہوا۔ تو آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد حضرت عمر کو آنحضرتؐ کی بیٹی کے مکان میں آگ لگانے یا انکو ایذا دینے میں کیا خوف ہو سکتا تھا۔ مخصوص جب ان کے دماغ میں یہ دھن سمائی ہوئی تھی۔ کہ جس طرح ممکن ہو حضرت ابوبکر کی خلافت قائم اور مستحکم ہو جائے حضرت عمرؓ کے مزاج کی یہ خصوصیت کہ جدھر موج آئی بس ادھر ڈھل گئے مشہور عالم ہے چنانچہ غالباً اسی وجہ سے مولانا شبلی صاحب نے فرمایا ہے۔ کہ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں ہے (۹) شیخین کے دلوں میں یہ خیال محکم بندھا ہوا تھا کہ علیؑ سے بیعت لینی ضروری ہے اور جب تک وہ بیعت نہ کریں گے۔ تب تک خلافت مستحکم نہ ہو گی۔ ان سب واقعات مقبولہ اور فریقین کی فیلنگ کے جو اس وقت میں تھی خیال کر کے اگر اس روایت پر غور کرو گے۔ تو کوئی کارروائی خلاف عقل یا خلاف قیاس یا خلاف سیرت شیخین کے نہ پاؤ گے۔ ہم تو کہتے ہیں۔ کہ کل واقعات جو اِس روایت میں مندرج ہیں۔ خود قریب قریب مقبولہ ہیں۔ پس اس روایت کو شیعوں کی طرف سے بڑھا دینے کا گمان کسی طرح جم نہیں سکتا۔ اس لئے یہ جواب تو کافی نہیں ہے۔ مگر ہاں ہم کو کچھ کھلاؤ

تو ہم تم کو ایک ایسا جواب بتادیں۔ جو تمہارے علماء کا ہتھکنڈا ہے۔

محی الدین۔ برائے خدا کہو وہ کیا ہے۔

علی رضا۔ مسکرا کر۔ تم یہ کہدو کہ یہ خطاء تھی اجتہادی تھی۔ حضرت عمر نے اس خیال سے کہ جو خلیفہ زمان کی بیعت نہ کرے۔ اس پر ہر قسم کی سختی جائز ہے۔ اس لئے حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو یوں ستایا۔

محی الدین۔ آبدیدہ ہوکر نہیں بھائی یہ کیا کہتے ہو۔ یہ جواب تو ہم کو شب کے وقت خود خیال آیا تھا۔ مگر جس وقت جناب فاطمہ زہراؑ کے استغاثہ اور نالہ و فریاد کو یاد کرتا ہوں کلیجہ کانپتا ہے اور ہمارے قلب کا عجیب عالم ہو جاتا ہے۔ اور یہ استغاثہ جناب سیدہ کا کہ اے بابا! اے رسول اللہ ہم اس وقت ابن خطاب اور ابن ابی قحافہ سے کیا پا رہے ہیں۔ میرے دل پر وہ چوٹ دے رہا ہے کہ جو اس ٹھکانے نہیں نہ معلوم اس وقت روح رسول مقبولؐ کہ جنکے انتقال کو صرف دو چار ہی دن گذرے تھے کیا عالم تھا؟ نہ معلوم عرش اعظم پر ملائکہ مقربین کی اس صدے کے سننے سے کیا حالت ہوئی تھی! مجھے حیرت ہے کہ آسمان کیوں نہ پھٹ پڑا؟ اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہو گئے؟ کیوں بھائی ایسی بحث میں آپ کی یہ تفریح!! جناب فاطمہ کے دل کا دکھانا اور خطائے اجتہادی!! جناب رسول خدا تو مودت اقربا کے لئے التجا کریں اور حضرت عمر بجائے مودت کے آں حضرت صلعم کی پیاری بیٹی کو ایذا دیں!! اس کو تو کسی سُنی نے خطائے اجتہادی کہہ کر جائز قرار نہیں دیا ہے۔ اور اگر وہ جائز بھی قرار دیں۔ تو میں اس کو کب مانتا ہوں۔ میرے دل میں یہ بات کھٹک رہی ہے کہ میرے علماء جو کچھ ہی کہیں اگر خود آنحضرت صلعم اس واقعہ کو دیکھتے یا سنتے تو کیا کرتے یا کیا کہتے؟

علی رضا۔ خدا کا ہزار شکر ہے۔ کہ تم کو جناب فاطمہؑ سے ایسی ہمدردی ہے اور اگر تمہارا یہ خیال ہے تو اور سن لو۔ اسی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں اس روایت کے بعد یہ روایت ہے کہ حضرات شیخین نے کہا۔ کہ ہم لوگوں نے جناب فاطمہؑ کو غضبناک کیا ہے۔ چل کر ان کی تالیف قلب کرنا چاہیئے۔ جب یہ لوگ حضرت کے مکان پر پہنچے اور اجازت ملاقات کی چاہی تو حضرت فاطمہؑ نے اجازت نہ دی۔ تب حضرت علیؑ آئے۔ اور اندر لے گئے۔ اور جب یہ لوگ اندر گئے تو جونہی جناب فاطمہؑ کی نظر ان لوگوں پر پڑی معصومہؑ نے منہ اپنا دیوار کی طرف پھیر لیا۔ اور جب آپ لوگوں نے سلام کیا۔ تو جناب فاطمہؑ نے سلام کا جواب نہ دیا بعدہٗ آپ لوگوں نے بہت کچھ تالیف قلب کی سعی کی ابوبکر نے کہا۔ کہ تم مجھے میری بیٹی سے زیادہ عزیز ہو۔ مگر حضرت فاطمہ زہراؑ کو کچھ ایسا ہی صدمہ پہنچا تھا۔ کہ حضرت نے کچھ نہ سنا اور مطلق باور نہ کیا۔ یہاں تک کہ جب حضرت ابوبکر نے

کہا۔ کہ ہم نے خلاف حکم رسولؐ کے کچھ نہیں کیا۔ تو حضرت فاطمہؑ نے کہا۔ نشدکما باللہ الم تسمعا من رسول اللہ یقول رضا فاطمۃ من رضائی و سخط فاطمۃ بنتی سخطی فمن احب فاطمۃ فقد احبنی و من ارضی فاطمۃ فقد ارضانی ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی قال نعم سمعناہ رسول اللہ قالت فانی اشہد اللہ و ملئکتہ اسخطمانی وما ارضیتمانی ولئن لقیت النبی صلعم لاشکونکما الیہ فقال ابوبکر انا عائذ باللہ تعالیٰ من سخطہ و سخطک یا فاطمۃ ثم انتحب ابوبکر یبکی حتی کادت نفسہ ان ترحق ھی تقول اللہ لادعون اللہ علیک فی کل صلٰوۃ اصلیھا۔ ترجمہ۔ مَیں قسم دیتی ہوں تم لوگوں کو خدا کی کہ آیا تم نے رسولؐ سے نہیں سُنا۔ کہ آپ فرماتے تھے۔ رضا فاطمہؑ کی میری رضا ہے۔ اور سختی فاطمہؑ کی عین سختی میری ہے۔ پس جو شخص فاطمہؑ سے محبت رکھے اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جو فاطمہ کو خوش کرے اُس نے مجھ کو خوش کیا اور جو فاطمہؑ پر سختی کرے اُس نے مجھ پر سختی کی۔ دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے سُنا ہے۔ تب جناب فاطمہؑ نے فرمایا مَیں خدا اور ملائکہ کو گواہ رکھتی ہوں۔ کہ تم دُونوں نے مجھ پر سختیاں کیں اور مجھ کو رضامند نہ رکھا۔ اور جب مَیں نبی صلعم سے ملاقات کروں گی تو ضرور تم دونوں کی شکایت حضرت سے کروں گی۔ تب ابوبکر نے کہا کہ مَیں پناہ مانگتا ہوں خدا سے اے فاطمہؑ کہ تم پر یا نبی پر سختی کروں یہ کہہ کر ابوبکر رونے لگے یہانتک کہ دم بند ہوگیا۔ لیکن جناب فاطمہؑ کہتی رہیں۔ کہ قسم ہے خُدا کی ہر نماز میں جو پڑھوں گی۔ تمہارے لئے بددعا کرتی رہوں گی"۔ اور صحیح مسلم ص۴۳۹ میں یہ عبارت ہے۔ فابوبکر رضی اللہ عنہ ان یدفع الی فاطمۃ رضی اللہ عنہا شیئاً فوجدت فاطمۃ رضی اللہ عنہا علیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہ فی ذالک فہجرتہ فلم تکلم حتی توفیت وعاشت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستۃ اشہر دفنہا زوجہا علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہٗ لیلاً ولم یوذن بہا ابابکرؓ وصلی علیہا علیؓ۔ ترجمہ:۔ یعنی جب حضرت فاطمہؑ نے اپنی میراث طلب کی تو ابوبکر نے کچھ دینے سے انکار کیا۔ تب خود حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر کے پاس آئیں اور جب اپنا حق نہ پایا۔ تو محروم واپس گئیں۔ اور پھر ان سے بات نہ کی۔ تا آنکہ آپ نے (فاطمہؑ نے) انتقال کیا۔ تو آپ کو علی مرتضیٰؑ نے شب کے وقت دفن کیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ کو شرکت تجہیز و تکفین کی اجازت نہ ملی۔ اور خود حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ کے جنازہ کی نماز پڑھی اور یہی روایت تاریخ طبری میں بہ صفحہ ۸۲ مندرج ہے۔ اور روضۃ الاحباب میں ہے علی مرتضےٰؑ کرم اللہ وجہہٗ کو روایت صحیح تا فاطمہ زندہ بود بیعت نہ کرد چہ خاطرش غبار یافتہ بود بواسطہ آنکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ درمہم خلافت دبیعت گرفتن از مردم تاخیر نکرد تا وے حاضر شود و با وے دراں امر

مشاورت نماید واکثر بنی ہاشم کہ با علی اتفاق نمودند بیعت نہ کردند وجمعے از قریش مثل زبیر وطلحہ و خالد بن سعید ابوالعاص وگروہے از انصار توقف وتعلل کردند وعاقبت بعد ازاں بچند روز متابعت نمودند برائے خدا پھر جاکر لائبریری میں یہ تینوں کتابیں دیکھ لو۔

محی الدین۔ بھائی میں دیکھ چکا ہوں۔ آخر دو دن لائبریری میں بیٹھا کیا کرتا تھا۔ میں یہ دیکھ چکا ہوں بلکہ نوٹ کر چکا ہوں۔ ہر ایک لفظ صحیح ہے۔

بعد احراق خانہ جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے حضرات شیخین کا آلِ محمد صلعم پر نمازوں میں درود بھیجنا کیسا فعل تھا

علی رضا۔ ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ ذرا غور تو کرو۔ کہ میری بات صحیح ہے یا نہیں یعنی جس روز حضرت عمر نے لکڑی اور آگ لے کر حضرت فاطمہؑ زہرا کے مکان پر آکر فرمایا تھا۔ کہ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے ہم ان لوگوں کو ضرور نکالیں گے یا جلا دیں گے۔ تاکہ سب کے سب جل مریں اس پر ایک شخص نے کہا۔ کہ اس میں تو فاطمہؑ بھی ہیں۔ آپ نے (حضرت عمر نے) کہا۔ کہ ہوں۔ اس روز آپ نے صبح اور مغرب کی نماز تو ضرور پڑھی ہوگی، اور نماز میں درود شریف اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ تو ضرور پڑھا ہوگا۔ اب ذرا غور تو کرو کہ اس روز حضرت عمر کے قول اور فعل کے ملانے سے درود شریف کے یہ معنی ہو گئے یا نہیں کہ خدایا تو محمد و آل محمد صلعم پر رحمت بھیج اور میں (عمر) انکے گھر میں آگ لگاؤں کہ وہ جل مریں ؟ !!!

ماشاء اللہ اس روز حضرت عمر کے قول اور فعل میں کس قدر مطابقت تھی !! زبان سے تو درود بھیج رہے ہیں اور ہاتھ سے آلِ رسول کو ایذا دینے کے لئے تیار ہیں !!!

تمہیں واللہ ذرا غور تو کرو اس روز حضرت عمر کے نزدیک درود شریف کے الفاظ آل محمد کچھ بھی معنی یا وقعت رکھتے ہوں گے ؟ کیا جملہ اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ کو بھی اس وقت آپنے خلوص دل سے پڑھا ہوگا یا مجرد رسماً اور محض زبانی ؟

کیا آنحضرت صلعم پر صدق دل سے درود بھیجنا اور حضرتؐ کے اس پارۂ جگر کے گھر میں (جس سے مودت کے لئے آپ بحکم خدا جمہور اسلام سے التجا کر گئے) آگ لگانے کا اقدام کرنا کسی مسلمان کے دماغ میں بیک وقت سما سکتا ہے ؟

کیا درود پڑھ کر خانۂ پاک جناب فاطمہؑ زہرا کو آگ لگا دینے کی تیاری کرنا یا بہترین آل محمد

کے گھر کو جلا دینے اور ان کو بہ جبر گرفتار کرنے کا اقدام کر کے درود شریف پڑھنا حقیقۃً اُن کلمات پاک کے ساتھ استہزاء ہے یا نہیں؟

بھئی محی الدین تمہیں واللہ مصنفین کتاب سیرۃ الفاروق و الفاروق سے پوچھو۔ کہ اگر یہ بات اچھی ہے۔ اور سچے مسلمان ایسا اجتماع نقیضین کر سکتے ہیں۔ تو آپ لوگ بھی ایسا کرتے ہیں۔ یا نہیں۔ اگر وہ حضرات فرمائیں کہ ہاں اس میں کیا مضائقہ ہے ہم بھی ایسا کر سکتے تھے۔ تو ان کو کہو کہ آئندہ ایڈیشن میں اپنی کتاب کے اس صفت خاص کو اپنے ہیرو کی ضرور درج فرمائیں۔ تاکہ غیر مذہب والے دیکھیں اور سمجھیں کہ مذہب اسلام فرقہ سنت جماعت کا ایک مذہبی پیشوا اور بڑا عالی وقار ہیرو۔ ایسا تھا کہ صبح کو اپنے رب کی عبادت میں اپنے نبیؐ کی آل پر درود بھیجتا تھا اور دن کو انہیں کے مکان میں آگ لگانے کا اقدام کرتا تھا اور انکو بہ جبر و قہر گرفتار کرنا چاہتا تھا اور شام کو پھر انپر نماز میں درود بھیجتا تھا۔ یہ کیرکٹر حضرت عمر کا ایسا ہے کہ تواریخ میں تو اسکا جواب نہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ناولوں میں بھی شاید ہی کہیں اس کی نظیر ملے۔ پس ایسی صفت سے صفحات سیرۃ الفاروق یا الفاروق کا خالی رہنا حضرت عمر کی ہنر پوشی ہے۔

محی الدین۔ میں ان لوگوں کو کیوں کہنے لگا؟ کیا وہ حضرات خود اس کو نہ سمجھتے ہوں گے؟ یہ تو واقعہ تاریخی ہے اور جناب مولانا شبلی صاحب تو خود فرما چکے ہیں۔ کہ درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کی انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں ہے۔

علی رضا۔ ایک بات اور یاد آئی۔ یعنی بروز غدیر جناب رسولِ خداؐ صلعم نے جب حضرت علیؑ کو من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ۔ فرمایا تھا۔ . . . . تو حضرت عمر نے کہا تھا کہ بخٍ بخٍ یا علی انت مولائی و مولاہ کل مومن و مومنۃ۔ اب ذرا غور تو کرو۔ کہ جس وقت حضرت عمر نے بعد خلیفہ ہو جانے خلیفہ اول کے حضرت علی سے یہ کلام کیا تھا۔ کہ اگر تم حضرت ابو بکر کی بیعت نہ کرو گے تو خدا کی قسم کہ ہم لوگ تمہاری گردن کاٹیں گے۔ تو اس وقت حضرت عمر کو یہ جملہ یاد تھا یا نہیں؟ اگر یاد تھا کیونکہ تین مہینے میں ایسی مہتم بالشان کارروائی کا اور ایسے جوشیلے کلمے کا (اگرچہ زبان ہی سہی) بھول جانا محض قیاس ہے، تو غور کرو کہ اس وقت سے آج تک تیرہ سو برس گذر گئے اس اثناء میں سوائے حضرت عمر کے دنیا میں کوئی ایسا بشر نہیں گذرا ہے۔ جس نے تین مہینے کے اندر اپنے مولیٰ بلکہ رسول کے قائم کیئے ہوئے مولائے مومنین و مومنات کی گردن کاٹنے کا اقدام کیا ہو!! اس رو سے بھی حضرت عمر یکتائے روزگار ہو گئے!!

حق یہ ہے کہ حضرت عمر بھی کیا کیرکٹر ہو گئے اور کیا کیا کہہ گئے۔ اور کیا کیا کر گئے۔ جن کا دنیا کی

تو اریخ میں جواب نہیں !! جو بات کی خُدا کی قسم لاجواب کی !!!

محی الدین۔ میرا قلب تو تمہاری پہلی باتوں سے کانپ رہا ہے۔ واقعی میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جو شخص حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر کو آگ لگا دے گا۔ وہ صدق دل سے رسول مقبول صلعم اور انکی آل پاک پر درود کیا بھیجے گا !! اور جب صدق دل سے درود نہ بھیجے گا۔ تو اس کی نماز کیا ہوگی اور اس کا اسلام کس قدر وقعت کا ہوگا۔

فرقہ شیعہ کے یقینی جنتی ہونیکا قطعی اور لاجواب ثبوت

علی رضا۔ جزاک اللہ فی الدارین خیر الثواب دیکھنا چاہئے کہ ان روایتوں سے کیا کیا نتیجے نکلتے ہیں۔ میرے نزدیک نتائج ذیل بدیہی ہیں (۱) حضرات شیخین نے جناب فاطمہؑ پر سختیاں کیں اور حضرت فاطمہؑ کے قلب کو ان لوگوں کے شدائد سے سخت ایذا پہنچی (۲) حضرت فاطمہؑ ان لوگوں سے نہایت ناراض وغضبناک رہیں اور نفرت اور کراہت کرتی رہیں (۳) اسی حالت رنج وتعب و ناراضامندی میں جناب فاطمہ زہرؑا نے انتقال کیا (۴) جب اس غریب معصومہؑ نے انتقال کیا تو دونوں جہان کے بادشاہ کی بیٹی کی لاش پہلوئے پدر بزرگوار میں دفن نہ ہوئی۔ بلکہ مدینہ کے گورغریباں میں دفن ہوئی (۵) سردار کونین کی غریب بیٹی کا جنازہ شب کو اٹھا۔ اور خلفائے ثلاثہ میں سے کوئی شریک نہ تھا۔ یہاں تک کہ خود اس غریب مرحومہ معصومہ کے شوہر نے نماز میت پڑھی۔

محی الدین۔ ظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

علی رضا۔ تب اس میں شک نہیں رہتا۔ کہ جناب فاطمہ زہرا شیعہ تھیں اور اسی مذہب پر انتقال فرمایا۔ یعنی حضرت کے اعتقادات وہی تھے جو شیعوں کے ہیں کیونکہ مذہب شیعہ کا ایمان بعد اعتقادات وحدانیت وعدالت۔ ونبوت کے علی اور ان کی اولاد سے محبت رکھنا اور ان کے دشمنوں سے بیزاری رکھنا ہے۔ یہ دونوں باتیں جناب فاطمہ زہرا میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ یعنی حضرت علیؑ اور اپنی اولاد سے محبت تو ظاہر ہے اور آپ کے دشمنوں سے اس سے زیادہ بیزاری اور نفرت کیا ہوگی۔ کہ ان کے منہ پر کہہ دیا کہ میں تمہارے لئے ہر نماز میں بددعا کروں گی۔ اور ہر شیعہ کا بھی اعتقاد ہے پس ہم سادات بنی فاطمہ کے لئے تو یہ سند کافی ہے۔ مطلق ضرورت طول کلام کی نہیں۔ ہم لوگوں کا مذہب وہی ہے جو ہماری جدہ ماجدہ معصومہ طاہرہ علیہا السلام کا مذہب تھا۔ اور ہم لوگوں سے اگر بروز محشر سوال ہوگا۔ کہ تم لوگ شیعہ کیوں تھے اور کیوں خلفائے ثلاثہ سے ناراض تھے تو ہم لوگ کہہ دیں گے۔ کہ خدایا ہمارا

مذہب وہی ہے۔ جو تیرے حبیب پاک کی بیٹی سیدہ معصومہؑ کا مذہب تھا۔ اور ہم خلفائے اس لئے ناراض رہے کہ وہ معصومہؑ ناراض رہیں۔ اس مذہب کی حقیقت ان معصومہؑ سے پوچھ لی جائے۔ جو جواب ان کا ہے۔ وہی جواب ہم لوگوں کا ہے۔ کیونکہ ان معصومہؑ نے تو سب سیرت اصحاب ثلاثہ کو بچشم خاص ملاحظہ فرمایا تھا۔ جب ان معصومہؑ نے ان کی اچھی بُری باتوں کو دیکھ کر ان کی پیروی نہ کی۔ بلکہ ناراض رہیں۔ اور اسی حالت میں انتقال فرمایا تو ہم لوگ جو بارہ سو برس کے بعد پیدا ہوئے۔ ان سے زیادہ کیا جواب دے سکتے ہیں!!! الغرض ہم لوگوں کی برائت تو اس طرح پر انشاء اللہ تعالےٰ یقینی ہے۔ کیونکہ جب باوجود نفرت رکھنے اصحاب ثلٰثہ سے جناب خاتون جنت سیدۃ النساء اہل جنت ہیں جیسا بخاری شریف میں مندرج ہے۔ تو ہم لوگ کیوں اسی فعل کی وجہ سے بہشت سے نکالے جائیں گے۔ کیونکہ خداوند عالم عادل ہے۔ اور عادل کی عدالت سب پر یکساں ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے ان واقعات سے ایک بڑا مسئلہ اہم بھی حل ہوتا ہے۔ یعنی ایک حدیث ضعیف مگر مشہور یہ ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ منجملہ ان کے ایک ناجی ہے اور باقی سب ناری۔ اور اس حدیث کی بنا پر ہر فرقہ یہ کہہ رہا ہے اور زعم کر رہا ہے۔ کہ ہمارا فرقہ ناجی ہے اور بقیہ سب ناری ہیں اب یہاں پر میں جو غور کرتا ہوں تو یہ مسئلہ اس طرح پر حل ہو جاتا ہے۔ کہ جس فرقہ کا ایک شخص بھی بقول جملہ فرقوں کے جنتی ہوا، تو بیشک وہ فرقہ جنتی ہوگا۔ کیونکہ جب ایک شخص باوجود اس خاص مختلف فیہ اعتقاد کے جنتی ہوا تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ دوسرا شخص اسی اعتقاد والا جنتی نہ ہو باقی ہر شخص کے دیگر اعمال و افعال وہ امر دیگر ہے۔ اور وہ تو ہر فرقہ میں ہے بعد اس کے یہ بات فوراً ذہن میں آتی ہے۔ کہ ایک شخص شیعوں کا اعتقاد رکھنے والا یعنی اہلبیتؑ سے محبت رکھنے والا۔ اور خلفاء سے نفرت کرنے والا یقینی جنتی ہے۔ بلکہ اس سے جنت کی زینت ہے۔ اور اس کو جنتی نہ کہنا یا نہ سمجھنا باعتقاد جملہ فرقہائے اسلام کے کفر ہے۔ یعنی جناب فاطمہ زہراؑ باوجود نفرت رکھنے ساتھ اصحاب ثلاثہ کے صرف جنتی نہیں ہیں بلکہ سردار زنانِ جنت ہیں پس یہ بات مثل بدیہات کے ثابت ہوئی کہ اصحاب ثلاثہ سے نفرت کرنے والا فرقہ بوجہ اس اعتقاد کے ناری ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ جب ایک فرد یقینی جنتی ہوا تو دوسرے افراد اسی اعتقاد والے ناری کیوں ہونے لگے۔ اس لئے نتیجہ یہی ہوا۔ کہ فرقہ شیعہ یقینی ناجی ہے باقی تو دانی خداوند۔

محی الدین۔ لیکن اس میں ایک بات کہی جا سکتی ہے کہ جناب سیدہ نے یہ ایک گناہ کیا۔ لیکن ان کی اور خوبیوں نے اس عیب کو ڈھانپ دیا اور حق تعالےٰ نے معاف کیا اور اس

لے حضرت فاطمہؑ جنتی ہوئیں۔ مگر آپ لوگ اس رحمت ایزدی کے مستحق نہیں ہیں۔

علی رضا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ حضرت فاطمہؑ اور گناہ!! توبہ اور گناہ بھی کیسا کہ خلیفۂ وقت سے نفرت کرنے کا جس کے لیئے آپ کے علماء کفر کا فتوٹے دینے کو تیار ہیں!!

بھائی محی الدین تم نے حضرت فاطمہؑ کو سمجھا کیا ہے وہ بڑے باپ کی بیٹی تھیں ان کی نسبت یہ کہنا کہ انہوں نے گناہ کیا اور اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے خلاف کیا بجائے خود گناہ ہے۔ اور کم سے کم اس حالت میں وہ معمولی عورت ہو جائیں گی۔ سیدۃ النساء العالمین اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ کیونکر ہو سکتی ہیں۔ الغرض ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تب اس میں کوئی شک نہیں رہتا۔ کہ حضرات شیخین ہرگز خلیفۂ اولی الامر نہ تھے۔ اور ان سے نفرت کرنا کوئی برا کام نہ تھا۔ اور یہ جو کہتے ہو۔ کہ حقتعالےٰ نے بوجہ دوسری خوبیوں کے ان کی یہ خطا معاف کر دی جو ہم تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ کی سیرت کو خیال کر کے ذرا غور کر کے کہو تو کہ حضرت فاطمہؑ خود خلفاء سے نفرت کرنے پر بھی جنت چلی جائیں۔ اور ہم لوگ اپنے خاص غلاموں کو جو صرف ان کی وجہ سے محض نیک نیتی سے وہی اعتقاد رکھیں اور وہی کام کریں جو خود وہ جناب فرماتی تھیں یعنی نمازوں میں بددعا کرتی تھیں؛ دوزخ جاتے ہوئے دیکھیں اور کچھ نہ بولیں!! کیا ایسا ممکن ہے؟ اگر خدانخواستہ ایسا ہی ہوتا ہے تو ہم لوگ آنبارگاہ خداوندی میں ضرور عرض کریں گے۔ کہ خدایا ہم لوگ تو جہنم میں جاتے ہی ہیں۔ مگر ہم لوگ اس طرف سے بھیجے جائیں جدھر حضرات پنجتن پاک علیہم السلام کرسیوں پر جلوہ افروز ہوں اور اس وقت ہم لوگ چلا ئیں۔

بجرم عشق توام میکشند و غوغائی است　　　تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائی است

الغرض انشاء اللہ تعالےٰ شیعوں کا ہر حالت میں بیڑا پار ہے۔ اور یقینی یہی فرقہ ناجی ہے!! پھر پوچھتا ہوں کیا جناب فاطمہ زہراؑ نے جو امت کی بخشش کے لئے اپنے پیارے فرزندان حسن و حسین علیہما السلام کی شہادت گوارا فرمائی۔ وہ ہم　　　دردمندوں کے لئے نہیں بلکہ ان لوگوں کیلئے ہے جن لوگوں نے ان کے لئے ایذا رسانوں کو اپنا پیشوا اور بزرگ دین سمجھا؟ کیا حضرت فاطمہؑ میدان محشر میں جب ایک ہاتھ پر دندان مبارک رسول محمدؐ اور ایک ہاتھ میں عمامہ خون آلود علی مرتضیٰؑ اور دوش پر عبائے خون آلود شہید کربلا لئے ہوئے تشریف لائیں گی اور پایہ عرش پکڑ کر فریاد کریں گی اور اس وقت بارگاہ رحمت سے ان کو شفاعت کا حکم ہو گا تو کیا وہ معصومہ جنتی جن کر ان لوگوں کی شفاعت کریں گی۔ جو ان کے دشمنوں کو اپنا رہبر اور پیشوا سمجھتے تھے اور ہم لوگوں کو فرمائیں گی کہ تم لوگ دور ہو جاؤ جہنم میں جاؤ۔ اور یہ عتاب کس بات پر؟ صرف اس بات پر کہ ہم لوگوں نے تقاضائے الفت کی اطاعت

اور فرمانبرداری کے صرف وہ کام کیا جو خود حضرت فرماتی تھیں۔ ایسا خیال تو میری مخدومہ کونین جناب فاطمہ زہرا کی سیرت کو ٹھیک الٹا سمجھتا ہے۔ ان معظمہ معصومہ کی ذات پاک سے یہ خیال کرنا کہ ان کے لئے قوم کی قوم دوزخ میں جھونکی جائے اور ان کو جنت میں قرار آئے، دن کو دن اور رات کو رات کہنا ہے۔ اور ہم تو کہتے ہیں۔ کہ اگر ان معصومہ کی یہی خوشی ہو تو خیر ہم لوگوں کے لئے ان کی راہ میں دوزخ بھی بہشت ہے۔ ہم لوگ تو دل وجان و ہر رگ و پے سے دعا کرتے ہیں۔ کہ خدایا ہم لوگ تیرے حبیب کی بیٹی اور ان کی اولاد پاک کے غلام ہیں اور ان کی راہ پر چلتے ہیں۔ اور جو ان کی رضا ہے وہ ہمارا فرض ہے۔ جن سے ان بزرگوں نے محبت رکھی انکے ہم غلام ہیں۔ اور جن سے انہوں نے نفرت رکھی ان سے ہم نفرت رکھتے ہیں۔ پس خدایا ہم لوگوں کو ان بزرگوں کی راہ پر چلا اور بروز محشر انہیں کے سایہ عاطفت اور دامان رحمت میں پناہ دے اور اگر تمہارا جی چاہے۔ تو کہو کہ خدایا ہم لوگوں کو جنہوں نے تیرے حبیب کی بیٹی کو ایذا دی جن کو ان معظمہ نے نمازوں میں بددعا کی اور جن سے بعد اس ایذا دہی کے مدت العمر بات نہ کی۔ اور جن کو اپنے جنازہ کے پاس آنے نہ دیا۔ اور ان لوگوں کو دنیا میں ہم اپنا پیشوائے دین سمجھتے رہے۔ بروز محشر بھی ہم لوگوں کو انہی لوگوں کے ساتھ محشور اور انہیں کے سایہ میں رکھو !!!

الغرض نتیجہ آخر تو بروز قیامت معلوم ہوگا۔ اس وقت یہ امر صاف ظاہر ہے۔ کہ ہم شیعوں کا مذہب اور اعتقاد وہی ہے جو جناب سیدۃ النساء العالمین کا تھا۔ اب تم کو غور کرنا چاہیے کہ آیا تمہیں جناب سیدہ کے مذہب پر رہنا مناسب ہے یا اس جماعت کے مذہب پر جس نے جناب رسول مقبول صلعم کی نعش مبارک کو بے دفن وکفن چھوڑا اور حضرت کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوئے اور جنہوں نے جناب سیدہ کو ایذا دی اور ناراض رکھا۔ علاوہ اس کے ایک بات اور سن لو کہ بروز واقعہ غدیر جب رسول مقبول صلعم نے جناب امیر کو من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ کہہ کر اپنا جانشین مقرر کیا تو دعا کی۔ کہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ یعنی خدایا دوست رکھ اس کو جو دوست رکھے اسے اور دشمن جان اس کو جو دشمنی کرے اس سے۔

اور حقتعالے نے عام بندوں کے بارے میں فرمایا ہے اذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان یعنی اے محمد صلعم اگر میرے بندے میرے بارے میں تم سے سوال کریں تو (تم) ان سے کہہ دو کہ ہم تمہارے قریب ہیں اور دعا کرنے والوں کی دعاؤں کو (جب وہ دعا کرتے ہیں) ہم قبول کرتے ہیں۔ (دیکھو سورہ بقر پارہ دوم) پس جب حقتعالے جلشانہ کی رحمت ایسی عام ہے۔ کہ وہ پروردگار عالم سب بندوں کی دعا قبول فرماتا ہے۔ تو ممکن

ہی نہیں کہ اس پاک بے نیاز نے جناب رسُول مقبول صلعم کی یہ دُعا قبُول نہ کی ہو۔ مَیں کہتا ہُوں اور ہزار بار کہوں گا۔ کہ ضرور قبول ہوئی ہے۔ تب ہمارا جنّتی ہونا ہمارے خلوص قلب پر موقوف ہے یعنی اگر ہم خلوص دل سے جناب امیرؑ سے محبت اور مودت رکھتے ہیں یعنی حضرت علیؑ کے دوست ہیں تو کوئی شک نہیں کہ بوجہ قبول ہو جانے اس دعا کے ہم خدا کے دوست ہو گئے اور جب ہم خُدا کے دوست ہو گئے تو جنّتی ہونے میں کوئی شک نہ رہا۔ یعنی ہم لوگ یقینی جنّتی ہیں اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ واٰلِ محمّد۔ اب تم کو اس دعا کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرنا چاہیئے یعنی آں حضرت صلعم نے یہ بھی دُعا کی تھی۔ کہ خدایا دشمن جان اس کو جو اس سے دشمنی کرے۔ یہ دعا بھی ضرور بالضرور قبُول ہو چکی ہے۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ جو لوگ حضرت علیؑ کے دشمن ہیں۔ وہ یقیناً خدا کے دشمن ہیں اور خدا کے دشمنوں کی جگہ کہاں ہے اس کو قرآن مجید میں دیکھو یا اپنے علماء سے پوچھو۔ کہ فی نار جھنّم خالدین فیھا ابداً وارد ہے یا نہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ کون کون اشخاص حضرت علیؑ کے دشمن ہیں۔ اس کو واقعات ما سبق سے سمجھ کر فیصلہ کر لو۔

محی الدین۔ بھائی اس کا جواب کل عرض کروں گا۔

علی رضا۔ بلکہ ایک ہفتہ کے بعد اور اپنے علماء سے خوب تحقیق کر کے لیکن اپنے علماءُ سے اس قدر ضرور دریافت کیجیو۔ کہ جناب فاطمہ زہرؑا کا کیا مذہب تھا۔ اگر حضرتؑ سنّیہ تھیں اور خلیفہ اوّل سے راضی تھیں۔ تو انکے شوہر علیؑ نے انکی حیات تک بیعت کیوں نہ کی۔ اور اگر وہ جناب شیعہ تھیں یا شیعوں کے ایسا اعتقاد رکھتی تھیں۔ تو ہم ان کی پیروی کریں یا آپ کی؟ کیا صراطِ مستقیم ان کے قدم کے نیچے ہے یا حضور کے؟

محی الدین۔ اس کا جواب دیا جا سکتا ہے کہ آپ جناب فاطمہؑ کی پیروی کیوں کیجئے حضرت علیؑ کی پیروی کیوں نہ کیجئے؟ حضرت علیؑ نے آخر بیعت کی۔ پس انہیں کی راہ آپ اختیار کیجئے۔

علی رضا۔ تو کیا ہم اگر فاطمہ زہراؑ کا مذہب اختیار کریں تو وہ باطل ہوگا یا نعوذ باللہ ہم ناری ہوں گے؟ بھائی ہم نے جناب فاطمہ زہراؑ کا نام اس لئے لیا۔ کہ جناب فاطمہؑ کی ناراضگی مقبول فریقین ہے۔ اور حضرت علیؑ کی رضامندی مقبول فریقین نہیں ہے اور میرا تو ایمان ہے۔ کہ ان دونوں بزرگواروں کا ایک مذہب تھا۔ آج تک کسی عالم نے یہ نہیں لکھا ہے۔ کہ شیعہ سُنّی کے امر معرض نزاع میں حضرت فاطمہؑ کا مذہب کچھ تھا اور حضرت علیؑ کا مذہب کچھ تھا کیا تمہیں خیال نہیں۔ کہ حضرت علیؑ اس الیکشن سے ہمیشہ ناراض رہے اور برابر اپنے حقوق کا اعلان

کرتے رہے۔ تم کو جناب فاطمہ زہراؑ کے استغاثہ اور فریاد وزاری نے شب بھر بے چین رکھا لیکن تمہیں کیا یاد نہیں۔ کہ اسی روایت میں چند سطر بعد ہی کے جناب علی مرتضیٰؑ نے قبر رسولؐ پر جاکر نالہ وزاری کی ہے۔ اور استغاثہ کیا ہے۔ کہ یا ابن عم یارسول اللہ میری خبر لیجئے۔ قوم مجھے ضعیف کر رہی ہے اور میرے قتل کے درپے ہے اور فی الحقیقت خود جناب فاطمہؑ کو اس کا بھی بڑا صدمہ تھا۔ کہ ان کے شوہر علیؑ پر جبر و قہر کیا جاتا تھا۔ اور ہر طرح پر مجبور کئے جاتے تھے۔ اس لئے میں کہتا ہوں۔ کہ اس بارے میں دونوں بزرگواروں کا ایک خیال تھا۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جناب سیدہؑ نے صرف نفسانیت سے بطمع وجاہ و جلال اپنے شوہر بزرگوار کو خلیفہ برحق کی بیعت سے ایک منٹ کے لئے بھی روکا ہو۔ ان معظمہؑ صاحب تطہیر کو زینت دنیا سے ایسی نفرت تھی کہ خود چکی پیس کر اپنی اوقات بسر فرماتی تھیں۔ اور حضرت کی چادر پاک میں جابجا پیوند ہوتے تھے۔ اور حضرت کا زہد و تقویٰ تو ایسا تھا۔ کہ خود جناب سرور کائنات فخر موجوداتؐ کو اس کا فخر تھا۔ اور اس لئے جناب سیدہؑ کی تعظیم فرماتے تھے اور جملہ احکام شرعی کی تعلیم فرماتے تھے۔ ایسی خاتون معظمہؑ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ حضرت آیہ کریمہ اطیعوا اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم سے بالکل ناواقف رہیں میرے نزدیک چاند پر خاک ڈالنا ہے اور دن کو رات کہنا ہے۔ تب سوائے اس کے کوئی دوسرا نتیجہ نہیں نکلتا۔ جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ الیکشن محض ناجائز اور بے وقعت تھا۔ اور ہرگز خلفاء ثلاثہ اولی الامر نہ تھے پس میرے نزدیک تو جناب سیدہؑ کی مقبولہ کارروائیوں سے شیعہ سنی کے جھگڑے کا فیصلہ ہے ہٹ دھرمی کا جواب نہیں۔ تم خود کہو کہ تمہارا دل کیا کہتا ہے۔ کیا اب بھی فرقہ شیعہ کے ناجی ہونے میں تمہیں شک ہے۔

محی الدین۔ بھائی علی رضا میرے مولوی لوگ جو کچھ ہی کہیں لیکن یہ بات تو میرے دل پر نقش کالحجر ہو گئی ہے کہ آپ لوگوں کا اعتقاد صحیح ہو یا غلط آپ لوگ جنتی یقینی ہیں میرے دل سے آپ کی وہ بات اٹھتی نہیں کہ واقعی آپ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ صرف بلحاظ جناب فاطمہؑ اور اُن کے شوہر بزرگوار کے کیونکہ آپ لوگوں کا سوائے اس کے اصحاب ثلثہ نے تو کچھ بگاڑا نہیں ہے۔ تب یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ وہ رحمۃ للعالمین کی بیٹی خود جنت میں چلی جائیں اور آپ لوگوں کو طوفان محشر کے عین منجدھار میں چھوڑ دیں اور وہ بھی کس قصور پر؟ صرف اُنہیں حضرتؑ کے ساتھ ہمدردی کرنے اور ان کی پیروی کرنے کے قصور پر!! یہ تو ہو نہیں سکتا۔

دوستاں را کجا کنی محروم　　　تو کہ با دشمناں نظر داری

میں ضرور اپنے مولوی صاحب سے پوچھوں گا۔ کہ جب فاطمہ زہراؑ نالاں وگریاں باحال پریشاں اُمتیانِ عاصی کے بخشوانے کو میدانِ حشر میں اس حالت سے جیسا کتابوں میں لکھا ہے تشریف لائیں گی۔ تو کیا وہ صرف چُن چُن کر آپ لوگوں کی شفاعت کریں گی اور شیعوں کے حق میں جو ان کے لئے تباہ ہو گئے کچھ نہ فرمائیں گی۔ اگر مولوی صاحب ذرا بھی بولے کہ ہاں میاں وہ صرف تمہاری شفاعت کرینگی شیعوں کی طرف وہ ہرگز توجہ نہ کرینگی کہ ہم ضرور کہہ دینگے کہ ہاں چور کا منہ چاند ایسا۔

علی رضا۔ ہاں ہاں ایسا نہ کہنا وہ خفا ہو جائیں گے۔

محی الدین۔ خفا ہوں یا کچھ کریں۔ بعد ان روایتوں کے پڑھنے کے جو ابھی مذکور ہوئیں اب ہم لوگوں کا جناب۔ فاطمہ زہراؑ کی شفاعت کی امید رکھنا حوصلہ باطل ہے حق یہ ہے کہ اس شعر کے پڑھنے کا حق صرف آپ لوگوں کو حاصل ہے۔ باقی بالکل ہوس۔

اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من و دست و دامانِ آلِ رسولؐ

لیکن ایک بات ابھی رہ گئی ہے کہ تم حضرت فاطمہ زہراؑ کے طریقہ پر کیوں چلو تم حضرت علیؑ کے طریقوں پر کیوں نہ چلو حضرت علیؑ نے تو آخر حضرت خلیفہ اول کی بیعت کی۔

کیا حضرت علیؑ نے خلیفہ اوّل کی واقعی بیعت کی؟

علی رضا۔ مجھے حضرت علیؑ کے بیعت کرنے سے بالکل انکار ہے۔ میری کتابوں میں حضرت علیؑ کا بیعت کرنا کہیں ثابت نہیں۔ لیکن اگر تم اپنی کتابوں کی روایت پر اس بیعت کو بیعت کہتے ہو تو مجھے ہنسی آتی ہے۔ کیوں بھائی اگر اس وقت کوئی شاہ صاحب بڑے مقدس ابرار کسی کے پاس اپنے خدمتگار کو بھیجیں۔ کہ جا فلاں شخص کو پکڑ لا۔ کہ وہ آکر میرا مُرید ہو۔ تو تم کو تعجب ہوگا۔ اور ہنسی آئے گی یا نہیں؟ کیا تم یہ نہ کہو گے۔ کہ واہ واہ مرید کرلے میں جبر و قہر کیسا؟ مرید ہونا تو دلی اعتقاد اور خشوع و خضوع قلب سے ہوتا ہے پھر یہ پکڑ دھکڑ کیسی؟ ہم تو سمجھتے ہیں۔ کہ اگر کسی شاہ صاحب کا خدمتگار تم کو مرید ہونے کے لئے پکڑنے کو آئے تو تمہیں غصہ آجائے اور یقیناً مداخلت بیجا اور مزاحمت بیجا اور جبر مجرمانہ کا مقدمہ چلاؤگے۔ یہ بات کہنے کی نہیں ہے عیاں راچہ بیاں کہ جب کوئی آدمی مُرید ہوتا ہے۔ تو اپنے پیر کو خوب سمجھ لیتا ہے اور انکو خدا رسیدہ سمجھ کر انکا معتقد ہوتا ہے۔ تب مرید ہوتا ہے۔ اور مرید ہونے کے لئے خود بہ رغبت تمام بصد چشم حضور قلب سے حاضر ہوتا ہے۔ اور ان بزرگ کی خاک پا کے برابر اپنے کو سمجھتا ہے اور جب زیارت سے مشرف ہو کر مرید ہوتا ہے۔ تو اپنے کو نہایت خوش نصیب سمجھتا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی اپنے

پیروں کے پاس سینکڑوں کوس سے جوق جوق لوگ آتے ہیں اور مثل غلاموں کے بخشوع تمام جبہ سائی کر کے دست بیعت ہوتے ہیں اور اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت علیؑ کے خود ساختہ پیر میاں کچھ عجیب پیر تھے۔ کہ مرید کو خدمتگار اور ایک جماعت سے پکڑوا منگواتے ہیں۔ اور جب مرید حاضر ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں خود مسند خلافت کا مستحق ہوں اور ہر بات میں تم سے افضل ہوں تب اس سے کہا جاتا ہے کہ اگر تم مرید نہ ہو گے تو تمہاری گردن کاٹیں گے تب وہ بیچارا کہتا ہے کہ اچھا جب تمہاری یہی رائے ہے تو تم کو یہ تخت مبارک ہو ہم گھر جاتے ہیں اور خانہ نشین ہوتے ہیں۔ شما بخیر باسلامت۔ کیوں بھائی محی الدین تم اسکو بیعت کہتے ہو؟ اگر کوئی شاہ صاحب تم کو اس طرح پر اپنا مرید بنائیں تو انکو تم کیا سمجھو گے اور تمہارے لڑکے کیا کہیں گے؟ کیا وہ ایک منٹ کے لئے اس بیعت کی تعظیم یا قدر کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ ہم تو ایسی بیعت کو بیعت نہ کہیں گے۔ بلکہ اس کو جبر و قہر یا صلح یا صبر بطور لکھ دینکو دلی دین کے سمجھیں گے۔

محی الدین۔ تو حضرت علیؑ نے جبراً بھی خلیفہ اوّل کی خلافت کو کیوں قبول کیا۔ کیوں آپ نے جدال و قتال نہ کی اور مثل امام حسینؓ کے نہ لڑ مرے۔

علی رضا۔ اس کا جواب ہم دوسری کہانی میں دے چکے ہیں۔ یہ خیال سوء ادب اس کا اعادہ نہیں کرتے۔ تمہیں خیال نہیں۔ کہ تم نے خود کہا تھا۔ کہ ایسا اعتراض حقیقۃً حضرت ابوبکر کے ساتھ سوء ادب ہے۔

محی الدین۔ ہاں ٹھیک ہے اب یاد آگیا۔

علی رضا۔ اب تمہارا کوئی اعتراض باقی نہ رہا۔ اب کہو تمہاری آخر کیا رائے ہے؟

محی الدین۔ میں خوب غور کر کے انشاء اللہ تعالیٰ کل جواب دوں گا۔

علی رضا۔ خوب غور کرنا۔ بلکہ ایک بات اور سن لو کہ میں نے شب گذشتہ کو حضرات خلفاء ثلثہ مخصوص جناب شیخین کے افعال و کردار کی نسبت جو غور کی اور خیال کیا کہ اگر جناب رسول مقبول صلعم بروز محشر حضرات موصوفین سے دوبارہ ان معاملات اور سلوکات کے جو ان حضرات نے جناب فاطمہ زہراؑ اور علی مرتضیٰؑ کے ساتھ کئے تھے۔ سوال کریں گے تو یہ حضرات کیا جواب دے سکتے ہیں۔ تو گھنٹوں غور کرتا رہا۔ مگر کوئی ایسا جواب خیال میں نہ آیا۔ کہ جس سے ان حضرات کی صفائی ہو۔ آخر جب بہت مجبور ہوا تو حضرات شیخین کے حال پر تاسف کر کے علماء سنت جماعت سے حضرات موصوفین کی سعی کرتا ہوں۔ کہ یہ لوگ سوچ ساچ کر ایسے جواب تیار کر کے شائع فرمائیں جو واقعات سے صحیح اور ہر شخص کے دل نشین ہوں اور جن کو حضرات شیخین بکشادہ پیشانی

بحضور سرکار اقدس بارگاہ رسالت میں پیش کر سکیں۔ جہاں تک میں نے خیال کیا سچے جواب تو یہی ہیں۔ جن کو میں لکھتا ہوں۔ کیونکہ معرکہ محشر میں بات بنانے یا جھوٹی تاویلات سے کام نکلنا محال ہے۔ جہاں ہر مجرم کے ساتھ دو فرشتے مثل دو سپاہی گرز آتشیں لئے ہوئے کھڑے ہوں گے وہاں جھوٹ بات کس کے منہ سے نکل سکتی ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ کہ میرے جواب تم کو یا علمائے ملت جماعت کو پسند نہ ہوں گے۔ لیکن تم ان سے کہنا۔ کہ اگر یہ جواب غلط ہیں۔ تو آپ سچے جواب جس سے حضرات شیخین کی برأت ہو سکے لکھ دیجیے۔ فقط اس قدر ملحوظ خاطر ضرور ہے۔ کہ جواب ایسے ہوں۔ کہ ان سے صرف آپ یا آپ کے حاشیہ نشیناں خوش نہ ہوں۔ بلکہ جناب رسول خدا صلعم اور جناب فاطمہ زہرا اور علی مرتضیٰ خوش ہو جائیں۔ یا کم سے کم اتنا تو ہو۔ کہ جناب رسول خدا صلعم آپ کے جواب کو قابل تشفی سمجھ کر اپنے الزامات کو اٹھا لیں۔ تاکہ حضرات شیخین کی مواخذہ سے بالکل برأت ہو جائے۔

مکالمہ جناب رسول خدا صلعم با حضرات شیخین بروز محشر

جناب حضرت رسول خدا صلعم:۔ کیوں جناب ۱؎ میں نے تو دربار غدیر خم میں جس میں ستر ہزار سے زیادہ لوگ جمع تھے۔ علی رؤس الاشہاد آپ لوگوں کو کہہ دیا تھا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ چنانچہ آپ (حضرت عمر) نے قبول کیا بھی تھا۔ کہ حضرت علی میرے بلکہ جمیع مومنین و مومنات کے مولیٰ ہیں۔ پھر یہ کیا کہ آپ (حضرت ابوبکر) تخت خلافت پر بیٹھ کر مولائے مومنین بن کر علی مرتضیٰ کے بھی افسر بن گئے

۲؎ میں نے تو آپ لوگوں سے کہا تھا۔ کہ آپ لوگ میری عترت سے تمسک کیجیے۔ پھر یہ کیا کہ آپ نے علی مرتضیٰ سے بزور چاہا کہ وہ آپ سے تمسک کریں یعنی بیعت کریں؟

۳؎ میں نے تو بحکم خدا آپ لوگوں کو کہہ دیا تھا کہ میرے اقربا سے مودت رکھنا۔ پھر یہ کیا کہ میری غمزدہ بیٹی کے گھر پر آپ (حضرت عمر) آگ اور لکڑی لیکر گئے۔ کہ اگر لوگ یہاں سے نہ نکلیں گے تو میں آگ لگا دوں گا۔ اس میں جو کچھ ہو جائے۔

۴؎ میں نے کہا تھا کہ قرآن اور میرے اہلبیت برابر ساتھ رہیں گے۔ یعنی یہ لوگ رموز قرآنی اور حقائق شریعت کے عالم ہوں گے۔ پھر یہ کیا کہ ادنیٰ فدک کے واسطے آپ نے میری نور دیدہ فاطمہ زہرا کے دعوے کو دروغ سمجھا۔ اور میرے معزز داماد اور پیارے نواسوں کی گواہی کو باور نہ کیا؟

کنفش یعنی فرد اقرار جرم خلفائے کرام حضرت عمر کی زبانی

حضرت عمر۔ جناب عالی! یہ روز قیامت ہے۔ آج سوائے سچ بولنے کے بات بنانے سے کچھ نفع نہیں۔ اس لیئے ہم لوگ سچی بات عرض کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ مکہ سے مدینہ اس لیئے ہجرت کر کے آئے۔ کہ مکہ میں رہنے سے ہم لوگ اپنی جان و مال کا ضرر دیکھتے تھے۔ علاوہ اس کے ہم لوگ مشاہدہ کرتے تھے کہ آپ یوماً فیوماً ترقی کر رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے سمجھا۔ کہ ایسے ہونہار باوقار شخص کا ساتھ دینے سے ہمارا دنیاوی اقتدار بڑھتا رہے گا۔ اور ہر طرح کا عروج ہوگا اس لیے ہم لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے۔ سوائے اس کے اسلام سے ہم لوگوں کو کچھ مطلب نہ تھا۔ اور نہ آج کے روز کا یقین تھا۔ اس لیے ہم لوگ برابر اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہوئے آپ کا ساتھ دیتے رہے۔ اس لئے خادموں کے جسم پر کبھی ایک زخم کیا معنی خدا کی راہ میں ایک پھول کی چھڑی تک نہ پڑی۔ نہ ایک قطرہ خون کا نکلا۔ بروز جنگ احد جب معاملہ دگرگوں نظر آیا۔ اور آپ کے قتل کی خبر مشتہر ہوئی تو ہم لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور مستعد ہو گئے کہ اپنے دین آبائی پر لوٹ جائیں۔ مگر خدا کی قدرت سے آپ صحیح و سالم بچ گئے۔ اس لیے ہم لوگ پھر جٹ گئے۔ اس کے بعد جیسے جیسے آپ کی ترقی ہوئی۔ ہم لوگوں کا اعزاز دنیاوی بڑھا اور بہ نظر استحکام اپنے مدارج کے ہم لوگوں نے اپنی بیٹیاں حضور کے حرم میں پہنچا دیں جس سے ہم لوگوں نے یقین کیا۔ کہ آپ ہم لوگوں کا بڑا پاس فرمائیں گے۔ لیکن خود غلط بود آں چہ ما پنداشتیم۔ پہلے ہماری بیٹیوں کی شان میں آیات زجر و توبیخ نازل کرائے مثلاً عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجاً خیراً منکن مسلمات مومنات قانتات۔ الخ ترجمہ۔ قریب ہے۔ کہ نبی کا رب تم لوگوں کو طلاق دیکر اس کے لئے بدلے میں دیگر زوجات جو مسلمہ اور مومنہ اور پاک نہاد ہوں بھیجے۔ دیکھو قرآن مجید سورہ تحریم پارہ[۲۸]۔

پھر ہم لوگوں نے جہاں تک دیکھا آپ کی شفقت اپنی بیٹی اور داماد کی طرف روز افزوں پائی۔ لیکن ہم لوگوں نے اس کو اس امید پر طرح دیا۔ کہ آپ آخر میں ہم لوگوں کو اپنا قائم مقام بنائیں گے۔ چنانچہ جب یہ معلوم ہوا۔ کہ آپ کا زمانہ وصال قریب ہے۔ تو ہم لوگوں کو بڑی خوشی اس کی ہوئی۔ کہ اب عنقریب ہم لوگ عرب و عجم اور شام کے فرمانروا ہوں گے۔ لیکن بہ مقام غدیر خم تو آپ نے غضب ہی کر دیا۔ اور ہم لوگوں کی امیدوں پر چھری پھیر دی۔ یعنی علی مرتضیٰ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ اس کارروائی سے ہم لوگوں کی ساری آس ٹوٹ گئی اور بالکل مایوس ہو گئے۔ اس پر نمک برجراحت یہ ہوا کہ آپ نے فرمایا۔ کہ حق تعالےٰ کا فرمان آیا ہے

کہ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون یعنی آج مایوس ہوئے وہ لوگ جنہوں نے تمہارے دین سے کفر کیا۔ پس ان سے مت ڈرو۔ بلکہ مجھ سے (خدا سے) ڈرو (دیکھو سورہ مائدہ پارہ ششم جہاں اس آیت کے چند سطر بعد آیہ اکملت لکم دینکم آیا ہے) چونکہ سچا واقعہ یہ ہے۔ کہ اس روز ہم لوگ مایوس ہوئے تھے۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ اس آیت کا اطلاق ہم لوگوں پر ہوتا ہے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ علی مرتضیٰؑ کی جانشینی کے بعد آپ نے فرمایا۔ کہ حق تعالےٰ کا حکم آیا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (یعنی آج ہم نے کامل کیا تمہارا دین اور تمام کی اپنی نعمت تم پر اور راضی ہوئے تمہارے اسلام سے)

الغرض واقعہ غدیر سے ہم لوگوں کی رہی سہی امید جاتی رہی اور دُنیا اندھیر ہو گئی۔ اس لئے ہم لوگ بھی مستعد ہو گئے کہ جس طرح ممکن ہو خلافت کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہیئے تاکہ عمر بھر کا ریاض برباد نہ ہو۔

مَیں نے علی مرتضےٰ کو جو اس روز مبارکباد دی تھی اُس کو میرا دل جانتا ہے۔ کہ میرے دل میں کیا بات تھی۔ اور زبان پر کیا بات تھی۔ میرا تو خیال ہے۔ کہ علی مرتضیٰ نے میرے بُشرے سے سمجھ لیا ہوگا۔ کہ میری مبارکباد بالکل اُوپر کے دل سے تھی۔ دل میں تو شعلہ بھڑک رہا تھا۔ اس کے بعد آپ علیل ہوئے۔ جس سے ہم لوگوں کے دن پھرے مگر اس حال میں بھی آپ نے یہ غضب کیا کہ دوات قلم کاغذ طلب کیا مَیں سمجھ گیا، کہ ہم لوگوں کی امیدوں پر تقریری چھری چل چکی ہے۔ اب یہ تحریری چھری کی تیاری ہے۔ اس خیال سے مَیں اپنے آپے میں نہ رہا، اور آپ کو سخت سُست سنا کر کچھ لکھنے نہ دیا۔ یہاں تک کہ آپ ناراض ہو گئے۔ اور آپ نے ہم لوگوں کو اپنے پاس سے نکلوا دیا۔ اور خود راہی خلد بریں ہوئے۔

بمقام حدیبیہ ہم لوگ آپ کی رسالت پر شک کر ہی چکے تھے۔ اب یقین ہو گیا کہ آپ حقیقۃً کچھ نہ تھے۔ اور قیامت وغیرہ سے جو ڈراتے تھے وہ بالکل ایک فسانہ تھا۔ اور ہم لوگوں کو کبھی اس کا گمان نہ تھا۔ کہ ہم لوگوں کو پھر کبھی آپ سے مقابلہ ہوگا یا ہم لوگوں سے ہمارے افعال و کردار کی کبھی بازپُرس ہو گی۔ اس لئے ہم لوگ جان پر کھیل کر مستعد ہو گئے۔ کہ تخت خلافت بزور شمشیر حاصل کیا جائے۔ چنانچہ میں پہلے بعد انتقال حضور کے تلوار کھینچکر کھڑا ہو گیا۔ مگر اسی اثناء میں مجھے خبر ملی۔ کہ علی مرتضیٰ حضور کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہیں۔ اور سقیفہ میں خلافت کا قصہ در پیش ہے۔ اس لئے ہم لوگ فوراً وہاں پہنچ گئے۔ اور مَیں نے بھائی ابوبکر کو خلیفہ بنایا اور اپنا کام نکال لیا۔

یوں تو ہم لوگ مجرم ہیں۔ جو چاہیئے سزا دلوائیے۔ لیکن اگر غور کیجئے۔ تو ہم لوگوں نے آپ کے خاندان کے ساتھ وہی کیا جو آپ نے ہم لوگوں کے ساتھ کیا۔ جس طرح آپ نے ہم لوگوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ یعنی اپنے داماد کو اپنا جانشین بنا کر ہم لوگوں کو بالکل علیحدہ کر دیا؟ اسی طرح ہم لوگوں نے آپ کی لاش کو خس کے برابر نہ سمجھا اور آپ کی تجہیز و تکفین کی مطلق پروا نہ کی۔ اور اس طرف سے بالکل علیحدہ رہے۔ جس طرح آپ نے ہمارے حوصلوں کو بیٹی داماد کی خاطر سے خاک میں ملانا چاہا۔ اسی طرح ہم لوگوں نے آپ کے گھر کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالنا چاہا آپ نے ہم لوگوں کی معمر بیٹیوں کا جو آپ کے حرم میں تھیں مطلق خیال نہ کیا۔ خلاف اس کے ہم لوگوں کو بایں ریش و فش اپنے کم عمر بیٹی داماد سے تمسک کرنے کو کہا! ہم لوگوں نے بیٹیاں آپ کو اس لئے نہیں دی تھیں۔ کہ آپ کے کمسن بیٹی داماد کی لونڈی باندی بنی رہیں۔ لیکن جب آپ نے ایسا قصد کیا۔ تو ہم لوگ بھی ایسے مستعد ہو گئے کہ آپ کی نسل ہی منقطع ہو جائے چنانچہ اسی خیال سے آگ اور لکڑی لے کر آپ کے گھر پر چڑھائی کی اور چاہا۔ کہ سارے گھر کو آگ لگا دیں اور عملاً ایک ایسی تدبیر کی۔ کہ چھ ہی مہینے کے بعد آپ کی صاحبزادی دُنیا سے رُخصت ہو گئیں!!!

ایک بات قابل غور ہے کہ آپ نے باغ فدک اپنی بیٹی کو دے دیا بھلا خیال تو کیجئے۔ کہ جب وہ باغ ہمارے قبضہ سے نکل جاتا۔ تو ہمارے لڑکے بچے کہاں سے پھل کھاتے۔ اس غرض سے اگر ہم لوگوں نے آپ کی صاحبزادی کے ہاتھ سے سند لے کر چاک چاک کر دی۔ تو کیا برا کیا؟ لیکن آپ کی صاحبزادی نے ہم لوگوں کو برانگیختہ کیا۔ اور بد دعائیں کرنے لگیں۔ اور بوقت وفات آپ نے وصیت کی۔ کہ ہم لوگ ان کے جنازہ کے نزدیک نہ جائیں۔ اس خبر کو سُنکر ہم لوگوں کو غصہ تو ایسا ہوا۔ کہ چاہا۔ کہ اسی وقت اس کی نسل کو منقطع کریں۔ لیکن کچھ سوچکر ہم لوگ اس وقت ساکت ہو گئے اور دل کی آگ دل میں رہنے دی۔ اس پر بھی باوجود اس علم کے ابوسفیان آپ سے برابر لڑتا رہا۔ اور اس کے بیٹے معاویہ کے دل میں اس گھر سے غبار بھرا ہوا ہے۔ میں نے اس کو شام کا گورنر مقرر کیا جس سے رفتہ رفتہ اس کو بڑی تقویت ہوئی اور آپ کے خاندان سے اس کو دلی غبار نکالنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ جس کو اس نے آخر کر ہی دکھایا اس کے علاوہ خادم نے اپنی وفات کے وقت ایک ایسی تدبیر نکالی کہ بھائی عثمان میرے بعد خلیفہ ہو جائیں۔ اور میری بدنامی بھی نہ ہو۔ جس میں بنی امیہ کا زور بڑھے اور بنی ہاشم تباہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ معاویہ نے علیؑ مرتضیٰ کو خوب زک دی اور حضورؐ کے بڑے نواسے کو اس نے بالکل خانہ نشین نظر بند رکھا۔

الختصر جب اصول اسلام کو خادم نے اس طرح درہم برہم کر دیا۔ اور حضور کے خاندان کی تباہی

کا پورا ساماں درست ہوگیا۔ تو واسطے تالیف قلوب مسلمانان کے اور واسطے نمائش اس بات کے کریں بڑا مذہبی شخص ہوں۔ فروعات شریعت میں بڑی سختی شروع کی۔ اور صبح وشام کوڑے لے کر نکلتا تھا۔ اور جو شخص خلاف شریعت کام کرتا تھا۔ اس کو کوڑے مارتا تھا۔ حضورؐ نے تراویح صرف ایک بار پڑھی۔ اور بعدہٗ یہ کہہ کر ایسا نہ ہو۔ کہ میری اُمت اس کو فرض کرلے ترک کردی۔ لیکن خادم نے اس کو ایسا رواج دیا۔ کہ کل بلاد اسلام میں ہزاروں برس میرے تابعین اس کو بطور فرض ادا کرتے رہے۔ حضورؐ نے متعہ کو حلال کیا تھا مگر خادم نے اس کو حرام مطلق کر دیا۔ تاکہ ظاہر بین عوام الناس سمجھیں کہ میں تہذیب و اخلاق کا بڑا ریفارمر ہوں۔ حضورؐ نے اپنی بیٹی اور داماد کی خاطر سے میری بھتیجی عائشہ سے بڑی بے اعتنائی کی۔ اس کا داغ اس کے دل سے نہ مٹا۔ چنانچہ بمقام بصرہ حضور کے داماد سے جنگ کی اور حضورؐ کے نواسے کی لاش پر تیر برسائے۔

میرا جو مقصد دلی تھا۔ اس کو معاویہ نے پورا کیا۔ کہ آپ کے داماد اور نواسے کو مجبور کر کے خانہ نشین بنا دیا۔ اور خود سارے ملک عراق و شام کا مالک ہوگیا۔ اور جو میری خواہش ابتدا میں یہی تھی (آج کیونکر چھپاؤں) کہ آپ کی نسل باقی نہ رہے۔ یہ معاویہ کے بیٹے یزید نے پوری کردی۔ یعنی میدان کربلا میں آپ کے سارے ہرے بھرے خاندان کو تہ تیغ کر دیا۔ صرف خُدا کی قدرت تھی۔ کہ جیسے بروز احد آپ بچ گئے۔ اسی طرح آپ کا پوتا زین العابدین بچ گیا ورنہ آپ کے خاندان کا تو بالکل خاتمہ ہوگیا تھا۔

پس اگر آپ غور کیجیے تو جیسا آپ نے ہم لوگوں کے ساتھ کیا ویسا ہی ہم لوگوں نے آپ کے ساتھ کیا عوض را گلہ ندارد۔ اس پر بھی اگر ہم لوگ آپ کے نزدیک مجرم ہیں۔ تو معاف کیجیے اور حق تعالےٰ سے ہم لوگوں کی شفاعت فرمائیے۔ اس سے زیادہ اب ہم لوگوں کو طاقت بیان نہیں ہے۔

شب کو جو محی الدین آرام کے لئے گیا۔ تو اس کو یہ حالت نظر آئی۔

شہزادہ نور ایمان نے سورہ انا فتحنا دم کرکے درِ قلعہ پر جو ایک عصا مارا۔ تو فوراً دروازہ کھل گیا۔ پھر تو شہزادہ اسپ سبک سیر پر سوار خراماں بڑی سڑک کی راہ سے ایوان قیصری میں پہنچا۔ راہ میں در و دیوار خیر مقدم کی صدائیں بلند ہوئیں۔ یعنی ہر رگ و پے میں ایمان سرایت کر گیا۔ جب قریب تخت طاؤس کے پہنچا۔ تو حضرت دل نے استقبال کر کے کہا کرم نما و فرود آکہ خانہ خانۂ تست۔ یہ کہ شہزادہ کو تخت پر لائے اور سر پر گلاب چھڑک کر دُعا کی خدایا جب تک آسمان و زمین لوح و قلم و عرش و کرسی جن و انس رہیں اس شہزادے بلند اقبال کا بول بالا رہے اور اس کی شاہی اس قلمرو میں جاوید ہوجائے کہ شہزادہ کو تخت پر بٹھایا۔ اور بعدہٗ تحف اشرف کی

طرف رُخ کرکے دونوں مل کر لحن داؤدیں کہنے لگے۔

السلام اے سایات خورشید رب العالمین	آسمان عز و تمکین آفتاب داد ودین
معنئ ہر چار دفتر خواجۂ ہر ہشت خلد	داور ہر شش جہت اعظم امیر المومنین
مقصد تنزیل بلغ مظہر اسرار غیب!	مطلع یتلوہ شاہد مقطع حبل المتین!
صاحب یوفون بالنذر آفتاب انما	قرۃ العین لعمک نازش رُوح الامین
از عطائے دست فیاض تو دریا مستفیض	وز ریاض نکہت طبع تو رضوان خوشہ چین
کاتب دیوان امرت موئے دریا شگاف	پردہ دار بام قصرت عیسیٰ گردوں نشین!
نقشبند کاف و نون از بدو فطرت تاکنوں	ناکشیدہ چوں مہ رخسار تو نقش مبین!
عالم علم لدنی شہ سوار لو کشف	ناصر حق نفس پیغمبر امام المتقین!
صورت معنی فطرت باعث ایجاد خلق	بہترین نسل آدم نفس خیر المرسلین
در جہاں از روئے حشمت چوں جہانے در جہاں	بر زمین از روئے رفعت آسمانے بر زمین
ناشنیدہ از زمان مہد تا پایان عمر	بے رضائے حق ز تو حرفے کراما کاتبین
زائرین روضات را بر در خلد بریں	میرسد آواز طبتم فادخلوھا خالدین

اسی صدا کے سنتے ہی سارے شہر میں امن ہو گیا۔ اور ہر شخص نے شہزادہ کی اطاعت فرمانبرداری قبول کی منذریں گذرنے لگیں۔ حی علیٰ خیر العمل کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اور طرّہ یہ کہ نہ کہیں خون ہوا نہ خطرہ ہوا۔ یک بیک چاروں طرف نور پھیل گیا اور ہر طرف سے بُوئے بہشت آنے لگی یہ سامان دیکھ کر۔

زبان نے تعصب سے:۔ بیٹا میں نے تیرے لئے تو بہت کچھ فکر کی اب تو میرا کچھ بس نہیں۔ پس بہتر ہے کہ تو کہیں دوسرے دیس چلا جا۔

تعصب۔ جی نہیں! ابھی میں کہاں جگہ چھوڑتا ہوں۔ جب تک دم میں دم ہے آپ کی چوکھٹ کے پاس پڑا رہوں گا۔

شب بھر محی الدین کو بے چینی رہی اور اٹھ کر دعائیں مانگتا رہا۔ کہ خدایا مجھے راہ راست دکھا۔ جب صبح ہوئی تو بعد نماز صبح خود علی رضا کے مکان پر جا کر بعد صاحب سلامت معانقہ کیا۔

علی رضا۔ کچھ خیر تو ہے آج یہ معانقہ کیسا۔

محی الدین۔ بھائی آج میرے لئے روز عید ہے۔ یعنی آج میری زندگی تازہ ہوئی ہے۔ اور آج میں نئی دُنیا میں آتا ہوں۔ تو میں اقرار بالقلب و باللسان کرتا ہوں کہ بیشک حضرت علیؑ

نائب برحق و وصی مطلق خلیفۂ بلا فصل حضرت رسول مقبول صلعم کے سمجھتے اور بیک الیکشن محض ناجائز اور فریب تھا۔ اور ہرگز اصحاب ثلٰثہ دوست حضرت علی کے نہ تھے اور یہ آخر کی حرکت خلیفۂ دوم کی صرف ظالمانہ ہی نہ تھی بلکہ نہایت نامردی اور بیرحمی کی تھی کیونکہ قطع نظر اس کے کہ گھر میں بیٹی رسول اللہ صلعم کی تھیں۔ اگر کسی غیر کا بھی گھر ہوتا تاہم یہ کیسی خلاف مروت کیا معنی خلاف انسانیت بات ہے کہ جہاں ایک غمزدہ عورت اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے موجود ہوں۔ اس گھر میں آگ لگائی جائے۔ یا اقدام کیا جائے؟ معاذ اللہ من ذالک پس اب میں کمترین غلام حضرت علی کا ہوں۔ اور ان لوگوں سے مجھے کچھ مطلب نہیں۔ ان لوگوں کی اخیر کی بے اعتدالی سابق کی ایمانداری سے مجرا مجری کرنے سے واصل باقی ہوتی ہے۔ تو یہ اچھے رہے نہ برے رہے۔

علی رضا۔ ہزار شکر کہ تمہیں راہ راست مل گئی۔ اور نجات کی کشتی پر آگئے۔ خداوند عالم تمہیں ولائے اہلبیتؑ میں کامل کرے۔

محی الدین۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ میرا تو یہ قول ہے۔

اگر دعوتم رد کنی در قبول　　من و دست و دامان آل رسول

علی رضا۔ لیکن جو تم نے واصل باقی کی۔ اس سے تو مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر جلنے کو اور ان کے معصوم بچوں کی بے قراریوں کو اپنے جواب کے کاغذ جلنے سے کم سمجھا۔ تمہیں یاد نہیں ہے۔ کہ تم نے کہا تھا۔ کہ اگر کریمن سلیھ تمہارے جواب کا کاغذ پرنسپل کے بکس سے نکال کر جلا دے تو اس دن تم نہیں یا سیلھ نہیں۔ وہ بھی تو آخر مسلمان تھا۔ انکی بھی تو آخر ایک مسجد بنوائی ہوئی تھی۔ یاد رکھو۔ کہ عترت اطہار علیہم السلام کا وہ درجہ ہے۔ کہ قرآن میں حق تعالٰے جل شانہٗ نے سورہ شوریٰ حم پارہ ۲۵ میں فرمایا ہے:۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ یعنی اے محمدؐ تم لوگوں سے کہہ دو۔ کہ ہم اپنی رسالت اور پیغمبری کا اجر تم لوگوں سے نہیں چاہتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ میرے عزیز قریب سے مودت رکھو اور تفسیر بیضاوی میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ حضور کے عزیز قریب جن کا ذکر اس آیت میں ہے کون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا علی اور فاطمہؑ اور ان کے دونوں صاحبزادے۔

کیوں بھائی محی الدین جن اعزہ قریبہ کے لئے اتنا بڑا رسولؐ (افضل المرسلین خاتم النبیین) اپنی تمام عمر کے ریاض کا اجر کچھ طلب نہ کرے۔ صرف بحکم خدا ولائے اہلبیت یعنی صرف مودت کا سوال کرے۔ اسکا جواب یہ ہو کہ اس کے انتقال کے دو چار ہی روز بعد اس کی پیاری بیٹی کے گھر میں آگ لگائی جائے یا آگ لگانے کا اقدام کیا جائے۔ حیف صد حیف!!

کیا کسی لغت میں مودّت کے معنی آگ لگانا لکھا ہے؟

محی الدین۔ لیکن یہاں خلفاء ثلاثہ کا ایمان سابق اور صحبت رسول اللہ صلعم ان کی بڑی محافظ ہوتی ہے۔

اہلبیت علیہم السلام کا ایذا دینے والا زیادہ تر وہ شخص قابل الزام ہے جو اُن حضرات علیہم السلام کے مدارج سے واقف تھا، یا شخص اجنب؟

علی رضا۔ یہ تو بالکل خلاف عقل ہے۔ اگر جاہل مسئلہ کوئی فعل خلاف شرع کرے تو اس سے اِس قدر باز پُرس نہیں ہوتی۔ جس قدر عالم مسئلہ سے پس اس جگہ غور کرو کہ اگر اصحاب ثلثہ رتبہ اہلبیت علیہم السلام سے بہ نسبت شام کے جہّال اور کوفہ کے صحرائی کے بہت زیادہ واقف تھے۔ ان کے سامنے بروز مباہلہ حضرت رسُول مقبول صلعم نے ابنا ئنا و نسا ئنا و انفسنا کہا۔ انکے جانتے ان حضرات پر آیہ تطہیر نازل ہوئی ان کے علم میں ان حضرات نے یتیم و مسکین و اسیر کو سیر کیا اور خود فاقہ کش رہے اور خود ان کو حضرت رسولخداؐ نے ہدایت کی اور تاکید کی کہ من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ اللّٰھم وال من والاہ و عاد من عاداہ۔ ان سے بشمول جمہور اسلام حضرتؐ نے التجا کی تھی۔ کہ لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ یعنی مَیں تم سے کچھ نہیں چاہتا۔ مَیں صرف اپنے اقربا کی مودّت چاہتا ہوں پس اَب مَیں تم سے پوچھتا ہوں کہ اہلبیتؑ کو ایذا دینے میں یہ لوگ زیادہ مجرم ہوں گے۔ یا ایک شخص امریکا یا چین کا جو رُتبہ اہلبیتؑ سے بالکل نا واقف تھا؟ کیا اس حرکت سے (علاوہ اس کے کہ نافرمانی صریح حکم رسولؐ کی ہوئی) دوسرے عوام وحشی الخیال کو یہ سبق نہیں ملتا ہے کہ اہلبیت طاہرینؑ قابلِ تعظیم نہ تھے؟ کیا کفار کوفہ شام کو ان کی دختر معظمہ کے خیمے جلانے میں سابق کی ایک اچھی نظیر نہیں ملی؟ بلکہ نعوذ باللہ گھر جلانا جناب فاطمہؑ کا بڑے آدمی کا کام ہے۔ تو ابن سعد کی اسی وقت برات ہے!!! اے بھائی گھر جلنے سے فقط یہ نہ سمجھو کہ دو روپے کا شہتیر اور پانچ روپے کے کیواڑ جلے۔ اس کے اثر پر زیادہ غور کرو کہ اس فعل کا اثر عوام کے دلوں پر کیسا ہوا۔ اور اس گھر کا جہاں ملائکہ مقربین بے اذن نہیں آتے تھے کیسا استخفاف ہوا۔ پس اس فعل سے تو ظاہر ہے اہلبیت طاہرینؑ قابل تعظیم نہ تھے۔ یا اصحاب ثلثہ کو مطلق ایمان نہ تھا۔ اگر

مسلمان خانہ کعبہ ڈھا کر مسلمانی کرے اگر مسلمان نبی کا گھر جلا کر مسلمان بنا رہے۔ تو لشکر یزید کیوں اسلام سے خارج ہو؟ اور اگر سابق کا ایمان بعد بے ایمانی اشد کے محافظ ہوتا ہے۔ تو شیطان اب تک مورد لعنت کیوں ہے؟

محی الدین۔ ایمان سے تو بحث نہیں۔ مگر میں صرف یہ کہتا ہوں۔ کہ خلفاء ثلثہ کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

علی رضا۔ بھائی اس بارے میں حکم ربانی نہایت سخت ہے۔ حقتعالےٰ جلشانہٗ سورہ آل عمران پارہ تلک الرسل میں فرماتا ہے کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم و شھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینٰت ۔ واللہ لا یھدی القوم الظٰلمین اولٰئک جزاؤھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین خٰلدین فیھا لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون ۔ ترجمہ :۔ کب ہدایت کرے گا اللہ اس قوم کی۔ جس نے کفر کیا بعد ایمان کے یعنی جبکہ گواہی دی کہ رسول برحق ہیں۔ اور اُن کے پاس نشانیاں خدا کی آئیں۔ اللہ نہیں ہدایت کرے گا قوم ظالمین کو انکی جزا یہی ہے کہ ان پر لعنت خدا اور ملائکہ اور آدمیوں کی ہوا کرے گی۔ اور وہ داخل رہیں گی۔ دوزخ میں ہمیشہ اور نہ کم کیا جائے گا۔ ان کا عذاب اور نہ کوئی نظر کرے گا (توجہ کرے گا) ان کی طرف۔ سورہ بقر پارہ دوم میں بھی اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ واولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خٰلدون ترجمہ :۔ اور جو لوگ تم میں سے مُرتد ہو جائیں اپنے دین سے اور بحالت کفر مر جائیں۔ پس ضائع ہونگے اعمال ان کے دُنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ ہوں گے اصحاب جہنم سے اور وہ ہیں ہمیشہ رہیں گے۔ پس ایمان کے بعد بے ایمانی تو قبیح ہے۔ پس اب آپ فرمایئے کہ آپ کی واصل باقی کیا ہو جاتی ہے؟ میں کہے دیتا ہوں۔ کہ جس سے بیزاری یا تبرا کرنا ہو۔ اس سے دنیا ہی میں کر لو۔ ورنہ جب آنکھ بند ہوئی تو کچھ کام نہ آئے گا۔ اور حسرت ہی رہ جائے گی۔ ایسا نہ ہو کہ خدا نخواستہ بروز محشر تم مثل ان لوگوں کے ہو۔ جن کا ذکر خداوند عالم نے قرآن مجید سورہ بقر پارہ سیقول میں فرمایا ہے اذ تبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورادوا العذاب وتقطعت بھم الاسباب ۔ وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرۃ فنتبرا منھم کما تبرءوا منا کذٰلک یریھم اللہ اعمالھم حسرات علیھم وما ھم بخٰرجین من النار ۔ خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ جب بروز محشر وہ لوگ جو پیشوا سمجھے جاتے تھے۔ اپنے چیلے چانٹوں کو چھوڑ دیں گے اور دونوں پر عذاب

شروع ہو جائے گا۔ اور سب امیدیں ساقط ہو جائیں گی۔ تو وہ چلیے چانٹے کہیں گے کہ اگر ہم کو زندگی دوبارہ ملے تو ہم ان لوگوں سے ایسا تبرا کریں۔ جیسا اس وقت ہم سے یہ لوگ منہ پھیرتے اور تبرا کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات بیکار ہے۔ کیونکہ حق تعالٰے اس طرح پر ان لوگوں کو دکھا دے گا۔ کہ انکے اعمال کس قدر انہیں کے لئے باعث افسوس وحسرت ہوئے اور ہرگز وہ لوگ آتش جہنم سے نجات نہ پائیں گے۔ پس کیا تم بھی روز محشر تک حالت منتظرہ میں پڑے رہو گے۔

محی الدین۔ بھائی اس کا جواب کل عرض کروں گا۔

شب کو جو محی الدین آرام کے لئے گیا۔ تو اس کو یہ سماں نظر آیا کہ شہزادہ نور ایمان نہایت رجوع قلب سے سورۂ برات تلاوت کر رہا ہے اور حضرت دل چپکے سُن رہے ہیں۔ اور یاد الہٰی میں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ جس وقت شہزادہ نے یہ آیت پڑھی وقاتلوا المشرکون کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ یعنی قتل کرو مشرکوں کو ہر حال میں جیسا کہ وہ لڑتے تم سے ہر حالت میں۔ تو حضرت دل اپنے جوش میں اٹھے اور پھاٹک کے پاس جو پہنچے تو دیکھا تعصب بیٹھا ہوا اپنے زعم کچھ اول فول بک رہا ہے۔ آپ کو اور کچھ نہ سوجھی۔ فوراً جیب سے دیا سلائی نکال کر پھاٹک ملتے کیواڑ میں رگڑ کر تعصب کے دامن میں جو لگا دی تو ایک منٹ میں جھڑ جھڑ دھائیں تعصب خاک سیاہ ہو گیا۔ تب تو زبان ڈری اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ آپ کیوں خفا ہیں۔ میں تو آپ کی لونڈی ہوں۔ جس کام کے لئے حکم ہوگا۔ جان و دل سے بجا لاؤں گی۔ دل نے اس شرط پر زبان کو امان بخشی۔ اب تو محی الدین کا قلب سارے تعصب سے پاک وصاف ہو گیا۔ پھر تو تارے گنتے رات کٹی۔ جب صبح ہوئی نماز پڑھ کر غسل مستحب کیا۔ اور لباس فاخرہ پہن کر عطر پا مل کر بطور روز عید علی رضا کے گھر پر گیا۔ علی رضا کو تعجب ہوا۔

علی رضا۔ کیوں بھائی خیر تو ہے۔ آج آپ بہت پھڑکے ہوئے ہیں۔

محی الدین۔ کیوں نہ ہو۔ سبحان اللہ آج میرے لئے عجیب روز سعید ہے۔ یعنی آج میں بخشوع قلب اپنے لئے وہ لقب پاک حاصل کر رہا ہوں۔ جو حق سبحانہٗ عزوشانہٗ نے حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کو بخشا تھا ان من شیعتہ لابراھیم پارہ بست وسوم سورۂ والصافات یعنی ابراہیم اس کے شیعوں سے ہے۔ پس آج میں بصراحت تمام بکشادہ پیشانی کہتا ہوں۔ کہ میں شیعہ اثنا عشری ہوں۔ اس کا میں بلاخوف اعلان کرتا ہوں چنانچہ آج والد ماجد کو بھی میں نے خط لکھ دیا۔ پس بھائی تم گواہ رہو کہ میں بصدق دل اقرار بالقلب وباللسان کرتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ اللھم

صل علیٰ محمدٍ و اٰلِ محمد۔

علی رضا۔ بارک اللہ و جزاک اللہ خیراً جمیلاً۔ پس آج روز جمعہ ہے۔ بہتر ہے۔ کہ کسی عالم باعمل کے سامنے اپنے اعتقادات بیان کر دو۔ اور اس کے پیچھے نماز جمعہ پڑھو۔

محی الدین۔ بہت ہی خوب میں بھی تیار ہُوں۔ چلئے دیر نہ کیجئے گیارہ بج گئے۔

دونوں صاحبزادے گاڑی میں سوار ہو کر عظیم آباد جامع مسجد پہنچے۔ اور جناب فیض مآب ہادی دارین قبلہ کونین جناب مولانا حجتہ اللہ شاہ صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور علی رضا نے ساری حقیقت بیان کی۔ اور محی الدین نے اُس کی تصدیق کی اور ایک بار پھر کلمہ طیب و شہادت پڑھا۔ جناب مولانا نے دُعائیں دیں۔

محی الدین۔ قبلہ و کعبہ حضور مجھے راہ ہدایت تلقین فرمائیں۔

جناب مولانا حجتہ اللہ شاہ صاحب۔ بھائی تُم تو ماشاء اللہ خود ذہین ہو۔ کوئی محتاج تعلیم و تلقین کی نہیں۔ لیکن بایں ہمہ یاد رکھو۔ کہ اصولِ دین پانچ ہیں۔ پہلے وحدانیت یعنی خُدا ایک ہے۔ دوسرے عدالت یعنی خُدا عادل ہے۔ یعنی بروز حساب جمیع مخلوق کا حساب لیگا۔ جو نیک ہونگے۔ ان کو داخل بہشت کریگا۔ اور جو بد ہوگا۔ ان کو داخل دوزخ کریگا۔ تیسرے نبوت یعنی حقتعالے جلشانہٗ نے واسطے ہدایت انسان کے ایک لاکھ ۲۴ ہزار نبی اور رسول بھیجے۔ سب سے آخر ہمارے پیغمبر آخر الزمان افضل المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلعم نبی برحق اور رسولِ مطلق ہیں۔ آپ فرستادۂ خُدا ہیں۔ اور جو ہدایت آپ نے کی اور جو حکم صادر فرمایا اس کی تعمیل ہم پر واجب ہے۔ چوتھے امامت یعنی بعد حضرت رسولِ خدا صلعم کے ان کے نائب اور جانشین اور خلیفہ بلافصل حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب بعد انکے حضرت امام حسنؑ اور بعد ان کے حضرت امام حسینؑ بعد ان کے حضرت امام زین العابدینؑ اور بعد انکے حضرت امام محمد باقرؑ اور بعد انکے حضرت امام جعفر صادقؑ بعد انکے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ بعد انکے حضرت امام علی رضاؑ بعد انکے حضرت امام محمد تقیؑ بعد انکے حضرت امام علی نقیؑ بعد انکے حضرت امام حسن عسکریؑ بعد اُنکے حضرت امام محمد مہدی عجل اللہ فرجہٗ جو بحکمِ خُدا زندہ ہیں۔ اور ہم لوگوں کی نظروں سے بمصلحت خدا غائب ہیں، آئمہ برحق ہیں یہ بارھویں امام معصوم ہیں اور حکم انکا بھی مثل حکم جناب رسولِ خُدا صلعم واجب الاطاعت ہے۔ پانچویں معاد یعنی قیامت برحق ہے۔ بروز حشر خداوند عالم سب مخلوقات کو زندہ کر کے حساب لے گا۔ اور موافق اعمال کے جزا اور سزا دے گا۔ اور اس کے ضمن میں یہ بھی یاد رکھو کہ قرآن مجید کلام خُدا ہے برحق ہے۔ اور ملائکہ برحق ہیں اور انبیاء مرسلین برحق ہیں۔ اور موت برحق ہے اور سوال کرنا منکر و نکیر کا قبر میں

برحق ہے اور ہم لوگوں کا بروز قیامت بعد موت کے زندہ ہونا برحق ہے۔ اور فروع دین چھ ہیں۔ روزہ۔ نماز۔ خمس۔ زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد۔ اس کے اکثر اصول سے تم واقف ہو۔ تفصیل کی احتیاج نہیں۔

محی الدین (کھڑے ہو کر) قبلہ و کعبہ حضور اور سب مومنین گواہ رہیں۔ کہ میں جملہ اصول اور فروع پر بصدق دل ایمان لاتا ہوں۔ اور سب کو سچ جانتا ہوں۔ آپ لوگ دعا فرمائیں۔ کہ حقتعالےٰ مجھے اس ایمان میں کامل رکھے اور بروز محشر جناب رسول مقبول صلعم اور انکے اہلبیت طاہرین کا اور میرا سامنا ہو۔

جمیع حضار۔ آمین ثم آمین۔

اس کے بعد نماز جمعہ و عصر ہوئی اور خطبہ ہوا۔ اور بعدہ سب مومنین نہایت گرمجوشی سے محی الدین سے ملے۔ پھر یہ دونوں صاحبزادے بانکی پور واپس آئے۔ راہ میں

علی رضا۔ لو مبارک ہو بگڑی بنجاتی ہے۔ جب فضل خدا ہوتا ہے۔

محی الدین۔ آبدیدہ ہو کر۔ بھائی تمہارا احسان تو قیامت تک نہ بھولوں گا۔ کہ اس وقت مجھ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ عرش سے فرش تلک نور نظر آتا ہے۔

علی رضا۔ ماشاءاللہ تمہارا کیا کہنا۔ اب جو عقائد تمہارے قائم ہوئے ہیں۔ وہ بہت صیقل ہو کر ظہور میں آئے ہیں۔ اور یہ حق ہے۔ کہ تم نے کوئی دقیقہ اپنے مذہب سابقہ کی تائید میں اٹھا نہیں رکھا۔ اس سے زیادہ اور کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ مگر پھر حق حق ہے۔ خوش نصیبی تمہاری تھی۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے دل میں انصاف دیا ہے۔ اور ہر جگہ صداقت اور انصاف کی بڑی وقعت ہے۔

محی الدین۔ اس میں کیا شک۔ اب یہ بتلاؤ کہ اعمال وغیرہ کے لئے کونسی کتاب کا مطالعہ میرے لئے مناسب ہوگا۔

علی رضا۔ اعمال کے لئے کتاب ذخیرۃ المعاد جس میں مسائل دستخطی جناب مولانا شیخ زین العابدین علیہ الرحمہ مندرج ہیں۔ دیکھتے رہو اور مناظرہ میں جناب مولانا شیخ احمد صاحب دیوبندی کی کتاب انوار الہدیٰ کا مطالعہ مناسب ہے۔

محی الدین۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔

چند روز تک محی الدین کے مکان پر احباب واقران کا ہجوم رہا۔ سبھوں نے بہت سمجھایا اس نے کہا کہ اگر آپ لوگ میری باتوں کا جواب دیجئے۔ میں ابھی اپنے مذہب سابقہ پر آتا ہوں۔ مگر کہاں یہ چھ مہینے کی صیقلی باتیں اور کہاں ہٹ دھرمی سب کے سب منہ کی کھا کر کنارے

ہوئے اور مولوی برکت اللہ صاحب بھی سُن کر خاموش رہے جب محی الدین مکان پر گیا۔ تو برادری والوں نے مولوی صاحب کو ابھارنا چاہا۔ انہوں نے اس حد تک برہمی دکھائی۔ کہ اگر کسی طمع سے محی الدین نے مذہب جدید اختیار کیا ہے۔ تو باز آجائیے۔ مگر اصل تو یہ تھی۔ کہ چھ مہینہ کی سرگردانی کے بعد اس کو نور ایمان ہاتھ آیا تھا۔ وہ کب بند رہتا۔ دلیلیں معقول جو دیں۔ تو مولوی صاحب بھی مرد معقول تھے۔ مان گئے اور لوگوں سے کہہ دیا کہ ایمان و اعتقاد کو دل سے تعلق ہے۔ جب اسکو یہی راہ پسند آئی۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اور ہم کیوں مزاہم ہوں۔ عزیز و اقارب نے بھی دیکھا۔ کہ اب اس سے جھگڑنا فضول ہے۔ طبیعت پختہ مغزوں کی جدھر آئی ادھر آئی۔ اس خیال سے رفتہ رفتہ سب کے سب ساکت ہو گئے۔ اور ایک مہینے کے بعد ہر شخص سے جو خلا ملا محی الدین کو تھا۔ قائم ہو گیا۔ اور وہ علانیہ صوم و صلوٰۃ بطور شیعیان ادا کرنے لگا۔ ایک مہینہ کے بعد پھر بانکی پور واپس آیا۔ اور ایک روز علی رضا کے مکان پر جا کر بعد صاحب سلامت

محی الدین۔ بھائی علی رضا صاحب میں آپکا بہت شکر گذار ہوں۔ کہ آپ کی ہدایت سے میں نے راہ حق اختیار کی اور یہ بڑا احسان آپکا میرے سر پر ہے۔ ہر چند میرے اعتقادات میں اب مطلق کلام نہیں۔ مگر چند مسائل اس مذہب کے ایسے ہیں۔ جن کو ہمیشہ ہم لوگ بہ نظر تحقیر دیکھتے تھے اور ان پر اکثر تمسخر کرتے تھے۔ اگر آپ مہربانی فرما کر ان مسائل میں میری تشفی کر دیں۔ تو میں آپ کا تا زیست ممنون رہوں۔

علی رضا۔ اس میں احسان کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپکے انصاف نے آپکو راہ حق دکھائی۔ اب میں سنوں وہ کونسے مسائل ہیں۔ جن پر آپ تمسخر کرتے تھے۔

محی الدین۔ اس کا لطف اسی وقت ہے۔ جب میں اسی طرح بیان کروں۔ کیونکہ جب تک کوئی شخص دل کھول کر صاف باتیں نہیں کرتا۔ تب تک باتوں میں صفائی نہیں ہوتی۔ اور شکوک رفع ہوتے ہیں۔

علی رضا۔ ضرور اسی زبان میں فرمائیے۔

مسئلہ متعہ

محی الدین۔ تو آپ چند منٹ کے لئے بفرض محال آپ فرض کیجئے کہ میں اپنے مذہب سابق پر ہوں۔ اور اس حیثیت سے پوچھتا ہوں کہ آپ اسقدر تہذیب انسانی کے درپے رہے تھے۔ پھر آپ کے مذہب میں جو مسئلہ متعہ ہے۔ اسکی کیونکر تائید کر سکتے ہیں؟ معاذ اللہ یہ بھی کوئی مذہب ہے؟ جس میں رنڈی بازی جائز ہو۔ توبہ توبہ۔

علی رضا۔ متعہ رنڈی بازی کیونکر ہے؟

محی الدین۔ رنڈی بازی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ایک رنڈی کو بلایا اس کی خرچی مقرر کر کے حوالہ کی دو چار کلمے بد بدائے۔ بعدہٗ اس کو لیکر پڑ رہے۔ بھلا اب رنڈی بازی میں کیا بات ہوتی ہے؟

علی رضا۔ اگر کوئی شخص بڑی بھاری برات جمع کرے۔ جس میں اونچی اونچی رنڈیاں اور بڑے بڑے رقاص ناچیں۔ آرائش خوب ہو۔ چوک سے گدڑی تک روشنی کا ایک تختہ معلوم ہو۔ اور بعدہ ایک مکان میں برات اترے۔ تب ایک بڑے عمامے والے قاضی صاحب آئیں اور صیغہ متعہ پڑھائیں۔ تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اس میں تو رنڈی بازی معلوم نہ ہوگی۔

محی الدین۔ اس میں تو صورت جواز کی معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ شرعاً جائز ہو۔

علی رضا۔ بس معلوم ہوا۔ کہ آپ کے نزدیک جواز یا عدم جواز کا دارومدار اسی ڈھول ڈھوں پوں پوں پر ہے۔ ۔ ۔ تو میں اب آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص سُنّی مذہب ایک رنڈی بلائے۔ اور اسی طرح اسکی خرچی (جس کو ہم مہر کہتے ہیں) مقرر کرے اور اسی طرح دو گواہ کے سامنے کچھ بد بدائے (جس کو ہم صیغہ نکاح یا ایجاب و قبول کہتے ہیں) اور بعدہٗ اس کے ساتھ خلوت صحیحہ کرے اور سوائے اس کے اور مطلقاً کچھ تکلف نہ ہو۔ تو آپ کے اعتبار سے اگر متعہ چند روزہ رنڈی بازی ہے۔ تو نکاح دائمی رنڈی بازی ہو جاتا ہے۔

محی الدین۔ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس حالت میں تو وہ ہمیشہ کے لئے اس کی زوجہ ہو گئی۔ دوسرے پر حرام ہوئی۔ طرفین میں حقوق زن و شوہر کے جاری ہوئے۔ اور ایک واسطہ شرعی پیدا ہو گیا۔

علی رضا۔ مگر طریقہ شرعی اور فارم دونوں کا تو ایک تھا۔ پھر اب طریقہ اور فارم پر تو نہ ہنسو گے؟ بھائی شرعاً اور موافق رواج عام جملہ شائستہ قوموں کا دارومدار ازدواج تو اسی

بُدبُدانے (یعنی ایجاب وقبول) . . . .) اور اسی خرچی (یعنی مہر) پر ہے سوائے اسکے تو اور سب زوائد میں داخل ہیں۔ اگر یہ نہ ہُوا اور عورت و مرد ہم بستر ہوئے۔ تو مارو کاٹو نکالو ذات سے خارج کرو کی صدائیں بلند ہوئیں اور اگر وہی فعل بُد بُدانے اور تعین کرنے خرچی (یعنی ایجاب وقبول وتعین مہر) کے بعد ہُوا۔ تو لیجئے رنگ ہی اور ہے۔ یہ داماد کہلائے وہ بہو کہلائی۔ انکی اولاد نواسے اور انکے نبیرے کہلائے اور باہم ایسا اتحاد ہوا جس کا جواب نہیں۔

محی الدّین۔ واقعی تعصب بھی کیا بد بلا ہے۔ جب ہم اپنے مذہب پر مجتے تو مجرد طریقے پر کیا کچھ بنتے نہ تھے مگر اب صاف معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور متعہ میں صرف یہ فرق ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے۔ اور یہ موقت ہوتا ہے۔ لیکن ہاں ایک بڑا بھاری فرق یہ ہے کہ اس میں حقوق پیدا ہوتے ہیں۔ واسطہ پیدا ہوتا ہے، اور اس میں یہ سب کچھ نہیں۔

علی رضا۔ متعہ میں بھی واسطہ پیدا ہوتا ہے۔ اور حقوق پیدا ہوتے ہیں۔ اگر زمان متعہ میں حمل واقع ہو ۔ اور اس سے اولاد پیدا ہو۔ تو وہ اولاد بعینہٖ ویسی ہی وارث ہوگی جیسی زن منکوحہ کی۔ اور اسی واسطے متعہ کے بہت سی شرائط مقرر ہیں۔ تاکہ تعین اولاد میں کوئی شبہ نہ رہے۔ اور اسی وجہ سے زنان بازاری سے متعہ مکروہ ہے اور اگر کوئی عورت کسی مرد سے ہمبستر ہوئی۔ تو زمان عدہ یعنی طہر میں متعہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس حالت میں اگر حمل رہ جائے اور اولاد پیدا ہو۔ تو شبہ رہ جائے گا۔ کہ یہ کس باپ کی اولاد ہے۔ حالانکہ مقصد شارع کا یہ ہے۔ کہ جو اولاد زن ممتوعہ سے ہو وہ ترکہ پائے پس میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ جس طریقہ ازدواج سے اِس قدر حقوق وفرائض شرعی پیدا ہوں۔ اس کو رنڈی بازی کہنا کیسا ہے۔

محی الدّین۔ مجھے یہ مطلق معلوم نہ تھا۔ کہ اولاد متعہ میں بھی توریث ہے۔ پس جب ایسا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ فارم رسوم شرعی دونوں کے ایک ہیں۔ یعنی مہر و ایجاب وقبول تو اب میرے نزدیک سوائے فرق زمانے کے اور کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ پس یہ فعل قابل تمسخر تو البتہ نہ تھا۔ مگر بایں ہمہ موقتیت ہونا اس کا سخت اعتراض کے قابل ہے۔

علی رضا۔ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور بعد کسی زمانہ کے طلاق دیدے۔ تو نکاح اور مُتعہ میں کیا فرق ہے؟

محی الدّین۔ ظاہراً فرق یہ ہے۔ کہ مُتعہ میں ابتدا ہی سے موقتیت کی نیت رہتی ہے اور نکاح میں ابتداءً دوام کی نیت رہتی ہے۔

علی رضا۔ تو اب غور کرو۔ کہ نکاح اور متعہ میں صرف نیت کا فرق ہے اور نکاح کر کے طلاق دینے میں اور مُتعہ میں کچھ فرق نہیں ہے پس میری سمجھ میں مطلق نہیں آتا کہ جو شرع یا قانون

کسی معاہدہ کی شکست کر دینے کا عاقدین کو آسان اختیار دیوے، تو وہ شرع یا قانون کسی معاہدہ کے ابتدا ہی میں موقت ہونے کے خلاف کیوں ہوگا۔ بلکہ حالت اوّل میں دھوکا کھانے کا احتمال ہے۔ اور دوسری میں مطلق نہیں کیونکہ فریقین اپنے اپنے زمانہ کو اور اپنے اپنے معاہدہ کو بخوبی جانتے ہیں۔ فرض کرو کہ کسی شہر کا دستور ہے کہ مسافر گاڑی دن بھر کے لئے بھی کرایہ پر لے سکتا ہے اور ہمیشہ کے لئے بھی۔ لیکن حالت آخر میں عاقدین کو اختیار ہے۔ کہ جب چاہیں معاہدہ شکست کر دیں۔

اب ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ مسافر اور گاڑی والے کے لئے دونوں کے واسطے یہ اچھا ہے۔ کہ ابتدا ہی میں زمانہ مقرر کر لیں۔ یا یہ کہ ابتدا میں تو ہمیشہ کے لئے کرایہ کر لیں اور اسی خیال سے سفر اختیار کریں۔ جب نصف راہ طے کر لیں۔ تو اس وقت یکایک اس معاہدہ کو سب اختیار اپنے شکست کر ڈالیں؟ غور تو کرو۔ کہ جس فریق کے خلاف یہ معاہدہ شکست ہوگا۔ اس غریب کی مسافرت کے عالم میں کیا حالت ہوگی؟ افسوس ہے کہ ہم نے گاڑی کی مثال ناحق دی۔ اگر کشتی کی مثال اختیار کرتے تو اور مزہ ہوتا ہے کہ عین منجدھار میں معاہدہ شکست ہوتا۔ اور اس وقت کشتی پر سوار رہنے والے حضرات کا مزاج شریف پوچھا جاتا!!

محی الدین۔ تو ان مثالوں سے تم کیا ثابت کرتے ہو؟

علی رضا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ مذہب سنت جماعت میں طلاق اس قدر آسان ہے۔ کہ اگر کوئی زوجہ منکوحہ کو درشتی سے کہے کہ چلی جا یا تجھ کو میں نہیں چاہتا تو طلاق ہو جاتی ہے۔ اس لئے طلاق کی آسانی نکاح دائمی کو متعہ کی سطح پر لے آتی ہے۔ دیکھو ہدایہ جلد اوّل صـ۲۴۵ اور کتاب مذکور کے صـ۲۱۱ میں ہے۔ اگر کوئی شخص حالت نشہ میں طلاق دے تو جائز ہے۔ اسی کتاب کے صـ۲۴۹ میں ہے اگر کوئی اپنی زوجہ سے کہے۔ کہ تیرا کام تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور اس سے تین طلاق مقصد رکھتا ہو اور عورت کہے کہ میرے لئے ایک ہی ہے تو اس سے تین طلاق ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک شخص غیر کہے۔ زید کی زوجہ کو طلاق دی گئی اس پر زید کہے کہ ہم نے اجازت دی" یا "ہم رضامند ہیں" تو اس سے بھی ہو جاتی ہے فتاوی عالمگیری صـ۵۴۹۔

شاما چرن تاگور لا لیکچر ۱۸۷۳ء صفحہ ۴۱۲ و ۴۱۳ میں بسند ہدایہ وغیرہ کتب معتبرۂ اہلسنت مرقوم ہے (۱) "حساب کر" (۲) اپنا رحم پاک کر (۳) تو تنہا ہے (۴) تو جدا ہوئی (۵) تو قطع ہوئی (۶) تو منع کی گئی (۷) تیری لگام تیرے گلے میں پھینکی گئی (۸) اپنے لوگوں میں جا مل (۹) تو بیکار ہوئی (۱۰) میں تجھ کو تیرے خاندان میں دیتا ہوں (۱۱) میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں (۱۲) تیرا کام تیرے ہاتھ میں ہے (۱۳) تو آزاد ہے (۱۴) اپنے کو چھپا (۱۵) پاک ہو (۱۶) چلی جا (۱۷) وہاں جا (۱۸) جا (۱۹) اٹھ (۲۰)

اپنا آشنا ڈھونڈ ہر ایک ان سب الفاظ کے استعمال سے طلاق ہو جاتی ہے۔ دیکھو ہدایہ جلد اول ص۲۳۶ برخلاف مذہب شیعہ کے کہ اس میں شرائط طلاق اس قدر مشکل ہیں کہ طلاق اس مذہب میں قریب قریب محال کے ہو گئی ہے۔ یعنی اگر مرد بحالت صحت ذات و ثبات عقل بخوشی و رضا بلا خشم و غصہ عادلین کے سامنے صیغہ طلاق زبان عربی میں جاری کرے۔ تو طلاق ہو گی۔ ورنہ اگر ان سات شرطوں کے ایک میں بھی نقص پایا گیا۔ تو طلاق باطل اور کالعدم ہے۔ پس میرے نزدیک تو سنت جماعت کے مقابلہ میں مذہب شیعہ عورتوں کا زیادہ محافظ ہے۔ کیونکہ عورتوں کے لئے مذہب شیعہ کا استحکام نکاح قطعی باجواز متعہ سنی مذہب کے خوفناک اور متزلزل نکاح دائمی سے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور مردوں کو شیعہ کے متعہ اور سنی کے نکاح دائمی باختیار طلاق میں آزادی برابر ہے۔

محی الدین۔ باایں ہمہ جب قرآن نے چار نکاح تک کی اجازت دی۔ تو کیا ضرور ہی کہ تم ایسا فعل کرو۔ جس کی صورت ظاہراً مکروہ معلوم ہو۔ اور غیر مذہب والے اس کو رنڈی بازی سمجھیں۔

علی رضا۔ آج کل اس ملک میں جہاں اس قدر فسق و فجور جاری ہے۔ اور اس کی دنیاوی کوئی سزا نہیں۔ جس قدر تم کہتے ہو صحیح ہے بلکہ اگر یورپ کے بعض ملکوں میں جاؤ تو وہاں نکاح کرنا بھی بیوقوفی ہے۔ باایں ہمہ شرائط متعہ اس قدر ہیں۔ کہ اگر اسوقت ہم یا تم متعہ کرنا چاہیں۔ تو گول گھر سے چوک تک ہزاروں رنڈیاں ہوں گی۔ مگر کوئی قابل متعہ نہیں ٹھہرے گی۔ کیونکہ اولاً تو میری شریعت نے امر خلاف ورزی کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور رنڈیوں کے کوٹھوں پر جانا عیب خلاف ورزی ضرور ہے اس لئے ہم تم ان کے کوٹھے پر جا ہی نہیں سکتے۔ ثانیاً زناکاری ان کا پیشہ ہے اور زانیہ سے متعہ مکروہ ہے۔ ثالثاً جب تک کہ ایام عدہ کے گذر نہ جائیں۔ متعہ جائز نہیں۔ پس ان زنان بازاری کا تمہارے وعدہ پر مہینے بھر تک بیکار رہنا ممکن ہی نہیں۔ تب باوجود اسقدر سخت شرائط متعہ کو رنڈی بازی کہنا تہمت متعصبانہ ہے یا نہیں اور غیر مذاہب والے یا غیر قوم سے یہاں بحث نہیں وہ تو محض شرعی طور پر جیسا کہ ہم نے سابقہ بیان کیا نکاح کرنے اور طلاق دینے کو بھی بُرا سمجھیں گے اور برات اور آرائش و آتشبازی اور ناچ اور جامے اور سہرے کے ساتھ متعہ ہو تو اسکو جائز سمجھیں گے؟

محی الدین۔ اس کہنے سے تمہارے مجھے متعہ بُرا نہیں معلوم ہوتا اور جس قدر اس کا تمسخر کرتے تھے۔ وہ مہمل نظر آتا ہے۔ لیکن ابھی تک اچھا بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس کی ترغیب انسانی تہذیب کو خراب کرنے والی ہے

علی رضا۔ میں نے کہا تھا۔ کہ اس ملک میں جہاں قانون شرع برتا نہیں جاتا۔ جو کچھ کہو وہ صحیح

ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ کہ ہمارے شارع علیہ السلام نے اس قاعدہ اور مسئلہ کی تجدید میں ہزاروں مخلوق خدا کی جان بچائی۔ اور سینکڑوں عصیان سے ان کو محفوظ رکھا۔

محی الدین۔ یہ کیوں کر؟

علی رضا۔ تم جانتے ہو۔ کہ زنا کے لئے تمہاری شرع میں کیا سزا مقرر ہے۔

محی الدین۔ اس وقت تو خیال نہیں۔

علی رضا۔ عام زنا کے لئے تو عورت و مرد دونوں کو سو سو کوڑے اور زنائے محصنہ یعنی شوہر دار عورت کے ساتھ زنا کرنے میں سنگسار پس غور تو کرو۔ کہ آج یہ قانون پٹنہ اور بانکی پور میں جاری ہو۔ تو کل کتنے آدمی عدم آباد تشریف لے جائیں۔ اور اگر ایک مہینہ تک یہ قانون جاری رہے۔ اور اس کا عملدرآمد پورے طور سے ہو۔ تو مہینہ بھر کے بعد مردم شماری میں پٹنہ کی کیا حالت پہنچے۔ اور ست گھروا اور گور ہٹہ کیسا پامال ہو جائے۔ لیکن اسمیں بھی شک نہیں کہ شہوت انسانی عجیب بد بلا ہے روکے سے نہیں رُکتی۔ سرکار انگریزی نے زنا بالجبر کے لئے جو ایک خاص قسم کا زنا ہے۔ حبس دوام یا دس برس قید کی سزا مقرر ہے۔ تاہم شاذ ہی کوئی دور زنا بالجبر کے مقدمہ سے خالی جاتا ہوگا۔ اس پر کہ اکثر بے ہودہ گنوار ایسے جرائم محض کمسن چھوکریوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ زیادہ سن والیوں کی نسبت تو ان کی اجازت مخوائے قیاس کر کے مقدمہ چلایا ہی نہیں جاتا۔

محی الدین۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اگر یہ قانون اس شہر میں ایک مہینہ برتا جائے۔ تو یا تو میرا شہر نمونہ بہشت بریں ہو جائے یا نصف غائب اور چونکہ عورتوں کے لئے بھی کوڑے ہیں۔ اس لئے ست گھروا اور گور ہٹہ تو دو ہی دن میں پاک صاف ہو جائے۔ لیکن اس بارہ میں حکم شرع کو بھی دیکھنا ضرور ہے۔ کیا علمائے اہلسنت قبول کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلعم کے وقت میں مُتعہ جاری ہوا تھا۔

علی رضا۔ ہاں دیکھو صحیح مسلم وغیرہ کتب معتبرہ اہلسنت والجماعت جس میں یہ قول حضرت عمر کا مندرج ہے متعتان کانتا علی عهد رسول الله وانا أحرمهما یعنی دو مُتعہ حضرت رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں تھے۔ ایک متعہ الحج اور ایک متعہ النساء مگر میں دونوں کو حرام کرتا ہوں۔ دیکھو سیرۃ الفاروق صـ۱۷۲

محی الدین۔ جب حضرت رسول خدا کے وقت میں مُتعہ جاری تھا۔ تو حضرت عمر نے کس اختیار سے اسکو حرام کر دیا؟ کیا کوئی آیت صریح اسکے خلاف میں ہے؟

علی رضا۔ کوئی آیت اس کے خلاف میں نہیں۔ مگر علمائے اہلسنت کہتے ہیں۔ کہ مُتعہ حضرت

رسول اللہ نے ایک مرتبہ جہاد میں جائز کیا تھا۔ اور پھر حضرت نے اس کی ممانعت کی۔

محی الدین۔ اس کا کیا ثبوت ہے۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے اپنے وقت میں ممانعت فرمائی تھی؟

علی رضا۔ مجھے مطلق معلوم نہیں۔ یہ تو علمائے اہلسنت جانیں۔

محی الدین۔ مگر بھائی ایسا ازدواج موقت تو کسی شائستہ قوم میں جاری نہیں ان کو کیا جواب دوگے؟

علی رضا۔ نہیں معلوم اس مقام پر شائستہ قوموں سے تم کونسی قوم مراد لیتے ہو۔ اگر کسی قوم کی تخصیص کرتے۔ تو میں دیکھتا ہوں کہ اس قوم میں زنا سے کس قدر احتراز کیا جاتا ہے۔ اور عورتوں کی آزادی کیسی ہے۔ اگر اس قوم میں زنا جاری ہے۔ تو ہم اس سے کہیں گے کہ جو کام ہم کرتے ہیں وہی کام تم کرتے ہو۔ فرق اتنا ہے کہ ہم ایسے اصول کے ساتھ کرتے ہیں۔ جس کو ہماری شرع نے روا رکھا ہے۔ اور اسی اعتبار سے ہمارا اعتقاد اس کو جائز سمجھتا ہے۔ اور تم ایسا کرتے ہو جس کو تمہاری شرع اور تمہارا دل دونوں بُرا جانتے ہیں۔ ہاں میرے اس طریقہ پر اس ملک کا آدمی البتہ طعن کر سکتا ہے۔ جہاں زنا مطلقاً نہ ہوتا ہو۔ اور ایک بی بی چھوڑ کر دوسری عورت کو ہر فرد بشر ماں اور بہن سمجھتا ہو۔ مگر ایسا ملک جہاں تک میں جانتا ہوں اس کرہ ارض میں تو نہیں ہے۔ شائد کرہ مریخ وغیرہ میں ہو۔ بایں ہمہ اس خیالی ملک والے سے میں کہوں گا۔ کہ طریقہ اور اصول ازدواج میں ہر قوم نے دوسری قوم کے طریقہ کو ان کے لئے جائز تسلیم کر لیا ہے۔ جیسا مسلمانوں نے ہندوؤں کے طریقہ ازدواج کو ان کے لئے عیسائیوں نے مسلمانوں کے طریقہ ازدواج کو ان کے لئے یہودیوں نے عیسائیوں کے طریقہ ازدواج کو ان کے لئے۔ پس ہم اسی طرح اس فرشتہ خصال خیالی شخص سے کہیں گے۔ کہ شیعوں کا یہ طریقہ ازدواج ان کے مذہب میں جائز ہے۔ آپ کو اس میں کلام کی جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ اسی اصول پر اس طریقہ ازدواج کو سرکار انگریزی نے صحیح مانا ہے اور کلکتہ کے ہائیکورٹ میں چند مقدمے فیصل ہوئے ہیں۔ اور سب میں مذہب شیعہ کے مسائل شرعی پر استدلال کیا گیا ہے

محی الدین۔ مگر تم پر ایک بڑا بھاری اعتراض ہوتا ہے۔ یعنی تمہارے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہارے شارع علیہ السلام نے طریقہ متعہ کو مصلحتاً جاری کیا اور نعوذ باللہ خداوند عالم کے احکام میں غلطی نکال کر اس میں اصلاح دی یعنی باوجودیکہ حقتعالےٰ جلشانہ زور شہوت انسانی سے واقف بلکہ اس کا خالق تھا۔ تو بھی زنا کی ایسی سخت سزا مقرر کی جس سے قوم کی قوم نیست و نابود ہو جائے۔ اور اس غلطی کو (نعوذ باللہ) تمہارے شارع نے دفع کیا۔

علی رضا۔ ہمارے شارع نے کلام ربانی یا احکام خداوند عالم میں مطلق دخل نہیں دیا ہے۔ کیونکہ خود پروردگار عالم نے مُتعہ کے لئے قرآن میں اجازت دی ہے۔ شروع پارہ پنجم سورہ نساء میں یہ آیت موجود ہے فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فريضة ولا جناح عليكم فيما تراضيتم به من بعد الفريضة۔ ترجمہ۔ پس وہ عورتیں کہ مُتعہ کیا ہے تم نے ساتھ انکے پس دو مہر تم انکا درحالیکہ وہ مہر ادا کرنا تم پر فرض ہے پس میری شریعت اور میرے اصُول کی رو سے تو احکام خداوند عالم بہت صحیح اور نہایت معقول معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی حقتعالےٰ نے زور شہوت انسانی کو دیکھ کر چار نکاح اور علاوہ اس کے متعہ کی اجازت دی۔ کہ یہ محض نعمت الٰہی ہے۔ پس اس نعمت کو چھوڑ کر اگر کوئی دیدہ دانستہ بدکاری کرے اور عدہ وغیرہ شرائط متعہ کا تحمل نہ کرے یا پرائے شخص کی زوجہ کے ساتھ بدفعلی کرے۔ تو بیشک وہ واجب التعزیر ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایک نعمت کو چھوڑ کر خواہ بدکاری کرے۔ تو ایسے آدمی کے دنیا میں نہ رہنے سے دُنیا کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ خلاف اس کے اگر متعہ ناجائز کر دیا جائے۔ تو حقیقتاً علمائے اہلسنت کو تمہارے سوال کا جواب بہت مشکل ہوگا۔ بشرطیکہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی فرض کرلیں کہ ہر زانی و زانیہ کے ساتھ ہر اقلیم و ملک میں تعزیر شرعی کا پورا عملدرآمد ہورہا ہے۔ دوسرے مذہب والے تو یہ کہہ کر نکل جائیں گے۔ کہ ہمارے مذہب میں ایسی سخت سزا مقرر نہیں ہے۔

محی الدین۔ تو اس میں کیا مضائقہ تھا۔ کہ حقتعالےٰ متعہ کا حکم نہ دیتا اور سزا کم مقرر کرتا۔

علی رضا۔ اس حالت میں زنا زیادہ ہوتا اور یہ قبیح ہے۔

محی الدین۔ یہ نہیں تو نکاح کی تعداد بڑھا دیتا۔

علی رضا۔ معاذ اللہ ایک بی بی کا بار تو پورا اُٹھ نہیں سکتا۔ اس پر بھی چار کی اجازت ہوئی اگر اس سے زیادہ کی اجازت ہوتی تو چالیس پچاس منکوحہ بیبیوں کا بار کون اٹھاتا اور کہاں تک گلے کا ہار بناتا اور العاقل تکفیه الاشارة۔ اور کیونکر عدل کرتا۔

محی الدین۔ اس کی تو نوبت ہی نہ آتی۔ کیونکہ طلاق مذہب سُنت جماعت میں بہت آسان ہے۔ نکاح کرتے۔ اور جب تعداد بڑھتی طلاق دیتے۔

علی رضا۔ اس کارروائی سے تو مُتعہ کو ہم گاڑی والی مثال میں بہتر ثابت کر چکے ہیں۔

محی الدین۔ علمائے اہلسُنت والجماعت آیہ فما استمتعتم به الخ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اور اس کی کیا تاویل کرتے ہیں۔

علی رضا۔ علمائے مستند اہلسنت والجماعت مثل قاضی بیضاوی و علامہ زمخشری و فخر الدین رازی نے لکھا ہے۔ کہ یہ آیت متعہ کے باب میں نازل ہوئی۔ تفسیر کبیر ص۲۸۶ چھاپہ کلکتہ میں عبارت یہ ہے والقول الثانی ان المراد بھذا الایۃ حکم المتعۃ وھو عبارۃ ان یستاجر الرجل المراۃ بمال معلوم الی اجل معین فیجا معھم واتفقوا علی انھا کانت مباحۃ فی ابتدآء الاسلام۔ یعنی مراد اس آیت سے حکم متعہ ہے۔ اور متعہ عبارت ہے اس سے کہ ایک مرد ایک عورت کو زمانہ متعین کے لئے مہر معلوم پر اجارہ لے اور بعدہٗ اس سے ہمبستر ہو۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ کہ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا۔ بلکہ امام مالک کا مذہب یہ ہے۔ کہ متعہ تاقیام قیامت حلال ہے دیکھو ہدایہ لیکن دیگر علماء اس کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ یہاں پر استمتاع سے جماع مراد ہے۔ یعنی جماع کرو۔ انکا مہر ادا کرو۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ اگر قول آخر صحیح ہو تو رسول اللہ صلعم کا، بقول ان کے، ایک مرتبہ اجازت متعہ دینا جس کو سب علمائے سُنت جماعت قبول کرتے ہیں۔ بلا اجازت ربانی ہو جاتا ہے اور یہ محال ہے۔ اور اگر استمتاع سے جماع مراد ہو۔ تو یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بلا جماع کے ادائے مہر فرض نہیں ہوتا مگر طرفین میں مسلم الثبوت ہے کہ نصف مہر بمجرد نکاح فرض ہو جاتا ہے۔ عام اس سے کہ جماع واقع ہو یا نہ ہو۔ پس یہ تاویل بالکل غلط ہو جاتی ہے۔

محی الدین۔ یہ تاویل تو بالکل مہمل ہے۔ پس اب مجھے مطلق شک نہیں اور میں صدق دل سے اقرار کرتا ہوں۔ کہ متعہ ایک بڑی نعمت الٰہی ہے۔ اور یہ ہم لوگوں کی بڑی غفلت ہے کہ اس نعمت کو چھوڑ کر بدکاریوں میں پھنستے ہیں۔ جس سے دُنیا اور عقبیٰ دونوں کی بُرائی ہے اور عقلاً اور شرعاً متعہ کسی طرح نکاح سے کم نہیں۔ حقیقتہً کسی سُنی نے آج تک اس مسئلہ پر غور ہی نہیں کی ہے اور نہ اس کی حقیقت اور مصالح کو سمجھا ہے۔

اعمالِ مُحرّم

امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر رونا کیسا ہے؟

محی الدّین۔ حضرات سُنّت والجماعت کا اعمالِ محرم پر پہلے یہ اعتراض ہے کہ آپ لوگ غمِ حسین علیہ السلام میں جو اس قدر روتے پیٹتے ہیں۔ یہ سب داخل عیب ہے اور اصول اسلام کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسلام کے اعلیٰ اصولوں میں سے صبر ہے۔ جیسا کہ حقتعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ مع الصابرین۔ پس آپ اس واقع پر صبر کیوں نہ کیجئے جو بے فائدہ ہر سال ہائے وائے کیا کرتے ہیں۔

علی رضا۔ مجرد رونے اور گریہ وزاری کو تو آج تک کسی قوم نے عیب میں داخل نہیں کیا ہے۔ بلکہ مقام غم والم میں گریہ وزاری ہر قوم میں جاری ہے اور موقع ومحل مناسب حتیٰ کہ فراق وطن یا فراق عزیزاں میں رونا تو انبیائے اولوالعزم کی سیرت میں داخل ہے جیسا حضرت آدم علیہ السلام مفارقت بہشت سے بہت روئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام تو حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں اسقدر روئے کہ روتے روتے آپ کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وابیضت عیناہ اور خود ہمارے حضرت سرور کائنات اکثر روئے ہیں۔ پس نہ معلوم کہ رونے کو آپ کس دلیل سے داخل عیب ٹھہرا کہ انبیائے سلف پر داغ لگاتے ہیں؟ کیونکہ اگر رونا داخل عیب ہے۔ تو حضرت یعقوب کی نبوت پر نعوذ باللہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اور یہ جو آپ کہتے ہیں۔ کہ رونا اصُول اسلام کے خلاف یا منافی صبر ہے۔ اس سے مجھ کو ہرگز اتفاق نہیں۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صبر اسلام کے اعلیٰ اصولوں میں سے ہے۔ اور انبیاء اور اوصیاء اور آئمہ ہر ہر مصائب میں صبر کرتے آئے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ رونا صبر کے خلاف ہے۔ کیونکہ قانون فطرت پر اگر لحاظ کیجئے۔ تو مصائب میں پریشان حال ہونا فطری معلوم ہوتا ہے اگر اس وقت آپ کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے۔ تو بیساختہ آہ آہ کیجئے گا اور اگر آپ کے دامن میں آگ لگ جائے۔ تو بیساختہ ادھر ادھر مضطربانہ دوڑئیے گا۔ اور آگ بجھائیے گا۔ یہ باتیں فطری ہیں اور رونا اس سے بھی زیادہ فطری ہے۔ یعنی رونا

خلقت انسانی کے لئے گویا لازم و ملزوم ہے۔ مشہور ہے کہ جب حضرت آدم نے دُنیا میں قدم رکھا تو روتے آئے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو روتا پیدا ہوتا ہے۔ پس اس سے بڑھ کر فطری بات اور کونسی ہوتی ہے۔ کہ از آدم تا ایندم انسان جو پہلا کام کرتا ہے۔ وہ رونا ہے۔ پس رونے پر تو خلقت انسانی کا دار و مدار ہے اور رونا داخل خلقت انسانی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ بشر کیسا ہی سنگدل کیوں نہ ہو جب اسکے دل پر صدمہ پہنچتا ہے۔ تو ضرور آنسو نکل آتے ہیں۔ اس اصول فطری کو میں نے اپنے ایک قصیدہ میں یوں موزوں کیا ہے۔

نہ روئے طفل پیدا ہو کے جو زندہ رہے کیونکر
کہ ہے مدِ نظر انسان کی خلقت سے عزاداری
بشر کا فرضِ اول یہ ہوا روتا ہوا آئے
ہوئی قانونِ فطرت سے یہ تاکید عزاداری

اب اگر صبر کو آپ اس حساب تک لے جائیے کہ وہ اس ابتدائی اور عام فطرت انسانی کے خلاف طرز عمل رکھنے کے لئے مجبور کرے تو آپ کو ماننا ہوگا۔ کہ اصول اسلام فطرت کے مخالف ہے۔ مگر میں جہاں تک دیکھتا ہوں ہر اصول میں اسلام نے فطرت کا بڑا لحاظ رکھا ہے یہاں تک کہ پروردگار عالم نے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا فرمایا ہے۔ پس جب حق سبحانہٗ عزّ و شانہٗ نے وسعتِ انسانی سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ تو یہ کہنا کہ اسی پروردگار عالم نے اسلام کے اصول ایسے قائم کر دئے ہیں۔ جو اسی خلاق عالم کے بخشے ہوئے فطری اصول کے مخالف ہیں۔ نہایت ہی خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔ اسی خلاق عالم نے باپ کے دل میں بیٹے کی محبت عطا فرمائی ہے۔ اسی کی دی ہوئی فطرت سے بیٹے کی صعوبت پر باپ کا دل دکھتا ہے پھر اگر اسی کا حکم یہ ہوا۔ کہ تم بیٹے سے محبت نہ رکھو۔ یا اس کی صعوبتیں دیکھ کر دردناک نہ ہو۔ دل پر صدمہ نہ لاؤ۔ آنسو نہ گراؤ۔ بڑی بھاری فرمائش معلوم ہوتی ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ اند   باز میگوئید دامن تر مکن ہشیار باش

اور کم سے کم لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا سے بہت زیادہ ہے۔ میرے نزدیک اسلام کے اصول اس قدر مخالف فطرت کے ہو نہیں سکتے۔ کیونکہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں۔ اسلام ہمیشہ فطرت کی تائید کرتا ہے اور اس سے موافقت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے جب کسی شخص نے خلاف فطرت عمل کرنے کا قصد کیا ہے۔ روکے گئے ہیں۔ جیسا مشہور ہے کہ بعض صحابیوں نے بخیال ہرج عبادت کے ازدواج سے انکار کیا تھا۔ لیکن یہ بات ان کی اعلیحضرت جلّشانہٗ کو پسند نہ ہوئی۔ اور ان لوگوں کو نکاح کر لینے کا حکم ہوا۔ ہاں اس قدر البتہ ہے۔ کہ اصول فطرت سوشل قواعد سے محدود کر دیئے ہیں۔ اور چونکہ ہر امر اور ہر مقام کے سوشل قواعد منضبط نہیں ہیں۔ اس لئے اسلام نے اکثر

اصُول کو پابندیٔ اصُول فطرت میں موقع وقت و مقام پر چھوڑ دیا ہے۔ اگر کوئی ستر برس کا ضعیف آدمی اپنی ضعیفہ بی بی کے مرنے پر مُنہ پیٹے۔ ماتم کرے تو جوان لوگ ضرور اس پر مسکرائیں گے۔ خلاف اس کے اگر کسی کا نوجوان بیٹا مر جائے اور وہ اس کی نعش نکلنے کے وقت شطرنج کھیلتا رہے یا اپنی زمینداری کے حساب کتاب جانچنے میں مصروف رہے تو اُس کو لوگ بالضرور شقی القلب کہیں گے۔ تب دیکھنا چاہیئے کہ صبر کیا چیز ہے۔ میرے نزدیک صبر سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے۔ کہ دل پر صدمہ بھی نہ ہو یا آنسو جاری نہ ہوں۔ کیونکہ اگر صدمہ نہ ہو تو صبر کی کچھ قیمت نہیں ہے۔ میرے نزدیک صبر کا یہ مطلب ہے۔ کہ صدمہ ہونے پر بھی بدلہ نہ لے اور سب بات کو حوالہ خدا کرے۔ اور اگر قدرت ہونے پر بدلہ نہ لے اور سکوت کرے۔ تو اس کو صبر جمیل کہتے ہیں۔ اس لئے ہم صابر اور مستقل اسی کو کہیں گے کہ جس کے دل پر صدمہ ہو اور اس کے چہرہ سے آثار حُزن و ملال پیدا ہُوں۔ اشک رواں ہوں۔ اس پر بھی راضی برضا رہے۔ اور جب کچھ کہے تو ان اللہ وانا الیہ راجعون کہے اور خدا کا شکر بھیجے۔ اس لئے میرے نزدیک رونا یا اپنے دل یا جسم پر صدمہ پہنچنے دینا۔ ہرگز خلاف صبر نہیں ہے۔ چنانچہ احادیث سے ثابت ہے۔ کہ خود جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت حمزہؓ کی خبر شہادت سُن کر بہت روئے ہیں۔ اور متواترات سے ثابت ہے کہ جب آنحضرت صلعم کو خبر شہادت امام حسین علیہ السلام کی دی گئی تو آپ بہت روئے ہیں۔ اس مقام پر صرف دو حدیثیں جو کتاب سوانح عمری حضرت علی میں بہ صفحہ ۳۶۰ و ۳۶۲ مرقوم ہیں۔ لکھتا ہُوں عن ام الفضل بنت الحارث قالت دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوماً بالحسین فوضعۃ فی حجرۃ ثم حانت منی التفاتۃ فاذا عینا رسول اللہ تھریقان فقال اتانی جبریل فاخبرنی ان اُمتی تقتل البنی ھذا فاتانی بہ تربتہٗ من تربتہٖ حمرا واخرجہ الحاکم والبیہقی۔ ام الفضل بنت حارث کہتی ہیں۔ کہ میں جناب امام حسینؑ کو لئے ہوئے ایک دن آں حضرت صلعم کے حضور میں گئی۔ اور میں نے انکو حضورؐ کی گود میں رکھ دیا۔ پھر مجھے ایک کام پیش آیا۔ جب اس سے فارغ ہوئی۔ تو کیا دیکھتی ہُوں۔ کہ حضورؐ کی چشم مبارک اشکبار ہے۔ پس آں حضرت صلعم نے فرمایا۔ میرے پاس جبریلؑ تشریف لائے۔ اور خبر دی کہ میرے اس بیٹے کو میری اُمت قتل کرے گی اور مجھ کو ہاں کی سُرخ مٹی لاکر دکھائی ہے۔ عن الشعبی قال مرّ علیؑ یکربلا عند مسیرہ الی صفین وحاذی بہ نینوا قریۃ علی الفرات فوقف وسال عن اسم ھذہ الارض فقیل لہ کربلا فبکی حتی بل الارض من دموعہ ثم قال دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو یبکی فقلت ما یبکیک قال کان عندی جبریلؑ انفاً واخبرنی ان

ولدی الحسین یقتل بشاطی الفرات بموضع یقال لہ کربلاء قبض جبریل قبضہ من تراب شمنی وایاھا (واخرجہ احمد) شعبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ صفین کی طرف جاتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام قریہ نینوا کے مقابل فرات کے کنارے گذرے اور استادہ ہوکر پوچھا۔ کہ اس زمین کا نام کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کربلا، آپ رونے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے اشکوں سے زمین تر ہوگئی۔ پھر فرمایا۔ کہ میں ایک روز جناب رسول اللہ صلعم کی خدمت میں گیا حضورؐ رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا جناب کیوں گریہ کر رہے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا ابھی جبریلؑ میرے پاس آئے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے۔ کہ میرا بیٹا حسین فرات کے کنارے پر شہید کیا جائے گا۔ جس مقام کا نام کربلا ہے۔ پھر جبریلؑ نے وہاں کی مٹی مٹھی بھر کر مجھے سنگھائی۔ باوجود اس قدر صدمہ والم کے بھی جناب رسول خدا صلعم و علی مرتضٰی نے شہادت حضرت امام حسینؑ کو بہ طیب خاطر قبول فرمایا ہے۔ اور راضی برضا رہے ہیں۔ پس ان حضرات کے رونے سے ہرگز ایسا نہ سمجھنا چاہیے کہ ان حضرات نے صبر نہ کیا یا رضائے پروردگار عالم سے ناراض ہوئے۔ علاوہ اس کے اولاد اور احباب کے تلف ہونے پر رونا تو جناب سرور کائنات صلعم کی خصوصیات میں داخل تھا مسٹر امیر علی صاحب اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام کے صفحہ ۵۰ و ۵۰ میں در بار ہتیاری جنگ بدر کے یوں تحریر فرماتے ہیں

وہ شخص (یعنی آنحضرت صلعم) جس نے عمر بھر کبھی حربہ کا استعمال نہ کیا تھا۔ جس کے دل پر ہر فرد و بشر کی تکلیف وایذا سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اور چوٹ پڑتی تھی۔ وہ شخص جو خلاف قانون مردانگی عرب کے اپنی اولاد احباب کے تلف ہونے پر پھوٹ پھوٹ کر روتا تھا جو شخص فطرتاً اور طبیعتاً ایسا رحمدل اور رقیق القلب تھا۔ کہ اس کے اعداء اس کو زنانہ خصال کہتے تھے۔ اب یہی شخص زمانہ کی مجبوریوں سے اپنی عادت وطبیعت کے خلاف دشمنوں کے حملے روکنے کے لئے حربہ و سلاح سے کام لیتا ہے۔ اور اپنی جماعت کو حفاظت خود اختیاری کے لئے مستند کرتا ہے۔

شکر خدا کا ہے کہ آج تیرہ سو برس گئے گذرے پر بھی یہ خاصہ حضور اقدس کی طبیعت کا حضورؐ کی اولاد میں تھوڑا بہت ضرور پایا جاتا ہے۔ یہ بات محتاج ثبوت نہیں (عیاں راچہ بیاں) کہ سادات کرام عموماً ہر وقت رحمدل اور رقیق القلب پائے جاتے ہیں۔ لیکن جب کوئی معرکہ پیش آجاتا ہے تو وہاں بہادری سے کام کرتے ہیں اور جان کو جان نہیں سمجھتے۔ اور مقام صبر و رضا میں کمال استقلال سے راضی برضا رہتے ہیں۔ اس لئے جب غم امام حسینؑ میں ہم لوگ رہتے ہیں تو اس سے ہرگز یہ سمجھنا نہ چاہیے کہ ہم لوگ نعوذ باللہ رضائے پروردگار سے ناراض ہوتے ہیں ہرگز نہیں۔ ہم لوگ حضرت امام حسینؑ کے مرنے پر نہیں روتے۔ کیونکہ ایک روز تو حضرت کے لئے انتقال فرمانا ضرور تھا۔ ہم لوگ حضرت کے مصائب پر روتے ہیں اور وہ مصائب ایسے ہیں کہ از

آدمؑ تا ایندم کبی پر نہ ہوئے اس لئے ہم کو اس کا صدمہ ہوتا ہے۔ اور بوجہ اس صدمہ کے ہم روتے ہیں۔ اور حضرتؑ کے مصائب کو یاد کر کے حضرتؑ کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں۔ اور اس میں اپنا انتہائے جوشِ خلوص و جوشِ محبت ظاہر کرتے ہیں پس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم جو اپنی آنکھ سے روتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے ماتم کرتے ہیں۔ اور اس ذریعہ سے اپنی ہر رگ و پے سے حضرتؑ کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں۔ اس میں کسی کا کیا بگاڑتے ہیں۔ اور جب یہ امر اصُول فطرت اور سیرت نبوئی کے موافق ہے۔ اور اس سے کسی دوسرے کا مطلق ضرر نہیں ہو تب اسلام اس کو کیوں ناجائز قرار دے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا جناب مسٹر امیر علی صاحب اپنی کتاب اسپرٹ آف اسلام کے صفحہ ۱۰۹ میں لکھتے ہیں کہ جب زمانہ آنحضرتؐ صلعم کے وصال کا قریب پہنچا اور ضعف بہت طاری ہوا تو اس عالم میں بھی ایک روز آدھی رات کے وقت حضور اقدسؐ اس جگہ یعنی اس گورستان کی طرف تشریف لے گئے۔ جہاں آنحضرتؐ صلعم کے احباب موت کی گہری نیند میں آرام کرتے تھے۔ ان کی قبروں کے قریب جا کر حضور اقدسؐ کُوب روئے۔ اور ان احباب خفتگان خواب راحت کے حق میں حق تعالے سے دعا کی"

اب میں تم سے پوچھتا ہُوں کہ یہ انتہا کی ہٹ دھرمی بلکہ ضد بلکہ ظلم ہے یا نہیں کہ اگر ہم جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہمدردی کرنے میں وہی کام کریں۔ جو خود حضور اقدس جناب حضرت سرور کائنات صلعم فرماتے تھے۔ یعنی اپنے احباب کی قبروں پر جا کر روتے تھے۔ تو ہم مورد الزام ہوں اور گناہ کبیرہ کے مرتکب قرار دئیے جائیں؟ نعوذ باللہ من ذالک' ہر مذہب والے کہتے ہیں کہ اپنے پیشوا کی پیروی کرو۔ اس کی تاسی کرو۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ایسا ہے جو دوسرے فرقہ...... کو اپنے رسُول مقبول صلعم کی پیروی کرنے میں فقط روکتا ہی نہیں بلکہ جنگ و جدال کو مستعد ہو جاتا ہے۔ الامان والحفیظ۔ اور وہ بھی کس بات میں؟ اسی رسُول مقبولؐ کے پیارے اور محبوب نواسے کے ساتھ ہمدردی کرنے میں!!

عزاداری عام طور پر مجالس میں کرنا کیسا ہے؟

محی الدین۔ بھلا یہ تو میں نے مانا۔ کہ جب آپ پر کوئی صدمہ پڑے اور آپ رو دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور نہ یہ بات منافی صبر ہے۔ پس جب آپ کو از خود واقعہ کربلا یاد آجائے اور رو دیجئے۔ تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن بارہ تیرہ سو برس کے بعد امام حسینؑ علیہ السلام کے مصائب پر گریہ کرنے کے لئے مجلس عزا برپا کرنا۔ اور اس میں لوگوں کو بُلانا اور گریہ ماتم کرنا تو بالکل بناوٹ معلوم ہوتا ہے۔ اب رونے سے کیا فائدہ ہے۔ رونے سے کچھ حضرت امام حسینؑ زندہ نہ ہو

جائیں گے۔ اور اُن کی مصیبت کم نہ ہو جائے گی۔ بلکہ سب مسلمانوں کو یہ خیال کرنا چاہیے۔ کہ بوجہ شہادت کے حضرت امام حسینؑ کو بڑا درجہ ملا ہے۔ اس لئے بوجہ اس درجہ ملنے کے خوشی کرنا چاہیئے نہ کہ غم والم۔

علی رضا۔ یہ ظاہر ہے کہ بندے کے لئے مالک کی یاد سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور یہ بھی بدیہی ہے۔ کہ جس شخص سے تم کو محبت ہو گی۔ اس کے ذکر خیر سے تمہاری رُوح کو راحت ملے گی اور اس کے ساتھ ہمدردی کرنے کو تم اپنا فرض عین سمجھو گے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں۔ کہ جب تک اپنے محبوب کے حالات اور کمالات سے واقفیت نہ ہو۔ تب تک تمہارے دل میں اس کی سچی محبت ہو نہیں سکتی۔ اور اگر تمہارے دل میں کسی کی سچی محبت ہے تو لاکھ کوئی منع کرے تم ہر وقت اسی کا نام لوگے اور اسی کا دم بھروگے اور اسی کو اٹھتے بیٹھتے یاد کروگے تب نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ اگر کسی شخص سے تم سچی محبت کرنا چاہتے ہو۔ تو اس کے فضائل اور کمالات کا ہر وقت ذکر خیر کرتے رہو۔ بلکہ یہی مشغلہ رکھو۔ رفتہ رفتہ جب تمہارے دل پر اسکے فضائل اور کمالات جم جائیں گے۔ تو خود بخود محبت پیدا ہو جائے اور خود ہر وقت اسی کا دم بھرتے رہو گے اب دیکھنا چاہیے کہ امام حسینؑ سے محبت رکھنا موجب خوشنودی خدا و رسولؐ ہے یا نہیں اور اگر ہے تو آپ کے فضائل اور کمالات کا ذکر کرنا محبت حاصل کرنے کے لئے ذریعہ معقول ہے یا نہیں میں سمجھتا ہوں کہ علمائے سُنت والجماعت اس سے انکار نہ کریں گے۔ کہ امام حسینؑ سے محبت رکھنا کم سے کم اچھی بات ہے کیونکہ رسُول مقبُول صلعم نے بہ حکم خدا اس بارے میں عجیب التجا کے ساتھ نہایت مؤثر الفاظ میں استدعا فرمائی ہے یعنی حضرت نے فرمایا ہے لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ یعنی میں نے اپنی رسالت میں جو کچھ تمہاری بھلائی کے کام کئے ہیں۔ اس کا کچھ اجر میں نہیں چاہتا ہوں۔ صرف یہ چاہتا ہوں۔ کہ تم لوگ میرے عزیز واقارب سے محبت رکھو۔ ہم لوگ بوجہ اس التجا کے محبت اہلبیتؑ کو فرض جانتے ہیں۔ لیکن بہ نظر رفع نزاع لفظی ہم نے محبت اہلبیتؑ کو صرف اچھی بات کہا ہے۔ کہ غالباً اس میں کسی کو اعتراض نہ ہو گا۔ اور تفسیر کشاف میں ہے کہ جب آں حضرت صلعم سے دریافت کیا گیا۔ کہ حضور کے وہ اقربا کون کون ہیں۔ جن کی مودت مسلمانوں پر واجب کی گئی ہے تو آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ علی ابن ابی طالبؑ اور فاطمۃؑ اور حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام ہیں اور ثعلبی وغیرہ مشاہیر علماء سنت والجماعت نے اس کی تصدیق کی ہے۔ دیکھو تفسیر تنویر البیان صہ۹۵۴ حاشیہ۔

الغرض جب حضرت امام حسین علیہ السلام سے محبت اچھی بات ہے۔ تو خود دیکھ لو کہ جب تمہیں معلوم ہو کہ تمہارے لئے حضرت امام حسینؑ نے اپنا گھر بار لٹا دیا۔ بھوکے پیاسے شہید ہوئے

اور عالم غربت میں اپنے سب عزیز و اقارب کا داغ دل پر سہا اور اس پر بھی راضی بہ رضا رہ کر آخر وقت تک یعنی جس وقت گلوئے مبارک آپ کا زیر خنجر تھا۔ تمہارے لئے دُعائے مغفرت کرتے رہے تو تمہارے دل کا کیا عالم ہوگا؟ کیا تمہارے دل میں حضرتؑ کے ساتھ محبت نہ بڑھے گی؟ کیا تمہارا دل نہ چاہے گا۔ کہ جیسے حضرتؑ نے میرے لئے گھر بار لٹا دیا، ہم بھی کچھ نہ ہو تو حضرت پر فدا ہو جائیں؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص جناب میر نفیس صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کا ایک بند سُن لے تو اس کے دل سے قیامت تک جناب امام حسینؑ کے احسانات محو نہ ہوں گے اور نہ وہ شخص محسن عالمؑ کے حلقہ اطاعت سے کبھی باہر جائے گا۔

سر دیا سبطِ پیغمبرؐ نے تمہارے ہی لئے   جان دی شہ کے برادر نے تمہارے ہی لئے
گھر کو لٹوا دیا سرورؑ نے تمہارے ہی لئے   برچھی کھائی علی اکبرؑ نے تمہارے ہی لئے
حد نہیں جس کی وہ احسان بخدا تم پہ کیا
دودھ پیتے ہوئے بچے کو فدا تم پہ کیا

تم خود کہو کہ ان اشعار کے سُننے سے تمہارے دل کی اس وقت کیا حالت ہے۔ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا۔ کہ جس بزرگوار نے تمہارے لئے اس قدر کیا۔ اس کے بندہ بیدام ہو جاؤ۔ اور مرتے دم تک اسی کا دم بھرتے رہو۔ پس جب محبت امام حسینؑ اچھی بات ہے۔ اور اذکار فضائل و مصائب سے از دیاد محبت ہوتا ہے اور ہمدردی بڑھتی ہے تو ایسا ذکر تو جہاں تک ہوا کرے اور جس قدر لوگ واقف ہوں، بہتر ہے۔ پس بجائے اس کے کہ ہم اور تم کسی کوٹھڑی میں بند ہو کر حضرت امام حسینؑ کے فضائل و مراتب کو بیان کریں۔ اگر ہم ایک مجلس عام قائم کریں۔ جس میں لڑکے جوان بوڑھے پڑھے لکھے ان پڑھ سب قسم کے لوگ شریک ہوں اس مجلس میں حضرتؑ کے فضائل و مصائب و مراتب و احسانات کو بیان کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ بلکہ اس کا نفع ظاہر ہے کہ ہر کس و ناکس کے دل میں آپکی محبت پیدا ہوگی اور بڑھتی جائیگی اور اسکی تکمیل ہوتی رہے گی۔ بلکہ تم تو کہتے تھے۔ کہ چونکہ امام حسینؑ نے راہِ خدا میں ایسے ایسے کار نمایاں کئے ہیں۔ جن کا دنیا کی تواریخ میں جواب نہیں اس لئے عجب نہیں۔ کہ ان حالات واقعات کو سن کر دیگر قوموں کی نگاہ میں بھی حضرتؑ کی عظمت اور وقعت بڑھے اور اسلام کی رونق زیادہ ہو۔ جیسا کہ خدا کے فضل سے محرم کے زمانے میں ہوتی ہے۔ الغرض جب امام حسینؑ سے محبت رکھنا باعث خوشنودی خدا اور رسول ہے۔ اور حضرتؑ کے ساتھ ہمدردی کرنا اور ہر وقت آپ کا ذکر کرنا باعث ازدیاد محبت ہے۔ تو اس کار خیر کو مجالس میں بجا لانا ہرگز نامناسب نہ ہوگا۔ بلکہ مطابق اصول اسلام کے ہوگا۔ کیونکہ اسلام نے اچھے کاموں کا جماعت کے ساتھ بجا لانا بہت ہی مناسب سمجھا ہے، جیسے احکام

حج و نماز جمعہ و جماعت وغیرہ بس جو شخص یہ کہے کہ امام حسینؑ کے حالات کو اکیلے پڑھو اور تنہا رو لو۔ مجلس قائم کرنا بیکار ہے۔ تو وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے۔ کہ خدا کی پرستش دل کے متعلق ہے اپنے گھر میں بلکہ کوٹھڑی میں بند ہو کر چپکے سے نماز ادا کر لو جماعت کی بھیڑ بھاڑ میں شریک ہونے کی ضرورت کیا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ تو اعتراض غلط ہیں۔ نماز جماعت سے شوکت اسلام بڑھتی ہے اور مسلمانوں کو کار خیر کی رغبت ہوتی ہے۔ اسی طرح مجالس عزا قائم کرنے سے رونق ایمان بڑھتی ہے۔ اور مومنین کا رجوع قلب طرف مودت اقربائے حضرت رسول مقبول صلعم کے زیادہ ہوتا ہے اور کار خیر کی رغبت بڑھتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص آج شام کو مجلس عزا میں ہمیں بلائے تو ہم وہاں جائیں گے اور حضرت کے فضائل و مصائب کا حال سن کر حضرت کیساتھ ہمدردی کریں گے۔ برخلاف اسکے اگر کہیں مجلس میں نہ جائیں۔ تو اپنی اوقات یونہی گپ شپ میں بسر کرینگے۔ تب یہ بات قابل غور ہے۔ کہ آیا فضائل و مصائب فرزند رسول میں اوقات صرف کرنا اچھا ہے۔ یا محض گپ شپ یا دنیاوی کاموں میں؟ پس جس طرح نماز جمعہ و جماعت کے اٹھا دینے سے خوف ہے۔ کہ رفتہ رفتہ نماز پڑھنا چھوٹ جائے۔ اسی طرح مجلس عزا کے اٹھا دینے سے خوف ہے، کہ رفتہ رفتہ ذکر امام حسینؑ کے فضائل و مصائب و مراتب کا اٹھ جائے۔ اور اس لئے لوگوں کے دلوں میں حضرتؑ کی مودت کم ہو جائے گی۔ پس میں نہیں سمجھتا کہ اچھے کام کو یعنی ذکر فضائل و محاسن حضرت امام حسین کو اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کو جماعت کے ساتھ کرنے میں کیا برائی ہے۔ اور اگر اس کو آپ بناوٹ اور بیکار کہیں۔ تو نماز جمعہ و جماعت کو بھی بناوٹ اور بیکار کہئے۔ لیکن میں دونوں کو اچھا سمجھتا ہوں۔ اور آپ جو کہتے ہیں۔ کہ اب بارہ تیرہ سو برس کے بعد اس ذکر کا کیا فائدہ؟ تو میں کہتا ہوں کہ جس قدر زمانہ بڑھتا جائے اسی قدر ذکر اور زیادہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ جیسے جیسے زمانہ گذرتا ہے۔ ویسے ویسے لوگوں کو سہو کرنے اور بھولنے کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ بعد شہادت حضرتؑ کے سال دو سال تک ہر دیار و امصار میں یہ واقعہ مشہور تھا۔ ہر فرد و بشر واقف تھا۔ لیکن اب وہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ اب فقط کتابوں کے پڑھنے سے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ پس جیسے جیسے زمانہ گذرتا جاتا ہے۔ ویسے ویسے ان کتابوں اور مراثی کے پڑھنے کی ضرورت زیادہ ہوتی جاتی ہے تاکہ ہر شخص مصائب و مراتب و احسانات حضرت امام حسینؑ سے واقف رہے۔ اور دل و جان سے حضرتؑ کے ساتھ مودت رکھے۔ اور یہ جو آپ کہتے ہیں۔ کہ رونے سے کیا فائدہ۔ رونے سے کیا امام حسینؑ زندہ ہو جائیں گے؟ یا آپ کی مصیبت کم ہو جائے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم لوگ امام حسینؑ کی وفات کیلئے نہیں روتے اور اس نیت سے روتے ہیں کہ آپ زندہ ہو جائیں ہم لوگ آپ کی مصیبتوں کو یاد کر کے روتے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں۔ اور یہ کار خیر اپنے فائدہ اور اپنے انجام بخیر کے لئے کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم لوگوں کو یقین ہے۔ کہ جس وقت جناب

رسُول مقبُول صلعم کو معلوم ہو گا کہ یہ لوگ حضورؐ کے فرزند دلبندؑ کی مصیبت کا حال سُنکر اس قدر غم والم کرتے تھے۔ کہ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ مصیبت خود ان لوگوں پر پڑی ہے۔ تو ضرور حضرتؐ ہم لوگوں سے راضی ہوں گے۔ کیونکہ قریب قریب یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ کہ اپنے پیارے کے پیار کرنے والوں پر ضرور پیار آتا ہے۔ اگر جناب۔ رسُول خُدا صلعم کے نزدیک ہم لوگ بوجہ اس کارخیر کے پیارے ٹھہرے تو انشاءاللہ دونوں جہان میں بیڑا پار ہے چنانچہ خود حقتعالے جلشانہٗ وعم نوالہٗ نے اسی آیت کے بعد مودت اہلبیتؑ کی جزا کا بھی ذکر فرمایا ہے یعنی فرمایا ہے ومن یقترف حسنۃ نزد لہ فیھا حسنًا ان اللہ غفور شکور ۃ

یعنی جو اس بارہ میں (یعنی مودت اہلبیت کے بارہ میں) کوئی نیکی کرے گا: اس کی خاطر سے ہم اس کی نیکی کو زیادہ کرینگے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا۔ اور بڑا قدردان ہے۔ اس مقام پر دو تین باتیں قابل غور ہیں۔ اوّلاً یہ کہ مودت اقربائے رسُول صلعم کیسا اچھا کام ہے جس کی جزا کا حق تعالے جلشانہٗ نے پورا وعدہ فرما دیا ہے ثانیاً یہ کہ اس جزا پانے میں مومن وغیرہ کی قید نہیں کی ہے بلکہ بطور عام کہہ دیا ہے کہ جو کوئی اس بارہ میں نیک کام کرے گا ہم اس کی نیکی کو زیادہ کریں گے۔ ثالثاً یہ کہ حقتعالے نے آخر آیت میں اپنے کو غفور شکور فرمایا ہے۔ یہاں پر شکور بہ معنی شاکر کے ہیں۔ ہم لوگ ادباً اس کا ترجمہ قدردان کرتے ہیں۔ پس سبحان اللہ یہ کیسا اچھا کام ہے جس کا حقتعالے جلشانہٗ شاکر یا قدردان ہے۔ پس ایسے کام میں۔ جس کا خود پروردگار عالم شاکر یا قدردان ہو ہم لوگوں کو کس قدر انہماک کرنا چاہیے اور کیا کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کی توفیق پر موقوف ہے۔ ہم لوگ جو واسطے حصُول مودت جناب امام حسین علیہ السلام کے اپنی جان و مال کا صرف کرتے ہیں انشاءاللہ تعالیٰ دُنیا اور عقبیٰ میں اس کی جزا ضرور پائیں گے۔ کیونکہ حقتعالے کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہُوں۔ کہ اگر اس حصول مودت کی سعی میں ہم لوگوں سے کہیں لغزش ہو جاتی ہے یعنی کوئی فعل خلاف شرع سرزد ہو جاتا ہے تو عجیب نہیں کہ حقتعالے اس کو معاف فرمائے۔ کیونکہ حقتعالے نے اسی آیت میں اپنے کو غفور الرحیم فرما دیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ حق تعالے ان اعمال کا شکور یعنی شاکر یا قدردان ہے تو غفور ہونا تو اس کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ جو اعمال واسطے حصول مودت اہل بیت طاہرین علیہم السلام کئے جاتے ہیں۔ وہ نہایت مقبول اور مفید ہیں۔ اور ان کی جزا ہر شخص کے لئے عام ہے اس لئے کہ اس کا مذہب کچھ ہو۔ دنیا و دین میں موعود ہے اور یہ جو کہتے ہو۔ کہ بوجہ شہادت کے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بڑا درجہ ملا ہے۔ اس کی خوشی کرنی چاہیئے۔ نہ کہ غم والم۔ اِس کا جواب ہمارے مذہب کے ایک جگر ٹکڑے دل پہلے ہی دے چکے ہیں۔ معاف

فرمائیے۔ اسی کو عرض کر دیتا ہوں۔ کہ اس بگڑے دل مومن نے یہ سوال سُنکر کہا۔ کہ بھائیو ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگا۔ جو اس کے ایسا فعل کرے پس بعد شہادت امام حسینؑ کے لٹا ہوا قافلہ اسیر ہو کر کوفہ پہنچا۔ تو امام زین العابدینؑ اور دیگر اہلبیت طاہرین علیہم السلام باحال پریشاں گریہ و زاری کرتے تھے اور کوفی اور شامی خوشی کرتے تھے پس ہم لوگوں کا حشر جو حال پریشان گریہ و زاری کرتے ہیں۔ امام زین العابدین کیساتھ ہوگا۔ اور خوشی کرنے والوں کا حشر کوفیوں اور شامیوں کے ساتھ!! ہر چند یہ جواب ترکی بہ ترکی ہے۔ لیکن اگر کوئی غور کر کے دیکھے تو اس میں متانت بھی بھری ہے۔ یعنی اگر واقعہ شہادت امام حسینؑ خوشی کرنے کے قابل تھا۔ تو پہلے آپ کے فرزند ارجمند یعنی حضرت امام زین العابدینؑ کو اس کی خوشی ہوتی اور آپ عید کرتے اور تب اور لوگ آپ کی پیروی کرتے۔ لیکن واقعہ ٹھیک اس کا الٹا ہے۔ یعنی امام زین العابدینؑ کی لائف پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ کہ حضرت عمر بھر رویا کیے اور بعد واقعہ کربلا کے کبھی آپ مجلس عیش و سرور میں شریک نہ ہوئے۔ چنانچہ یہ مشہور ہے کہ چالیس برس پدر کو روئے سجاد اس پر بھی یہ کہتے تھے بہت کم روئے۔ بھائی اصل یہ ہے کہ ہم لوگ حضرتؑ کی مصیبتوں پر روتے ہیں۔ اور جو مدارج آپ کو ملے۔ اس پر بیشک فخر و مباہات کرتے ہیں۔ چنانچہ جملہ مجالس عزا میں آپ کے فضائل ضرور پڑھے جاتے ہیں۔ مگر آپ کے مصائب ایسے شدید ہیں۔ کہ فضائل سننے سے بھی ہر شخص کو بڑی رقت ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت کے مصائب سُن کر بوجہ درجہ ملنے حضرتؑ کے نہ روئے تو اسکو اس وجہ سے ضرور رونا چاہیے کہ افسوس ہم لوگ کیسے کم بخت ہوئے کہ ہم لوگوں کی وجہ سے فرزند رسولؐ پر کیسی کیسی سختیاں ہوئیں۔ کیونکہ حضرتؑ کی شہادت ہم عاصیوں کی نجات کے لئے ہوئی ہے پس نہ ہم کمبخت ایسے عاصی ہوتے نہ حضرتؑ پر ایسی مصیبت پڑتی۔ پس اگر حضرت امام حسینؑ کی مصیبت رونے کے قابل نہیں ہے تو خود ہماری حالت رونے کے قابل ہے۔

حال اضطراب و اسیری اہلبیت کا مجالس میں پڑھنا کیسا ہے؟

محی الدین۔ ان لوگوں کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آپ مجالس میں پڑھتے ہیں۔ کہ اہلبیت طاہرین علیہم السلام نے یعنی مخدرات حرم نے مصائب میں اپنا حال پریشان کیا۔ یعنی سر پیٹا بال کھولے مضطرب ہوئیں۔ یہ سب خلاف شان ہے۔ ممکن نہیں کہ ان حضرات نے مصائب پر جزع فزع کیا ہو اور صبر نہ کیا ہو۔

علی رضا۔ میں ثابت کر چکا ہوں۔ کہ مصیبت میں مضطر ہونا یا رونا یا دل و جسم پر صدمہ ہونے دینا منافی صبر نہیں ہے۔ علاوہ اس کے ایک بات اور قابل غور ہے۔ کہ ہم اصول فطرت کی طرف جو دیکھتے ہیں۔ تو صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عورتیں بہ نسبت مردوں کے فقط ضعیف الجسم

ہی نہیں ہوتیں۔ بلکہ رقیق القلب بھی ہوتی ہیں۔ اور ان پر مصائب کا اثر بہ نسبت مردوں کے زیادہ پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر قوم کے سوشل اصول نے عورتوں کو اظہار غم میں زیادہ وسعت دی ہے۔ مثالیں تو بہت ہیں۔ مگر ہم سادات بنی فاطمہؑ کے لئے قول دول یہ مثال کافی ہے۔ کہ جناب سیدہ خاتون جنت علیہا السلام کو تو اپنے پدر بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کا ایسا صدمہ ہوا کہ حضرت شب و روز رویا کرتی تھیں۔ اور جب رونا حضرت کا بڑھ گیا۔ تو اہل مدینہ کو خواب وخور دشوار ہوا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے جناب امیرؑ سے کہا۔ کہ یا حضرت آپ جناب سیدہ کو سمجھائیے۔ کہ حضرت دن کو روئیں تو شب کو خاموش رہیں اور اگر شب کو روئیں تو دن کو خاموش رہیں۔ کیونکہ ان کے رونے سے ہم لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ جناب امیرؑ نے یہ بات جناب سیدہؑ سے کہی تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرا رونا غم فراق پدر میں کم نہ ہوگا۔ مگر میں ہمسایوں کو تکلیف دینی نہیں چاہتی۔ پس مجھے ایک مکان بنوا دیجئے۔ کہ میں وہاں جا کر رویا کروں۔ چنانچہ ایک مکان گورستان بقیع میں بنوا دیا گیا جو اب تک موجود ہے۔ اور جس کو بیت الحزن کہتے ہیں۔ اس مکان میں حضرت برابر رویا کیں۔ تا آنکہ چھ مہینہ کے بعد اپنے پدر بزرگوار سے جا ملیں۔ اس بات کی تصدیق محض آسان ہے۔ آپ حاجیوں سے جو بقیع کی طرف تشریف لے گئے ہوں۔ پوچھ لیجئے۔ کہ وہاں کوئی مقام بیت الحزن ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اس کا نام یہ کیوں ہے؟ الغرض بکا کرنا جناب سیدہؑ کا فراق پدر بزرگوار میں اظہر من الشمس ہے اور جب یہ بات صحیح ہے۔ تو یہ کہنا کہ جناب سیدہؑ علیہا السلام نے جن کا صبر وشکیب ضرب المثل ہے۔ خلاف اصول اسلام کارروائی فرمائی نہایت سوء ادب ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جناب سیدہؑ دنیا بھر کی عورتوں سے افضل تھیں۔ اور خوبیوں میں اپنے پدر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہ تھیں۔ اور ہم لوگوں کا اعتقاد ہے کہ حضرات پنجتن پاک علیہم السلام نور خدا سے پیدا ہوئے تھے۔ تب ان حضرات کی نسبت یہ گمان کرنا۔ کہ ان حضراتؑ میں سے کسی نے اصول اسلام کے احاطہ سے باہر نکل کر کارروائی کی۔ عصیاں سے خالی نہیں۔ اگر نعوذ باللہ رونا غم فراق میں عصیاں ہوتا۔ تو جناب سیدہؑ جنہوں نے صبر وشکیب سے اپنے پیاروں کی شہادت گوارا فرمائی ہرگز رونے کا نام نہ لیتیں۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ رونا ہرگز منافی صبر وشکیب نہیں ہے۔ اس لئے حضرت نے جہاں صبر وشکیب کا کام تھا۔ وہ کارروائی فرمائی۔ جو دنیا بھر کی کسی عورت نے نہ کی۔ اور جو امر مقتضائے فطرت انسانی تھا۔ اس کو باوجود لوگوں کی شکایت کے ترک نہ کیا۔ یاد رکھئے کہ حضرات پنجتن پاک علیہم السلام وہ تھے۔ جن پر گویا قرآن نازل ہوا۔ وہ لوگ نکات قرآنی اور امر و نواہی سے جس قدر واقف تھے۔ کوئی شخص ایسا واقف نہیں ہو سکتا پس ان کے قول و فعل کے مقابلہ میں کسی عالم یا محدث کا قول ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے۔ انہوں

نے اصولِ اسلام کو اپنی جان بیچ کر قائم و مستحکم کیا ہے۔ ان کی نسبت یہ کہنا کہ وہ اصولِ اسلام سے واقف نہ تھے۔ یا یہ کہ انہوں نے ان اصولوں کو خود اپنے فعل سے منہدم کر دیا بالکل دیوانہ پن ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس تقریر کے بعد آپ غالباً ہم سے اتفاق کریں گے کہ مصائب میں رونا اور اپنا حال پریشان کرنا عورتوں کے لئے خلاف اصولِ اسلام نہیں ہے۔ تب یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب حضرت سیدہؑ نے اپنے پدر بزرگوار کے انتقال میں جو صرف مشیت ایزدی سے وقوع میں آیا تھا اپنا ایسا حال کیا۔ کہ ہمسایہ والے شاکی ہوئے۔ تو جناب حضرت زینبؑ و ام کلثوم علیہما السلام کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ جب پرائے دیس میں آپ کے بیٹے بھتیجے بھائی مقتول ہوئے تھے اور سب کے لاشے خیمہ مبارک میں یکے بعد دیگرے آتے گئے تھے۔ آپ خوب غور کیجئے۔ کہ حضرات اہلبیت کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ جس وقت حضرت زینبؑ کے بیٹوں کی لاشیں خیمہ میں آئی ہوں گی۔ اور ان کے بعد قاسمؑ ابن حسنؑ اور ان کے بعد حضرت عباس ابن امیرالمومنین اور ان کے بعد حضرت علی اکبر علیہ السلام جن کو خود جناب زینبؑ نے اپنی آغوش میں پالا تھا شہید ہوئے ہوں گے۔ غور تو کیجئے۔ کہ جس وقت ان عزیزوں کے لاشے حضرتؑ کے سامنے آئے ہوں گے۔ اس وقت حضرات اہلبیت علیہم السلام کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ ان سب کے بعد میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ جب اس عالم غریب الوطنی میں جہاں سوائے ایک بیمار و علیل فرزند کے کوئی معین مددگار نہ تھا۔ حضرات اہلبیت کی کیا حالت ہوگی۔ جس وقت مولائے دو جہان سردار کون و مکان جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ کا گھوڑا خالی زین درِ خیمہ پر آیا ہوگا۔ میری کتابوں میں تو ہے۔ کہ اس وقت موافق قانون فطرت و مطابق سیرت جناب سیدۃ النساء العالمینؑ کل اہلِ حرم باحال پریشان نالاں و گریاں خیمہ سے باہر نکل آئے۔ اور گھوڑے کی گردن اور پاؤں سے لپٹ گئے اور بزبانِ حال فریاد کرتے تھے۔ کہ اے گھوڑے اپنے آقا شہسوار دوش نبی کو کیا کیا۔ اور جناب فاطمہ زہراؑ کی کمائی کو کہاں چھوڑا۔ اگر آپ کے نزدیک یہ بات خلاف اصول اسلام معلوم ہوتی ہے۔ تو برائے خدا آپ ہی بتلائیے کہ واقعی ان موقعوں پر حضرات اہلبیتؑ طاہرین نے کیا کیا تھا۔ ان واقعات کا ہونا تو مقبولہ فریقین ہے تب اگر میری بات غلط ہے۔ تو آپ فرمائیے۔ کہ واقعی حضرات اہلبیت طاہرینؑ کی ان موقعوں پر کیا حالت ہوئی تھی۔ اگر آپ کو کتابوں کے دیکھنے کی فرصت نہ ہو۔ اور قیاسات عقلی سے جواب دینے کا قصد کیجئے۔ تو میں چند سوال کرتا ہوں برائے خدا فطرت انسانی اور سیرت خاندانی کو لحاظ کر کے جواب دیجئے۔ غور تو کیجئے (۱) کہ جب بعد شہادت امام حسین علیہ السلام کے اشقیا واسطے غارت گری خیمہ مبارک کے خیمہ میں دھنس گئے تھے تو اس وقت حضرت زینبؑ و ام کلثوم و دیگر اہلبیت طاہرین کا کیا حال تھا (۲) جناب امام حسینؑ کی

ایک چھوٹی صغر سن لڑکی تھی جس کا نام سکینہ تھا اس لڑکی کو حضرت امام حسینؓ بہت پیار کرتے تھے اور ہمیشہ اپنی چھاتی پر سلاتے تھے۔ چنانچہ جب میدان جنگ میں تشریف لے جانے لگے تو اس لڑکی کو حضرت زینبؑ کے سپرد کر کے فرمایا۔ کہ بہن اس کی بڑی حفاظت اور دلدہی کرنا مگر ہائے غضب کہ بعد شہادت حضرت امام حسینؓ کے جب شمر لعین خیمہ مبارک میں آیا تو اس لڑکی کو طمانچہ مارا اور اس زور سے گوشوارہ اس معصومہ کا چھین لیا۔ کہ اسکے کان مجروح ہو گئے۔ اور وہ معصومہ منہ کے بل گر پڑی۔ اور چلائی۔ کہ پھوپھی جان خبر لیجئے اور میری جان بچائیے۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کہ اس وقت اہلبیتؑ کی کیا حالت ہوئی تھی (۳) پھر غور تو کیجئے۔ کہ اہلبیت طاہرینؑ کا اس وقت کیا حال تھا۔ جب ملاعین نے خیمہ مبارک میں آگ لگا دی تھی۔ حالانکہ اس وقت خیمہ مبارک میں کل اہل بیتؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ بستر علالت پر موجود تھے۔

آپ اپنی کتابوں کو دیکھ کر فرمائیے۔ کہ اگر میری کتابیں غلط ہیں تو آپ کونسی صحیح بات بیان فرماتے ہیں۔ جو اصول فطرت اور اصول اسلام کے موافق ہو۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ بعض علماء سنت والجماعت کو حضرات اہلبیت طاہرین علیہم السلام سے کوئی تعلق نہیں اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ سب مسلمان خدانخواستہ انہیں کے سے ہو جائیں۔ جب انہوں نے دیکھا۔ کہ بوجہ اعمال محرم کے شیعہ و سُنی سب اہلبیتؑ کی طرف رجوع کرتے جاتے ہیں۔ اور ہر سال اُن کی یاد اُن کے دلوں میں گھر کرتی جاتی ہے تو ایسے ایسے اعتراض نکالے جو ظاہراً صحیح معلوم ہوں۔ لیکن اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو سارا اعتراض کافور ہو جائے اور ساری غرض ان اعتراضات سے یہ ہے کہ لوگ امام حسینؓ اور ان کے مدارج سے بالکل ناواقف ہو جائیں۔ اور یہ بھی نہ جانیں۔ کہ حضرتؓ کس درجہ کے آدمی تھے اور آپ نے خدا کی راہ میں کیا کیا ہے۔ اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے پہلے تو یہ فتویٰ دیا۔ کہ جب جو بات رسول اللہ کے وقت میں نہ ہوئی تھی۔ وہ سب بدعت ہے اس لئے تعزیہ بدعت۔ علم بدعت یہ بدعت وہ بدعت۔ حالانکہ اگر کوئی نہیں عالم صاحب کی روزمرہ کی کارروائیوں کو دیکھتے تو بتا دیتے کہ حضرت خود شب و روز بقول اپنے ہزاروں بدعت کیا کرتے ہیں۔ ہماری التجا سب مسلمانوں سے یہ ہے کہ اگر تمہیں عشق امام حسینؓ ہے۔ تو ان کے متعلق جتنے امور جو صدق دل سے براہ تعظیم ہوں۔ اُن کی عظمت کرو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کرو۔ یہ کیا ظلم ہے کہ عیبوں کو شائع کر کے مسلمانوں کو اس کار خیر سے پھیرو۔ اور اُن کے ہنروں اور منافعوں سے بالکل چشم پوشی کرو۔ ہماری یہ بھی استدعا ہے۔ کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اہلبیت طاہرینؑ کو ہمیشہ یاد رکھے۔ اور انکے مصائب میں ہمیشہ ہمدردی کرے۔ اور بجائے اعتراض کرنے کے خود

اپنے اعمال کو درست کرے۔ تاکہ بروز محشر جناب رسُولِ مقبول صلعم اس کو اپنے پیاروں کا شریک رنج و راحت سمجھیں۔

محی الدین۔ دوسرا اعتراض ان لوگوں کا نسبت اعمال محرم کے یہ ہے کہ امام حسینؑ کا غم کرنا اور ان کے مصائب پر آنسو بہانا باعث ثواب ہو۔ تاہم اس قدر افراط و تفریط جو اس کے اعمال میں کی گئی ہے۔ اس سے بڑی قباحت لازم آتی ہے۔ علاوہ اس کے امام حسینؑ اور اس کے انصار کی شکست اور ان کے اہلبیتؑ کی اسیری کا حال بیان کرنا کب مصلحت ہے؟ اس سے تو صاف حضرتؑ کی توہین ہوتی ہے۔ آپ ہی غور کیجیے کہ اگر کوئی آپ کے ماں باپ بھائی بہن کا ایسا حال بیان کرے تو آپ کو ناگوار ہوگا یا نہیں؟ پس ایسی باتوں کو حتی المقدور چھپانا چاہیے۔ نہ کہ اس کو ہر سال اعلان کرنا چاہیے۔

علی رضا۔ قبل اس کے کہ میں تمہاری ہر بات کا جواب دُوں۔ اس بات کو ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ جن لوگوں نے ایسے اعتراضات نکالے ہوں۔ اُن کا اصل مقصد کیا ہے اور اگر ان کی بات مان لی جائے۔ تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اب فرض کرو۔ کہ حسب خواہش معترضین اگر اس سال تعزیہ دوسرے سال علَم تیسرے سال مجلس عزا موقوف ہوتے ہوتے دس برس میں کل اعمال محرم موقوف کر دیئے جائیں۔ تو کیا اس کے چند برس کے بعد عوام الناس شہادت امام حسین علیہ السلام اور ظلم لشکر یزید سے بالکل ناواقف نہ ہو جائیں گے۔ پس میں تم سے ایماناً پوچھتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کو یزید کے نام سے جو اس وقت نفرت ہے۔ کیا وہ باقی رہے گی؟ اور لوگ اس کو ویسا بُرا جانیں گے۔ جیسا کہ جانتے ہیں۔

محی الدین۔ میں تو سمجھتا ہوں۔ کہ کوئی نام تک نہ لے گا۔

علی رضا۔ غضب تو یہ ہے کہ باوجود اس اعلان کے بھی بعضے یہ بول اٹھتے ہیں۔ کہ یزید کو امام زین العابدینؑ نے نماز عقیلہ تبائی اور اس نے توبہ کی اس لئے مجرم نہ رہا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ دو شہزادے آپس میں لڑے ایک نے شکست پائی دوسرے کی فتح ہوئی۔ اس میں مضائقہ کیا۔ اور بعضے کہتے ہیں۔ کہ یزید نے اگر بہت کیا تو گناہ کیا خاطی ہوا۔ ایمان تو اس کا کہیں نہ گیا۔ اے توبہ جو شقی دختران جناب فاطمہ زہراؑ کو مثل بندیاں ترک و دیلم اپنے سامنے کھڑا ہوا دیکھے۔ اور فرزند رسُول کے سر بریدہ کو لب و دندان پر چھڑی لگائے۔ اور پھر وہ مسلمان باقی رہے۔ استغفراللہ! پس غور کرو کہ اگر اعمال محرم اٹھا دیئے جائیں اور پچاس برس کے بعد یہ سب باتیں فراموش ہو جائیں تو یزید کے پہلے لفظ حضرت اور بعدہٗ الفاظ امیر المومنین کیوں لگا دیئے نہ جائیں گے؟ مجرد لڑائی تو کوئی چیز نہیں۔ پس کیا اس اعتراض سے

محرکین کا دلی مقصد یہ نہیں ہے کہ پہلے مظلمہ اسیری اہلبیتؑ اور شدائد شام سے جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہوئے شہزادہ یزید کو بچالو۔ پھر جنگ کربلا کے مظلمہ سے اس کو بری الذمہ ٹھہرانا تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ جب جنگ صفین کی ستر ستر لڑائیوں کو ہم خطائے اجتہادی پر ٹال دیتے ہیں تو جنگ کربلا کو جو پائے تخت یزید سے ایک مہینہ کی راہ پر واقعہ ہوئی۔ مجرد شہزادہ کی لاعلمی یا اتفاق وقت پر چٹکیوں میں اڑا دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ پس اصل مقصد تو امیر معاویہ کے صاحبزادے کو حضرت بنانا ہے۔ تب اس کی تمہید یوں کی جاتی ہے۔ کہ بیان اسیری اہلبیت میں توہین اور اگر فرض بھی کیا جائے۔ کہ ان کا مقصد ایسا نہیں۔ تو کیا عقلاً ان اعمال حسنہ کے ترک کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے۔

محی الدین۔ بھلا یہ تو آپ اصل معترضین کے مقصد کو بیان کرتے ہیں۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ خود ان اعتراضات سے کیونکر بچتے ہیں۔

خاصان خدا کے مدارج ان کی تکالیف اور مصائب کے بیان سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ یا اُن کی شان و شوکت کے بیان سے؟

علی رضا۔ استغفر اللہ یہ بھی کوئی اعتراض ہے! کیا مرسلین و انبیاء و اولیاء آئمہ کی تعریف یوں ہوتی ہے کہ فلاں رسولؐ نے کیسا اچھا تخت طاؤس بنوایا تھا یا فلاں نبی کے تاج میں کوہ نور ہیرا کیسا چمکتا تھا یا فلاں امام کیسے خوش غذا تھے کہ شیرمال اور باقرخانی کے سوا کوئی غذا نوش نہ کی یا فلاں ولی کیسے آرام طلب تھے کہ فرش مخمل میں اگر ذری بھی گرد ہوتی تھی۔ تو ان کو خواب نہ آتا تھا؟ یا اس میں کہ فلاں رسولؐ نے چالیس برس تک فرش خاک پر جبہ سائی کی۔ اور اس کو زینت دنیاوی سے ایسی نفرت تھی۔ کہ اس کی پیاری بیٹی کی چادر میں جا بجا لیف خرما کے پیوند ہوتے تھے۔ یا فلاں نبی ایسے تھے۔ کہ جن کا سارا جسم پاک زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ اور اس میں کیڑے پڑگئے تھے۔ اس پر بھی جب کیڑے گرنے تھے۔ تو ان کو اٹھا کر وہ اپنے مقام پر رکھ دیتے تھے۔ یا فلاں امام نے عمر بھر سوائے نان جویں کے اور کسی نعمت دنیا کی طرف رغبت نہ کی۔ اور اس پر بھی اگر سائل نے سوال کیا۔ تو روٹیاں اس کو بخشدیں۔ اور خود فاقہ سے رہ گئے۔ یا فلاں نبی نے کنوئیں اور مجلس میں بھی یاد خدا نہ بھلائی پس میں

تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ دُنیا میں سوائے معترضین کے کوئی بھی ایسا شخص ہو سکتا ہے جو کہے کہ غار حرا میں ہمارے رسول پاک کے فرش خاک پر عبادت کرنے سے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے خود چکی پیس کر اور روٹیاں پکا کر سائل و مسکین کے دینے سے حضرت ایوبؑ کے جسم پاک کے زخمی رہنے سے یا حضرت علیؑ کی فاقہ کشی سے یا حضرت یوسف کے قید ہونے سے ان بزرگوں کی توہین ہوتی ہے؟ کیا ان بیانات سے ان خاصان خدا کی بڑی عظمت نہیں معلوم ہوتی۔ کیا ان ہی باتوں نے ان کو خدا کا پیارا اور مقرب بارگاہ نہیں بنایا ہے؟ تو اب مَیں پوچھتا ہوں۔ کہ حضرت امام حسینؑ کے بھوکے پیاسے شہید ہونے سے حضرتؑ کے مدارج اعلیٰ اور ارفع نہیں معلوم ہوتے؟ کیا حضرت سید الساجدین امام زین العابدینؑ کے قید ہونے اور خارزار پر پیادہ چلنے سے ان کی شان حضرت یوسفؑ سے دوبالا تصور نہیں کی جاسکتی؟ کیا صراط مستقیم حضرت کے پائے مبارک کے نیچے نہیں پائی جاتی؟ کیا امام زمان ہو کر ماں بہنوں کی قید پر حضرت کا اُف نہ کرنا بلکہ راضی برضا رہنا حضرت کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر نہیں پہنچاتا ہے؟ مَیں تو سمجھتا ہوں۔ کہ جس وقت امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت اور اس آخری وقت میں بھی ہم لوگوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا حال پڑھا جاتا ہے۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت کو اس طرح رُتبہ معراج ملا ہے اور رحمۃ للعالمین کی اولاد بھی یوں قاب قوسین تک پہنچی ہے علیٰ ہذا القیاس جس وقت کہ امام زادہ اور امام زادیوں کی قید کا حال پڑھا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمارے رسول پاک خود اور بذریعہ اپنی آل کے انبیاء سلف سے درجہ صبر و رضا میں بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں۔

ایک بات اور قابل لحاظ ہے کہ حضرت سید الشہداءؑ کا سارا خاندان صبر و استقلال میں یکتائے روزگار گذرا ہے۔ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کا تو یہ حال تھا۔ کہ یہ شب عاشورا اپنے فرزندوں کو تلقین کرتی تھیں۔ کہ آج روز جانبازی کا ہے۔ ہرگز ہرگز قدم پیچھے نہ ہٹے اب واقعات بعد شہادت کو سنئے۔ کہ ان مخدرات نے بھی اسی صبر و رضا سے سب مصائب کو برداشت کیا اور خاندانی اعزاز و توقیر کو ہاتھوں سے جانے نہ دیا۔ اور اس میں سب چھوٹے بڑے یکساں متحمل و مستقل رہے۔ چنانچہ منقول ہے۔ کہ جب اہلبیت کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ میں داخل ہوا۔ تو کوفی عورتوں نے معصوم قیدیوں پر رحم کھا کر روٹی اور خرمے اپنے بچوں پر تصدق کر کے معصوموں کو کھانے کو دیئے۔ جونہی معصوم بچوں نے بھوک کی شدت میں روٹیاں منہ میں رکھیں۔ تو حضرت ام کلثوم نے فرمایا ان الصدقۃ علینا حرامٌ یعنی ہم اس خاندان پاک کے لوگ ہیں۔ کہ صدقہ ہم پر حرام ہے۔ قربان غیرت فاطمی کے کہ یہ سنتے ہی معصوم بچوں نے

باوجود دو دن کی بھوک پیاس کے روٹیاں اور خرمے مُنہ سے اُگل دیئے اور معصوم سکینہ بنت امام حسین علیہ السلام اپنی پھوپھی کا منہ دیکھ کر ساکت رہ گئی۔ اس وقت معصوم بچوں کا راضی برضا رہنا اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام کا اُف نہ کرنا دنیا کی تواریخ میں تو غالباً جواب نہیں رکھتا۔ اس روایت سے میرے نزدیک ان بزرگواروں کا عزّ و وقار پیش خداوند عالم جیسا معلوم ہوتا ہے بیان ہو نہیں سکتا۔ برائے خدا تم کہو کہ اس روایت سے اہلبیت طاہرین کی عظمت معلوم ہوتی ہے یا توہین؟ جتنے مذاہب ہیں اپنی مذہبی پیشواؤں کے مصائب اور صبر و رضا پر ناز کرتے ہیں۔ پھر ہم تو بڑے فخر و مباہات کے ساتھ اُس کو بیان کر سکتے ہیں۔ کہ انبیائے سلف یا دوسرے مذاہب کے پیشواؤں نے جو مصیبتیں اٹھائیں۔ وہ صرف اپنے نفس نفیس پر لیکن ہمارے رسُول پاک کا تو خاندان کا خاندان کیا مرد کیا عورت کیا بچے کیا جوان کیا مسن اشد مصائب اٹھا کر راضی برضا رہے!!

پس کیا یہ سب باتیں عند اللہ و عند الناس ہمارے رسولؐ پاک اور اُن کی آلِ اطہار کو اعلےٰ سے اعلےٰ اور ارفع درجہ پر نہیں پہنچاتیں؟ کیا کوئی مذہبی گروہ پردۂ زمین ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ۔ امریکہ میں ایسا ہے جو تحمل مصائب و صبر و رضا میں اپنے پیشوا یا رسُولؑ کو از آدمؑ تا ایندم ہمارے نبی آخر الزمان علیہ السلام اور اُن کے اہلبیت طاہرینؑ کے مقابلہ میں لا سکے؟ پس کیوں بھائی جو موجب کہ تمہارے رسُول اور ان کی اولاد کو دُنیا بھر کے مذہبی پیشواؤں سے ممتاز کرتے ہیں۔ انہیں کو تم کہتے ہو۔ کہ ہم ظاہر نہ کریں اور انہیں کا ذکر زبان پر نہ لائیں۔ بلکہ اس کو بھلا دیں حیف صد حیف افسوس ہزار افسوس!! اور یہ جو کہتے ہو۔ کہ تمہارے ماں باپ کا کوئی ایسا ذکر کرے تو تمہیں کیسا معلوم ہوگا؟ ہائے افسوس! یہ درجہ ہمارے ماں باپ کو کہاں ملا۔ کیسا مجھے فخر ہوتا۔ اگر کوئی کہتا۔ کہ علی رضا کی ماں حضرت زینب کے ساتھ اسیر تھی۔ یا علی رضا کا باپ امام حسین علیہ السلام کے قدموں پر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا!! ہزار افسوس یہ تو نہ ہوا۔ لیکن اب صرف یہ دُعا ہے۔ حقتعالےٰ میرے ماں باپ کو انہی خاصان خدا کے ساتھ محشور کرے!! الٰہی آمین۔ اور اگر مجرد نام لینے پر اعتراض ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ اولاً تو عرب و عجم وغیرہ اقالیم مغربی میں عورتوں کا نام لینا مطلق خلاف تہذیب نہیں۔ ثانیاً اگر ہندوستان کے رواج کو لیجئے تو ذرا مہربانی فرما کر پانچوں ضلعوں کے رجسٹر داخل خارج کو دیکھئے۔ تو کہ کتنی بیبیوں کا نام دفتر سرکاری میں درج کیا گیا ہے۔ پس کیا حضرات سنت و الجماعت اپنی بیبیوں کے نام سے جائداد نہیں خرید کرتے؟ کیا ان کی ماں بہنوں کا نام عدالت میں نہیں لیا جاتا؟ کیا پیادے ان کے نام کا سمن نہیں لے جاتے اور اکثر احکام کو بآواز دہل مشتہر نہیں کرتے؟ پس ہم پر تو سب اعتراض اُٹھ

اپنی کارروائیوں سے خبر نہیں !!!

محی الدین۔ بعض لوگ جناب امام حسین علیہ السلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے دیدہ دانستہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اس لئے نعوذ باللہ حکم خدا لا تلقوا بایدیکم الی التھلکتہ کی نافرمانی کی۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ آپ بہ طمع خلافت کوفہ گئے۔ اور وہاں فوج مخالفین میں گھر گئے۔ اور نعوذ باللہ اپنی سزائے اعمال کو پہنچے۔

کیا یہ بات صحیح ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے کو آپ تہلکہ میں ڈالا ؟

علی رضا۔ سبحان اللہ جناب امام حسین علیہ السلام کی کیا شان پاک ہے۔ کہ دشمن کتنی ہی خاک ان کے نور پاک پر ڈالیں۔ حضرت کا نور چمکتا ہی جائے گا۔ آپ انہیں اعتراضات کے جواب سنئے۔ کہ حضرتؑ نے از ابتداء تا انتہا حکم حاکم حقیقی اور رضائے پروردگار عالم کا اس قدر خیال فرمایا ہے۔ کہ طاقت بشری سے باہر ہے۔ اور اس میں قیل و قال کی کہیں جگہ باقی نہیں ہے۔ پہلے اعتراض کی نسبت ذرا واقعات پر غور کیجئے۔ بکمال اختصار عرض کرتا ہوں

یعنی جب یزید بماہ رجب ۶۰ھ شام میں تخت پر بیٹھا۔ تو اس نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ حسین ابن علیؑ سے میری بیعت لو۔ اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو ان کا سر کاٹ کر بھیج دو۔ تواریخ سے ثابت ہے۔ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کہ بعد شہادت حضرت علیؑ و حضرت امام حسن علیہ السلام کے امیر معاویہ تمام ملک شام و حجاز و کوفہ و عراق و موصل کے بادشاہ ہو گئے تھے۔ تمام ان کا عمل بیٹھ گیا تھا۔ اور ہر جگہ ان کا سکہ و خطبہ جاری تھا اور بعد انتقال حضرتؑ امام حسن علیہ السلام کے دس برس میں سلطنت ان کی کمال مستحکم ہو گئی تھی۔ اس لئے یزید تخت پر بیٹھا۔ تو ساری سلطنت اس کے ہاتھ آئی۔ سب ملک اس کا لشکر اس کا خزانہ اس کا ہو گیا۔ اور ہر صوبہ کے گورنر اس کے ماتحت ہو گئے۔ ایسی حالت میں کوئی شک نہیں۔ کہ بیعت سے انکار کرنے کی حالت میں حضرت امام حسینؑ کی جان بلکہ سارے کنبہ کی جان معرض ہلاکت میں پڑ جاتی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس وقت مدینہ حضرت کے لئے محل خوف ہو گیا تھا۔

لیکن مکہ معظمہ وہ جگہ ہے۔ جہاں بہ حکم شریعت پشہ کو ستانے کا حکم نہیں ہے۔ اس خیال سے حضرت نے پناہ حاصل کرنے کے لئے اپنے اعتقاد کے موافق مدینہ سے مکہ کی طرف ہجرت فرمائی پس حضرتؑ نے مدینہ سے مع فرزندان و عزیزان و اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے جو مکہ کی طرف

ہجرت فرمائی تو کوئی شک نہیں کہ آپ محل ہلاکت سے محل امن کی طرف گئے۔ اس لئے یہ الزام
کہ حضرت نے اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔ شروع بسم اللہ غلط بلکہ قضیہ برعکس ہو جاتا ہے۔ پھر
خیال کیجیے۔ کہ جب مکہ آپ پہنچے۔ تو حج کا زمانہ آگیا۔ آپ کو خبر ملی۔ کہ فوج یزید شام سے حاجیوں
کے بھیس میں آئی ہے۔ اور اس کا ارادہ ہے کہ حضرت کو عین حرم پاک میں گرفتار کرے یا قتل
کرے یزید کو جس قدر پاس شریعت تھا ظاہر ہے۔ اس لئے اس خبر کے باور نہ کرنے کی حضرت
کو کوئی وجہ نہ تھی۔ آپ نے خیال فرمایا کہ اگر حرم اقدس میں میری ایسی بے حرمتی یا خونریزی ہو
گی۔ تو حرم اقدس کا بڑا استخفاف ہو گا۔ اور بڑی توہین ہو گی۔ بہتر ہے کہ کوفہ چلوں۔ جہاں
کے لوگ میرے لئے تمنائیں کر رہے ہیں۔ یہاں پر بھی اندک غور سے واضح ہو گا۔ کہ اب اس
وقت مکہ معظمہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے محل خوف ہو گیا تھا۔ اور کوفہ محل امن سمجھا
گیا تھا۔ مگر چونکہ کوفیوں پر آپ کا پورا بھروسہ نہ تھا۔ اس لئے آپ نے پہلے اپنے چچازاد بھائی
مسلم علیہ السلام کو اس طرف بھیجا۔ اور پھر خود روانہ ہوئے۔ اس وقت بھی کوئی شخص یہ نہیں کہہ
سکتا تھا۔ کہ حضرت نے اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔ بلکہ ہر منصف مزاج یہ کہے گا۔ کہ اس وقت بھی آپ
محل ہلاکت سے محل امن کی طرف گئے۔ بعد اس کے رفتہ رفتہ آپ نواح عراق میں پہنچ گئے اور حضرت
حُر علیہ السلام اور اُنکے لشکر سے جن کو ابن زیاد گورنر کوفہ نے حضرت کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا
تھا۔ ملاقات ہوئی۔ حضرت حُر نے کہا۔ کہ سارا کوفہ آپ کے خلاف ہو گیا۔ اب کوئی آپ کا معین و
مددگار نہیں ہے آپ کے بھائی مسلمؑ عالم غربت میں شہید ہوئے ان کے دو معصوم بچے نہایت
بیرحمی سے قتل کیے گئے۔ شام سے فوج پر فوج آ رہی ہے اور ابن زیاد کا حکم ہے۔ کہ حسین ابن
علی جہاں ملیں اُنکو گرفتار کرو۔ یا قتل کرو۔ حضرت حُر جن کا قلب پاک نور ایمان سے بھرا ہوا تھا۔
اس وقت فوج مخالف میں تھے۔ مگر تولائے اہلبیت دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ اس لئے آپ نے
رائے دی۔ کہ اب حضور کا کوفہ جانا مصلحت نہیں ہے۔ اور نہ اب مدینہ واپس جانے کا حکم نہیں ہے۔
اس لئے بہتر ہے کہ حضور کسی دوسری طرف تشریف لے جائیں۔ حضرت نے اس رائے کو پسند کیا۔
اور کوفہ سے عنان عزیمت موڑی اور شب کے وقت کوچ کیا۔ کہ جدھر اللہ لے چلے اُدھر توکل
بخدا چلے چلو۔

یہاں بھی غور کیجیے۔ کہ حضرت نے حفاظت جان کی بڑی کوشش کی۔ اور محل خوف یعنی کوفہ
کی طرف رُخ نہ کیا۔ اور نئی راہ اختیار کی آخر تیسری محرم کو زمین کربلا پر پہنچ گئے لیکن ہزار افسوس
کہ یہاں تعاقب میں ابن زیاد کی فوج پہنچ گئی۔ اور آخر افواج کوفہ و شام کی اس قدر کثرت ہوئی
کہ حضرت بالکل محاصرہ میں آگئے۔ اور اب آپ کو کسی طرف جانے کی اجازت یا مہلت نہ ملی۔

اب غور کیجیے۔ کہ از ابتدا تا انتہا جناب حضرت امام حسین علیہ السلام نے جان بچانے کی انتہا کی کوشش کی یا نہیں؟ اور جہاں ذرا بھی خوف ہلاکت یا خونریزی پایا گیا۔ وہاں سے کوچ کرکے محل امن کی طرف روانہ ہوئے یا نہیں؟ پس باوجود ایسی کوشش بلیغ حفاظت جان کے آپ پر یہ الزام دینا۔ کہ آپ نے اپنے کو ہلاکت میں ڈالا۔ کس قدر لغو اور بے بنیاد ہے۔ حق یہ ہے۔ کہ جناب امام حسینؑ کی شان عالی انتہائے قیاس سے اعلیٰ ہے۔ یعنی حضرت نے جو کام کیا۔ اس کو انتہا تک دکھلایا جہاں حفاظت جان کی کوشش کی شرعاً ضرورت تھی۔ وہاں ایسی کوشش فرمائی۔ کہ جس سے بڑھ کر کوشش ممکن نہیں اور جہاں پروردگار عالم سے راضی برضا رہنے کا وقت آیا۔ وہاں ایسے صبر و استقلال سے کارروائی کی۔ کہ دُنیا کی تاریخ میں اس کا جواب نہیں۔ مَیں دعوےٰ سے کہتا ہوں۔ کہ جس صبر و استقلال سے حضرت سید الشہداؑ نے عالم غربت میں اپنے بیٹے بھائی بھتیجے۔ بھانجے کی شہادت گوارا فرما کر خود شربت شہادت نوش فرمایا ہے۔ اس کے مقابل میں کوئی واقعہ کسی ملت و مذہب کا پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اب مَیں دوسرے اعتراض کا جواب شروع کرتا ہوں

وہ کون سی بات تھی جس نے حضرت سیّد الشہدا علیہ السلام کو مصائب میں اس قدر مستقل رکھا؟

اور وہ کونسی شے عزیز تر آپ کے سامنے جلوہ فگن تھی۔ جس کے مقابلہ میں آپ اپنے عزیزان اور نور دیدگان کے تلف ہوتے کو دھیان میں نہ لائے۔

میں کہہ چکا ہوں۔ کہ جب یزید تخت پر بیٹھا۔ تو اس نے امام حسین علیہ السلام سے بجبر بیعت لینے کا حکم صادر کیا۔ جن الفاظ میں اس کی بیعت لی جاتی تھی۔ اِن کو شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رسالہ تکمیل الایمان میں یوں لکھتے ہیں۔ کہ بیعت کرنے والوں سے اقرار لیا جاتا تھا۔ یزید چاہے ہم کو مثل غلاموں کے سر بازار فروخت کرے یا آزاد رکھے۔ خدا کی عبادت کا حکم دے یا اس سے روک دے۔ (دیکھو فلسفۂ شہادت صفحہ ۹) اعمال و افعال اس کے ایسے قبیح تھے۔ کہ جس کی تصریح میں طبیعت کو نفرت اور کراہت ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ شریعت میں جتنے امور حرام ہیں۔ وہ اس کے حکم سے حلال ہوگئے۔ اور کل احکام خدا اور رسولؐ طاق نسیاں پر رکھ دیے گئے۔ زنا محصنہ۔ لواطہ۔ شراب خوری۔ قمار بازی وغیرہ گناہان کبیرہ اس کے شریعت سے عیب ندارد میں داخل ہوگئے۔

اب ایسا فاسق و فاجر شخص امام زمان فرزند رسولؐ سید شباب اہل الجنۃؑ سے بیعت کا خواستگار ہے جھزت نے خیال فرمایا کہ ایسے مرتد کی بیعت کرنا منہیات سے رغبت دلانا بلکہ اسکی حمایت کرنا ہے۔ اور اسمیں اسلام کا خون ناحق کرنا ہے۔ یعنی جس اسلام کو آپکے جدِ بزرگوار نے سخت مصائب اور کڑیاں جھیل کر قائم فرمایا تھا اسکو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا اور قوم کو ایام جاہلیت سے بھی زیادہ جاہل شقی۔ مُرتد۔ بے دین بنانا ہے۔ اس لئے آپ نے بیعت سے صاف انکار کیا۔ لیکن چونکہ انکار میں خوف جان و عزت و آبرو سب کچھ تھا۔ اسلئے حتی الامکان اپنی جان اور اپنے عزیزوں کو اعدائے دین کے شر سے بچاتے رہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر لئے پھرے۔ جیسا میں ابھی کہہ چکا ہوں۔ لیکن جب اتفاقات زمانہ سے اعدائے دین کے بالکل محاصرہ میں آگئے۔ اور کوئی جگہ امان کی نہ ملی۔ تو ہر طرح کی صعوبت اور شدت اور تکلیف اور ایذا گوارا کی۔ لیکن بیعت یزید سے ہمیشہ کنارہ کش اور متنفر رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عزیز و اقارب کٹ گئے۔ بیٹے۔ بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے فدیۂ راہ خدا ہوئے حضرت علیؑ اکبر کو برچھی لگی حضرت عباسؑ کے شانے قلم ہوئے۔ حضرت علی اصغرؑ کے گلوئے نازنین پر تیر ستم لگا۔ آپ خود نہایت بیکسی سے شہید ہوئے۔ خیمہ مبارک لوٹا گیا۔ اس میں آگ لگائی گئی۔ حضرت سید الساجدینؑ قید ہوئے۔ اہلبیتؑ دیار بدیار پھرائے گئے۔ درباروں میں ان کا جائزہ لیا گیا۔ یہاں تک کہ خاندان بنی ہاشم ایسا اجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا۔ مگر یزید کی بیعت نہ کی۔

اب میں جملہ مذاہب۔ شیعہ۔ سُنی۔ ہندو۔ نصارٰی۔ یہودی۔ بدھ برہمو وغیرہ کے عقلاؑ اور اہل الرائے سے مشورہ طلب ہوں۔ سب غور فرمائیں۔ کہ وہ کون سی شئے عزیز تھی جس کے مقابلہ میں حضرت سید الشہداؑ نے ایسے داغ اپنے عزیزوں کے گوارا کئے اور وہ کونسی بات تھی جس کے مقابلہ میں حضرتؑ اپنے خاندان کے تباہ و برباد ہونے کو مطلق دھیان میں نہ لائے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کل مصائب کا ٹال دینا حضرتؑ کے اختیار میں تھا۔ یعنی اگر آپ یزید کی بیعت کر لیتے۔ تو کچھ نہ ہوتا۔

کیا کربلا کی کارروائی امام حسین علیہ السلام نے بہ طمع خلافت فرمائی تھی؟

اس کے جواب میں معاندین تو بیشک بول اٹھیں گے۔ کہ حضرتؑ نے بہ طمع خلافت یہ کارروائی کی۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ اگر آپ کو طمع خلافت ہوتی۔ تو مدینہ سے سیدھے کوفہ چلے جاتے۔ کیونکہ نقشۂ عرب سے معلوم ہوگا۔ کہ مدینہ سے مکہ چوبیس دن کی راہ پر بجانب جنوب واقع ہے اور کوفہ مدینہ سے بجانب شمال ہے۔ اس لئے مکہ سے بجانب شمال مائل بہ مشرق ڈیڑھ مہینہ کی راہ پر

واقع ہے۔ اس لئے بحالت طمع خلافت آپ کا چوبیس دن تک بجانب جنوب تشریف لے جانا بعدہٗ جنوب سے شمال کی جانب پھر لوٹنا اور ایک مہینہ کے قریب دھا وے کا سفر کرنا بیکار معلوم ہوتا ہے۔

غور تو کیجئے کہ اگر لکھنؤ کے کسی شخص کو دارجیلنگ میں کوئی مہم درپیش ہو۔ تو وہ سیدھا دارجیلنگ چلا جائے گا۔ لکھنؤ سے حیدر آباد اور پھر حیدر آباد سے دارجیلنگ کیوں جانے لگا؟

اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرتؑ ایک شہر سے دوسرے شہر صرف بنظر حفاظت جان دخوف بیعت یزید کے جاتے تھے۔ سوائے اس کے اور کوئی دوسرا مقصد نہ تھا اگر بہ طمع خلافت جاتے تو سیدھے مدینہ سے کوفہ تشریف لے جاتے۔ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کوفہ پھیر کھا کر جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

علاوہ اس کے اس خیال فاسد کا (یعنی حضرتؑ کو طمع خلافت ہونے کا) وہیں پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جب حضرت حُر علیہ السلام سے آپ کو ملاقات ہوئی۔ اور معلوم ہوا کہ سارا کوفہ آپ کی مخالفت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ حضرت مسلم شہید ہو گئے۔ ان کے دو معصوم بچے بےرحمی سے قتل کئے گئے۔ اب اس کے بعد آپ کس بھروسے پر خلافت کی طمع کرتے یا کوفہ کی طرف جاتے چنانچہ کوفہ نہ گئے۔ بلکہ توکل بخدا جہاں خدا لے جائے ادھر گئے اور آخر جاتے جاتے میدان کربلا میں پہنچ گئے۔ اور فوج کثیر کے محاصرہ میں آ گئے۔ اس کے بعد تو جتنی کارروائیاں حضورؑ نے صبر و استقلال سے کیں اور سخت ترین مصائب برداشت کئے۔ ان کو تو کوئی عاقل بہ طمع خلافت کرنے کا گمان تک نہیں کر سکتا۔ بلکہ آپ کو طمع خلافت ہوتی۔ تو آپ فوراً یزید کی بیعت کر لیتے کیونکہ اس حالت میں یقین کے ساتھ امید کی جا سکتی تھی۔ کہ یزید آپ کو کوفہ یا مدینہ کا حاکم مقرر کر دیتا۔ اس لئے اب اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا۔ کہ حضرت جناب امام حسین علیہ السلام نے کربلا کی کارروائی ہرگز ہرگز بہ طمع خلافت نہیں کی تھی۔

کیا امام حسین علیہ السلام ایک ضدی شخص تھے کہ آپ نے اپنی ضد سے اپنا اور دوسروں کا ضرر کیا؟

لیکن اگر کوئی مخالف یہ کہے۔ کہ نعوذ باللہ امام حسینؑ ایک ضدی شخص تھے۔ کہ اپنی ہٹ دھرمی سے خود بھی تباہ ہوئے اور دوسروں کو بھی تباہ کیا۔ تو اندک غور سے یہ اعتراض بھی محض غلط اور تمام تر باطل ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ ضدی، سڑی سودائی اس بیوقوف شخص کو کہتے ہیں۔ جو کسی

کی بات نہ سُنے اور نہ کہا مانے اور نہ اپنی کہے اور نہ اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرے۔ بلکہ محض اپنی ضد میں اپنا ضرر کرے اور دوسروں کو ضرر پہنچائے۔ امام حسین ہرگز ایسے نہ تھے آپ ہر شخص کی بات کو بغور سنتے اور ہر نیک و بد کو میزان عقل میں تولتے تھے۔ اور جو صلاح نیک ملتی تھی۔ اسکو اختیار کرتے تھے اور جس بات کا خود دعویٰ کرتے تھے۔ اس کی برابر معقول دلیل دے کر سب کو قائل کرتے تھے۔

اس کو خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ فرزندان اور عزیزان اہلبیت آپؑ کے آپ کو نہایت ہی عزیز تھے۔ ہر شخص آپ کی آنکھوں کا تارا اور جگر کا ٹکڑا تھا۔ آپ نے اپنے بچوں کی حفاظت میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہیں رکھا اور جہاں ذرا خوف جان یا فساد کا احتمال ہوا۔ وہاں سے فوراً عزیزوں کو ساتھ لے کر نکل گئے۔

مدینہ سے نکل جانا آپ کا کسی کے خلاف نہ تھا۔ بلکہ ہر شخص حضرت کے اعزا و اقارب کی جان کی حفاظت اسی میں سمجھتا تھا۔ لیکن جب آپ نے مکہ سے کوفہ کا قصد کیا۔ تو اکثر لوگ مزاحم ہوئے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر یعنی خلیفہ ثانی کے بیٹے نے کہا کہ مصلحت یہ ہے۔ کہ آپ یزید کی بیعت کر لیجیئے۔ اور پھر چین سے مدینہ میں قیام کیجئے۔ (دیکھو تاریخ اعثم کوفی چھاپہ دہلی مطبع یوسفی ۱۳۲۵ھ) جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ بھائی یہ کیا کہتے ہو۔ مَیں ہرگز یزید کی بیعت نہ کروں گا۔ میں اپنے نانا رسولِ خدا کی سُنت اور اپنے باپ حضرت علیؑ مرتضیٰ کی خصلت پر رہوں گا۔ اس فرمانے سے مقصد آپ کا یہ تھا۔ کہ اگر میں یزید کی بیعت کر لوں۔ تو پھر اسلام کا کہاں ٹھکانہ رہے گا۔ تو کیا آپ چاہتے ہیں۔ کہ جس اسلام کو میرے جد بزرگوار نے پیٹ پر پتھر باندھ کر پالا۔ اور پرورش کیا ہے۔ اس کو مَیں اپنے ہاتھوں سے کھو دوں۔ اور جس اسلام کو میرے پدر عالی وقار نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر پھیلایا ہے۔ اس کو مَیں خود اپنی کارروائی سے ڈبو دوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر مرد معقول تھے مان گئے اور قائل ہو گئے۔

اس کے بعد حنفیہ نے جو آپ کے سوتیلے بھائی تھے منع کیا۔ اور کہا۔ کہ کوفی بے اعتبار ہوتے ہیں۔ ان کے قول و فعل کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ ادھر آپ تشریف نہ لیجائیے۔ اس طرف جانے میں احتمال ضرر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوفہ جانے میں احتمال ضرر ہے تو یہاں میں کس امن کی جگہ میں ہوں کوفہ کی تو ابھی تک کوئی بات خلاف معلوم نہیں ہوئی ہے۔ لیکن یہاں تو لوگ حاجیوں کے بھیس میں میرے قتل کیلئے جمع ہوئے ہیں تو کیا تم چاہتے ہو۔ کہ مکہ معظمہ میدان جنگ اور خانہ کعبہ مقتل سادات بنی فاطمہؑ بن جائے؟ اس سے تو ہزار درجہ بہتر یہی ہے کہ توکل بخدا کوفہ کی طرف جاؤں اور وہاں جو مشیت پروردگار عالم ہو۔ اس پر راضی برضا رہوں۔ اس سے اتنا تو ہو گا۔ کہ حرمت حرم محترم خانہ کعبہ کی برباد نہ

ہوگی۔ محمد حنفیہ اسکو مان کر کہنے لگے۔ کہ اچھا آپ خود تشریف لے جائیے۔ لیکن حرم محترم کو ساتھ نہ لے جائیے۔ چونکہ حضرت محمد حنفیہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی تھے۔ اسلئے آپکو مجبوری ہوئی کہ اپنے درد مند بھائی کو ایک سر مخفی سے بھی آگاہ کر دیں۔ اس لئے حضرت نے فرمایا۔ کہ بھائی اسمیں مجبور ہوں۔ نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی حکم ہے یہ تو سر مخفی تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ باسباب ظاہر بھی غالباً کوئی عاقل اس سے اختلاف نہ کرے گا۔ کہ جب مدینہ اور مکہ دونوں آپ کے لئے محل خوف ہو گئے تھے۔ تو حضرت کا مع اہلبیت طاہرین کے کوفہ کی طرف تشریف لے جانا خلاف مصلحت نہ تھا۔ اگر تنہا جاتے تو عیال و اطفال کو کس پر اور کس اُمید پر چھوڑ جاتے، جتنے فرزندانِ اور عزیزان حضورؑ کے تھے۔ سب آپ کو بہت پیارے تھے۔ ان کو آپ اس محل خوف میں چھوڑ نہیں سکتے تھے اور وہ لوگ حضورؑ کو تنہا کہیں جانے نہ دیتے۔ چنانچہ سب کے سب ساتھ ہوئے۔ صرف حضرت عبداللہؓ شوہر حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور حضرت محمد حنفیہ بوجہ علالت کے ساتھ نہ ہوئے۔ ان کے سوا سارا کنبہ آپ کے ساتھ تھا۔ اور آئندہ جو کچھ ہو۔ اس وقت تو آپ کے ساتھ ایک بہادر فوج ہمراہ تھی۔ تب ایسے قافلے کو چھوڑ کر اہل و عیال کو دو علیل بھائیوں کی حفاظت میں چھوڑنا اور خود مدینہ سے ہجرت فرمانا ہرگز مصلحت وقت کے موافق نہ تھا۔ اس لئے محمد حنفیہ بھی راضی ہو گئے۔ پھر دیکھئے۔ جب حضرت حرؑ علیہ السلام نے بعد رد و بدل کے شب کے وقت تخلیہ کی ملاقات کی تو حضرت امام حسینؑ سے کہا کہ یا حضرتؑ اس وقت میرا سارا لشکر سوتا ہے۔ آپ اسی وقت کوچ کر جائیے۔ کہ جس میں اعداء کے شر سے نجات ملے۔ آپ نے فوراً اس رائے کو قبول کر لیا۔ اور اسی وقت حضرت عباسؑ کو کوچ کا حکم دیا۔ اور خیمہ اکھڑ گیا۔

اس مقام پر غور کیجیے۔ کہ حضرت امام حسینؑ کہ ایک معمولی شخص جوشیلی طبیعت کے عرب ہوتے۔ تو بمجرد سماعت اس خبر کے کوفیوں نے عالم غربت میں آپ کے بھائی حضرت مُسلم علیہ السلام اور اُن کے دو معصوم بچوں کو نہایت بے رحمی سے شہید کیا۔ آپ بہ نظر انتقام کوفہ چلے جاتے اور کوفیوں سے مظلوم بھائی اور بھانجوں کے خون کا بدلہ لیتے۔ لیکن آپ نہایت متین سنجیدہ اور متحمل شخص تھے۔ اس لئے آپ نے ان غصہ انگیز واقعات پر صبر کیا۔ اور کوفہ کا قصد کیا۔

اس وقت آپ کا اپنے غم و غصہ کو ضبط کرنا بیان سے زیادہ قابلِ قیاس ہے حضرت مُسلمؑ آپ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ اور آپ کی اپنی سوتیلی بہن حضرت عباسؑ کی حقیقی بہن سے بیاہے ہوئے تھے۔ حضرت کی یہ بہن یعنی زوجہ حضرت مُسلمؑ بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ ہیں۔ حضرت امام حسینؑ اپنی مصیبت زدہ بیوہ بہن کی آہ و زاری نالہ و فغاں کو سن سکے

ہیں۔ اور یہ بھی خوب سمجھ رہے ہیں۔ کہ اس غریب بھائی مُسلمؑ کی میرے لئے جان گئی۔ مگر تاہم ضبط اور تحمل سے کام لیتے ہیں۔ یہ واقعہ ایسا جانگزا ہے۔ کہ ہم سے سرد مزاج ضعیف القلب آدمی کے بھی رگ ہاشمی کو جوش میں لا سکتا ہے۔ ہم لوگ تو اپنے آپ میں نہ رہتے۔ اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے۔ کہ ہر چہ بادا باد نتیجہ جو کچھ ہو ظالموں کو سزا دینی چاہیئے۔ مگر قربان ضبط و تحمل و دور اندیشی فرزند رسول صلعم کو آپ اپنے غیظ و غضب کو ضبط کئے ہوئے ہیں۔ اور فراست اور دور اندیشی سے غور فرماتے ہیں۔ کہ اگر میں اس جماعت قلیل کے ساتھ ایک بادشاہ جابر کے گورنر ظالم کے پائے تخت پر حملہ کر دوں۔ تو نتیجہ اس کا سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوگا۔ کہ ایک بھائی دو بھانجے تو قتل ہو چکے بقیہ بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے سب کو کٹوا دوں لیکن اس سے نہ خدا خوش ہوگا اور نہ رسول صلعم خوش ہوں گے۔ تب مجھے مجرد اپنی نفسانیت اور غیظ و غضب کی تشفی کے لئے ہرگز ہرگز روا نہیں۔ ایسے ایسے نادر جواہرات یعنی عزیزان باقیماندگان کو اپنے ہاتھوں سے گنوا دوں۔ بلکہ مناسب وقت یہی ہے۔ کہ اسی وقت کوچ کر جاؤں۔ کہ جس میں میرے بقیہ عزیزوں کی جانیں بچ جائیں۔ پس بھائی محی الدین اگر آپ غور فرمائیے۔ تو مجرد اس ایک واقعہ سے تینوں اعتراض یعنی ۱۔ یہ کہ حضرت نے اپنے کو آپ تہلکہ میں ڈالا ۲۔ یا یہ کہ حضرت ایک ضدی شخص تھے۔ ۳۔ یا یہ کہ حضرت نے کل کارروائی بہ طمع خلافت کے کی تھی۔ ایک دم پاش پاش اور ہوا ہو جاتے ہیں۔ کون شخص بحالت صحت ذات و ثبات عقل ایسے متحمل۔ بردبار ضابط و کاظم الغیض بزرگ کو ضدی یا اپنے کو آپ تہلکہ میں ڈالنے والا کہہ سکتا ہے؟ اور بعد اس واقعہ کے کون مسلوب الحواس ایسا ہے جو یہ کہے۔ کہ کربلا میں جناب امام حسینؑ نے نہایت صبر و استقلال سے جو بے مثل کارروائیاں کی تھیں۔ وہ بہ طمع خلافت کی تھیں؟ آخر وقت تک معرکہ کربلا میں آپ نے عمر سعد کو بار بار کہا۔ اور متواتر خطبات ارشاد فرمائے۔ کہ اگر تم لوگ ہماری جان اور ہمارے عزیزان کی جان کی امان دو تو ہم نہ مکہ جائیں گے۔ نہ مدینہ جائیں گے، نہ کوفہ جائیں گے ہم یمن یا دیار ہند کی طرف چلے جائیں گے۔ جس میں تم کو میری طرف سے کسی قسم کے ضرر کا گمان نہ ہو۔

اب آپ فرمائیے۔ کہ اس سے زیادہ جناب امام حسینؑ اور کیا کہتے یا کیا کرتے یا کوئی دوسرا عاقل اور فرزانہ شخص کیا کرتا۔

پس ایسے شخص مصلحت بین۔ صلح جو۔ امان طلب کو ضدی۔ ہٹ دھرم وہی شخص کہے گا جو خود سڑی۔ سودائی ہوگا۔

کیا حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا کا معرکہ عظیمہ صرف فیملی آنر (اعزاز خاندانی) یا بقاءِ اسلام کے خیال سے اختیار فرمایا تھا؟

تب پھر یہ سوال ہوتا ہے۔ کہ اگر حضرت کو طمع خلافت نہ تھی یا ضدی شخص نہ تھے تو کونسی بات آپ کے دل میں ایسی تحریک کرتی تھی۔ جس کے مقابلہ میں آپ نے بیعت یزید کا ننگ گوارا نہ کیا۔

اس کے جواب میں بعض اہل الرائے کہہ سکتے ہیں۔ کہ حضرت نے فیملی آنر یعنے عزت خاندانی کے خیال سے ایسا کیا۔ لیکن جہاں تک میں دیکھتا ہوں۔ کہ ساتویں محرم کو یہ بات بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ساتویں محرم وہ تاریخ ہے۔ کہ تیس ہزار سے زیادہ لشکر جرار آپ کے مقابلہ کو پہنچ گیا۔ آپ چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں۔ گھاٹ رُک گئے۔ ریانی خیمہ میں آنا بند ہو گیا۔ العطش العطش کی ہر طرف پکار ہونے لگی۔ چاروں طرف نیزوں کی پھالیں چمک رہی ہیں۔ تابش آفتاب سے خیمہ مبارک دہک رہا ہے۔ ایسی حالت میں اگر آپ صلح کر لیتے۔ تو سابق کی فیملی نظیروں کے خلاف نہ ہوتا۔ کیونکہ اس سے بہت کم حالت تھی جب خود حضرت سرور کائنات صلعم نے بمقام حدیبیہ کفار قریش سے صلح فرمائی تھی۔ اس سے کم حالت تھی جب حضرت کے والد بزرگوار حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جنگ صفین میں امیر معاویہ سے صلح کی تھی۔ اس سے بہت کم حالت تھی جب آپ کے برادر عالی قدر حضرت امام حسنؑ نے امیر معاویہ سے صلح کی تھی۔ اس لئے اگر آپ صلح کر لیتے تو فیملی آنر کے خلاف نہ ہوتا۔ اس بلئے یہ بات کہ حضرت نے مجرد فیملی آنر کے خیال سے اتنا بڑا معرکہ عظیمہ گوارا فرمایا۔ اور اس صبر و استقلال سے اپنا گھر لٹا دیا۔ دل نشین نہیں ہوتی۔ تب دل کو تشویش ہوتی ہے۔ کہ واقعی کیا بات حضرت امام حسینؑ کے خاطر مبارک میں تحریک کرتی تھی۔ کہ آپ نے سب صعوبتیں گوارا کیں۔ لیکن یزید کی بیعت نہ کی۔

معراج شہادت

اس کے جواب میں اہل الرائے کہہ سکتے ہیں۔ کہ قیام و استحکام اسلام کے لئے حضرتؑ نے یہ سب صعوبتیں گوارا فرمائیں۔

مجھے اس رائے کے صائب ہونے میں مطلق کلام نہیں۔ لیکن میں جہاں تک خیال کرتا ہوں۔ نویں محرم کی شام سے جو کارروائی حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمائی اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بقائے اسلام کے علاوہ حضرت نے اپنی ذاتی ترقی اور اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہونے کا آغاز فرمایا تھا۔ وہ اس طرح پر کہ حقتعالےٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اولٰئک علیھم صلوٰۃ من ربھم ورحمۃ واولٰئک ھم المھتدون ۝

یعنی ہم تمہارا ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک چیز یعنی خوف۔ بھوک۔ نقصان مال نقصان جان یا نقصان ثمرات یعنی اولاد میں امتحان لیں گے۔

قربان ہمت فرزند رسول صلعم کے کہ آپ نے فرمایا خدایا لبیک یہ تیرا بندہ احقر پانچوں امور میں بلکہ اُن سے زیادہ امور میں بیک وقت امتحان دینے کو حاضر ہے۔ حکم آیا بسم اللہ میدان میں آئیے۔ ہمارے فرشتے آپ کے صبر و استقلال کا موازنہ کریں گے۔

حقتعالےٰ نے اسی آیہ کریمہ میں فرمایا ہے۔ کہ جو میرے خاص بندے صابر ہیں۔ وہ مصیبت پڑنے کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہتے ہیں۔ یعنی خدایا ہم تیرے لئے ہیں۔ اور تیری طرف بازگشت کرنے والے ہیں۔

اس امام جلیلؑ خلاصہ خاندان ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے دل میں خیال کیا۔ کہ فقط زبانی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہا تو کیا اگر اپنے افعال سے دکھا دوں۔ کہ واقعی ہم لوگ تیرے لئے (خدا کے لئے) اور تیری طرف واقعی بازگشت کرنے والے ہیں۔ تو البتہ سند ہے۔ اس اہتمام کے لئے حضرت نے نویں محرم کو جب ابن سعد نے لڑائی چاہی۔ تو آپ نے ایک شب کی مہلت لی۔ اور جب یہ مہلت منظور ہوئی۔ تو شام کے وقت آپ نے اپنے سب انصار کو ایک جگہ جمع کیا۔ اور یہ فرمایا۔ کہ یہ افواج کوفہ و شام ہمارے سر کے طلبگار

ہیں۔ تم سے ان کو کوئی مخاصمہ نہیں۔ اور جس حالت میں میں پہنچ گیا ہوں۔ اب اس سے میری جانبری محال ہے۔ پس تم کیوں میرے لئے اپنی جانیں تلف کرو۔ میں تم کو بخوشی اجازت دیتا ہوں۔ کہ تمہارا جدھر جی چاہے۔ چلے جاؤ۔ بلکہ میں اپنی بیعت تم سے اٹھا لیتا ہوں۔

یہاں پر غور طلب یہ امر ہے۔ کہ اگر مقصد اقصیٰ آپ کا صرف بقاء اسلام ہوتا۔ تو اپنی جماعت کو کم نہ کرتے۔ کیونکہ جس قدر فوج آپ کی زیادہ ہوتی اسی قدر قوت ظاہری آپ کی زیادہ ہوتی۔ چنانچہ یہ قاعدہ عام اب تک چلا آتا ہے۔ کہ حالت خوف میں سردار لشکر جہاں تک ممکن ہوتا ہے اپنی جماعت کو سمیٹے رہتا ہے۔ بلکہ بھاگنے والوں کو گولی مارنے کا حکم دیتا ہے۔

اس لئے کوئی شک نہیں کہ اس کارروائی سے مقصد اقصیٰ حضرت امام حسینؑ کا یہ تھا۔ کہ اے حسینؑ امتحان تو شروع ہو گیا۔ خوف چھا گیا۔ بھوک پیاس کی شدت شروع ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کی عملی تیاری کرو۔ اس لئے پہلے آپ نے انتخاب ان لوگوں کا کیا جو زمرہ انا للہ میں داخل ہونے کا شرف پانے والے تھے۔ چنانچہ بہتر بزرگوار ایسے نکلے۔ جنہوں نے بخشوع و خضوع اس مقدس فہرست میں اپنے نام لکھوائے۔ لیکن جن کی قسمت میں یہ شرف نہ تھا۔ وہ لوگ شب عاشورا ادھر ادھر چل نکلے۔

الغرض اس طرح پر حضورؑ نے انا للہ والوں کی فہرست تیار کی۔ اور بعدہٗ انا الیہ راجعون کی تیاری شروع کر دی۔ شب بھر حضور اقدسؑ نے عبادت خدا میں بسر کی۔ غازیان باصفا رضائے پروردگار عالم کے حصول کے لئے ایسے بےچین رہے۔ جیسے اطفال خورد سال بر شب عید متمنی سحر رہتے ہیں۔ اہلبیت طاہرین علیہم السلام نے اپنے اپنے خیموں میں اپنے فرزندوں کو سنوارا۔ اور تلقین کی۔ کہ دیکھو کل تمہارے آقا پر حملہ ہوگا ایسا نہ ہو کہ پسپا ہو جاؤ یا شمشیر مخالفین سے ڈر جاؤ۔ یا بھوک پیاس کی شدت سے تڑپنے لگو۔ ان معصوموں نے یقین دلایا۔ کہ اگر ہم اپنے آقا پر اپنی جانیں فدا نہ کریں تو آپ دودھ نہ بخشیں۔

الغرض اس تیاری میں شب عاشورا کٹ گئی۔ اور صبح شہادت آئی۔ اب یکے بعد دیگرے غازیان دین سفر آخرت کی راجعاً الی اللہ تیاری کرنے لگے۔ ادھر آقا سے رخصت ملی۔ فوراً گھوڑے دوڑا کر شاداں و فرحاں میدان جنگ میں گئے۔ اور کمال بہادری و جانبازی دکھا کر رحمت خدا سے جا ملے۔ آخر نوبت عزیزوں کی پہنچی۔ اور ؎

وہ بچھڑنے لگے۔ گودی میں جنہیں پالا تھا

در بقیہ پسران مسلمؑ شہید ہوئے۔ حضرت امام حسینؑ راضی برضا ہے پیاری بہن زینبؑ اپنے بیٹوں کو رخصت دلوانے کے لئے حاضر لائیں۔ قلب پر سخت چوٹ پڑتی ہے بہن کی

کمائی ہاتھ سے کھوئی نہیں جاتی۔ مگر نہایت استقلال سے پیارے بھانجے میدان میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔ اور جب ان کی لاشیں آتی ہیں۔ تو صدمہ تو انتہا کا ہوتا ہے۔ مگر جادۂ صبر و استقلال سے قدم نہیں ہٹتا۔

اب اس مصیبت کا سامنا ہے۔ کہ تازہ داماد رخصت پر مصر ہے۔ برادر مرحوم کی نشانی ہاتھوں سے جا رہی ہے۔ بیٹی کے رنڈاپے کا سامان ہو رہا ہے۔ مگر پھر رخصت سے انکار نہیں کیا جاتا۔ خود اپنے تازہ ناشاد نامراد داماد کو گھوڑے پر چڑھاتے ہیں۔ اور جب اس کی نعش آتی ہے۔ تو خیمہ مبارک میں کہرام پڑ جاتا ہے۔ مگر حضرتؑ کا استقلال نہیں جاتا۔ اور بالکل راضی برضا رہتے ہیں۔

اب یہ وقت آیا۔ کہ برابر کا بھائی جو اشجع الناس تھا، جس سے ہر شخص کو بڑی تقویت تھی، رخصت طلب ہے۔ آپ کی آنکھوں میں دنیا سیاہ معلوم ہوتی ہے۔ مایوسی چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے۔ لیکن اپنے قوت بازو کو اجازت جنگ دیتے ہیں۔ اور جب وہ جاں نثار بھائی آواز دیتا ہے یا اخی یا مولیٰ ادرکنی آپ کو صدمہ تو ایسا ہوتا ہے کہ کمر خم ہو جاتی ہے۔ طاقتِ رفتار جاتی رہتی ہے۔ اور عالم یاس میں بے چین ہو کر فرماتے ہیں الآن انکسرت ظھری و قلت حیلتی۔ یعنی اب میری کمر شکستہ ہو گئی۔ اور ساری آس ٹوٹ گئی۔

لیکن اس پر بھی جب اس قوت بازو بہادر بھائی کی لاشِ مبارک پر پہنچے ہیں۔ تو کمال صبر و استقلال کے ساتھ خالی مشک و علم کو خیمہ مبارک میں واپس لاتے ہیں اپنے ارادہ میں ویسے ہی مستقل رہتے ہیں۔

اس کے بعد اس فخرِ خاندان خلیل و اسمٰعیل کے سامنے یہ مرحلہ پیش آیا۔ کہ اٹھارہ برس کا نوجوان بیٹا ہم شکل رسول جس کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے تھے۔ رخصت طلب ہے اور اسی میدان میں جانا چاہتا ہے۔ جہاں ابھی تک لاش حضرت عباس غازی علمبردار علیہ السلام اشجع الناس کی پڑی ہوئی ہے۔ اس وقت امام حسینؑ کے دل پر چوٹ تو ایسی پڑتی ہے۔ کہ تلملا کر گر پڑتے ہیں۔ لیکن ایک ایسی چیز (لقائے رحمت پروردگار عالم) اپنا جلوہ ظہور دکھا رہی ہے کہ اس کے پرتو سے آپ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی مرگ شباب کو دھیان میں نہیں لاتے۔ حالانکہ صدمہ قلبی آپ کو ویسا ہی ہوا ہے۔ جیسا کہ ہر فرد بشر کو ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ چنانچہ منقول ہے۔ کہ قبل شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام کے آپ کی ریش مبارک کے کل بال سیاہ تھے۔ مگر بعد شہادت اس نوجوان فرزند کے زیادہ تر بال سفید ہو گئے۔ لیکن اس پر بھی آپ کے صبر و استقلال میں ذرا فرق

ذ آیا۔ اور اپنے لختِ جگر کے سینۂ مبارک سے خود برچھی کا پھل نکالا۔ اور راضی برضا رہے امتحان دینا اس کو کہتے ہیں۔

اتنے میں فضّہ نے آواز دی کہ یا حضرتؑ معصوم علی اصغرؑ پیاس کے مارے دم توڑ رہا ہے۔ خبر لیجیئے آپ اس بچے کو ہاتھوں پر میدان میں لائے اور فرمایا کہ میرا بچہ ناقہ صالح سے کم نہیں ہے۔ کوئی ایسا ہے جو معصوم بچے کے حلقِ خشکیدہ تک تھوڑا پانی پہنچا دے؟ جواب میں بے رحم حُرملہ نے اس بچہ کو آبِ تیر سے سیراب کیا۔ اور وہ بچہ تڑپ کر آپ کی گود میں شہید ہوا۔

اب حضرتؑ یک و تنہا رہ گئے۔ اور خود تقاضائے رحمت پروردگار عالم اور جوارِ رحمت ملنے کے لئے تیار ہوئے۔ عصر کا وقت آگیا۔ زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے پر ڈگمگاتے ہیں۔ جسم مبارک پر تیس سو زخم پڑ چکے ہیں۔ تیر بدن میں پیوست ہیں۔ لیکن استقلال وہی ہے۔ بلکہ غالباً اس خیال سے کہ اے حسینؑ جب اپنے حبیب کے پاس جاتے ہو تو سب امتحان پورا کر لو۔ ذرا چلتے چلتے اپنی پیاری بہنوں اور بیٹیوں کو دیکھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ کہا جائے کہ اگر ان کی مایوسانہ صورتیں تمہارے سامنے ہوتیں۔ تو تمہارے دل پر ایسا اثر پڑتا کہ تمہارے استقلال میں فرق آتا۔

آپ فوراً در خیمہ پر تشریف لائے۔ اس وقت حضور کے جسم مبارک میں اس قدر تیر پیوست تھے۔ کہ اہلبیت علیہم السلام کو شناخت میں تامل ہوا۔ جب سبھوں نے پہچانا تو سب بیبیاں آ کر قدم پاک سے لپٹ گئیں۔ اور آپ کی دختر چار سالہ حضرت سکینہؑ سینہ سے چمٹ گئی۔ حضرتؑ نے اپنے فرزند علیل کو جگایا اور بعد ودیعت اسرار امامت و احکام شریعت رُخصت طلب ہوئے خیمہ مبارک میں کہرام پڑ گیا۔ اس وقت کا بین بیان سے زیادہ قابلِ خیال ہے۔ آپ نے پہلے حضرتؑ سکینہؑ کو گود سے اتار کر حضرت زینبؑ کے حوالہ کیا۔ اور کہا بہن یہ میری بیٹی ناز پروردہ ہے اس کی برابر خبر لیتی رہنا۔ بعدہٗ بہت منت کر کے سب بیبیوں سے رخصت ہوئے۔ اور خیمہ مبارک سے باہر آکر بزبان حال یہ فرمایا ؎

یارب یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
سب ہیں تیرے دریا کے گہر تیرے حوالے

عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انہیں چھوڑ چلا ہوں

اب میں ہفت اقلیم کے اہل الرائے سے سوال کرتا ہوں۔ خوب غور کر کے فرمائیں کہ اس وقت امام حسین علیہ السلام کے دل میں کونسی بات تحریک کرتی تھی کہ اپنے ناموس کو یوں

بے سہارے چھوڑ کر میدان کی طرف جاتے ہیں۔ اور جس وقت حضور اقدس نے حضرت سکینہؑ کو اپنی آغوش مبارک سے اتارا۔ اس وقت کون سی عزیز تر شے آپ کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ جس نے حضرت سکینہ کی صورت پر پردہ دے دیا؟

فقیر کے نزدیک سوائے اسکے اور کوئی بات معلوم نہیں۔ کہ اب حضورؑ کو درجہ وصال ملنے والا ہے۔ اور بقائے رحمت اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔ اسی وجہ سے اہلِ حرم کی بیکسی اور بیچارگی رجوع قلب میں فرق آنے نہیں دیتی۔

اس درجہ وصال پر فائز ہونے کے لیئے یہ زینہ بڑا دشوار گذار تھا۔ لیکن قربان ہمت فرزند رسول مقبول صلعم کے آپ اس زینہ سے بھی بآسانی بڑھ گئے اور اہلبیت طاہرینؑ کو خدا کو سونپ کر میدان میں تشریف لائے۔ اب تو صرف ایک آخر کا زینہ باقی ہے۔ یعنی حضرت گھوڑے سے گرے۔ شمر خنجر بکف آیا۔ سینۂ مبارک پر سوار ہوا۔ اسوقت اُمّت عاصی کے حق میں دُعا کرتے ہوئے حضرتؑ عرش اعظم پر پہنچ گئے۔ اور درجہ وصال سے مشرف ہو کر رحمت ایزدی سے مل گئے۔ اور اپنے بے بہا صبر و استقلال سے انا للہ وانا الیہ راجعون کے لغوی معنی پر فائز ہو کر زندہ جاوید ہو گئے۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد وّاٰل محمّد!!! ایسے ہی بزرگواروں کی شان پاک میں حق تعالےٰ نے فرمایا ہے ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتؐ بل احیاءٌ ولٰکن لا تشعرون ط یعنی جو لوگ راہِ خُدا میں قتل ہوتے ہیں۔ ان کو مُردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم کو ان کے دیکھنے کا شعور نہیں۔ اگر اس آیہ کریمہ کے مدارج کے قابل نعوذ باللہ حضرات شہدائے کربلا نہ سمجھے جائیں۔ تو دُنیا کی تواریخ اٹھا کر دیکھیئے کوئی دوسرا شخص اس کا مستحق نہ ملے گا۔

الغرض اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ جناب سیدالشہداء علیہ السلام کی ذات بابرکات ایسی ہے۔ کہ قطع نظر اس کے کہ آپ امام ابن امام ہیں۔ خود آپ کی سیرت اور آپ کے اعمال ایسے ہیں کہ ہر شخص آپ کو اعلیٰ درجہ کا بشر (GREAT MAN) سمجھے گا۔ کیونکہ جو شخص واقعات کربلا کو بہ نظر غور و تعمق دیکھے گا۔ وہ عام اس سے کہ اس کا مذہب جو کچھ ہو بلا ریب و شک کہے گا۔ کہ حسین ابن علی علیہ السلام نے ایسے ایسے مصائب سخت اور جانگزا صرف اس وجہ سے اختیار کئے تھے۔ کہ ان کو اس کا کونشس یعنی یقین کامل ہو گیا تھا۔ کہ جو بات میں نے دل میں ٹھان لی ہے۔ اسی میں پروردگار عالم کی خوشی ہے۔ یعنی اگر میں یزید کی بیعت کر دں تو اسلام بالکل تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اور آپ وجد کا سارا ریاض مٹی میں مل جائے گا۔ لیکن اگر میں یزید کی بیعت نہ کر دں۔ تو اسلام قائم رہ جائے گا۔ اور خداوند عالم مجھ سے راضی اور خوشنود ہو گا۔ اور واسطے خوشنودی

رضائے پروردگار عالم کے سب مصیبتوں اور آفتوں کو صبر و رضا کے ساتھ برداشت کرنا کمال عبودیت ہے۔ اس لئے اس مہم فی سبیل اللہ میں کسی چیز کو حتیٰ کے فرزندان اور جگر گوشگان کو بھی جو سرمایۂ زندگی ہیں عزیز کرنا نہ چاہیئے اس لئے کوئی شک نہیں۔ کہ حضرتؑ نے سب مصائب اور تباہی اور خانہ بربادی صرف واسطے رضا و خوشنودی خلاق عالم کے گوارا فرمائی تھی۔ پس جو شخص محض حقتعالے جل شانہٗ کی رضا اور خوشی کے لئے اپنے بیٹے بھانجے بھائی بھتیجے کی شہادت گوارا فرماکر خود بعالم غربت بھوکا پیاسا شہید ہو۔ اس کے مقبول بارگاہ احدیت ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ ہاں اگر کوئی مخالف کہہ سکتا ہے تو یہ کہہ سکتا ہے؟ کہ حضرتؑ اپنے خیال ہی میں غلطی پر تھے۔ لیکن اس کی نسبت بھی غالباً کوئی شخص انکار نہ کرے گا۔ کہ یزید کے اعمال و افعال بالکل اسلام بلکہ تہذیب اور اخلاق کے ڈبونے والے تھے۔ اسلئے اسکی بیعت کرنے سے اسلام خاک میں مل جاتا اور انسان بہائم ہو جاتے۔ تب یہ خیال ہرگز غلط ہو نہیں سکتا۔ کہ حق تعالے مخرب دین اسلام اور مخرب تہذیب و اخلاق کی حمایت کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس لئے حضرت سید الشہداؑ کا کونشس (علم و یقین) کہ خداوند عالم کی خوشی اسی میں ہے کہ میں یزید کی بیعت نہ کروں اور اسلام کو بے داغ اور بے عیب رکھوں غلط نہ تھا۔ جیسا میں نے دوسری کھائی کے جواب کے آخیر بہ صراحت بیان کر دیا ہے۔ تب کوئی شک نہیں ہے۔ کہ حضرت امام حسینؑ نے رضائے پروردگار عالم کے لئے وہ کام کیا جو آج تک کسی بشر نے نہیں کیا ہے۔ اس لئے آپ بلاریب و شک دنیا کے ایک بڑے شخص (GREAT MAN) بلکہ (GREAT MARTYR) یعنی سید الشہداء ہیں۔ اور ہر قوم اور ملت میں قابل تعظیم ہیں۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وّ اٰلِ محمّدٍ

چنانچہ خدا کے فضل سے واقعتہً بھی ایسا ہے۔ کہ ہر ملت و مذہب والے جو حضرتؑ کے حالات صبر و استقلال سے واقف ہیں۔ وہ آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں کہ آپ زندوں کی طرح فرمانروا ہیں۔ اور ہندوستان میں تو ہمارے ہندو بھائی حضرت کی پوری عزاداری کرتے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو۔ تو اس وقت جناب مہاراجہ صاحب بہادر گوالیار سے دریافت کرلے کہ حضور کا حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسبت کیسا اعتقاد ہے۔ اور حضور کے اسٹیٹ میں سالانہ بجٹ میں محرم شریف کا خرچ کس قدر رکھا جاتا ہے۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں کسی مذہب کے پیشوا کے لئے دوسرے مذہب والے اگر بہت کرتے ہیں۔ تو اتفاقیہ کسی کی خاطر سے کچھ بطور ڈونیشن کے دے دیتے ہیں۔ مگر ہمارے آقا سید الشہداء علیہ السلام کے لئے تو لاکھوں ہندو محض صدق دل اور سچے اعتقاد سے بلا کسی کی ترغیب و تحریص کے

لاکھوں روپیہ ہر سال خرچ کرتے ہیں۔ اور اس میں ترقی کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ سب اقالیم کے مورخین نے حضرت امام حسینؑ کے صبر و استقلال کی بڑی تعریف کی ہے۔ لیکن ہزار افسوس کہ جو لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ وہی ان کی تحقیر و توہین کرتے ہیں۔ اور آپ کی شان مبارک میں الفاظ کہ یہ "اپنی سزائے اعمال کو پہنچے" استعمال کرتے ہیں۔ شرم!! شرم!!

یوں تو ہر شخص اپنے اعمال و فعل کا مختار ہے۔ لیکن ہر مسلمان کو اسقدر یاد رکھنا ضرور ہے۔ کہ ایک روز ایسا بھی آنے والا ہے۔ کہ انہیں خاصانِ خدا کے سایہ حافظت میں پناہ لینا ہے۔ اس لئے میں کوئی خاص فرمائش نہیں کرتا۔ کہ این کمن آں کمن بلکہ کمال ادب و تعظیم سے چند سوال کرتا ہوں براہِ کرم غور فرمائیے اور دیکھ لیجئے۔ کہ آپکا کانشنس (علم و یقین) کیا جواب دیتا ہے۔

جمہور اسلام کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کس قدر اور کس طرح ہمدردی کرنی چاہیئے؟

۱۔ جس بزرگ کو میں نے بحیثیت ایک فرد بشر کے مجرد واقعات سے ایسا جلیل القدر اور عالی وقار ثابت کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہم لوگوں کو کس قدر اور کس طرح ہمدردی کرنی چاہیئے؟ ۲۔ ہماری اور جمہور اسلام کی ہمدردی اس بزرگ کے ساتھ کس قدر ہونی چاہیئے جب یہ معلوم ہو۔ کہ یہ عالی وقار ہمارے جناب رسول مقبول صلعم کا پیارا فرزند ہے۔ جس کو آں حضرت صلعم اپنے کاندھے پر چڑھاتے تھے۔ اور اپنا سرمایہ زندگی سمجھتے تھے۔

۳۔ مجھے اس بزرگ کے ساتھ کس قدر ہمدردی کرنی چاہیئے۔ اور اس کے فضائل و مصائب کے یادگار قائم کرنے میں کس قدر انہماک کرنا چاہیے۔ جب یہ معلوم ہو کہ یہ بزرگ جنہوں نے ایسے اعلےٰ مدارج حاصل فرمائے ہیں۔ وہ ہمارے جدامجد ہیں!! اللہ اکبر!!!

۴۔ جمہور مسلمانان کو اس بزرگ کی کس قدر اور کس طریقہ سے شکرگزاری کرنی چاہیئے اگر یہ معلوم ہو جائے۔ کہ اس بزرگ والا ہمم عالی وقار نے یہ سب مصائب جو بیان ہوئے اس وجہ سے برداشت کئے تھے۔ کہ بروز محشر اس کو ایسا درجہ حاصل ہو کہ درگاہ شاہنشاہ قہار و جبار کے سامنے ہم سے گنہگاروں کی شفاعت کا اس کو موقع ملے اور ہماری جان بچائے؟ ورنہ بذات خود اس کا بہشت میں جانا روز ازل سے معین تھا۔

۵۔ جن ایام میں اس بزرگ پر ایسی ایسی مصیبتیں پڑیں۔ کہ بیٹے۔ بھائی۔ بھتیجے بھانجے بھوکے پیاسے سامنے قتل ہوئے۔ خود عالم غربت میں تین دن کا بھوکا پیاسا نہایت بے رحمی سے

شہید ہوا۔ گھر بار لٹ گیا۔ اہلبیت اسیر ہوئے۔ ان ایام مصیبت میں ہم مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ جس سے بروز محشر جناب سردار کائنات سمجھیں۔ کہ ہاں یہ لوگ البتہ میرے فرزند کے ہمدرد تھے۔

علاوہ مسلمانوں کے دیگر مذاہب والے اس واقعہ کو اور شیعوں کی عزاداری کو کیسا سمجھتے ہیں؟

محی الدین۔ وہ لوگ دستی لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ بات تو ہمارے اور تمہارے یعنی مسلمانوں کے سمجھنے کی ہے نا؛ غیر مذاہب والے اس کو کیا سمجھیں گے۔ وہ تو توہین ہی سمجھیں گے نا؛ وہ کہیں گے۔ کہ اتنے بڑے نبی کے نواسے یوں قتل ہوئے یا یہ کہ ایسے رسولؐ ابرار کی نواسیاں قید ہوئیں۔

علی رضا۔ ہے غضب یہ کیا بہتان ہے! لکھنؤ۔ الہ آباد۔ فیض آباد۔ بنارس پٹنہ کا تو روایت خاص اور بلقین کامل پر تو کہہ سکتے ہیں کہ سارے ہندوستان کا تجربہ ہے کہ سوائے بعض فرقہ سنت جماعت کے کوئی فرد بشر کیا ہندو کیا مسلمان۔ کیا یہود کیا نصاریٰ۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور اُن کے اہلبیتؑ کی اسیری پر سوائے افسوس اور ہمدردی کے اور کچھ نہیں کہتا اس وقت ہندوستان میں بیس کروڑ سے زیادہ مسلمانوں کے علاوہ اور مذاہب کے لوگ ہیں مگر میں دعوے سے کہتا ہوں۔ کہ سو میں نوے تو اس واقعہ کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور لاکھوں روپے صرف کرتے ہیں۔ اور بہت سے ہندوؤں کو حضرات شہدائے کربلا علیہم السلام سے ایک خاص اعتقاد ہے۔ اور وہ پوری عزاداری کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی شہر کے ایک بڑے معزز رئیس بابو ماتادین صاحب رائے بہادر سابق سب جج کی مجھے ایک رُباعی یاد ہے۔

خوشا وہ لوگ جو آتے ہیں بزم ماتم میں	خوشا وہ ہاتھ جو پیٹے حسینؑ کے غم میں
وہ دل ہو خاک نہ ہو جس میں اہلبیتؑ کا غم	وہ پھوٹے آنکھ جو روتی نہ ہو محرم میں

پس ہزار افسوس کہ غیر مذہب والے تو اس واقعہ عظیمہ کو اس عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور اُسکی ایسی تعظیم کریں۔ اور جو لوگ مسلمان کہلائیں۔ وہ اس میں توہین سمجھیں۔ اور اُس کے مٹانے کی فکر کریں!! کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ اس امر میں توہین اہلبیتؑ کے ہونے کا گمان پہلے مسلمانوں ہی کے دلوں میں پیدا ہوا۔ اور یہی لوگ غیر مذہب والوں کو ایسا سمجھنے کی تعلیم کریں؟ اور اس پر غضب یہ کہ اس تعلیم میں ناکامیاب ہوں۔ تو بھی اپنی ہٹ دھرمی نہ چھوڑیں۔ حیف صد

حیف کلکتہ میں اکثر انگریزوں اور بنگالیوں نے جن کو ان امور سے مطلق تعلق نہیں۔ عند التذکرہ میرے ساتھ موافقت ظاہر کی ہے وہ بھی اعمال جائز محرم اور واقعہ کربلا کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انگریزی مورخوں نے اس واقعہ کو اور شیعوں کی عزاداری کو ہمدردی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور مسٹر جسٹس ارنالڈ صاحب نے جلد ۱۲ بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ صفحہ ۳۳۳ میں شیعوں کے طریقہ عزاداری کی تحسین کی ہے۔ علاوہ اس کے دیکھو گبن صاحب کی تواریخ روم صفحہ ۹۳۲ اور آیرونگ صاحب کی کتاب موسوم خلفاء پیغمبر صفحہ ۲۱۵ اور بابو شاما چرن صاحب ٹاگور کا لکچر ۱۸۶۳ء صفحہ ۳ نوٹ۔

مسٹر جسٹس ارنالڈ صاحب جلد ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ میں (جو انڈین لا رپورٹ بمبئی کے پہلے شائع ہوتا تھا) اپنے فیصلہ صادرہ بارہ نومبر ۱۸۶۶ء میں بہ صفحہ ۳۳۳ یوں تحریر فرماتے ہیں "شیعے لوگ سالانہ حسینؑ کی عزاداری برپا کرتے ہیں۔ یہ عزاداری صرف نمائشی اور ظاہری نہیں ہوتی۔ بلکہ قلبی اور سچی عزاداری خلوص اور صدمہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

موصوف الیہ پھر تحریر فرماتے ہیں۔ جب دہم محرم کی آتی ہے۔ سارے اقلیم ایشیا میں جہاں جہاں شیعے پائے جاتے ہیں۔ یہ روز غم والم و حزن بکا کا اور صدمہ کے ساتھ ماتم داری کا مانا جاتا ہے"۔

جسٹس موصوف بعد بیان کرنے حال عزاداری اور خلوص ایرانیوں کے تحریر فرماتے ہیں ہندوستان میں جہاں شیعوں کی تعداد ہمیشہ کم اور ضعیف رہی اور جہاں سنیوں کی تعداد زیادہ اور قوی رہی۔ سنی لوگ محرم میں دنگا فساد کھیل تماشہ کے ساتھ کرتے ہیں اور قسم قسم کے سوانگ جانوران درند کی کھال پہن کر نکالتے ہیں برخلاف اس کے شیعے لوگ محزون دل و غمگین اپنے گھروں میں یا امام باڑوں میں مجتمع ہوتے ہیں۔ اور گریہ و بکا نالہ و فغاں کے ساتھ دردناک فسانہ (امام حسینؑ کی شہادت) کا سنتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی جلوس میں شامل ہوتے ہیں۔ اور پولیس ان کے اعمال میں چھیڑ چھاڑ نہیں کرتی۔ تو وہ لوگ محزون دل و غمناک ماتم کرتے جاتے ہیں۔ ایک نقرہ گھوڑا بے سوار کے ساتھ رہتا ہے۔ جو اس دلدل کی یاد دلاتا ہے۔ جس پر امام حسین علیہ السلام سوار تھے۔ اور جس سے اتر کر آپ نے پانی پینا چاہا تھا۔ لیکن جونہی آپ نے کوزہ سے لب ملایا۔ کہ مردود سنگدل شمر نے تیر مارا کہ آپ کا خون اس پانی میں مل گیا۔

"شیعوں کے نزدیک نواح کربلا کا وہی درجہ ہے جو سابق میں عیسائیوں کے نزدیک بیت المقدس کا تھا" جسٹس موصوف صفحہ ۳۳۴ میں یوں ختم کرتے ہیں "الغرض کل مذہبی زندگانی شیعوں کے خیالات اور اعتقادات اور واقعات اور ایسے اعمال مذہبی سے بھری رہتی ہے"

جس کا مرکز اور مرجع ذات پاک علیؑ اور فاطمہؑ اور اُنکے دونوں فرزندان حسنؑ اور حسینؑ ہے۔ اور
یہ مقدس چار بزرگوار صلعم رسُول خدا کے پنجتن پاک یا اہلبیت طاہرین علیہم السلام مانے جاتے ہیں"
گبن صاحب مورخ بہ صفحہ ۳۲۲۹ کتاب عروج وزوال سلطنت روم یُوں تحریر کرتے ہیں۔
"مدت مدید اور فاصلہ بعید پر بھی مظلومانہ شہادت حسینؑ کی ایسا واقعہ ہے۔ جو محض بےحس قلب کے
سامعین کی بھی ہمدردی کو بھی جگا دیتا ہے۔ اس کی سالانہ یادگار شہادت میں اس کے معتقدین
پیرو ساکنان ایران اس کے روضہ پر جا کر اپنی جان و روح کو اس کی عزاداری و غم خواری کے
حوالے کر دیتے ہیں۔ یعنی جان کو جان نہیں سمجھتے"۔

پبلک مورننگ (عام عزّاداری) ہر ملک میں جاری ہے

علاوہ اس کے ہر ملک اور ہر قوم میں پبلک اور پرائیوٹ مورننگ (MOURNING"
یعنی تعزیت کا طریقہ جاری ہے۔ دیکھو ہمارے شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم صلح کل مرحوم نے بتاریخ
چھ مئی ۱۹۱۰ء اپنی دار السلطنت میں تخت پر انتقال فرمایا۔ لیکن ان کی تعزیت برس دن تک
جاری رہی۔ چھ مہینہ تک اُن کی وفادار رعایا سیاہ پوش رہی۔ اور سیاہ کریپ اپنے بازوؤں
پر باندھتی رہی اور برس دن تک کل مراسلات سرکاری کے لفافے اور خطوط کے حاشئے سیاہ
رہے۔ اور جس روز اور جس وقت شہنشاہ موصوف زیر زمین دفن ہُوئے۔ اس وقت تمام
ممالک اور قلمرو میں گورنمنٹ کا حکم تھا۔ کہ ہر شخص اور ہر چیز عالم سکوت میں رہے۔ چنانچہ
اس وقت سارے اقلیم ہندوستان کی بلکہ تمام سلطنت برطانیہ کی ریل گاڑیاں جو جہاں تھیں پندرہ
منٹ تک وہیں ساکت رہیں۔

اب مَیں حیران ہُوں۔ کہ جب اس قسم کی عزاداری ہر ملک اور ہر اقلیم میں جاری ہے تو ہم
اگر بریاد شہادت مظلومانہ فرزند رسول مقبول صلعم عزاداری کرتے ہیں۔ سیاہ یا سبز کرتے پہنتے
ہیں۔ عالم حزن و ملال میں رہتے ہیں۔ دنیاوی عیش ترک کرتے ہیں بروز عاشورا عالم صبر و
سکوت میں رہ کر سوائے غم والم کے اور کوئی دوسرا کام نہیں کرتے تو کیا بُرا کرتے ہیں۔ اس مقام
پر ایک بات قابل غور ہے۔ کہ جناب شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم صلح کل مرحوم نے تخت سلطنت پر
اپنے وطن میں اپنے عزیزوں کے سامنے فطری موت سے بتقضائے الٰہی انتقال فرمایا تھا۔ اس
پر بھی ان کی وفادار رعایا سارے اقلیم کی برس دن تک اُن کی عزادار رہی۔ غور تو کیجئے۔ یہ
عزاداری کیسی ہوتی۔ اور کتنے دنوں تک رہتی اگر شہنشاہ مرحوم بہ عالم غربت سوڈان میں وفات
پاتے ؟ پھر غور کیجئے۔ عزاداری کیسی ہوتی اور کتنے دنوں تک رہتی۔ اگر آپ بعالم غربت قتل کئے

جاتے ؟ پھر غور کیجئے۔ اس مورننگ کا کتنا زمانہ ہوتا۔ اور یہ عزاداری کیونکر ادا ہوتی، اگر آپ مع اہالی خاندان شاہی ملکہ بیگمہ وغیرہ عالم غربت میں ہوتے۔ اور اسی عالم میں آپ کے سامنے آپ کے سب عزیز و اقارب۔ بیٹے، بھتیجے، بھانجے بھوکے پیاسے قتل ہوتے۔ اور پھر آپ خود نہایت بیرحمی سے قتل کئے جاتے؟

پھر غور کیجئے۔ کہ اگر خدانخواستہ خاندان کی باقیماندگان کے دشمنان گرفتار ہو کر قید ہوتے۔ اور اسی حالت میں دیار بدیار عراق اور ایجپٹ اور ابی سینیا پھرائے جاتے تو اس کی عزاداری اور مورننگ ... ہمارے ملک انگلستان بلکہ ساری سلطنت برطانیہ میں کیسی ہوتی؟

مصائب اہلبیت طاہرین علیہم السلام و مظالم اشقیاء کوفہ و شام

میرا خیال یہ ہے۔ کہ اس کی عزاداری یہی ہوتی ہے کہ ایک انگریز بھی روئے زمین پر باقی نہ رہتا۔ بلکہ سب کے سب اپنے شاہنشاہ کی عزت اور بیکسی پر فدا ہو جاتے تب میں کہتا ہوں کہ امام حسینؑ کا بعالم غربت افواج مخالف کے محاصرہ میں آجانا۔ اہل حرم کا ساتھ رہنا۔ پانی بند ہونا۔ سب بیٹے، بھتیجے، بھانجے، بھائی۔ حتیٰ کہ شیر خوار بچے کا بھوکا پیاسا تیر ستم کھا کر شہید ہونا۔ پھر خود آپ کا زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گرنا اور پھر شہید ہونا۔ پھر ملاعین کا خیمہ مبارک میں آگ لگا دینا سب مال و اسباب کا لوٹ لینا۔ اہلحرم کا مضطرب اور پریشان ہونا امام زین العابدین علیہ السلام کا بعالم بیماری قید ہونا۔ گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیوں کا پڑنا۔ پھر سب نبی زادیوں کا قید ہونا۔ اور عالم اسیری میں اپنے عزیزوں کے سر نیزوں پر دیکھنا۔ اور پھر اسی عالم اسیری میں باحال پریشاں دیار بدیار پھرایا جانا۔ اور بعالم اسیری مانند بندیاں ترک و دیلم ان کا اس شہر کوفہ میں جہاں پچیس برس قبل خود جناب امیر علیہ السلام ان کے والد بزرگوار بادشاہ حکمران تھے اور یہی نبی زادیاں شہزادیاں سمجھی جاتی تھیں، داخل ہو کر ابن زیاد کے دربار میں جانا اور لاشہائے شہداء علیہم السلام کا بے غسل و کفن دشت بلا میں پڑے رہنا۔ پھر ان نبی زادیوں کا مع سرہائے شہداء اسارے عراق کے شہروں میں پھرایا جانا۔ پھر سب کا شہر دمشق میں داخل ہو کر زندان میں محبوس ہونا۔ پھر ان نبی زادیوں کا مع امام زمان علیہ السلام دربار یزید میں جہاں پانچسو کرسیوں پر رئیسان شام اور سفیران ممالک بیٹھے تھے مثل بندیاں ترک و دیلم حاضر کیا جانا۔ پھر اسی قید خانہ میں امام حسین علیہ السلام کی ایک دختر چار سالہ کا اپنے باپ کے غم میں گھٹ گھٹ کر انتقال

کرنا اور اس معصوم غریب کا بوجہ ناداری اہلبیتؑ کے انہی پہنچنے کرتے ہیں گور غریباں شام میں دفن ہو۔ کیا ایسے واقعات نہیں ہیں جن کی ہمدردی اور عزاداری اور پبلک مورننگ تا قیامت کی جائے؟ کیا ایسے واقعات شدید کے مقابلہ میں تیرہ سو برس کوئی چیز ہے؟ کیا یہ عزاداری خود جناب سرور کائنات صلعم کی تعزیت نہیں ہے؟ کیا ایسے زمانہ میں جب رسول مقبول صلعم اور ان کی اولاد طاہرین پر ایسے سخت مصائب گذرے ہم کو مناسب ہے۔ کہ اس کی یاد بھی نہ کریں؟ بلکہ اس زمانہ میں اپنے عیش ونشاط کے کاروبار میں مصروف رہیں۔ کیا اس روز جس روز وہ بزرگوار بھوکے پیاسے رہے۔ ہم ان کی تاسی میں فاقہ کریں تو کوئی گناہ کرتے ہیں؟

الغرض یہ عزاداری ایسی ہے۔ جس کی ہر قوم ہر قبیلہ نے تعظیم کی ہے۔ مگر افسوس کہ جو لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ وہی اس کے خلاف ہیں!!

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ کلکتہ ہائیکورٹ میں یہ تحریک پیش ہوئی تھی۔ کہ محرم میں اگر بجائے پانچ دن کے صرف تین دن تعطیل دی جائے تو یہ بات کیسی ہے؟ اس پر ہندوستان کی سب قوموں نے حتیٰ کہ ہمارے ہندو بھائیوں نے میموریل بھیجا تھا۔ کہ اس زمانہ میں ہم لوگ عزاداری کرتے ہیں تعطیل کا زمانہ کم نہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ ہائیکورٹ نے اسی بنا پر اپنی تحریک اٹھالی۔ اور پانچ دن کی تعطیل قائم رہی لیکن ہزار افسوس کہ بہت سے حضرات سنت والجماعت اور ایڈیٹران اخبار نے ہم لوگوں کی مخالفت کی اور لکھا کہ یہ تعطیل فقط کم ہی نہ کی جائے۔ بلکہ بالکل اٹھا دی جائے۔ اور بزمانہ محرم ایک دن بھی کچہریاں بند نہ ہوں۔ گویا ان کے نزدیک جس دن رسول خداؐ کے نواسے اور حضرت علیؑ کی اولاد پر سخت مصیبتیں گذریں۔ اس دن مسلمانوں کو سوائے عدالتوں میں جھوٹی گواہی دینے اور مزخرافات کے بکنے کے اور کوئی دوسرا کام کرنا ہی نہ چاہیے حیف صد حیف!!!

بھائیو دیکھو یہ ایک غریب مظلوم کی عزاداری ہے۔ محض دشمنوں سے اس کے مٹانے کی کوشش نہ کرو۔ اور اس ذریعے سے جو بندگان خدا کو اس برگزیدہ خدا کے ساتھ جوش دلا ہوتا ہے اس میں کمی نہ ہونے دو۔ ورنہ یہ سمجھ لو کہ یہ بڑے مظلوم کا غم ہے اور یہ بڑے صابر کی عزاداری ہے

محی الدین۔ اللہ اکبر تم نے تو آخر میں ایسی فریاد کی ہے۔ کہ دل پانی ہوا جاتا ہے۔ اور میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہر چند میں نے اپنے سوال میں معترضین کے اقوال کی نقل کی ہے تاہم ان الفاظ کو زبان پر لانے میں اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اس لئے توبہ کرتا ہوں۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ

علی رضا۔ پھر اب تو تمہیں اصول میں کوئی شک باقی نہیں رہا۔

محی الدین۔ اصول میں تو مطلق شک نہیں۔ مگر یہ بات باقی رہ گئی۔ کہ اعمال محرم میں افراط و تفریط بہت ہے اس کا کیا جواب ہے۔

علی رضا۔ افراط و تفریط کی جواب وہ میری شریعت نہیں اس میں شک نہیں کہ جہلاء نے رسوم عزاداری میں افراط و تفریط کی ہے۔ مگر اس میں بھی اگر مردم شماری کی جائے۔ تو حضرات سُنّت والجماعت ہی زیادہ ملیں گے۔ جنہوں نے یہ خرابیاں ڈالی ہیں۔ جیسا مسٹر جسٹس ارنالڈ صاحب نے بمبئی ہائیکورٹ جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۳ میں تحریر فرمایا ہے۔ ملنگ بنکر بھالو اور بندر کی شکل بنا کر مختلف اشکال مکروہ کے سانگ نکالنا انہیں لوگوں کا کام ہے۔ افراط تو اس قدر ہے اعتنائی کو دیکھیئے۔ کہ محرم میں بروز عاشورا ہزاروں سُنّت جماعت کو زرق برق لباس پہنے پان کھاتے ہوئے قہقہے لگاتے ہوئے کس نے نہیں دیکھا ہے۔ ہزاروں ایسے بھی ہیں۔ کہ اس واقعہ جانکاہ سے بالکل بیخبر اپنے دنیاوی کاموں میں مصروف ہیں۔ گویا کہ اس روز خاندان رسالت پر کوئی صدمہ ہوا ہی نہیں !!! یہاں پر اس قدر کہنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ کہ بیشک بعض حضرات سُنّت والجماعت جن کو اللہ نے توفیق دی ہے۔ اور جن کے دل میں محبت اہلبیتؑ طاہرین بھری ہوئی ہے۔ عزاداری کرتے ہیں۔ لیکن اب ایسے لوگ کم ہی ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہر حالت میں یہ اشخاص ایسے مستثنےٰ ہیں جو قاعدہ کو ثابت کرتے ہیں۔ بہرکیف ہمیں غیروں سے کیا غرض ؟ میری شریعت میں جو حکم ہے۔ اسکو مجملاً کہہ دیتا ہوں کیونکہ اگر ہر ہر رسم اور اعمال کو علیحدہ علیحدہ لے کر جائز اور ناجائز ثابت کرنا شروع کروں تو غالباً مہینوں میں بھی ختم نہ ہو اسلئے میں اصول کی باتیں بیان کرتا ہوں۔ یعنی عزاداری کی عظمت اور ضرورت تو اس قدر ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ من بکیٰ علی الحسین او ابکیٰ او تباکیٰ وجبت لہ الجنۃ یعنی جو شخص غم امام حسینؑ میں روئے یا رولائے یا غمگین صورت بنائے تو بہشت اس پر واجب ہے اور پھر حضرتؑ نے فرمایا کہ ان من لم یحزن علیٰ مصائبنا فلیس منا یعنی جو شخص ہماری مصیبتوں پر غمگین اور محزون نہ ہو وہ ہم سے نہیں ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جتنے اعمال شرعاً جائز ہیں۔ یا مباح ہیں۔ ان کو بلا تامل کیجیئے۔ داخل ثواب ہو جیئے۔ اور جو امور شرعاً ناجائز یا حرام ہیں۔ ان سے احتراز لازم ہے۔

محی الدین۔ جائز اور ناجائز اور مباح کے کیا معنی ہیں ؟

علی رضا۔ انسان جس قدر کام کرتا ہے۔ پانچ حال سے خالی نہیں واجب یا حلال یعنی جس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں عذاب جیسے نماز پڑھنا (۲) حرام یعنی جس کے کرنے میں عذاب اور نہ کرنے میں ثواب ، جیسے شراب پینا (۳) مستحب یا سُنّت یعنی جس کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں عذاب نہیں جیسے عموماً تلاوت قرآن (۴) مکروہ یعنی جس کے نہ کرنے میں ثواب ہے اور کرنے میں عذاب نہیں۔ جیسے ننگے بدن نماز پڑھنا (۵) مباح یعنی کرنے نہ کرنے میں نہ عذاب نہ ثواب جیسے حقہ پینا۔ یہ اصول شریعت ہیں۔ اور اس میں کہیں فرق نہیں۔ پس جب کبھی کسی اعمال یا

رسوم محرم کی نسبت تمہیں شک ہو کر جائز ہے یا ناجائز تو اس کو قطع نظر اعمال محرم کے دیکھو کہ بجائے خود جائز ہے یا ناجائز۔ اگر شرعاً جائز ہے۔ تو محرم میں بھی جائز ہے۔ مثلاً مسکین کو کھانا کھلانا پیاسے کو پانی پلانا اور اگر شرعاً ناجائز ہے۔ تو محرم میں بھی ناجائز ہے۔ جیسے گانا بجانا لہو و لعب وغیرہ۔ ہاں اعمال محرم میں مباح امور کی پوری وسعت ہے۔ یعنی جتنے امور کہ باعث رونق اور زینت عزاداری کے ہوں۔ اگر اور زمانہ میں صرف مباح ہوں۔ تو محرم میں عجب نہیں کہ مستحب ہو جائیں۔ مثلاً مکان صاف کرنا۔ فرش بدلنا۔ روشنی کرنا۔ اور دنوں میں مباح لیکن محرم میں اگر یہ امور باعث رونق اسلام اور زینت عزاداری ہوں۔ تو کمال مطبوع ہیں۔ ان اعمال محرم سے کس قدر رونق اسلام ہوتی ہے۔ کہ محرم کا چاند دیکھتے ہی ہر شہر اور ہر قریہ کا رنگ بدل جاتا ہے اور ہر شخص بقدر وسعت اپنے آقا کی عزاداری میں سعی کرتا ہے پس اس میں تو کوئی شک نہیں۔ کہ کل اعمال حسنہ میں باسباب ظاہرا اعمال محرم باعث کمال رونق اسلام ہیں۔ اگر اور اعمال سے قطع نظر کیا جائے تو سوائے نماز عیدین اور محفل میلاد شریف کے اور کوئی بات ذہن میں نہیں آتی۔ پس کیا اچھے اعمال محرم کے ہیں۔ جن کی وجہ سے خدا و رسولؐ بھی راضی اپنے آقا اور مولا کی ہر گھڑی یاد ان کی عظمت اور مدارج کے ہمہ تن معترف اور پھر دنیا میں ہم لوگ ہر وقت نیک نام اور باعث رونق مذہب اسلام ہوتے ہیں! پس ایسے اعمال حسنہ کی تو جہاں تک ممکن ہو ترقی چاہیے۔ نہ کہ رکیک دلیلوں سے ان کے مٹانے کی کوشش! اور ہر حالت میں میں یہ پوچھتا ہوں۔ کہ اگر امام حسین علیہ السلام سے تم کو محبت ہے۔ تو ان کی عزاداری یا کم سے کم ان کی یاد سے غفلت کیسی؟ اگر شیعہ بدعت کرتے ہیں تو تم نہ کرو۔ تم وہ کام کیوں نہیں کرتے جو تمہاری شریعت میں جائز ہیں؟ کیوں تلاوت قرآن نہیں کرتے؟ کیوں ذکر شہادتیں نہیں کرتے؟ پھر سوائے چیدہ اور منتخب گھروں کے مجلس عزا شہروں اور دیہاتوں سے کیوں اٹھتی جاتی ہے؟ کیوں اس عزاداری سے احتراز کیا جاتا ہے؟ کیا واقعی امام حسینؑ شیعوں ہی کے حصہ میں دیئے گئے؟ کیا ان کو کبھی منہ نہیں دکھانا ہے؟ کیا ارونگ صاحب نے جو اس موقع پر اپنی کتاب موسومہ خلفائے پیغمبرؐ کے صفحہ ۲۱۵ میں لکھا ہے کہ سنی لوگ علیؑ اور اولاد علیؑ سے نفرت رکھتے ہیں خدانخواستہ سچ ہے؟ قطع نظر ایمان و اسلام کے یہ کیسی انسانیت ہے۔ کہ جو برگزیدہ خدا تمہاری نجات کے لئے کیسی کیسی مصیبتیں اٹھا کر شہید ہو یا کم سے کم یہ کہ جو بندۂ اللہ عالم غربت میں بھوکا پیاسا چھوٹے چھوٹے بچوں کے ہمراہ خدا کی راہ میں اپنا سر دے اور گھر بار لٹا دے اس کے ساتھ سال بھر میں دس دن بھی ہمدردی نہ کرو اقل درجہ اس کو بخیر یاد بھی نہ کرو!! خلاف اس کے جو لوگ اس کے ساتھ ہمدردی کریں۔ ان میں ہارج ہو!! اور بجائے سامان ہمدردی اس کی یادگا

کے مٹانے کی کوشش کرو! افسوس صد افسوس یاد رکھو کہ ایک روز وہ دن بھی آنے والا ہے کہ جس کی یاد سے اس وقت بے اعتنائی ہے۔ اسی کے سایہ میں اگر نصیبوں سے مل جائے تو پناہ لیتا ہے پھر اگر پرسش اعمال میں یہ اعتراض ہوا تو قیامت ہے

روزہ نہ رکھا خیر کہ تھے صاحب آزار اور دی نہ زکوٰۃ اسلئے کہ تھے مفلس و نادار

حج سے رہے محروم کہ توشہ نہ تھا زنہار بیکس کی عزا کے لئے کیا تھا تمہیں درکار

رونے کے لئے چشم بھی کافی سو عطا کی؟

اس پر بھی جو گریہ نہ کیا عین خطا کی؟

آیا تعزیہ داری بُت پرستی ہے؟

محی الدین۔ اب مجھے مطلق شک نہیں۔ کہ مصائب امام حسین علیہ السلام پر رونا فرض عین ہے لیکن علماء سنت والجماعت کہتے ہیں کہ تعزیہ داری بالکل بُت پرستی ہے اور صاف صاف شرک ہے۔

علی رضا۔ بھائی بُت پرستی اور شرک کہہ دینا تو آسان ہے۔ لیکن بُت پرستی کی صحیح جامع و مانع تعریف بیان کر کے اگر آپ کے علماء اسکو بُت پرستی ثابت کریں۔ تو میں البتہ مانوں۔ کیونکہ اگر تعظیم کرنے کو بُت پرستی کہہ دیں۔ تو خود بیسیوں موقع پر مورد الزام ٹھہر جائیں اور اگر اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہیں۔ تو اجمیر شریف وغیرہ جگہوں میں چڑھاوے چڑھنے نہ پائیں۔ لیکن اگر سچی تعریف کریں۔ یعنی بُت پرستی اس کو کہیں کہ کسی چیز کو اللہ سمجھ کر پوجنا یا اسکی عبادت کرنا تو سارا اعتراض کافور ہو جائے۔

محی الدین۔ حضرات سُنت والجماعت یہ کہتے ہیں۔ کہ تعزیہ کو لوگ امام حسینؑ سمجھتے ہیں۔ اور اس لئے تعزیہ دار مشرک ہیں۔

علی رضا۔ اوّلاً یہ بات بالکل غلط ہے۔ کہ لوگ تعزیہ کو امام حسین سمجھتے ہیں۔ ثانیاً اگر بفرض محال وہ لوگ تعزیہ کو امام حسینؑ سمجھتے ہیں۔ تو یہ صرف ان کی بیوقوفی ہے۔ اس سے وہ لوگ مشرک کیونکر ہو جائیں گے۔ مشرک تو وہ ہے۔ کہ غیر خدا کو خدا یا اس کا شریک سمجھے میں نے آج تک نہ سُنا کہ غیر ذی روح کو بشر سمجھنا کسی مذہب میں شرک قرار دیا گیا ہے۔

محی الدین۔ لیکن اکثر لوگ تعزیہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور اس میں عرضی باندھتے ہیں اور سامنے دعا کرتے ہیں۔ یا امام حسینؑ ہم کو اولاد دیجئے اور میری فلاں حاجت بر لائیے۔

علی رضا۔ تعزیہ کو سجدہ کرنا بیشک حرام ہے۔ اور عرضی باندھنا وغیرہ افعال لغو ہیں۔ چنانچہ ہمارے مجتہد جناب سرکار میر آغا صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہٗ نے ایسا ہی فتوے

دیا ہے جو اخبار امامیہ میں چھپ گیا ہے۔ اور تعزیہ کو امام حسینؑ سمجھ کر تعزیہ سے کچھ مانگنا بیشک بیوقوفی ہے۔ لیکن سوائے بیوقوفی کے اور کوئی اعتراض شرعی نہیں ہو سکتا۔

محی الدین۔ تو پھر تعزیہ سے کیا مطلب ہے۔ تعزیہ میں تو سوائے کاغذ اور ٹھٹرے کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

علی رضا۔ تعزیہ نقل روضہ مبارک جناب امام حسین علیہ السلام کی ہے۔ اس کی غرض یہ ہے۔ کہ چونکہ ہم لوگ روضۂ مبارک سے دور رہتے ہیں۔ اس لئے تعزیہ کے دیکھنے سے روضہ مبارک اور واقعات کربلا یاد آئیں گے۔ اور ہم لوگ مصائب آقائے مظلوم یاد کر کے جہاں تک ہو سکے گا عزاداری اور ہمدردی کریں گے۔ اور یہ بات ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ امام حسینؑ کے ساتھ ہمدردی کرنا عین محبت و مودت ہے۔ اور آپ سے مودت رکھنا باعث خوشنودی خدا و رسولؐ ہے۔ پس تعزیہ ایک ایسی چیز ہے جسکے ذریعہ سے ہم ایک ایسی بات حاصل کرتے یا کر سکتے ہیں۔ جو باعث خوشنودی خدا و رسول ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ تعزیہ داروں کو شوالوقت تعزیہ داری حضرت امام حسین علیہ السلام سے مودت ہوتی ہے یا نہیں۔ یہ امر ایسا ہے کہ عیاں راچہ بیاں۔ ہر تعزیہ خانہ میں جا کر دیکھ لیجئے۔ کہ تعزیہ دار اس وقت امام حسینؑ کو یاد کرتے ہیں یا نہیں اور اس بارے میں جمہور عزاداران مذہب شیعہ کی حالت کیسی رہتی ہے۔ اس کی ہی نہیں کہ آپ ہمیں کسی جاہل ناخواندہ جولاہے کے تعزیہ خانے میں لے جائیے۔ اور دکھلا دیجئے کہ وہ کچھ نہیں کرتا۔ اور چپ چاپ بیٹھا ہے آپ کو انصافاً ضرور ہے۔ کہ ہر قسم کے عزاخانوں میں جائیے۔ اور دیکھئے کہ جمہور مومنین اور بہ مناز شب عاشورا تسبیح و تحلیل و عزاداری میں مصروف رہتے ہیں یا نہیں۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اسی جاہل ناخواندہ کی حالت کو اگر آپ دیکھئے تو آنا تو آپ بے تکلف کہیں گے۔ کہ ان پڑھے لکھے لوگوں سے جو بہ شب عاشورا خوب کھا پی کر ہنسی ٹھٹھا کے گپ شپ کے بعد خواب غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ ان سے یہ بیچارہ جولاہا اچھا ہے۔ کہ کم سے کم نام حسینؑ تو لے رہا ہے۔

الغرض جمہوری حالت کے دیکھنے سے اس میں کوئی شک نہیں رہتا۔ کہ محرم میں بوجہ تعزیہ داری کے لوگ امام حسینؑ کو بہ تعظیم و تکریم و بکمال ہمدردی یاد کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں حضرتؑ سے جوش محبت ہوتا ہے۔ پس جو چیز کہ ایسے امر کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہو۔ جس کے لئے جناب رسول مقبول صلعم اپنی اُمت سے نہایت التجا کے ساتھ سوال کر گئے ہیں (یعنی مودت اقربا کے لئے) اس کے اچھے ہونے میں کوئی کلام ہو نہیں سکتا۔ اور جب یہ اچھی چیز ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اگر ہم اس چیز کو جسے اپنے آقائے مظلوم کے روضہ سے منسوب کرتے ہیں تعظیم کریں تو کیا گناہ ہے۔ کیونکہ اگر بانس اور کاغذ کے بنے ہوئے تعزیوں کی تعظیم گناہ ہے تو

اینٹ اور چونہ اور سُرخی کے بنے ہوئے روضہ حضرت محبوب پاک اور حضرت خواجہ اجمیری کی تعظیم میں گناہ کیوں نہ ہو علاوہ اس کے خاص مکہ معظمہ میں ایک محمل شام سے اور ایک مصر سے بنامزد محمل حضرت رسُول مقبول اور بی بی عائشہ کے آتا ہے۔ اس کی تعظیم سارے اہل عرب کرتے ہیں اس کو ناجائز کیوں نہیں قرار دیتے۔ مَیں کہتا ہوں۔ کہ اگر کوئی چیز کسی متبرک چیز کی طرف منسوب کی جائے تو اس کی تعظیم نہ گناہ ہے نہ خلاف تہذیب ہے بلکہ بمقتضائے محبت اور اطاعت ہر قوم میں ایسی تعظیم جاری ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مَیں نے خود دیکھا۔ کہ نواب گورنر جنرل بہادر ایک شہر میں جہاں ان کی تشریف آوری کی وجہ سے بڑی روشنی ہوئی تھی گاڑی پر سوار روشنی کا تماشہ دیکھتے جاتے تھے۔ ایک جگہ پر ایک دکان کے سامنے لوگوں نے ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی تصویر لگا دی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی جناب گورنر جنرل بہادر اور اُن کے ساتھیوں نے اپنے اپنے سروں سے ٹوپیاں اُتار لیں۔ اس فعل سے جناب گورنر جنرل بہادر کو کوئی شخص ملکہ پرست نہیں کہہ سکتا۔ اور نہ کوئی اعتراض کر سکتا ہے۔ کیونکہ نواب ممدوح جانتے تھے۔ کہ اس تصویر میں سوائے کاغذ اور رنگ کے اور کچھ نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے اس کی تعظیم اس واسطے کی۔ کہ وہ ان کی رحم دل قیصرہ کی یاد دلاتی تھی۔ اور ان سے منسوب تھی۔ اسی طرح اگر اہل عرب محمل کی اور حضرات اہلسنّت والجماعت حضرت محبوب پاک اور حضرت خواجہ اجمیری کی چوکھٹ جو کاٹھ کی بنی ہوئی ہے۔ اور جو جسد شریف سے بہت دُور ہے تعظیم کرتے ہیں۔ تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مَیں امید کرتا ہُوں۔ کہ میری اس تقریر سے آپ کو اختلاف نہ ہوگا۔ تب یہ امر قابلِ غور ہے کہ جب ان تعظیم میں مضائقہ نہیں۔ تو تعزیہ کی تعظیم میں کیا مضائقہ ہے۔ جیسے وہ کاٹھ ویسے یہ ٹھٹھرا۔ جیسے وہ اینٹ چونہ ویسے یہ کاغذ۔ اگر فرق ہے تو صرف یہ فرق ہے۔ کہ وہ قبر شریف سے نزدیک ہے۔ اور یہ روضہ مبارک سے دور ہے لیکن یہ فرق خیالی ہے۔ تعظیم صرف بوجہ تعلق کے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ ان چوکھٹوں کی کیوں تعظیم کرتے ہیں تو آپ یہی کہیں گے۔ کہ چونکہ یہ چوکھٹیں ہمارے بزرگوار کے روضہ سے متعلق ہیں۔ اس لئے ہم تعظیم کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم سے اگر کوئی پوچھے گا۔ کہ تم تعزیہ کی کیوں تعظیم کرتے ہو۔ تو ہم کہیں گے کہ چونکہ یہ چیز میرے آقائے کونین کے روضہ سے منسوب اور مشابہ ہے۔ اس لئے ہم تعظیم کرتے ہیں۔ اب آپ غور کیجئے۔ کہ کونسا اعتراض ہے۔ جو اس پر ہو سکتا ہے .... اور اس پر نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اس کے ایک بات اور سُن لیجئے۔ کہ اکثر ممالک یورپ میں یہ دستور جاری ہے کہ جب کوئی عزیز یا خیر خواہ قوم کسی دوسرے مُلک میں مرتا اور دفن ہوتا ہے تو اس کے ہمدرد لوگ اپنے وطن میں اس کی قبر کی نشانی ایک مینار یا ستون بناتے ہیں اور اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ اور اس پر پھول

چڑھاتے ہیں۔ اس کو انگریزی میں (CENOTOPH) یادگار قبر کہتے ہیں۔ چنانچہ جنگ انگلینڈ وجرمنی میں جتنے بہادر سپاہی جنگ میں کام آئے۔ انکی یادگار سینوٹاف لنڈن میں بنا دیا گیا ہے جس پر مقتول کے اعزہ پھول چڑھاتے ہیں اور بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ دیکھو اخبار اسٹیٹس مین مطبوعہ ۳۱ اگست ۱۹۱۹ء صفحہ ۲۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی تعزیہ داری ہر ملک میں جاری ہے۔ اور قبروں کی نقل یا قبروں کی یادگار ہر ملک میں قابل تعظیم سمجھی جاتی ہے۔

محی الدین۔ مگر وہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ تعزیہ داری حقیقتہً اچھا کام بھی ہو۔ تاہم چونکہ اعمال اس کے خراب ہیں۔ جس میں مشابہت بُت پرستی کی ہوتی ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ترک کی جائے۔

علی رضا۔ مَیں اس کے خلاف ہُوں۔ میرے نزدیک جو کام اچھا ہے۔ وہ ہر حالت میں اچھا ہے۔ مشابہت وغیرہ کے خیال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ایسے ایسے خیال سے نیک کام ترک کئے جائیں۔ تو تعزیہ داری کے پہلے حج بیت اللہ ترک کر دینا ہوگا۔ کیونکہ تعزیہ داری میں تو ہرگز آپ اتنی مشابہت بُت پرستی سے ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔ جتنی حج کو گیا شرادھ سے ہے۔ مَیں اس کی تصریح کو سوءِ ادب سمجھ کر ترک کرتا ہُوں۔ آپ خود دریافت کر لیجئے۔ تو کیا آپ کے علماء کہیں گے۔ کہ بوجہ مشابہت گیا شرادھ کے حج بیت اللہ ترک کر دیا جائے۔

محی الدین۔ تب ہم یہ کہیں گے۔ کہ خالص شرعی طریقہ پر تعزیہ داری کرنے والے تھوڑے ہیں۔ عوام تو اس میں بڑی افراط و تفریط کرتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کی اشاعت کیوں نہ روکی جائے۔ اور نام و نشان اس کا کیوں نہ مٹا دیا جائے۔

علی رضا۔ میں اس رائے سے بھی ہرگز متفق نہیں ہُوں۔ اور نہ جمہور سُنت جماعت کا اس پر عمل ہے۔ تعزیہ کے بارے میں جو کچھ کہتے۔ مگر اچھے کام کو عوام الناس کے بُرے طور پر برتنے سے کسی سُنی نے ترک نہیں کیا ہے۔ اور نہ اس کی تخریب کے باعث ہوئے ہیں۔ اس وقت اجمیر شریف جا کر دیکھ لیجئے۔ کہ مزار شریف پر شب و روز رنڈیاں اور گویے اور قوال دف ڈھولک پر گایا کرتے ہیں۔ اور بوقت زیارت قبر شریف خدام لوگ پائیں کی طرف سجدہ کراتے ہیں۔ اور ہر طرح کی حاجتیں حضرت خواجہ سے مانگتے ہیں۔ مگر ان وجہوں سے کسی سنی نے سوائے فرقہ وہابیہ کے درگاہ شریف کی زیارت ترک نہ کی۔ اور نہ اس کے فروغ دینے میں کمی کی اور یہی حالت تمام درگاہوں کی مثل بہار شریف اور کچھوچھہ شریف وغیرہ کی ہے تب عوام کی افراط و تفریط سے تعزیہ داری کو جو حصولِ محبت و مودت جگر گوشہ رسُول صلعم کا اچھا ذریعہ ہے اٹھانا میرے

نزدیک محض تعصب بلکہ صریح ظلم معلوم ہوتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں۔ کہ اگر کوئی اچھے کام کو بُرے طور سے کرتا ہے۔ تو اس کو وعظ و پند سے روکو اور منع کرو۔ اس وجہ سے اس اچھے کام ہی کو ترک کرنا میرے نزدیک محض خلاف عقل و انصاف ہے۔ اور حقیقۃً کوئی سُنّی ایسا نہیں کرتا۔ تعزیہ کے مٹانے کے لیے جو نقل روضہ امام حسین علیہ السلام ہے جو کچھ فتوے دیجیے۔ اس کا جواب نہیں۔

محی الدین۔ سب کا جواب تو آپ نے دیا۔ مگر اس کا کیا جواب ہے۔ کہ لوگ تعزیہ کے سامنے کہتے ہیں۔ یا امام حسینؑ ہم کو اولاد دیجیے یا فلاں حاجت بر لائیے۔ اولاد دینا یا حاجت بر لانا تو صرف خدا کا کام ہے۔ امام حسینؑ سے مانگنا تو شرک ہو جاتا ہے۔

علی رضا۔ امام حسین علیہ السلام کو اگر کوئی شخص معاذ اللہ خدا سمجھ کر ان سے کچھ مانگے تو بیشک وہ مرتد اور مشرک ہے۔ لیکن جس وقت کہنے والا امام حسینؑ کہہ کر پکارتا ہے۔ تو لفظ امام سے بجائے خود یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ وہ شخص حضرت کو خدا نہیں سمجھتا۔ بلکہ بندہ خدا سمجھتا ہے۔ کیونکہ امام سوائے بندۂ خدا کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ تو جس وقت کوئی شخص آپ کو امام سمجھ کر آپ سے کچھ مانگتا ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ وہ یہ کہتا ہے کہ یا حضرت آپ میرے لیے دُعا کیجیے۔ کہ حقتعالےٰ بہ برکت آپ کے میری مراد بر لائے یا دُعا قبول کرے۔

محی الدین۔ آپ اپنے دل سے بڑھاتے ہیں نا؟ وہ غریب تو صرف یہ کہتا ہے کہ یا امام حسین علیہ السلام ہم کو فلاں چیز دیجیے۔ اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ امام حسینؑ مُردہ ہیں۔ اس لیے ان سے حاجت طلب کرنا گناہ ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی چیز کا عطا کرنا یا نہ کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہم خدا سے کیوں نہ مانگیں جو امام حسینؑ سے مانگیں؟

علی رضا۔ جو شخص امام حسین علیہ السلام کو مُردہ کہتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نافرمانی کرتا ہے۔ کیونکہ حقتعالےٰ نے قرآن مجید پارہ دوم میں فرمایا ہے۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاءٌ و لکن لا تشعرون۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں۔ ان کو مُردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم لوگ ان کے دیکھنے کا شعور نہیں رکھتے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ امام حسین علیہ السلام فی سبیل اللہ قتل ہوئے ہیں۔ تب حضرتؑ کو مُردہ کہنا صریح نافرمانی حکم ربانی کی ہے۔ اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ کسی چیز کا عطا کرنا یا نہ کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا سے کیوں نہ مانگیں۔ اِس میں مجھے مطلق کلام نہیں۔ اور نہ مَیں آپ کو خدا سے دُعا کرتے ہوئے منع کرتا ہوں۔ بلکہ مَیں بھی کہتا ہوں۔ کہ اگر بواسطہ امام حسینؑ کے خداوند عالم سے دُعا کی جائے تو احسن ہے۔

محی الدین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امام حسینؑ سے کسی چیز کے مانگنے کو آپ بھی اچھا نہیں سمجھتے۔

علی رضا۔ ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات میں نیت دیکھی جائے گی۔ اگر نعوذ باللہ کوئی شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کو خدا سمجھ کر حضرتؑ سے کچھ مانگے۔ تو بلا شبہ مرتد و کافر ہے۔ جیسا کہ میں کہہ چکا۔ لیکن حضرتؑ کو مقبول بندۂ خدا سمجھ کر کچھ مانگے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اس حالت میں جب کوئی شخص حضرتؑ سے کچھ مانگتا ہے۔ تو صرف بظاہر حضرتؑ سے مانگتا ہے۔ فی الحقیقت وہ خدا ہی سے مانگتا ہے۔ اور خدا ہی سے بہ برکت حضرت کے نام پاک سے پاتا ہے۔ مثلاً بلا تشبیہ اگر آپ اس وقت ڈپٹی مجسٹریٹ کی نوکری چاہیں تو درخواست اُس کی جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر بنگال کے پاس بھیجیں گے اور انہیں سے استدعا کریں گے۔ اور ظاہراً وہی آپ کو عہدہ عطا کریں گے لیکن حقیقتہً آپ درخواست قیصرِ ہند کی سلطنت میں دیتے ہیں۔ اور وہیں سے نوکری پاتے ہیں۔ اور اگرچہ آپ نے درخواست کے سرنامہ پر صرف نواب فلاں لفٹنٹ گورنر بنگال لکھا۔ اور قیصرِ ہند کا نام تک نہ لکھا۔ تاہم کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ آپ نے قیصرِ ہند سے بغاوت کی۔ یا اُن کی نافرمانی کی۔ کیونکہ لفظ لفٹنٹ گورنر بنگال کے معنی یہی ہیں۔ کہ یہ شخص قیصرِ ہند کے نوکر ہیں۔ اور انکے فرمانبردار آفیسر ہیں۔ ہاں اگر آپ سرنامہ پر لکھئے کہ فلاں لفٹنٹ گورنر منجانب تزار روس ہو تو بیشک آپ قابلِ ملامت ہوں گے۔ اسی طرح بلا تشبیہ جب آپ کہتے ہیں۔ کہ یا امام حسینؑ آپ میری فلاں حاجت برلائیے تو ظاہراً آپ اپنی حاجت امام حسین علیہ السلام سے طلب کرتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت آپ اپنی التجا خدا سے کرتے ہیں۔ اور لفظ امام کہنا کافی ثبوت اس بات کا ہے۔ کہ آپ ان کو خدا نہیں بلکہ ان کو مقبول بندۂ خدا اور اس پاک بے نیاز کا مطیع اور فرمانبردار سمجھتے ہیں۔ اس لئے حضرتؑ سے طلب حاجت میں آپ عاصی نہیں ہو سکتے۔

محی الدین۔ جناب لفٹنٹ گورنر بہادر کے حضور میں درخواست اس وجہ سے دیتے ہیں۔ کہ جناب قیصرِ ہند ملک ہندوستان سے بہت دور تشریف رکھتے ہیں۔ وہاں درخواست کا بھیجنا مشکل ہے۔ اور خداوند عالم تو ہر جگہ حاضر ہے۔ پس ہم اسی سے کیوں نہ مانگیں۔ جو امام حسینؑ سے مانگیں۔

علی رضا۔ تو خدا سے مانگنے کو کس نے منع کیا ہے۔ ہم تو کہہ چکے اور کہتے ہیں۔ کہ خداوند عالم سے طلب حاجت کرنا بواسطہ حضرت امام حسینؑ کے احسن ہے۔ گفتگو تو یہاں اس پر ہے۔ کہ امام حسینؑ سے کچھ مانگنا شرک ہے یا نہیں۔

محی الدین۔ وہ لوگ تو یہی کہتے ہیں۔ کہ سوائے خدا کے اور کوئی شخص کسی کو کچھ دے نہیں سکتا۔ اس لئے بشر کو سوائے اللہ کے کسی شخص سے کچھ طلب کرنا نہ چاہیئے کیونکہ اس میں شرک کا احتمال ہے۔

علی رضا۔ اگر یہ اصول ایسا عام ہے۔ تو کسی حاکم کے پاس درخواست دینا۔ نالش کرنا یا نوکری مانگنا۔ حتیٰ کہ خدمتگار سے کھانا مانگنا۔ حقہ مانگنا داخل شرک ہو جاتا ہے اس لئے جب آپ کو بھوک معلوم ہو تو کہیئے خدایا کھانا لا۔ جب پیاس ہو، تو کہیئے خدایا پانی لا۔ جب حقہ کی خواہش ہو۔ تو کہیئے خدایا حقہ لا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بھائی یہ سب باتیں بالکل مہمل ہیں۔ ہر بات کی ایک حد ہے۔ اور ہر امر میں نیت دیکھی جاتی ہے۔ الاعمال بالنیات۔ الغرض اگر امام حسینؑ کو ہم مقبول بارگاہ احدیت سمجھ کر کسی حاجت کے لئے خود حضرت سے بھی التجا کریں۔ تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہم لوگ ہمیشہ دیکھتے اور سنتے آئے ہیں۔ کہ جب کوئی وزیر یا خازن کسی بادشاہ کا ایسا مقرب ہوتا ہے کہ جس بات کے لئے وہ بادشاہ سے کہتا ہے۔ اس کو بادشاہ قبول ہی کرتا ہے۔ تو عوام الناس اور حاجت مندوں کا اس کے در پہ ہجوم رہتا ہے۔ اور اسی سے لوگ کہتے ہیں۔ کہ حضور فلاں چیز مجھے دیجیئے۔ چنانچہ میرے غریب خانہ پر ہر پنجشنبہ کو خیرات بٹتی ہے۔ اور میرا خانساماں تقسیم کرتا ہے۔ میں نے اکثر اپنے کانوں سے سنا ہے۔ کہ جو فقیر آتا ہے۔ "وہ خانساماں جی کی خیر" یا خانساماں جی کا بھلا" کی صدا دیتا ہے۔ تو کیا کوئی شخص بحالت ثبات عقل یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ فقرا مجھ سے سرکشی کرتے ہیں یا میری توہین کرتے ہیں؟ میں نے اکثر دیکھا ہے۔ کہ لوگ بیرسٹروں اور وکلاء کو جو زیادہ مقدمے جیتتے ہیں کہتے ہیں۔ کہ حضور مجھے چھڑائیے اور اس بلا سے مجھے نجات دلائیے۔ حالانکہ ان لوگوں کو حاکم کے فیصلہ میں مطلق دخل نہیں ہوتا۔ تو کیا آپ کہیں گے کہ اس عرض و معروض سے وہ لوگ اس وزیر یا خازن کو بادشاہ کا شریک یا بیرسٹر وکیل کو حاکم کا شریک گردانتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح جب ہم لوگ اس اعتقاد سے کہ حضرت امام حسینؑ ایسے مقبول بارگاہ احدیت ہیں۔ کہ آپ کی دعا رد نہیں ہوتی۔ کچھ حضرت سے طلب کرتے ہیں۔ تو ہرگز خدا کا شریک نہیں گردانتے اور نہ نعوذ باللہ ان کو خدا سمجھتے ہیں

محی الدین۔ تب یہ بات قابل دیکھنے کے ہے۔ کہ آیا حقتعالیٰ کی طرف سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ایسا اختیار دیا گیا ہے یا نہیں۔

علی رضا۔ ہم لوگ روز کچہریوں میں دیکھتے ہیں۔ کہ عوام الناس مجسٹریٹ صاحب کے حضور میں یا جج صاحب کے اجلاس میں درخواست دیتے اور استغاثہ کرتے ہیں کہ ہم

بھوکوں مرتے ہیں۔ ہم کو نوکری دی جائے۔ یا ہم پر فلاں شخص ظلم کرتا ہے۔ اس کے ظلم سے ہم کو نجات دی جائے۔ اگر یہ جائز ہے۔ اور شرک نہیں ہے تو بتلائیے خداوند عالم نے ان لوگوں کو کہاں ایسا اختیار دیا ہے۔ کیا کسی آیت قرآنی سے یا کسی حدیث نبویؐ سے آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ فلاں جج یا مجسٹریٹ کو خداوند عالم نے ایسا اختیار دیا ہے۔

محی الدین۔ آیت قرآنی اور حدیث نبوی کی ایک ہی کہی۔ بھائی ان لوگوں کے اختیارات کے بارے میں حدیث و قرآن کی ضرورت نہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں اسی قدر کافی ہے کہ یہ لوگ ایک بادشاہ اولوالعزم کے نوکر ہیں۔ اور اس بادشاہ نے ان لوگوں کو ایسا اختیار دیا ہے۔ اور اس بادشاہ کی دنیاوی سلطنت کو خداوند عالم نے بھی برقرار رکھا ہے اور چونکہ یہ امور تمدن سلطنت۔ کے متعلق ہیں اس سے سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ان لوگوں کو دنیاوی کاموں میں گویا منجانب خُدا اختیار حاصل ہے۔

علی رضا۔ بہت خوب مجسٹریٹ صاحب اور جج صاحب سے ان حاجتوں کے طلب کرنے کو تو آپ جائز سمجھتے ہیں۔ اور ان صاحبوں کو صاحب اختیار سمجھتے ہیں۔ اور جب یہی حاجت ہم آقائے دو جہان امام حسین علیہ السلام سے طلب کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں۔ کہ یا امام حسین علیہ السلام ہم کو نوکری دلوائیے یا شر سے دشمنوں کے محفوظ رکھئے۔ تو اس کو آپ ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت کو مجبور اور بے اختیار سمجھتے ہیں تو اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خداوند عالم کی طرف سے حضرت کو اس قدر بھی اختیار حاصل نہیں۔ جتنا معمولی ججوں اور مجسٹریٹوں کو منجانب اس پاک گورنمنٹ کے حاصل ہے۔ اگر یہ خیال حضرات سُنّت والجماعت کا ہے۔ تو امام حسینؑ کی حالت قابلِ صد افسوس ہے۔ یعنی حضرت نے راہ خُدا میں کام تو ایسا کیا۔ کہ از آدم تا ایندم کسی نے نہ کیا۔ یعنی سارا گھر بار لُٹا دیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی شہادت گوارا فرمائی اور ہر طرح کی صعوبت اور مصیبت کے بعد شہید ہوئے۔ لیکن ہزار افسوس کہ اس پر بھی درگاہ خدا سے ان کو اتنا بھی اختیار نہ ملا۔ جو معمولی درجہ کے افسروں اور عہدہ داروں کو حاصل ہے۔ اگر یہ کہئے۔ کہ خود وہ حضرت بہشت میں جائیں گے۔ تو میں کہتا ہُوں۔ کہ حضرت بلا شہادت بھی بہشت میں جاتے۔ کیونکہ یہ موعود تھا۔ اور اگر یہ کہیے۔ کہ آپ عقبیٰ میں ہم لوگوں کے کام آئیں گے۔ تو مَیں کہتا ہُوں۔ کہ عاقبت کے کام آنے سے دُنیاوی حاجت کا بر لانا آسان تر ہے۔ اس لئے اس وقت آپ بقوائے آیہ کریمہ زندہ ہیں۔ سب کچھ کر سکتے ہیں۔

خیر بہر کیف یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب مَیں اصل مطلب پر آتا ہُوں۔ یعنی جس طرح آپ عقلاً واقعات زمانہ سے مجسٹریٹ صاحب اور جج صاحب کا اختیار سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہم لوگ بھی سمجھتے ہیں۔ کہ امام حسینؑ جگر گوشہ جناب رسُول مقبُول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور بارہا دیکھا گیا۔ کہ جس امر

میں آپ نے دُعا کی وُہ دعا قبول ہُوئی۔ تب ہمارا یہ سمجھنا۔ کہ حضرت کی دُعا کبھی رد نہ ہوگی۔ کوئی بُرا اعتقاد نہیں ہے۔ اور تب بوجہ مستحکم ہونے اسی اعتقاد کے۔ خود حضرت سے کسی حاجت کا طلب کرنا خلافِ عقل نہیں ہے اور نہ کسی طرح پر اس طلب حاجت سے شرک کا اعتراض ہو سکتا ہے۔ جیسا مجسٹریٹ کے پاس درخواست دینے یا استغاثہ کرنے سے کوئی شخص باغی سرکار نہیں سمجھا جا سکتا۔ یاد رکھئے۔ کہ بمقابلہ کل مخلوقات خدا کے یہ کرہ ارض دانہ خردل بمقابلہ ہمالہ پہاڑ کے ہے۔ پس اگر خداوند عالم نے ایک دانہ خردل کی پوری سلطنت یا اس کا پورا اختیار امام حسین علیہ السلام کے ایسے مقبول بندے کو دیا۔ تو خدا کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں اور امام حسینؑ کے مدارج سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے اگر امام حسین علیہ السلام کو مقبول بارگاہ احدیت سمجھکر کسی حاجت کیلئے کہا۔ تو کیا مضائقہ ہاں اگر حضرات سُنّت والجماعت امام حسینؑ کو ایک معمولی شخص سمجھیں۔ اور یہ اعتقاد رکھیں۔ کہ بارگاہ احدیت میں ان کی کچھ وقعت نہیں۔ تو یہ امر آخر ہے۔ لیکن ہم اپنے اعتقاد کو کیا کریں۔ ہمیں تو یہ آیہ مباہلہ یاد ہے۔ جس میں جناب رسُول مقبول صلعم نے حضرت امام حسینؑ کو اپنا فرزند قرار دیا ہے ہم کو تو حدیث حسین منی وانا من الحسین بھولتی نہیں۔ جس میں جناب سرورِ کائناتؐ نے فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوُں جضرت امام حسینؑ کا اہل زراعت کے لئے دُعائے بارش کرنا اور فوراً ابر کا گھر آنا اور حضرت امام حسینؑ کا ایک شخص کے لئے دُعائے اولاد کرنا۔ بلکہ بزبان طفولیت خود بخشنا۔ اور خداوند عالم کا نازفرزند رسُول مقبولؐ اٹھا کر اس شخص کو سات بیٹے عطا فرمانا مشہور ہے۔ الغرض ایسے امام جلیل القدر کو ایسا خفیف مثل عوام الناس کے محض بے اختیار سمجھنا کسی کا اعتقاد ہو۔ میرا اعتقاد ہو نہیں سکتا۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ حضرت امام حسینؑ سے کسی حاجت کے لئے کہنا بلا تشبیہہ ویسا ہے۔ جیسا حکام پریوی کونسل کے سامنے کسی امر کی درخواست کرنا غالباً تمہیں معلوم ہے۔ کہ حکام عدالت العالیہ پریوی کونسل کو ظاہراً کسی حکم کے صادر کرنے کا خود کوئی اختیار نہیں ہے۔ بلکہ بادشاہ وقت کے حضور میں سعی کرنے کا اختیار ہے مگر چونکہ ابتدائے سلطنت سے آج تک ان حکام کی سعی بیکار ہی نہیں ہوئی۔ یعنی ہمیشہ اس سعی کے مطابق حکم شاہی ہوتا گیا ہے۔ اسلئے جس وقت حکام موصوف نے اپنی سعی کی رائے ظاہر کی۔ پس فوراً مقدمہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور فتح و شکست کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اور صرف بطور معمولی فارم کے ڈگری حضور قیصر ہند کی طرف سے موافق اس سعی کے صادر ہوتی ہے۔ پس بلا تشبیہہ جیسا حکام پریوی کونسل کو کچھ اختیار نہیں۔ اور پھر سب کچھ اختیار ہے۔ اسی طرح امام حسینؑ کو باعتبار عبودیت کے کچھ اختیار نہیں۔ اور باعتبار امامت سب کچھ اختیار ہے۔ پس اگر بیرسٹران محکمہ پریوی کونسل پر حکام پریوی کونسل سے خود کچھ استدعا کرنے پر مقدمہ

بغاوت سرکار کا چلایا جا سکتا ہے۔ تو ہم لوگ البتہ امام حسینؑ سے طلب حاجت کرنے میں مجرم قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اور اگر وہ ممکن نہیں تو یہ بدرجہ اتم ناممکن ہے۔ آخر ہم یہ بھی کہیں گے کہ بفرض محال اگر آپ امام حسینؑ کو ایک محض معمولی شخص مثل عوام الناس کے بالکل بے اختیار سمجھیں۔ تاہم حضرت سے طلب حاجت میں کوئی شخص شرک کا مجرم نہیں ہو سکتا۔ فقط اس پر بیوقوفی کا الزام البتہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ شرک ایک قسم کی بغاوت حق سبحانہٗ عز وشانہ سے ہے۔ اور شخص غیر ذی اختیار سے طلب حاجت میں کوئی شخص مجرم بغاوت کا ہو نہیں سکتا۔ فرض کیجئے کہ آپ کو کسی شخص پر ہزار روپیہ کی ایک تمسکی نالش کرنی ہو۔ اس کے عرضی دعوے کو آپ بجائے محکمہ منصفی کے بہ محکمہ فوجداری داخل کر دیجئے۔ تو یہ صرف آپ کی غلطی یا بیوقوفی ہوگی۔ اس فعل سے ہرگز کوئی شخص آپ کو باغی سرکار نہ کہے گا۔ ایک بات اور یاد رہے۔ کہ ہم تو ہم خود جناب سرور کائنات کو بوقت مصیبت حضرت علی علیہ السلام سے اعانت کے واسطے ندا کرنے کے لئے درگاہ کبریائی سے ہدایت ہوئی جیسا کہ ناد علی میں ہے۔

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہٗ عوناً لک فی النوائب

یعنی اے رسول ندا کرو تم علیؑ کو وہ مظہر العجائب ہیں اور وہ ایسے ہیں۔ کہ بوقت سختی تمہاری اعانت کریں گے۔ پس بھائی جب حضرت علیؑ سے طلب اعانت کے لئے خود حضرت سرور کائنات کو ہدایت ہوئی۔ تو ہم لوگ ان حضرت کو یا انکے فرزند ارجمند کو وقت مصیبت کے پکاریں۔ تو کیا مضائقہ ہے۔

محی الدین۔ خیر بہر کیف یہ سب تو جملہ معترضہ تھا۔ مگر پھر بات رہ جاتی ہے۔ کہ تعزیہ داری کے ساتھ باجا گتکا اور پٹہ وغیرہ اسباب لہو ولعب رہتا ہے۔ اگر اور کسی وجہ سے نہ ہو۔ تو اس وجہ سے تعزیہ داری ناجائز ہے۔

علی رضا۔ یہ عجیب طرح کی بات ہے۔ کہ آپ اچھے کام کو برے طریقہ پر کرنے سے ایک دم ناجائز کر دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص اچھے کام کو برے طور سے کرے یا اس کے متعلق کوئی برا کام کرے تو اس میں اچھے کام کا کیا قصور اور وہ کیوں ناجائز ہونے لگا۔ اگر اجمیر شریف میں رنڈیاں اور گویئے شب و روز طبلہ اور سارنگی کے ساتھ گاتے بجاتے ہیں۔ تو اس میں درگاہ شریف کا کیا قصور؟ کیا حضرات سنت والجماعت کی رائے ہے۔ کہ اس وجہ سے درگاہ شریف کی زیارت ترک کر دی جائے۔ اگر کوئی گویا صبح کی نماز بھیرویں میں اور ظہر کی نماز سارنگ میں اور مغربین کی نماز کلیانی دھن میں پڑھے۔ تو کیا اس وجہ سے آپ نماز ترک کر دیجئے گا۔ یا نماز کو ناجائز قرار دیجئے گا؟ ہرگز نہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ڈھول باجا اسباب لہو ولعب

جو تعزیہ کے ساتھ گنوار لوگ لے چلتے ہیں۔ بیشک یہ افعال لغو ہیں۔ آپ ایسا نہ کیجئے اور نہ کرنے دیجئے مگر اس وجہ سے تعزیہ داری کو کیوں ناجائز قرار دیجئے گا۔ آپ خود تعزیہ داری جو کیجئے۔ اس میں یہ سب افعال لغو ہونے نہ دیجئے۔ بلکہ نہایت تعظیم و احترام سے تعزیہ رکھئے۔ اور اس کو دیکھ کر روضۂ پاک حضرت امام حسین علیہ السلام کو دھیان میں لائیے اور واقعۂ کربلا کا خیال کیجئے اور جہاں تک ہو سکے۔ حضرت کے ساتھ ہمدردی کیجئے۔ اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

محی الدین۔ واقعی اس میں تو اب سوائے اس کے کہ یہ بدعت ہے اور کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔

علی رضا۔ ہر چیز کو بدعت کہہ کر ناجائز قرار دینا تو اختیاری بات ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ تعزیہ داری کی وجہ سے علاوہ رونق اسلام اور خیر و خیرات کے یہ کام نیک ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو معرکۂ کربلا یاد آجاتا ہے۔ اور اس سبب سے امام مظلوم کی مصیبتوں کو یاد کر کے حضرت کے ساتھ لوگ ہمدردی کرتے ہیں۔ اور حضرت کے ساتھ ہمدردی کرنا عین مودت ہے اور مودت کرنا نص قرآنی سے اچھا کام ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے تعزیہ سے یہ ایک بڑا امرِ خیر جاری رہتا ہے۔ اور اس لئے تعزیہ داری بدعت ہے۔ تو بدعت حسنہ ہے۔ اور بدعت حسنہ کسی مذہب میں ناجائز نہیں ہے۔

آیا تعزیہ داری بدعت ہے

محی الدین۔ تو کیا آپ قبول کرتے ہیں۔ کہ تعزیہ داری بدعت ہے۔

علی رضا۔ ہرگز نہیں۔ میں نے اس کو بدعت واسطے بحث کے تمہارے جواب کے لئے فرض کیا ہے۔ مسئلہ بدعت کے بارے میں ہمارے اصول اور حضرات وہابیہ کے اصول میں پورا اختلاف ہے۔ ہم لوگوں کا اصول یہ ہے۔ کہ سب کام مباح ہے۔ جب تک اس کی ممانعت شرعی ثابت نہ ہو۔ اور ان حضرات کا اصول یہ ہے کہ سب چیز ناجائز ہے جب تک اس کی اجازت شرعی صریح نہ ہو۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ ہر ملت و مذہب و قوم بلکہ ہر سلطنت میں طریقہ معاشرتِ انسانی یہی ہے۔ کہ جرائم یا ممنوعات کی تصریح کر دی جاتی ہے۔ اور بقیہ کل افعال مباح چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ پینل کوڈ وغیرہ میں ہے۔ مگر یہ عجب طرح کا قانون ہے۔ جس کی رو سے کل باتیں جن کی اجازت شرعی صریح نہ ہو ناجائز قرار دی جاتی ہیں۔ اور اس پر مجھے ایک شخص کا فقرہ یاد آتا ہے۔ کہ ایک سُنّی حنفی المذہب نے ایک وہابی سے پوچھا۔ کہ بدعت کیا چیز ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ جو چیزیں رسول اللہ کے وقت میں نہ تھیں وہ سب

بدعت ہیں اس نے کہا کہ تم رسول اللہؐ کے وقت میں نہ تھے۔ اس لئے تم مجسم بدعت ہو!!

محی الدین۔ یہ تو مزاحی باتیں ہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ شرعی امور میں کوئی ایسا کام کرنا جو آں حضرت صلعم کے وقت میں نہ تھا بدعت ہے۔

علی رضا۔ اگر یہ مسئلہ عام ہے تو قرآن مجید کے الفاظ پر اعراب دینا یہ بدعت میں داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ جو قرآن حضور اقدس صلعم پر نازل ہوا۔ اور حضورؐ کے وقت میں لکھا گیا اس میں اعراب نہ تھا۔ لیکن اسلام کے کسی فرقہ نے قرآن مجید کے الفاظ پر اعراب دینے کو بدعت نہیں کہا ہے۔

الغرض یہ بات تمہارے خود غور کے قابل ہے۔ کہ ان دونوں اصولوں میں سے کون اچھا ہے۔ آیا ہم لوگوں کا اصُول۔ کہ ہر امر مباح ہے۔ جب تک کہ اُس کی ممانعت شرعی نہ ہو۔ یا دہابیوں کا اصول۔ کہ ہر چیز ناجائز ہے۔ جب تک اس کی اجازت صریحی نہ ہو۔

محی الدین۔ مَیں تو سمجھتا ہوں۔ کہ وہابیہ اصُول سے اگر بڑے بڑے لوگوں کی کارروائی حتیٰ کہ صحابہ تبع تابعین کی کارروائی جانچی جائے تو ان لوگوں کو جواب دہی مشکل ہو۔ عوام کا تو کچھ حساب ہی نہیں۔ اور شیعوں کا اصُول ایسا ہے جو اس وقت تک ہر مذہب و قوم اور ملک میں جاری ہے۔ الغرض اب میرے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعزیہ پر کوئی اعتراض شرعی نہیں ہو سکتا۔ اور بیشک اس کے ذریعہ سے واقعات کربلا یاد آتے ہیں۔ اور اس وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد اور محبت دل میں جگہ کرتی ہے۔ اور اس سے رونق اسلام بھی ہے۔ لیکن وہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر اس کی جگہ محرم میں لوگ قرآن کی تلاوت کریں۔ اور خیرات کریں تو کیا مضائقہ ہے۔

علی رضا۔ اے سبحان اللہ جو شخص صدق دل سے قرآن شریف کی محرم میں تلاوت کرے۔ حضرتؑ کے مصائب کو یاد کر کے محزون ہو۔ اور خیرات کرے۔ اور حضرت امام حسینؑ سے ہمدردی کرے۔ تو اس کا کیا کہنا۔ لیکن اگر یہ فقرہ صرف اس نیت سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس ذریعہ سے لوگ عزاداری ترک کر دیں۔ اور بعدہٗ یہ خود بخود ترک ہو جائے گا۔ تو مجھے عذر ہے۔ اور تب میں یہی کہوں گا۔ کہ جس سے یہ ہو سکے یہ کرے اور جس سے تعزیہ داری ہو سکے تعزیہ داری کرے۔ بشرطیکہ صدق دل سے ہو۔

مَیں اپنے دل کو کیا کروں۔ میرے نزدیک ہمدردی اور خلوص دلی اور شرکت رنج و راحت ایمان و اعتقاد کے لئے سب سے بڑی چیز معلوم ہوتی ہے فرض کیجیے۔ کہ آپ اپنے کسی دیہات پر کشتی میں جائیے۔ اور ایک متمول رعیت آپ کا، دس روپیہ آپ کو سلامی دے۔ اور فرض

کیجئے۔ کہ اس سفر میں کہیں آپ گھوڑے سے گر جائیے اور آپ کا ہاتھ اکھڑ جائے۔ اور آپ کو غش آجائے۔ اس وقت ایک رعیت آپ کا پہنچے۔ اور پانی پلا کر ہوش میں لائے اور اپنے گھر لے جاکر برابر خدمت میں حاضر رہے۔ اور تیمارداری کرے۔ یہاں تک کہ آپ بیچح ہو جائیں اور تب اپنے ساتھ آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دے۔ تو غور کیجئے۔ کہ آپ کو اور آپ کے والد کو خیال اور لحاظ کس رعیت کا زیادہ ہوگا۔ روپیہ دینے والے کا یا اس غریب رعیت کا؟ پھر خیال کیجئے۔ کہ خدانخواستہ آپ پر کوئی حادثہ عظیم پڑجائے یعنی کوئی نہایت ہی عزیز قریب آپ کا انتقال کرے۔ اور اس خبر کو سُن کر ایک متمول دوست آپ کا صرف ماتم پرسی کا روپیہ بھیج دے اور دوسرا خود آئے۔ اور آپ کا ہمدرد بنے۔ اور آپ کا دل بہلائے۔ اور ہر وقت آپ کے آرام اور دلدہی کا خیال رکھے۔ تو غور کیجئے۔ کہ آپ کی آنکھوں میں کس دوست کی وقعت زیادہ ہوگی۔ اور کس کو عزیز سمجھیں گے؟

محی الدین۔ بھائی یہ تو ظاہر ہے۔ کہ ہمدردی کرنے والے دوست کی وقعت آنکھوں میں بہت ہی زیادہ معلوم ہوگی۔ اور اس روپیہ بھیجنے والے دوست کی وقعت اسی قدر ہوگی کہ جب خدانخواستہ کوئی حادثہ اس کے گھر ہوگا۔ تو ہم بھی روپیہ بھجوادیں گے۔

علی رضا۔ ماشاءاللہ آپ غور تو فرمائیے۔ کہ ایک شخص بہ شب عاشورا یہ خیال کرکے آج ہمارے آقا پر عالم غربت میں ایسی مصیبت گذری ہے۔ کہ جو کسی پر نہ گذری۔ یعنی ایک صحرائے لق ودق میں آپ کا خیمہ ہے۔ جہاں آپ مع اہلبیتؑ فروکش ہیں۔ اور چاروں طرف مخالفین کی فوج گھیرے ہوئے ہے۔ اس سے سب عزیز یعنی بیٹے بھتیجے بھائی کی موت نگاہ میں پھر رہی ہے۔ اور مخدرات حرم نہایت مضطر و پریشان ہیں۔ کہ الٰہی کل کیا ہوگا۔ اور اس لئے خیمہ مبارک میں تلاطم ہے اور کسی کو قرار نہیں خود شب بیداری کرے اور ان واقعات کو یاد کرے۔ اور یاد دلانے والی چیزوں کو دیکھ دیکھ کر روتا رہے۔ اور ساری رات عبادت اور گریہ وزاری میں کاٹے۔ اور اسی طرح دن کو نماز پڑھے۔ اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام اور ان کے انصار پر سلام بھیجے۔ اور دن بھر بے آب و غذا رہ کر حضرت کے مصائب کو یاد کرے۔ اور جیسے جیسے دن چڑھے خیال کرتا رہے۔ کہ اس وقت فلاں بزرگ نے میدان جنگ کی رخصت لی ہوگی۔ اور اس وقت فلاں بزرگ شہید ہوئے ہوں گے۔ اور اُن کی نعش خیمہ مبارک میں آئی ہوگی۔ اور آج کے دن خود حضرت سید الشہداء کا یہ عالم تھا۔

اسی شغل میں شاہ دن بھر رہے　　کبھی لاشیں اٹھائیں کبھی رو دیئے

اور آخر یہ ہوا۔

دوپہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا　　باپ بیٹے سے چھٹا بھائی سے بھائی چھوٹا
پتّا پتّا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا　　ابنِ زہراؑ کی کمر جھک گئی بازو ٹوٹا

پھر نہ یاور نہ وہ جانباز نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسینؑ ابن علی تنہا تھے

اور بوقت عصر تو ایسا واقعہ عظیم ہوا۔ کہ جس سے آسمان و زمین کے طبقے مل گئے ہیں۔
یعنی :-

رحمۃ للعالمین کا ذبیحِ دل جانی ہوا　　فاطمہؑ کا لال بھوکا پیاسا قربانی ہوا

الغرض انہیں خیالات میں دن بھر حضرت سید الشہداء اور انکے اعزا و اقارب کے ساتھ ہمدردی اور ان کی عزاداری کرتا ہے۔ پھر فرض کیجئے۔ کہ ایک دوسرا مسلمان شب بھر خواب غفلت میں پڑا رہے۔ اور اس کو یہ بھی خبر نہ ہو۔ کہ آج فرزند رسول صلعم پر کیا گذری ہے۔ اور جب صبح ہو۔ تو اٹھ کر چاء پی کر اور اچھی طرح ناشتہ کر کے اپنی زمینداری کا حساب و کتاب دیکھے۔ بعدہٗ خوب کھا پی کر سو رہے۔ جب عصر کا وقت ہو۔ تو اس وقت ہاتھ منہ دھو کر باغ کی سیر کرے۔ اور جب وہاں کچھ شور کی آواز آئے۔ تو پوچھے۔ کہ آج یہ شور کیسا ہے۔ تو لوگ کہیں گے۔ کہ آج دسویں محرم کی ہے۔ اس وقت کہے کہ آہا ہا آج دسویں محرم کی ہے۔ باورچی سے کہہ دو کہ دو من کا کھچڑا پکوا دو اور دو سو آبی روٹی خرید کر فقیروں کو تقسیم کر دے۔ اور حافظ جی سے کہہ دو۔ کہ پندرہ بیس لڑکوں سے دو ختم قرآن پڑھوا دیں۔ فی لڑکا دو آنہ دیا جائے۔ اور پھر خود ایک پارہ قرآن پڑھ کر باغ کی سیر کر کے اٹھکیلیوں میں مشغول ہو جائے۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ برائے خدا کہو تمہاری کیا رائے ہے۔ جس وقت یہ دونوں اشخاص جناب سرورِ کائنات صلعم و جناب خاتونِ جنت حضرت سیدہ علیہا السلام اور حضرت علی السلام کے سامنے لائے جائیں گے تو یہ حضرات کس سے زیادہ خوش ہوں گے۔ کس کو اپنا اور اپنے پیاروں کا ہمدرد سمجھیں گے۔ کس کو اپنا خادم اور اپنے پیارے کا محب سمجھیں گے۔ اور کس کو مثل اپنے فرزند کے پیار کریں گے؟

یاد رکھیئے۔ کہ قرآن پڑھنا یا خیرات کرنا سب اپنے لئے ہے۔ ان خاصان خدا کو اس کی مطلق پروا نہیں۔ وہاں صرف محبت و مودّت دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے مجھے مطلق شک نہیں کہ اگر دل میں محبت و مودّت اہلبیت ہے۔ تو سب کچھ ہے ورنہ تو دانی و خداوند۔

آپ کے رسول صلعم نے صرف ایک فرمائش کی ہے یعنی میرے اعزا سے محبت و مودت رکھو۔ میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہتا۔ پس اگر دل میں محبت و مودت نہیں ہے۔ تو اپنے کھچڑے پلاؤ کو بھی طاق میں رکھیئے۔ وہاں اس کی پروا نہیں۔ اور اگر دل میں مودت و محبت ہے۔ تو انشاء اللہ تعالےٰ صرف نام حسینؑ لینے سے دونوں جہان میں بیڑا پار

محی الدین۔ ماشاء اللہ کس صفائی سے سب اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ اور کیس خوب صورتی سے ثابت کیا ہے۔ کہ اصل ایمان محبت ہے۔ جس شخص کو یہ دولت مل گئی۔ اس کو سب کچھ مل گیا۔ پس اب۔ کوئی مانے یا نہ مانے اپنا تو عمل اس مقطع پر ہے۔

صدقِ دل سے ہم اسی جانب چلیں گے اے نفیس
جس طرف آلِ محمد کی محبت لے چلے!

میں بصد دل سے آپ کا شکر گذار ہوں۔ کہ آپ نے میری آنکھوں سے ایک بڑا پردہ غفلت اٹھا دیا۔ جناب حضرت امام حسینؑ کے مدارج (قطع نظر اعتقاد کے) صرف واقعات سے آپ نے ایسے بیان کئے ہیں۔ جن کو سن کر کوئی شک نہیں رہتا۔ کہ حضرت سردار جوانان بہشت ہیں۔ اور حقیقۃً بذریعہ شہادت، آپ کو درجہ وصال حاصل ہوا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ جب میں اپنے مذہب سابقہ پر تھا۔ تو ایسے امام عالی مقام کو ایک محض معمولی شخص سمجھا تھا۔ اور ان کے ساتھ ہمدردی کو اور ان کی عزاداری کو ایک فعل لغو اور بیکار سمجھتا تھا۔ اور مجھ پر کیا موقوف ہے۔ سینکڑے بلکہ زیادہ میرے سابق ہم مذہب لوگوں کا ایسا ہی خیال ہے۔ استغفر اللہ من کل ذنب واتوب الیہ۔

مدارج جناب حضرت امام حسین علیہ السلام

علی رضا۔ حق تو یہ ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل اور مدارج تو ایسے ہیں۔ کہ اگر جناب رسولخدا صلعم پر نبوت ختم نہ ہوتی۔ تو حضرت امام حسینؑ بلا تکلف کسی ایک اُمت کے پیغمبر ہو سکتے تھے۔ چنانچہ تین فضیلتیں حضورؑ کی ایسی ہیں۔ جو حضورؑ کے لئے خاص ہیں۔ الامامت عترتہ منہ والشفاء فی تربتہ والاجابتہ تحت قبتہ علاوہ اس کے انبیاء اور رسل کے مدارج اسی خیال سے لئے جاتے ہیں۔ کہ راہ خدا میں یعنے رضائے پروردگار عالم کے لئے کس نے کیسے کیسے کام کئے ہیں۔ اس معیار سے اگر آپ تواریخ الانبیاء ملاحظہ فرمائیں گے۔ تو بلا تامل کہہ دیں گے۔ کہ کسی پیغمبر ماسلف نے راہ خدا میں حسین ابن علی علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی کام نہیں کیا ہے۔ کیونکہ انبیاء سلف علیہم السلام نے جو کچھ رنج و مصیبت جفاکشی اختیار فرمائی ہے۔ وہ صرف اپنی ذات بابرکات پر

مگر یہاں تو خاندان بھر کی تباہی و بربادی قتل و اسیری گوارا فرمائی گئی ہے۔ اس لئے ہمارے پیغمبر آخر الزمان حضرت رسول مقبول کا درجہ انتہائے قیاس سے زیادہ معلوم ہوتا ہے کہ اس برگزیدہ خدا شفیع روز جزا صلعم کا ایک لخت جگر نواسہ ایسا فخر خاندان عالی وقار ہوا کہ پیغمبران ماسلف سے بھی صبر و رضا میں گوئے سبقت لے گیا۔ اس لئے کوئی شک نہیں۔ کہ جناب حضرت رسول خدا صلعم افضل المرسلین و خاتم النبیین ہوئے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ آنحضرت صلعم کے افضل المرسلین ہونے کے باعث حضرت امام حسینؑ بھی ہوئے ہیں۔ اللھم صل علی محمدؐ و آل محمدؐ۔ علاوہ اس کے ایک آیہ قرآنی پر غور کرنے سے اور واقعات کے ملانے سے تو صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ فرزند رسول ملائکہ مقربین سے بھی افضل ہے۔ پارہ اول سورہ بقر میں حق تعالےٰ جلشانہٗ فرماتا ہے واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک قال انی اعلم ما لا تعلمون۔

یعنی حق تعالےٰ جلشانہٗ نے ملائکہ سے فرمایا تھا۔ کہ میں اپنا خلیفہ زمین پر بھیجنے والا ہوں۔ اس پر ملائکہ نے (براہ تعجب) کہا۔ کہ خدایا تو اپنا خلیفہ ان لوگوں کو مقرر کرے گا۔ جو زمین پر فساد اور خونریزی کریں گے۔ حالانکہ ہم لوگ برابر تیری تقدیس و تسبیح کرتے ہیں (پس بسیار تعجب کہ ہم لوگ تیرے خلیفہ نہ ہوں) اور بشر میں سے لوگ تیرے خلیفہ ہوں۔ حق تعالےٰ نے فرمایا (چپ رہو) ہم وہ جانتے ہیں۔ جو تم لوگ نہیں جانتے ہو۔ مطلب اس ارشاد خداوندی کا یہ تھا۔ اگرچہ بہتیرے بنی آدم مفسد اور سفاک ہوں گے۔ مگر بعض ان میں ایسے بھی ہوں گے جو تم لوگوں سے بھی میری اطاعت اور عبادت میں افضل ہوں گے۔ اس آیت میں لفظ خلیفہ سے ظاہرا تو حضرت آدم مراد ہیں۔ لیکن حقیقۃً ہمارے حضرت سرور کائنات جناب رسول خدا صلعم بلکہ جمیع رسل و انبیاء و اولیاء و اوصیاء مراد ہیں۔ کیونکہ اگر صرف حضرت آدم مراد ہوتے تو ملائکہ مفسدوں اور خونریزوں کا ذکر کیوں کر کرتے۔ کیونکہ خونریز اور مفسد تو بنی آدم ہوئے ہیں اور اس قسم کی پیشگوئی جیسی کہ قیامت کے وقت لوگوں کی باتیں بہشت اور دوزخ اور اعراف میں رہنے والوں کی باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ لفظ خلیفہ عام ہے۔ جس میں ہمارے جناب رسول مقبول صلعم اور آنحضرت کے اوصیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

خیر بہرکیف اب جو میں واقعات پر غور کرتا ہوں۔ تو دیکھتا ہوں۔ کہ ایک روز اور ایک مقام پر ان دونوں امور کا یعنی ملائکہ کے خیال کا اور حق تعالےٰ جلشانہٗ کے علم کا پورا اجتماع اور مقابلہ ہوا ہے۔ اور وہ روز یوم عاشورائے محرم اور وہ مقام ارض مقدس کربلا ہے۔ یعنی اس روز اس مقام پر ایک طرف تو بیشمار ایسے ظالمین مفسدین خونخوار سفاک اشقیاء جمع ہیں۔ جن کو بیگناہ

معصوموں حتیٰ کہ طفل شیر خوار کے خون بہاتے اور ان کے گھر لوٹ لینے میں مطلق باک نہیں. بلکہ اس کی خوشی کرتے ہیں۔

اور دوسری طرف ایک بھوکا پیاسا خدا کا بندۂ خدا کی راہ میں اپنا گھر بار لٹا رہا ہے اور اور جب اس کا کوئی پیارا شہید ہوتا ہے تو انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر ہمہ تن راضی برضا رہتا ہے۔ اور صبر و شکر کے ساتھ زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گرتا ہے۔ اور اور اس وقت خدا کی تسبیح و تقدیس کے لئے سجدہ معبود میں جاتا ہے اور تب اس کے سر کو ایک شقی قلم کرتا ہے۔ اور اس وقت اس کے گلوئے بریدہ سے گویا بزبانِ حال یہ صدا آتی ہے

سرور سرِ راہ تو فدا شد چہ بجا شد　　این بار گراں بود ادا شد چہ بجا شد

اب میں جمیع حضرات ملائکہ کرام علیہم السلام کو مخاطب کر کے کہتا ہوں۔ کہ آپ حضرات غور کیجئے۔ اور خوب غور کر کے فرمائیے۔ تو جس وقت آپ حضرات حقتعالےٰ جلشانہٗ کی تسبیح و تقدیس کرتے تھے۔ اس وقت کوئی قاتل تو آپ کے سینے پر سوار نہ تھا؟ کوئی شخص آپ کے گلے پر خنجر تو نہیں پھیرتا تھا؟ ہزار و نہ صد و پنجاہ زخم تو آپ کے نہ لگے تھے؟ آپ تین دن کے بھوکے پیاسے تو نہ تھے۔ ان استعارات سے تو میرا مطلب یہ ہے کہ آپ پر بوقت تقدیس و تسبیح کے کوئی ایسی ایذا یا صعوبت یا تکلیف تو نہ ہوتی تھی۔ جیسی لشکر ان مظالم سے ہوتی ہے۔ ان سوالوں کا جواب آپ لوگ سوائے نفی کے اور کچھ نہیں دے سکتے۔ تب غور تو فرمائیے۔ کہ حق تعالےٰ جلشانہٗ کا علم آپ حضرات کے خیال سے بدرجہا برتر اور صحیح تھا یا نہیں؟ اور تب حق تعالےٰ جلشانہٗ نے اس بزرگوار علیہ السلام کے جدامجد صلعم کو جو اپنا خلیفہ زمین پر بھیجا۔ تو کیا نعوذ باللہ بُرا کیا؟ یا آپ لوگوں کی حق تلفی کی؟ لا واللہ ہرگز نہیں!!!

میں اپنے اعتقاد سے اس قدر جناب حضرت جبرئیل سے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ آپ تو معرکہ کربلا میں موجود تھے۔ آپ نے خود گروہ اشقیا کا ظلم اور اس بندہ خدا کا صبر ملاحظہ فرمایا تھا۔ بلکہ جس وقت آپ نے اپنے اس شہزادہ گود کے پالے کو تمازت آفتاب سے بے تاب پایا تھا۔ تو آپ نے بے چین ہو کر اس کے سر پر اپنے پروں کا سایہ کیا تھا۔ گر اس وقت اس عاشق صادق شہید راہ رضا نے کہا تھا ع

ہٹ جاؤ جبرئیل یہ وقت امتحان کا ہے

تو کیا آپ اس کی شہادت نہ دیں گے۔ کہ ملائکہ کی تقدیس و تسبیح سے اس بندہ خدا کا صبر و رضا بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ اور اس لئے خلیفہ خدا ہونے کی اس کو پوری قابلیت حاصل تھی؟ المختصر جس وقت حق تعالیٰ جلشانہٗ نے ملائکہ سے فرمایا تھا۔ کہ انی اعلم ما لا تعلمون اس وقت حقتعالیٰ

جلشانہ کے علم میں یہ معرکہ اور یہ عاشق صادق اور شہید راہ رضا ضرور تھا۔ اس لئے کوئی شک نہیں کہ یہ شخص ملائکہ سے افضل تھا۔ اور بشر کے خلیفۂ خدا ہونے کا باعث یہ فخر خاندان بھی ضرور تھا جس کا نام نامی یہ ہے۔

دریگانہ دریائے مجمع البحرین — بجوں طیبۂ کرب وبلا امام حسینؑ

جب ہی تو خود جناب سرور کائنات صلعم نے فرمایا تھا۔ حسین منی وانا من الحسین یعنی حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

محی الدین۔ بھئی واقعی حسین منی کو تو میں نے سمجھا۔ کہ حسینؑ مجھ سے ہے۔ یعنی میرا فرزند ہے۔ لیکن انا من الحسینؑ یعنی میں حسینؑ سے ہوں۔ میری سمجھ میں نہ آیا۔ براہِ عنایت اس کا مطلب سمجھا دیجئے۔

علی رضا۔ حق یہ ہے۔ کہ حضرات پنج تن پاک علیہم السلام نور واحد یک جان و پنج قالب ہیں۔ اور جناب رسولِ خدا صلعم نے جو انا من الحسین فرمایا۔ اس کی تاویل ہمارے علمائے کرام نے کئی طرح سے کی ہے۔ ایک تو اسی واقعہ شہادت سے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کے افضل المرسلین ہونے کے باعث حضرت امام حسین علیہ السلام بھی ہوئے ہیں۔ یعنی بظاہر جو حضور کو شرفِ شہادت حاصل نہ ہوا وہ حضور کو بذریعہ اپنے لختِ جگر کے حاصل ہوا۔ اس لئے حضور اقدس کے انا من الحسین فرمانے کا یہ مطلب تھا۔ کہ میری افضلیت اور میرا درجہ عالی میرے پیارے حسین سے یعنی حسین کی وجہ سے ہے۔ یعنی وہ ملائکہ سے افضل ہے۔ اور اس لئے میں انبیاء و مرسلین سے افضل ہوں۔ دوسری تاویل قابل یاد یہ ہے۔ کہ جناب رسولخدا صلعم جناب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہیں۔ اور قرآن مجید سے ثابت ہے کہ جب جناب حضرت ابراہیم بموجب الہام خداوندی حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی جبیں پاک کو زمین سے ملایا اور دونوں باپ بیٹے امتحان میں کامل پائے گئے۔ تو فوراً بہشت سے دنبہ آیا۔ اور اس کی گردن پر چھری چل گئی۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ بچ گئے۔ تب بارگاہ احدیت سے ارشاد ہوا کہ اس وقت ہم نے اسمٰعیلؑ کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ کہ ہم نے اس کا فدیہ ایک ذبح عظیم قرار دیا ہے۔ اور اس کو آخرین کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ جلشانہٗ نے پارہ ۲۳ سورہ والصافات میں فرمایا ہے وفدیناہ بذبح عظیم و ترکناہ فی الاخرین۔

جمہور مفسرین فرقہ حقہ اثنا عشریہ اس آیہ کریمہ کی تاویل اسی واقعہ یوم عاشورائے محرم کو قرار

دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ذبح عظیم سے یہی بڑی قربانی مراد ہے۔ جس میں رسول آخرالزمانؐ کا فرزند معہ اٹھارہ بنی فاطمہؑ کے جو سب کے سب اولاد حضرت اسمٰعیلؑ سے تھے۔ اور علاوہ ان کے ۷۲ انصار علیہم السلام مثل گوسفندان قربانی کے ذبح ہوئے ہیں۔

المختصر اس تادیل سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام فدیہ حضرت اسمٰعیلؑ نہ ہوتے۔ تو حضرت اسمٰعیل ہی کی گردن پر چھری چل جاتی۔ اور آپ شہید ہو جاتے اس لئے آپ کی نسل ہی منقطع ہو جاتی۔ اور تب جناب رسول مقبول صلعم کا دنیا میں ظہور فرمانا ناممکن ہو جاتا۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ جناب رسولِ خدا صلعم کی پیدائش جناب حضرت امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے ہوا۔ اور اس لئے آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ انا من الحسین یعنی میرا دنیا دی ظہور میرے فرزند حسین کی وجہ سے ہوا۔ اللھم صل علے محمد و آل محمد۔

علاوہ اس کے ایک بات اور بھی سُن لو۔ کہ سلف میں انبیاء کرام کے صبر و رضا کا جو امتحان لیا گیا ہے۔ اور بلاؤں میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ تو اکثر بزرگوار علیہم السلام کو ان بلاؤں سے دفاع کا مطلق اختیار نہ تھا۔ اس لئے ان بزرگوار کو سوائے صبر کے چارہ نہ تھا۔ مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام حضرت موسے علیہ السلام وغیرہ نے جو صبر کیا۔ تو ان کو سوائے صبر کے چارہ نہ تھا۔ لیکن امام حسین علیہ السلام نے مصائب تو ایسے اختیار کئے جن کے مقابلہ میں کوئی مصیبت پیش نہیں کی جا سکتی لیکن سب مصائب کا اندفاع آپ کے اپنے اختیار میں تھا۔ یعنی اگر آپ نعوذ باللہ یزید کی بیعت کر لیتے۔ تو کچھ نہ ہوتا۔ اس لئے یہ بات قابل غور ہے۔ کہ معشوق یعنی حق تعالٰے جلشانہ کے نزدیک کس کا صبر و رضا زیادہ قابلِ قدر ہو گا۔ آیا اس عاشق کا جو صبر کرنے پر مجبور ہو۔ یا اس عاشق صادق کا باوجود اختیار کے رضائے معشوق کے لئے سخت سے سخت مصائب کا تحمل کر کے رضینا بالقضا۔ اور انا للہ و انا الیہ راجعون کہتا رہے۔ اور بمقابلہ رضائے معشوق کے اپنے اختیار حاصلہ کے استعمال کا خیال تک نہ کرے!!

محی الدین۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ بھائی تمہاری باتوں سے تو دل میں عجیب طرح کا جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور بے ساختہ دل چاہتا ہے۔ کہ اڑ کر جناب حضرت امام حسین علیہ السلام کے در دولت پر پہنچیں۔ اور اسی آستانہ اقدس پر اپنی بقیہ زندگی بسر کریں ہمارے مذہب والوں کے اعتراضات تو بالکل رد ہو چکے اب دل چاہتا ہے۔ کہ کچھ فضائل روضہ مبارک کربلائے معلیٰ اور ثواب زیارت روضہ اقدس سنوں۔ اگر تکلیف نہ ہو۔ تو بیان فرمائیے۔

علی رضا۔ اللہ اکبر فضائل کربلا اور علی رضا سا کم علم کج مج زبان شخص!!! بھائی اس ارضِ پاک کے فضائل سے تو حضرات علمار کرام کی مبسوط کتابیں مملو ہیں۔ ان کی تفصیل مجھ سے دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے انہیں بزرگواروں سے سُنی سنائی چند باتیں عرض کرتا ہوں۔ جو تمہارے دلولہ شوق کے لئے انشاء اللہ تعالےٰ کافی ہوں گی۔

فضیلت ارض مقدّس کربلائے معلّیٰ

ہمارے مذہب کی کتابوں میں ایک روایت ہے۔ کہ روضہ مبارکہ کربلائے معلّیٰ خانہ کعبہ سے افضل ہے۔ با اعتبار اسناد و روایات وحدیث کے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ روایت صحیح ہے یا نہیں۔ لیکن ایک اعتقادی بات عرض کرتا ہوں جس سے اس روایت کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ یعنی ہر مسلمان کا اعتقاد اور قول ہے۔ کہ خانہ کعبہ بیت اللہ یعنی خدا کا گھر ہے۔ اور یہ بات بھی مشہور ہے کہ قلب مومن خدا کا گھر ہے۔ اور خداوند عالم وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اس لئے جس قلب میں خدا کی یاد کے سوا دوسری اشیائے ماسوا کا خیال جس قدر کم ہوگا۔ اسی قدر وہ قلب پاک خدا کا گھر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ جس دل میں سوائے خدا کے اور کسی شے کا خیال نہ ہوگا وہ خدا کا خاص گھر ہو جائے گا۔

اس معیار سے اب خیال کیجئے۔ کہ بروز عاشورائے محرم جناب حضرت امام حسینؑ کے قلب پاک کا بوقت شہادت کیا عالم تھا۔ انصار اعزہ۔ بیٹے۔ بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے سب کا خیال آپ کے قلب پاک سے جُدا ہو گیا تھا۔ مخدرات حرم سے بھی آپ رُخصت ہوئے۔ حضرت سکینہؑ کو آغوش سے اتار حضرت زینبؑ کے حوالے کیا۔ اور خیمہ مبارک سے باہر آئے۔ اس وقت آپ غور کیجئے اور خوب غور کر کے کہئے۔ کہ حضرت امام حسینؑ کے قلب مبارک میں سوائے خدا اور رضائے خدا کے اور کچھ بھی تھا؟ مطلق نہیں کچھ بھی نہیں!!! اور جب اس قلب نورانی کے ساتھ حضرتؑ کا وصال ہوا تو یہ قلب پاک ہمیشہ کے لئے خدا کا گھر ہو گیا یا نہیں؟ بیشک ہو گیا!!! اور یہی خاص اور مستقل خدا کا گھر کربلائے مُعلّیٰ میں ضریح پاک کے اندر واقع ہے اللّٰھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ۔

ایک لُطف مزید قابل غور یہ ہے کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل علیہم السلام کا بنایا ہوا ہے۔ لیکن یہ خُدا کا گھر یعنی قلب پاک حضرت امام حسینؑ کا خدا ہی کا بنایا ہوا ہے اس لئے کربلائے معلّیٰ میں جو خاص گھر خدا کا ہے وہ خود خدا ہی کا بنایا ہُوا ہے۔ پس اگر ہم اس اعتقاد سے کربلائے معلّیٰ کو خانہ کعبہ سے افضل سمجھیں۔ تو ہرگز غلط نہیں ہے اللّٰھم صل علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ۔

ایک بات اور قابل یاد بلکہ یادگار یہ ہے۔ کہ خانہ کعبہ میں مدتوں ۳۶۰ بُت رہے اور

اس وقت بھی اس خانۂ خدا میں ہر قسم کے لوگ آتے جاتے ہیں۔ لیکن کربلائے معلیٰ میں جو بیت اللہ یعنی قلب پاک حضرت امام حسین علیہ السلام کا واقع ہے۔ اس میں بُت تو درکنار کسی خیال فاسد کا بھی گزر نہ ہوا۔ اسلئے اس خانۂ خدا میں کبھی کوئی خیال فاسد نہ رہا ہے نہ رہ سکتا ہے۔ اس لئے یہ گھر خدا کا برائے دوام بلا شرکت غیرے وبے مداخلت دیگرے خاص حقتعالیٰ جلشانہٗ کا گھر قائم رہے گا۔ اللھم صل علی محمدٍ و آل محمدؐ۔

پس اب آپ غور کر لیجئے۔ کہ جو روایت ہمارے مذہب میں مشہور ہے وہ کیا غلط اور خلاف قیاس ہے؟ ہرگز نہیں!!

مدارج زوّار کربلائے معلیٰ

دوبارہ فضائل و مدارج زائرین روضۂ پاک جناب حضرت امام حسین علیہ السلام کے میں نے ایک حکایت وہیں کے علماء اور ثقہ حضرات سے متواتر سنی ہے۔ اسی کو بیان کر دیتا ہوں۔

منقول ہے کہ حضرت علامہ حلّی علیہ الرحمہ نے جو ایک بڑے مشہور عالم مجتہد میرے مذہب کے گذرے ہیں۔ بمقام حلہ جو کربلائے معلیٰ سے آٹھ فرسخ پر واقع ہے۔ مسکن گزیں تھے۔ علامہ صاحب نے کسی کتاب میں دیکھا تھا۔ کہ جو کوئی شخص چالیس شب جمعہ کو جناب حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ پاک کی زیارت کرے۔ تو اس کو حضرت صاحب الامرؑ کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ علامہ صاحب نے اسی اعتقاد سے چالیس شب جمعہ کو روضۂ پاک کی زیارت کی لیکن حضرت صاحب الامرؑ کی زیارت نہ ہوئی۔ اس کے چالیسویں شب جمعہ کے بعد علامہ صاحب اپنے نصیب پر روتے ہوئے نہایت مغموم و محزون اپنے گھر کی طرف الاغ پر روانہ ہوئے۔ اور اپنے حزن و ملال کے عالم میں سر جھکائے چلے جاتے تھے۔ اتفاقاً آپ کے پاؤں سے آپکی ایک نعلین گر گئی۔ اس کو ایک مرد عرب (علیہ السلام) نے اٹھا کر پہنا دیا لیکن علامہ صاحب نے اپنی حسرت و یاس کے عالم میں اس کا مطلق خیال نہ کیا اور اسی طرح سر جھکائے آگے بڑھے۔ تھوڑی دور کے بعد وہ مرد عرب (علیہ السلام) سامنے آیا۔ اور پوچھا کہ علامہ تم اس قدر مغموم و محزون کیوں ہو؟ علامہ نے اپنی محرومی کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس مرد عرب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا۔ کہ جب تم حضرت سید الشہدا کے زائر ہو۔ تو امام عصرؑ کی زیارت کے لئے کیوں اس قدر بیتاب ہو۔ امام عصر تو اپنے جد مظلوم علیہ السلام کے زوّار کی جوتی تک اٹھاتا ہے۔ یہ فرما کر اور اپنا لقائے پاک دکھلا کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ اللھم صل علی محمد و آل محمدؐ۔

پھر تو حضرت علامہ فرطِ گریہ وبکائے مسرت سے بیچین ہو گئے۔ اور اس حسرت میں رہے کہ ہائے حضرت کے قدم پاک سے کیوں لپٹ نہ گئے۔ اور نہایت بیقرار اور محزون اپنے گھر واپس آئے۔

المختصر اسی حکایت سے زوار کے فضائل و مدارج کو خیال کرو۔ اور فضائل ارض مقدس کربلا لاتعد ولا تحصیٰ ہیں اس لئے میں صرف جناب میر انیس صاحب مرحوم کے ایک بند پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔

سجدے کریں گے جس پہ ملک وہ زمیں یہ ہے | جس پہ کھدا ہے نقش شفا وہ نگیں یہ ہے
بطحیٰ یہ ہے مدینۂ ارباب دیں یہ ہے | کعبہ یہ ہے نجف یہ ہے خلد بریں یہ ہے

تھی اس زمین کی قدر رسولانِ پاک کو
آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

وجوبِ حج خانہ کعبہ مقدسہ

محی الدین جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ تمہاری اس تقریر سے تو فضائل زیارت کربلائے معلےٰ انتہائے قیاس سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس رو سے تو ہم لوگ حج خانہ کعبہ سے بالکل مستغنی ہو گئے۔ پس کربلا کی زیارت کی اور حج سے فارغ ہو گئے۔

علی رضا۔ ایسا خیال محض غلط ہے۔ ہم نے کربلائے معلیٰ کو مقام بیت اللہ ثابت کیا ہے۔ لیکن جس کا وہ گھر ہے۔ اسی نے یعنی حق تعالےٰ جلشانہ نے حج خانہ کعبہ کو بشرطِ استطاعت فرض قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ مالک کے گھر سے مالک کا حکم زیادہ تر واجب التعظیم اور واجب الاطاعت ہے اور اس مالک نے حکم دیا ہے۔ کہ ولِلّٰہِ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا و من کفر فان اللہ غنیٌّ عن العالمین۔ حاصل مطلب اس آیہ کریمہ کا یہ ہے کہ لوگوں پر بشرط استطاعت حج بیت اللہ واجب ہے اور اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج سے انکار کرے) تو خدا کو دنیا داروں کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ دیکھو سورۂ آل عمران پارہ سوئم۔

اس لئے ہم لوگوں کو اس حکم کا بجالانا فرض ہے۔ کیونکہ بحالت انکار یا عدم بجا آوری اس حکم کے کمال خوف ہے۔ کہ ہم لوگ اس بیت اللہ یعنی کربلائے معلیٰ کی زیارت کے قابل نہ ٹھہریں۔ کیونکہ جمیع عبادات اور احسانات انہیں لوگوں کے قابل اعتبار ہیں۔ جن سے خدا راضی ہے۔ لیکن جن سے خدا ناراض ہوا۔ ان کے اعمال و افعال کا خدا ہی حافظ ہے۔ اس آیہ کریمہ

میں حق تعالےٰ جلشانہ نے جن لفظوں میں منکرین حج کو زجر کیا ہے۔ وہ نہایت خوفناک ہیں۔ اس لئے میں دُعا کرتا ہُوں۔ کہ حق تعالےٰ جمیع مومنین و مومنات کو توفیق خیر اور استطاعت کافی عطا فرما کر شرف حج و زیارت سے مشرف فرما کر قبول فرمائے۔

محی الدین۔ اس میں مجھے کلام نہیں۔ واقعی حج خانہ کعبہ واجبات سے ہے اور زیارت مستحبات سے ہے۔

عدیم المثال واقعہ صبر و رضا حضرت امام حسین علیہ السلام

علی رضا۔ بس اب تو میں خاتمہ پر پکار کر ڈنکے کی چوٹ یعنی بآواز دہل کہتا ہوں کہ آپ تواریخ عالم دیکھیے۔ کہ از آدم تا ایندم صرف رضائے پروردگار عالم کے لئے خالصاً و مخلصاً لوجہ اللہ کسی نے ویسا کام نہیں کیا ہے۔ جیسا حسین ابن علی علیہما السلام نے کیا ہے۔ یعنی دوپہر میں اپنے سب بیٹے۔ بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے۔ حتیٰ کہ شیر خوار بچے کو نذر خدا کر کے خود جام شہادت نوش فرمایا ہے۔ اور یہ سب کام محض برضا و رغبت باوجود اختیارات کے (یعنی اگر آپ بیعت کر لیتے تو کچھ نہ ہوتا) آپ نے واسطے خوشنودی پروردگار عالم کے گوارا کیا۔ تواریخ عالم میں اس کی مثال کہیں نہ ملے گی۔

پس جو شخص رضائے پروردگار عالم کے لئے ایسا کام کرے۔ اس کو حق تعالےٰ جلشانہٗ جو خالق کل مخلوقات ہے۔ اس کے صلہ میں کیا دے گا۔ سوائے خداوند عالم کے کون کہہ سکتا ہے۔

کیا خداوند عالم ایسے شخص کو ایک کرۂ ارض کی بادشاہی دے دے۔ تو کوئی بڑی بات ہے۔ ہرگز نہیں۔

محی الدین۔ واللہ سچ کہتے ہو۔ رضائے پروردگار عالم کے لئے جس میں ابن علیؑ کے برابر کسی نے قربانی نہیں کی ہے۔ واللہ تمہارے اس کلام سے جوش پیدا ہوتا ہے اگر تکلیف نہ ہو۔ تو حضرتؑ کی مدح میں کچھ اشعار پڑھیے۔

علی رضا۔ مدت ہوئی۔ کہ میں نے ایک قصیدہ حضرتؑ کی شان پاک میں لکھا تھا۔ اسی کو سنا دیتا ہوں۔ یقین ہے۔ کہ انشاءاللہ تم بہت مسرور ہو گے۔

قصیدہ

در شان مولائی دو جہان حضرت خامس آل عبا سید الشہدا سردار شباب اہل الجنۃ جناب امام حسین علیہ السلام مصنفہ جناب خان بہادر مولوی سید خیرات احمد صاحب محب کہ بہ مجلس میلاد آنحضرت بتاریخ ۳ شعبان ۱۳۲۷ سنہ ہجری خواندہ شد

مطلع

ہوئی محشر میں جب تیرے کرم کی گرم بازاری — گراں جنس شفاعت سے ہوئی میری گنہگاری

ازل میں اس لئے مخفی کیا نور محمد کو — ابد تک تا نہ دنیا میں رہے موسیٰ پہ غش طاری

مرا ممدوح ہے نام خدا فرزند پیغمبر — شباب اہل جنت کی ملی ہے جس کو سرداری

امام الانس والجنہ قسیم النار والجنۃ — حسین ابن علی مقبول داور خاصۂ باری

دو عالم کی جہانداری تجھے اللہ نے بخشی — ملی فوج خدا کی تیرے بھائی کو علمداری

ترے دست کرم کو حق نے بخشی فرط رحمت سے — عطا پاشی، خطا پوشی، زر افشانی، گہر باری

نہ کیوں حور و ملک کو فخر ہو خدمت گذاری پر — کہ خود رب علا نے کی ہے تیری ناز برداری

چھپا مہر منور دن رہے جب تو ہوا صائم — کہ تا مطبخ میں جلدی سے کرے تیار افطاری

ولادت میں تیری فطرس کو پر اللہ نے بخشے — تیری خدمت سے لعبا کو ملی حوروں کی سرداری

بنے خود صاحب معراج مرکب واہ رے رتبہ — سوئے مسجد ہوئی جب عید میں چلنے کی تیاری

شہادت سے تری زندہ ہوئی اسلام کی شوکت — ترے دم سے قیامت تک رہا دین نبی جاری

گل باغ جہاں کہتے ہیں بو سے انک منی[1] — لب گل پر یہاں اکثر انا منہ رہا جاری

رہے گا حشر تک اسلام تیرا بندۂ احسان — کہ امت تجھ کو اے مولا ہوئی اولاد سے پیاری

لٹا کر اپنا گھر حضرت ہوئے فردوس کے مالک — دیا سر راہ حق میں اور لی جنت کی سرداری

رہے برباد جس کو ہو نہ تیری خاک سے الفت — رکھا جس قوم نے بے آب تجھکو وہ ہوئی ناری

نہ روئے طفل پیدا ہو کے جو زندہ رہے کیونکر — کہ ہے مد نظر انسان کی خلقت سے عزاداری

[1] کنایہ از حدیث حسین منی وانا من الحسین

بشر کا فرض اول یہ ہوا روتا ہوا آئے
ہوئی قانون فطرت سے یہ تاکید عزاداری

ترے غم میں فلک پر رعد کرتا ہے بپا ماتم
تڑپتی برق ہے اور ابر صرف گریہ و زاری

تصور میں جو کی اک روز سیرِ عالمِ بالا
جدھر دیکھا ادھر پائی شہ دیں کی عملداری

گلِ مدحت کی خوشبو جب گئی گلزار عالم میں
چمن میں چار سو گل کھل گئے بلبل یہ چہکاری

سبق لیتے تھے جب مکتب میں تیری مدح خوانی کا
تو ہم اور بلبل سدرہ تھے اکثر سامع و قاری

یہ مانا گلشنِ فردوس بھی ہے خوش نما لیکن
کہاں سے لائے وہ شاہا ترے روضہ کی گلکاری

ملا سر عرش سے ہے تیرے ایوانِ طلائیؑ کا
جھکائے سر ہے تیرے آستاں پر چرخ زنگاری

تری برق غضب سے کیوں نہ ناری خاک ہو جائیں
جہنم بھی جلے گر شعلہ زن ہو اس کی چنگاری

لیا رحمت نے آغوشِ کرم میں پہلے ہی آ کر
شفاعت کی گنہگاروں کی آئی جب تیری باری

وفور داغ عصیاں سے بدن مجروح تھا اپنا
چھپائے سب کو تھی محشر میں میری سیہ کاری

شفاعت سے تیری لیکن ہوا تن اپنا آئینہ
مسیحا بن گیا تیری دعا سے تیرا آزاری

رہوں جاروب کش دنیا میں تیرے آستانے کا
قطعہ
ملے جنت میں بھی اعزاز فخر کفش برداری

گنہ کا اپنے پلہ کوہ سے بھی تھا گراں لیکن
ہوا اک اشک کے قطرے سے پلۂ خیر کا بھاری

زہے قسمت کہ دربار نبیؐ میں جب گئے آقا
بغل میں تھی مرے دل کے برابر کفش سرکاری

نہیں کچھ خاک دنیا میں ترے در سے ہے جب دوری
قطعہ
نہیں اب شغل بھی کوئی سوائے شغل بیماری

عدم کی سمت جاتا ہوں لئے بار گنہ سر پہ
مثل مشہور ہے بہتر ہے بیکاری سے بیگاری

تمنا ہے کہ پھر سیرِ ارم ہو جیتے جی حاصل
پھروں گرد در و اقِ پاک پھر قسمت کرے یاری

رہوں میں تا ابد جاروب کش دربار عالی کا
مرا اب جھونپڑا بن جائے زیر قصر سرکاری

قصیدہ ختم ہوتا ہے محب شکر الٰہی کا
ہوئی آسان تجھ پر اس کڑی منزل کی دشواری

بہ کنعان حیدرؑ کی بہت مشکل تھی مداحی
دُرِ مضموں کا ملنا تھا کہ یوسف کی خریداری

زہے قسمت غلاموں کی اگر رطب اللسانی سے
ادا آقائے محسن کا ہو کچھ حق نمک خواری

الٰہی تا ابد قائم رہے دنیا میں عقبےٰ میں
شہ دیں کی جہانداری محبوں کی وفاداری

مدینہ کربلا و کاظمین و طوس و سامرا
رہے شاداب یارب فاطمہ زہراؑ کی پھلواری

الٰہی میں بہت نادم ہوں اپنے جرم عصیاں سے
کہ ہے کوہِ گراں سے بھی گراں میری گنہگاری

اگر بخشے کرم تیرا نہ بخشے تو رضا تیری
مجھے تعزیر میں کیا عذر جب مجرم ہوں اقراری

مگر لا تقنطوا سے بس دل مضطر کو ہے تسکین
کہ ہے بے حد و پایاں تیری رحمت تیری غفاری

محی الدین۔ بھائی جزاک اللہ فی الدارین خیراً۔ اب بیساختہ جی چاہتا ہے۔ کہ حضرت

کی شان پاک میں سلام بطور مولود پڑھا جائے۔ اگر آپ کو کوئی سلام یاد ہو۔ تو براہ عنایت ارشاد فرمائیے۔

علی رضا۔ بعد ختم اس قصیدہ کے واقعی ایک سلام میں نے بطور سلام مولود تحریر کیا تھا۔ اِسی کو سُنا دیتا ہُوں۔ مجھے امید ہے۔ کہ تم بہت پسند کرو گے۔

سلام

السلام اے جگر و جان رسُولِ عربی — خامس آل عبا ہاشمی و مطلبی
السلام اے گہر قلزمِ اعزاز و شرف — السلام اے دُرِ مکنونِ شہنشاہِ نجف،
السلام اے سبب رونق دینِ اسلام — السلام اے شہ مظلوم امام ابن امام
السلام اے شجر گلشنِ عالی نسبی — السلام اے گُلِ گلدستہ زہراؑ و علیؑ
السلام اے شہ لولاک کے پیارے فرزند — السلام اے شہ دین شاہ نجفؑ کے دلبند
السلام اے مرے سردارِ جوانانِ بہشت — السلام اے مرے شہزادہ حورانِ بہشت
السلام اے جد و روح رسُول دُوسرا — السلام اے جگر و جانِ بتُولِ عذرا
السلام اے گہرِ معدن اجلال و حشم — السلام اے دُرِ دریائے عطا بحرِ کرم
السلام اے فلکِ رحمت و شفقت کے قمر — السلام اے شجر باغ رسالت کے ثمر
السلام اے مہِ کنعان رسُول الثقلین — السلام اے شہ دین ہادیٔ دارین حسینؑ
خالق ارض و سماوات کے پیارے ہیں آپ — عرش اعظم کے چمکتے ہُوئے تارے ہیں آپ
آپکے نور سے ہے رونق افلاک و زمیں — نامِ پاک آپ کا ہے مہرِ نبوت کا نگین
زینتِ عرش بریں رونق افلاک ہُوئے — آپ پیدا ہُوئے تب پنجتنؑ پاک ہُوئے
رکھ لی بس آپنے اسلام کی شوکت مولا — آپ کے دم سے بچی دین کی عزت مولا
چارہ گر آپ مصیبت میں ہیں بیچاروں کے — حشر میں آپ وسیلہ ہیں گنہگاروں کے
کیجیے حق سے دُعا اپنے غلاموں کے لئے — سب ہیں مچلے ہوئے جنت میں مکانوں کیلئے
قدم پاک سے دم بھر نہ چھُٹے ساتھ ان کا — حشر میں آپ کا دامن رہے اور ہاتھ ان کا
دارِ دنیا میں ہو راحت اُنہیں عقبیٰ میں ہو چین — حشر کے دن بھی یہ کہلائیں محبانِ حسینؑ
انکے ہر کام میں مولائے دو عالم ہوں کفیل — سب شفا پائیں جو ان میں سے ہُوں بیمار و علیل
ہو فزوں سب سے عزاداروں کا شہ کے پایہ — حشر میں سب کے سروں پر ہو علم کا سایہ

محی الدین۔ تیسرا اعتراض ان لوگوں کا یہ ہے کہ شیعہ مذہب میں تقیہ کا رواج گویا کذب کی تعلیم ہے۔ پس ایسا مذہب جس میں کذب کی تعلیم ہو کب جائز ہو سکتا ہے۔ مذہب تو وہ کہ جس میں تلوار کی دھار پر بھی امر حق زبان سے نکلے۔

علی رضا۔ اگر تقیہ میں افراط و تفریط کیجئے۔ تو بعض جگہ اعتراض صحیح ہے۔ لیکن شریعت اس کی جواب دہ نہیں۔ مثلاً آجکل کی سلطنت میں ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کا اشتہار عام مصدرہ ۱۸۵۸ء ناقذ ہے۔ کہ امور مذہبی میں ما بدولت کی رعایا ہر طرح پر آزاد ہے کسی شخص کے مذہبی اعتقادات یا اعمال میں دوسرے کسی شخص کو دست اندازی یا تکلیف دہی کا حق نہ ہوگا۔ بلکہ ہر شخص کی بطور معقول مذہبی اصول برتنے میں ما بدولت تائید کریں گے۔ پس ایسی بے تعصب رعایا پرور سلطنت میں تقیہ محض بیکار ہے لیکن ہاں ایسی سلطنت میں جہاں بمجرد اظہار مذہب کھٹا کھٹ سر قلم ہوتے ہیں تو وہاں تقیہ نہ کرنا کچھ نہیں تو صریح بیوقوفی ہے۔

محی الدین۔ تو آپ کے مذہب کی رو سے تقیہ کی کیا تعریف ہے؟

علی رضا۔ تقیہ کی تعریف یہ ہے:۔

کسی ظالم کو اس نیک ارادہ سے کہ وہ ظلم کرنے سے باز رہے۔ یا یہ کہ بے گناہ لوگ اس کے ظلم سے محفوظ رہیں۔ کوئی بات خلاف واقعہ صراحتاً یا اشارتاً کہنا

TAKEYYA IS THE MAKING OF AN INCORRECT STATEMENT EITHER EXPRESSED OR IMPLIED TO A WRONG DOER OR MISCHIEF MAKER WITH BONAFIDE INTENTION THAT HE MAY DESIST FROM COMMITTING MISCHIEF OR DOING WRONG, OR THAT AN INNOCENT PERSON MAY BE PROCTECTED FROM HIS INFURIOUS ACTS.

اس اصول کی بنا پر اگر اظہار مذہب میں خوف جان یا ضرر جسمانی ہو۔ تو میرے مذہب نے مذہب کا چھپانا جائز رکھا ہے۔ اور اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔

محی الدین۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ تقیہ شیعوں ہی کے مذہب میں ہے۔ اور کسی مذہب میں نہیں ؟

علی رضا۔ کونسا مذہبی گروہ ایسا ہے۔ جس کا چار سو برس کے اندر تین مرتبہ ایسا قتل عام ہوا۔ کہ اپنی دانست میں جلادوں اور ظالموں نے ایک متنفس کو نہ چھوڑا ؟ پس تقیہ کی ضرورت اُن بے چارے مظلوموں کو نہ ہوگی۔ کیا ان ظالموں کو ؟

محی الدین۔ یہ کیا ؟

علی رضا۔ مسٹر امیر علی صاحب شرع محمدی کے دیباچہ صہ ۱۲ سے صہ ۱۴ تک میں لکھتے ہیں۔ کہ خلفائے عباسیہ و بنی اُمیہ کے وقت میں چند بار شیعہ اور سادات بنی فاطمہ اس قدر قتل کئے گئے۔ کہ ظالموں کے علم میں ایک بھی پردۂ زمین پہ باقی نہ رہا۔

اب ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ اگر ہم دیکھیں کہ ایک ظالم بادشاہ ہر شخص کو بلوا کر پوچھتا ہے۔ کہ تمہارا کیا مذہب ہے ؟ جواب "شیعہ" حکم ہوا "گردن کاٹو" اور اگر جواب دیا "سُنّی" حکم ہوا "رہائی" اب فرض کرو پانچسو آدمیوں کے بعد میری باری آئی اور مجھ سے بھی وہی سوال ہوا۔ تو ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ ہم کیا جواب دیں ؟

محی الدین۔ تم کہہ دو۔ کہ مَیں شیعہ ہُوں۔ اس میں جان جائے یا رہے۔ اگر اس کہنے میں جان گئی۔ تو شہید اُٹھے۔

علی رضا۔ اور اگر ہم اس کے سامنے جانے سے قبل ہی اپنے کو ریوالور سے ہلاک کر دیں تو کیسا ہے ؟

محی الدین۔ معاذاللہ خودکشی کے مجرم ہو گے۔

علی رضا۔ تو اب غور کرو۔ کہ عملاً دونوں میں کیا بال بھر سے زیادہ فرق ہے ؟ دونوں حالتوں میں باسباب ظاہر اپنی سلامتی اور اپنی ہلاکت میرے اختیار میں تھی ایک میں مَیں نے خودکشی کی۔ اور دوسرے میں اپنے کو دوسرے کے ہاتھ سے قتل کرایا۔ لیکن ظاہر ہے۔ کہ دونوں حالتوں میں قصداً مَیں نے موت کو حیات پر اختیار کیا۔ پس اب یہ فرمائیے۔ کہ اس قربانی کی مجھ کو قیمت کیا ملی ؟

محی الدین۔ قیمت یہ ملی کہ تم جھوٹ نہ بولے۔

علی رضا۔ تو تمہارے نزدیک قتلِ انسان جائز۔ لیکن اِنسان کو ایک لفظ جس کے حقیقۃً کچھ معنی نہ ہُوں (یعنی جب ہم نے جلاد کے سامنے سُنّی کہا۔ تو سُنّی ہو نہیں گئے جیسے شیعہ تھے ویسے رہے) زبان سے نکالنا جائز نہیں۔

محی الدین۔ بیشک۔

علی رضا۔ بہت خوب۔ ذرا پھر غور فرمائیے۔ کہ اگر اسی جلاد کے سامنے میرے چھوٹے چھوٹے لڑکے۔ عورت مرد سب لائے جائیں۔ اور مجھ سے ان سب کے مذہب کے بارے میں سوال ہو۔ اور فرض کرو۔ کہ مجھے اس جلاد کی گذشتہ کارروائیوں سے یقین کامل ہو۔ کہ اگر میں کہہ دوں کہ یہ سب سُنّی ہیں۔ تو فوراً سبھوں کی رہائی ہو۔ اور جو کہہ دوں کہ یہ سب کے سب شیعہ ہیں۔ تو سب کے سر میرے سامنے قلم کئے جائیں اب میں پوچھتا ہوں۔ کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کہنا مناسب ہے؟

محی الدین۔ اب تو گاڑی اٹک جاتی ہے۔ اس حالت میں تو مجھ سے کہا نہیں جاتا کہ تم کہہ دو۔ کہ یہ سب شیعہ ہیں۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کہا۔ اور وہ بیچارے قتل ہوئے تو ان بیگناہوں کا خون تمہاری گردن پر بھی ضرور رہے گا۔ لیکن بھائی میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ کہ تم جرم کذب سے کیونکر بچوگے۔

علی رضا۔ ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ کذب کی تعریف کیا ہے؟

محی الدین۔ کسی بات کو اصل حقیقت کے خلاف بیان کرنا۔

علی رضا۔ تب تو روز سبق میں جہاں تم غلطی کرتے ہو اور غلط معنی بتاتے ہو۔ جھوٹ بولتے ہو۔

محی الدین۔ نہیں نہیں کذب کے معنی کسی غلط بات کو دیدہ و دانستہ غلط جانکر بطور صحیح بیان کرنا۔

علی رضا۔ تو کیا جس وقت تمہارا لڑکا روتا ہو۔ کہ ہم کو تارا توڑ کر لادو۔ اور تم اس کے بھلانے کے لئے اوپر ہاتھ بڑھا کر اس کی مٹھی میں شرینی کا ٹکڑا دے کر کہو کہ یہی تارا ہے۔ اور وہ اس کو پا کر خوش ہو جائے۔ اور رونا موقوف کر دے تو کیا تم جھوٹ بولنے کے مجرم ہوئے۔

محی الدین۔ بیشک جھوٹ بولنے کا الزام تو عائد ہو گا۔

علی رضا۔ ڈاکٹر جو مریض کی تشفی کے لئے بیسیوں باتیں بناتے ہیں۔ اور جسکی اجازت ہر ملت و ہر مذہب و ہر قوم میں ہے۔ کیا وہ جھوٹ بولتے ہیں؟ کیا ان کی سزا ہونی چاہئے؟

محی الدین۔ کیوں نہیں؟ بیشک۔

علی رضا۔ تو اب ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ فرض کرو۔ کہ ایک مریض ایسی حالت میں

ہے کہ اگر اس سے کہہ دیا جائے۔ کہ تمہارے مرض نے اس قدر طول کھینچا ہے کہ مرجاؤ گے تو اس بات کا صدمہ اس کے قلب پر ایسا ہوگا۔ کہ وہ واقعی مرجائے گا۔ پس اگر ڈاکٹر کو اس بات کا یقین ہو۔ اور اس حالت میں مریض اس سے دبی زبان سے پوچھے۔ کہ کیوں ڈاکٹر صاحب ہم کب تک اچھے ہوں گے۔ تو کیا تم رائے دو گے۔ کہ ڈاکٹر کہہ دے۔ کہ تم تو اب چل بسے۔ منٹ دو منٹ کے مہمان ہو؟ اگر تمہاری رائے ہو۔ کہ ڈاکٹر یہی کہے۔ اور اس کے کہنے پر وہ مریض اسی وقت رخصت ہو جائے تو ایسے ڈاکٹر کو کیا کہو گے۔ کہ اس نے کیسا کام کیا؟

محی الدین۔ اب تو پھر گاڑی اٹک گئی۔ ایسی رائے تو میں کبھی نہ دوں گا۔ اور نہ ایسے ڈاکٹر کو اچھا کہوں گا۔ بلکہ یہی کہوں گا۔ کہ اس غریب کو ڈاکٹر نے دیدہ و دانستہ مار ڈالا۔ لیکن میرے دل سے یہ بات نہیں اٹھتی۔ کہ اگر میں کسی لڑکے کے بہلانے کے لئے شیرینی کے ٹکڑے کو تارا کہوں۔ یا ڈاکٹر مریض جاں بلب کو اس کی تشفی کے لئے کہہ دے۔ کہ تم جلد اچھے ہو جاؤ گے۔ تمہاری بیماری خوف ناک نہیں (تو جائز ہو یا ناجائز) جھوٹ ضرور ہوگا۔ کیونکہ حقیقتہً دونوں بیان واقع اصلی کے خلاف ہیں۔

علی رضا۔ میں اس کو جھوٹ نہیں کہتا۔ اور نہ کوئی شخص اس کو جھوٹ کہہ سکتا ہے اگر اس قسم کی غلط بیانی بلا دیکھے نیت کے جھوٹ قرار دی جائے تو ملٹن اور شیکسپیر جن کے قصص خیالی اور حکایات خلاف واقعہ کے دفتر ہیں بڑے جھوٹے ہو جائیں۔ علیٰ ہذا القیاس مولانا روم صاحب جن کی مثنوی میں ہزاروں خیالی قصے ایسے ہیں۔ جن میں جانوروں بلکہ نباتات اور جمادات کے تکلم کلام کا ذکر ہے۔ بڑے جرم کے مجرم قرار پائیں حالانکہ بوجہ اس تعلیم تہذیب و اخلاق کے جو انہیں خیالی حکایتوں سے دی گئی ہے۔ مثنوی مذکور بڑا درجہ حاصل کئے ہوئے ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے ؎

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآں در زباں پہلوی

لیکن تمہارے اصول سے یہ مثنوی کذب کا دفتر ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ اس بارے میں نیت دیکھی جائے گی۔ اگر نیت بخیر ہے۔ اور غلط بیانی سے نتیجہ خیر نکلتا ہے۔ تو ہرگز وہ غلط بیانی جھوٹ نہیں ہے۔ دیکھو ایک قطعہ مجھے یاد آیا۔ جس سے نہایت معقول اور اثر دار سبق غرور نہ کرنے کے لئے ملتا ہے حالانکہ بہ اسباب ظاہر اس قطعہ کے لفظی معنی کو دیکھئے۔ تو غلط ہونے میں کوئی شک ہی نہیں کر سکتا۔

قطعہ

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر مرا پڑا دیکھا کہ استخوانِ شکستہ سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر میں بھی کبھی کسی کا سر پُر غرور تھا

پس کیا تم کہو گے۔ کہ کھوپڑی تو بولتی نہیں۔ اس لئے شاعر نے جو اس قطعہ میں لکھا ہے جھوٹ ہے۔ اور اس لئے شاعر واجب التعزیر ہے؟

محی الدین۔ میں تو یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ ملٹن یا شیکسپیئر کا کلام یا مولانا رُوم کی مثنوی کذب کا دفتر ہے۔ تب یہ بات قابل غور ہے۔ کہ واقعی کذب کی کیا تعریف ہے۔

علی رضا۔ کذب کی تعریف یہ ہے کہ کسی خلاف واقعہ بات کو جان کر کہ یہ خلاف واقعہ ہے۔ کسی شخص کو دھوکہ دینے کی نیت سے یعنی کسی کو ضرر یا نفع ناجائز پہنچانے کی نیت سے بولنا یا کہنا۔

محی الدین۔ بیشک یہ تعریف تو جامع و مانع معلوم ہوتی ہے۔ اور اس تعریف کی رو سے البتہ کلیات ملٹن و شکسپیئر و مثنوی مولانا روم دفتر کذب ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔

علی رضا۔ بس اس مثال میں جس میں تم نے ہم کو قتل ہونے کی رائے دی تھی۔ اگر ہم یہ کہتے کہ ہم سُنّی ہیں۔ تو ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ کیونکہ اس سے کسی کو ضرر ناجائز یا نفع ناجائز نہیں پہنچاتے۔ بلکہ نفع جائز دو شخصوں کو پہنچاتے۔ یعنی ایک تو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہیں جو واجب ہے۔ اور دوسرے اس جلاد کو جرم قتل عمد کی سزا سے دنیا اور عقبیٰ میں بچاتے ہیں اور یہ نفع یقیناً شکسپیئر اور ملٹن کے کلیات اور مولانا روم کی مثنوی کے نفع سے کم نہیں ہے۔

اس لئے میں کہتا ہوں۔ کہ اگر ویسی حالت میں کوئی شخص اپنی جان بچانے کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرے۔ جس سے کسی کا نفع ناجائز یا ضرر ناجائز نہ ہو۔ تو وہ ہرگز جھوٹ نہیں بولتا۔ پس اب آپ فرمائیے کہ کس دلیل سے تقیہ کو کذب کی تعلیم آپ قرار دیتے ہیں۔

محی الدین۔ اس تعریف سے تو بیشک تقیہ جھوٹ ہونے سے نکل جاتا ہے۔

علی رضا۔ علاوہ اس کے فرض کیجئے۔ کہ ایسا کہنا خفیف درجہ کا کذب ہے۔ تاہم استعمال اس کا ایسی حالت میں عقلاً و شرعاً جائز ہوگا۔

محی الدین۔ یہ کیونکر؟

علی رضا۔ میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ فرض کرو۔ کہ تم اپنی کوٹھڑی میں کتاب دیکھ رہے ہو۔

اس وقت یکایک کوئی بدمعاش تلوار کھینچے ہوئے آدے اور تم پر وار کرے اور اس کو اپنے رولر سے اپنی حفاظت کے لئے ہتھ کٹی کا ایک ہاتھ ایسا مارو، کہ کلائی اس کی اکڑ جائے۔ اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑے تو تم نے کیسا کام کیا؟

محی الدین۔ بہت اچھا کام کیا۔

علی رضا۔ پھر فرض کرو۔ کہ جس وقت وہ تلوار کا وار کر چکا تھا۔ اس وقت تم نے اپنے ریوالور سے اس کا کام تمام کر دیا۔ جس وجہ سے تم بچ گئے۔ ورنہ تم ہی صاف تھے۔

محی الدین۔ بہت خوب کام کیا۔

علی رضا۔ کیوں۔

محی الدین۔ اپنی حفاظت کے لئے اس کو تو پینل کوڈ نے بھی جائز قرار دیا ہے۔ اپنی پیاری جان کی حفاظت کے لئے اگر دوسرے کی جان لی تو کیا مضائقہ؟

علی رضا۔ کیوں بھائی محی الدین تمہاری جان تو ایسی پیاری ہے۔ کہ اس کی حفاظت کے لئے تم دوسرے کی جان لو۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن علی رضا کی جان ایسی کوڑیوں کے مول تھی۔ کہ اس کی حفاظت کے لئے تمہارے نزدیک ایک بے معنی لفظ اس کو اپنی زبان سے نکالنا ناجائز!! تم نے اپنی ایک جان کی حفاظت کے لئے ایک شخص کا خون کیا۔ اور ہم نے ایک یا دو لفظ غلط کہہ کر دو شخصوں کی جان بچائی۔ یعنی ایک تو اپنی جان بچائی۔ اور دوسرے اپنے قاتل کو جرم قتل عمد سے جس کے نتیجے سے دنیا اور عقبیٰ میں اس کا سزا پانا یقینی تھا۔ بچا لیا۔ پس جب ایک جان کی حفاظت کے لئے ایک خون جائز ہے۔ تو اسی حالت میں دو جانوں کے بچانے کے لئے دو چار لفظ غلط اور بے معنی کہنا کیوں ناجائز ہوگا؟

محی الدین۔ البتہ یہ بات تو غور طلب معلوم ہوتی ہے۔

علی رضا۔ پھر غور کرو۔ کہ تم دیکھو۔ کہ پچاس ساٹھ ڈکیت مع حربہ ہتھیار ایک بستی کے لوٹنے کے لئے اور بحالت مقابلہ کشت و خون کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ اگر ان کو تم اس نیت سے کہ یہ لوگ ایسے ظلم عظیم سے باز آجائیں۔ خلاف واقعہ یہ کہو کہ اس بستی میں دو روز سے خود سپرنٹنڈنٹ پولیس معہ داروغہ وغیرہ کے موجود ہیں اور اگر تمہارے اس کہنے سے وہ ڈکیت واپس پھر جائیں۔ اور اس وجہ سے سینکڑوں کی جان اور مال محفوظ رہے۔ تو تم نے کیسا کام کیا۔ آیا تم بوجہ اپنی غلط بیانی کے مورد الزام ہو گئے یا قابل انعام؟ کیا اس فعل سے تم دوہرے انعام کے مستحق نہ ہوئے۔ یعنی ایک تو

کتنے بندگانِ خدا کے جان و مال کی حفاظت کی اور دوسرے ان ڈکیتوں کو ایسے جرم شدید سے کہ جس کے ارتکاب سے ممکن ہے کہ کتنے پھانسی چڑھتے اور کتنے دائم الحبس ہوتے۔ بچا لیا۔ غور تو کرو۔ کہ اگر تم ایسی غلط بیانی نہ کرتے تو کتنے گھر تباہ ہو جاتے اور کتنے بچے یتیم اور کتنی عورتیں بیوہ ہوتیں۔ اور کتنے خدا کے بندے پھانسی چڑھتے اور کتنے جیلخانوں میں پتھر توڑ کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے۔ پس کیا باوجود ایسے اچھے نتیجوں کے بھی تم اپنی غلط بیانی کو قابل الزام یا موجب التعزیر سمجھو گے۔

محی الدین۔ بھائی یہاں تو پھر میری عقل دنگ ہوتی ہے۔ بھلا میں کس عقل سے کہوں۔ کہ ایسی غلط بیانی قابل الزام ہو سکتی ہے۔

علی رضا۔ اگر کوئی شخص اپنی ہٹ دھرمی سے اس غلط بیانی کو قابلِ الزام کہے اور حفاظت خود اختیاری میں قتل انسان جائز رکھے۔ تو نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ جھوٹ بولنا قتل عمد سے بدتر ہے۔ یعنی اگر ایک اپنی جان کی حفاظت کے لئے حملہ کرنے والے کا قتل جائز ہو۔ اور اسی حالت میں سو آدمیوں کی حفاظت جان کے لئے ایک جملہ غلط کا زبان سے نکالنا ناجائز ہو۔ تو نتیجہ صریحی یہ ہوگا۔ کہ غلط بیانی قتلِ عمد سے سو درجہ بدتر ہے۔ مگر کیا تم انشاء اللہ تعالیٰ اگر انڈیا لیجسلیٹو کونسل کے ممبر ہو گئے۔ تو یہ تحریک کرو گے۔ کہ جرم دروغ حلفی کی سزا پھانسی اور ضبطی جائداد مقرر کر دی جائے؟ پینل کوڈ کا ذکر جو تم کرتے ہو۔ تو میں تمہیں یاد دلاتا ہوں۔ کہ اسی قانون میں ہے کہ بڑے نقصان یا بڑے جرم سے بچانے کے لئے یا بچنے کے لئے چھوٹے جرم کا ارتکاب جائز ہے۔ بشرطیکہ نیت بخیر ہو دفعہ ۸۱ قانون مذکور کی پہلی مثال یہ ہے۔

اگر زید کسی دخانی جہاز کا کپتان یکایک معلوم کرے کہ میں بلا وقوع اپنی خطا یا غفلت کے ایسے مقام میں آپہنچا ہوں۔ کہ قبل اس کے جہاز رُک سکے۔ ایک کشتی کو جس پر بیس تیس مسافر ہیں ٹکرا کر ضرور تباہ کر ڈالے گا۔ اور رُخ پھیرتا ہوں۔ تو دوسری کشتی کو ٹکرا کر تباہ کرنے کا خوف ہے۔ جس میں صرف دو آدمی سوار ہیں اور ممکن ہے کہ جہاز اسی کشتی سے نکل جائے۔ تو اس صورت میں زید رُخ پھیرے۔ اور اس کی یہ نیت ہو کہ دوسری کشتی کو تباہ نہ کرے۔ بلکہ نیک نیت سے غرض ہو کہ جس میں پہلی کشتی کے مسافروں کو خطرے سے بچائے۔ تو زید اس ارتکاب میں مجرم نہیں ہے۔ گو وہ دوسری کشتی کو ایسے فعل کے کرنے سے تباہ کرے۔ جس سے اس کے علم میں اس نتیجہ کے پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ بشرطیکہ یہ امر ثابت ہو۔ کہ فی الواقع وہ خطرہ جس سے بچانا اس کی نیت میں تھا۔ ایسا تھا۔

کہ اس کے باعث سے دوسری کشتی کو تباہی کے خطرے میں ڈالنا درگذر کے قابل ہو۔ اس اعتبار سے ہم کہتے ہیں۔ کہ جس حالت میں ہم تھے اس حالت میں ہمارا اپنے کو سنی کہنا کسی قسم کا جھوٹ بھی ہو۔ تاہم چونکہ جان سی عزیز چیز کے بچانے کے لئے نیک نیتی سے تھا۔ کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس کو سعدی شیرازی نے فرمایا ہے "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" ذرا ایک بات اور خیال کرو۔ فرض کہ جناب رسولِ مقبول صلعم بہ شب ہجرت غار میں آکر چھپے تھے۔ اس وقت ایک عرب صحرائی کھڑا ہوا سب ماجرا دیکھ رہا تھا تو کیا کوئی مسلمان جو رسول اللہ سے سچی محبت رکھتا ہو۔ یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر کفار قریش اس عرب سے پوچھتے کہ محمدؐ کہاں ہیں اور وہ یہ کہہ دیتا۔ کہ اسی غار میں چھپے ہیں۔ تو اچھا کام کرتا؟ میں تو لاکھ برس اس کو اچھا نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اس کو اچھا تو وہی کہے جو شمع رسالت کا گل ہونا پسند کرے۔ ذرا علمائے سنت جماعت سے تو پوچھو۔ کہ ان حضرات کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔

محی الدین۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ دوسرے کی جان بچانے کے لئے غلط بیانی جائز ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنے میں خود غرضی پائی جاتی ہے۔

علی رضا۔ تم ہرگز یہ نہ سمجھو۔ کہ شرعاً یا قانوناً تم اپنی جان کے مالک ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو خودکشی کرنا جرم نہ ہوتا۔ حالانکہ خودکشی شرعاً حرام ہے۔ اور قانوناً اقدام خودکشی واجب التعزیر ہے۔

محی الدین۔ واقعی میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ایسا کیوں ہے؟ ہم اپنی جان کے مالک ہیں۔ جب تک جی چاہا۔ دنیا میں رہے۔ جب جی میں آیا اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنا کام تمام کیا۔ اس میں دوسرے کو کیا؟ اور خداوند عالم اور حاکم وقت کا خودکشی میں ہم کیا بگاڑتے ہیں؟

علی رضا۔ حضرت آپ اپنی جان کے خود مالک نہیں ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے۔ اس میں بہتوں کے حقوق ہیں۔ اولاً حق اللہ کا ہی کہ جس نے تم کو بنایا ہے پس اس کی بنائی ہوئی چیز کو بلا مرضی اس کے تم مٹانے والے کون؟ اگر تم اس کی مرضی کے موافق وقت معین تک زندہ رہے۔ تو ممکن ہے کہ تمہارے ہاتھ سے بہت سے ایسے کام نکلیں جس سے تمہارا اور خلق اللہ کا بھلا ہو۔ بعدہٗ حق حاکم کا ہے۔ بعدہٗ حق الناس ہے۔ جن کی تفصیل اس وقت فضول ہے۔ غرض انہی وجوہات سے حاکم شرع اور شاہان عادل نے حفاظت جان کے لئے بڑی تاکید کی

ہے۔

محی الدین۔ حقتعالےٰ نے حفاظت جان کے لئے کہاں فرمایا ہے؟

علی رضا۔ سورہ بقر پارہ دوم میں حقتعالےٰ نے فرمایا ہے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ علاوہ اس کے شرعاً عبادات و اعمال میں حفاظت جان بلکہ جسمانی تندرستی کی بڑی رعایت رکھی ہے۔ جیسا کہ بحالت مرض روزہ ساقط اور بحالت سفر نماز قصر وغیرہ۔ یہاں تک کہ حقتعالےٰ نے فرمایا ہے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔

محی الدین۔ یہ سب تو سب ساری اور تسہیل کی مثالیں ہیں۔ ایسا کہاں ہے۔ کہ حفاظت جان کے لئے گناہ کبیرہ کی اجازت ہے۔

علی رضا۔ شراب اور میتہ اور لحم خنزیر جو اشد حرام اشیا ہیں۔ اگر کوئی شخص بھوکوں مر رہا ہو اور طبیب حاذق کہے۔ کہ ان چیزوں کے کھانے سے اس کی جان بچ جائے گی۔ اور فرض کرو۔ کہ اس وقت اور کوئی چیز میسر نہ ہو۔ تو بقدر سد رمق یہ سب چیزیں اس پر حلال ہو جائیں گی۔ بلکہ اس حالت میں اگر وہ شخص نہ کھائے تو عاصی ہوگا۔ دیکھو سورہ مائدہ پارہ ششم جہاں خداوند عالم نے اس بارے میں ذکر حرمت اشیاء مذکورین کے بعد فرمایا ہے۔ فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم۔

ترجمہ۔ پس جو شخص کہ بھوک سے بے قرار ہو۔ اور اس کی نیت گناہ کی نہ ہو۔ اور بقدر سد رمق کھائے۔ تو اللہ تعالےٰ بڑا بخشنے والا اور رحیم ہے۔ علاوہ اس کے پارہ بست و چہارم سورۃ مومن میں حقتعالےٰ نے ایک شخص تقیہ کرنے والے یعنی اپنے دین کے چھپانے والے کو لفظ مومن کے خطاب سے یاد فرمایا ہے یعنی فرمایا ہے۔ کہ قال مومن من آل فرعون یکتم ایمانہ۔ یعنی فرعون کا ایک چچازاد بھائی مومن جو اپنے ایمان کو چھپائے تھا۔ یوں بولا پس قابل غور ہے۔ کہ جو شخص بخوف جان اپنے ایمان کو چھپائے۔ اس کو حقتعالےٰ تو مومن کہے۔ لیکن ہمارے سُنّی بھائی اس کو جھوٹا اور کاذب کہیں!!!

محی الدین۔ سبحان اللہ رب السموات و رب الارض و رب العرش العظیم۔ اللہ اکبر جان کی حفاظت کے لئے خلاق عالم نے اپنے بندوں کو کس قدر وسعت دی ہے۔ پس اب تو مجھے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس حالت میں میں نے تمہیں مر جانے کو کہا تھا۔ اور درجہ شہادت دیا تھا۔ اگر واقعی تم ویسا کرتے تو شہادت تو درکنار عاصی اٹھتے بس اب میں اپنی اس رائے سے توبہ کرتا ہوں۔ اب مجھے مطلق شک نہیں کہ حفاظت جان کے

لئے تقیہ کرنا شرعاً و عقلاً نہایت صحیح ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں تقیہ نہ کرنا صریح بیوقوفی ہے۔ جیسا کہ قیصر ہند کی سلطنت میں تقیہ کرنا۔

علی رضا۔ جزاك الله فی الدارین خیرا۔ جب عقلاً آپ مان چکے۔ کہ تقیہ اچھی بات ہے۔ تو میں ایک سُنی مذہب کی مستند کتاب سے ثابت کر دیتا ہوں۔ کہ جن حالتوں میں شیعہ مذہب کی رو سے تقیہ جائز ہے۔ انہی حالتوں میں سُنی مذہب کی رو سے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ کتاب اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت کی عبارت، صفحہ ۳۱۵ چھاپہ نولکشور سے لفظاً لفظاً نقل کرتا ہوں۔

" اے عزیز جان تو کہ جھوٹ بولنا اس سبب سے حرام ہے۔ کہ دل میں اثر کرتا ہے اور صورت دل کو ناراست اور تاریک کر دیتا ہے لیکن جھوٹ بولنے کی ضرورت آپڑے اور آدمی مصلحتاً جھوٹ بات کہے تو دروغ مصلحت آمیز درست ہے۔ مگر دل میں اس سے کراہت رکھنا چاہئے۔ اور اس سے کنارہ کش رہے گا۔ تو دل اثر نہ قبول کرے گا۔ اور خراب نہ ہوگا۔ اور جب خیر کے ارادے سے جھوٹ بولے گا۔ تو دل تاریک نہ ہوگا۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ اگر کوئی مسلمان ظالم کے ظلم سے بھاگ جائے۔ تو سچ بولنا چاہیے۔ کہ وہ وہاں ہے بلکہ یہاں جھوٹ بولنا واجب ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ ناگفتنی ہے۔ لیکن اگر سچ بولنے سے بھی کوئی شر پیدا ہو۔ جو ممنوع ہے تو عدل و انصاف کی ترازو میں تولنا چاہیے۔ اگر اس بات کا نہ ہونا جھوٹ کے ہونے سے شرع میں زیادہ مقصود ہے۔ مثلاً لوگوں میں لڑائی جورو خصم میں بگاڑ، مال ضائع ہونا۔ بھید کھل جانا گناہ کے سبب سے فضیحت ہونا تو اس وقت جھوٹ بولنا مباح ہے۔ اس واسطے کہ شرع میں ان باتوں کا شر جھوٹ کے اثر سے زیادہ ہے۔ یہ ایسا ہے۔ جیسا جان کے خوف سے مردار چیز حلال ہو جاتی ہے۔ اس واسطے کہ شرع میں جان بچانا مردار کھانے سے زیادہ ضروری ہے۔"

محی الدین۔ مجھے اس مسئلہ سے مطلق واقفیت نہ تھی۔ اس کتاب سے تو تقیہ پاک ہو جاتا ہے۔ پھر تقیہ کو حضرات سُنت جماعت کس دلیل سے اور کس منہ سے بُرا کہتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تقیہ کسی طرح اس مسئلہ سے زیادہ نہیں ہے۔

علی رضا۔ بھائی غور کرو۔ تو سب مذہب والے تھوڑا بہت تقیہ کرتے ہیں۔ کسی نے اس کا نام پالیسی اور کسی نے حکمت عملی اور کسی نے رمز سلطنت قرار دیا ہے۔ لیکن اظہار مسئلہ تقیہ بجز سوائے شیعوں کے سب تقیہ کرتے ہیں۔ کتاب سیرۃ الفاروق صفحہ ۲۳ میں خود حضرت عمر کا یہ قول موجود ہے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک عظیم مجمع کو خطاب کیا اور کہا۔

کہ اے لوگو کل جو کچھ مَیں نے تم سے کہا۔ وہ صحیح نہ تھا۔ اور وہ خدا کی کتاب اور اس کے وعدہ کے خلاف تھا۔ یہ ارشاد حضرت کا متعلق اسی الیکشن یعنی واقعات خلافت کے ہے۔ اور جس قول کی حضرت نے تردید کی اس سے نفع ناجائز حضرت ابوبکرؓ کا متصور تھا۔ پس وہ قول تو میری تعریف کی رو سے بھی کذب میں داخل ہو جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس امیرِ معاویہ نے خلاف شرطِ صلح، یزید کو اپنا جانشین بنانے کی غرض سے اپنے سب ملک والوں کو دھوکا دیا اور صاف صاف جھوٹ بولے۔ کتاب الہدیٰ میں جو مناظرہ کی کتاب ہے بہ صفحہ ۱۷۱ و ۲۷ مرقوم ہے کہ اوّلاً امیرِ معاویہ نے امام حسینؑ اور عبداللہ ابن عمر و عبداللہ ابن زبیر عبداللہ ابن عباس سے بیعت یزید چاہی۔ لیکن ان لوگوں نے انکار کیا۔ تب خلوت میں لے جا کر ان لوگوں کو طمع مال و متاع دیا۔ لیکن اس پر بھی یہ لوگ راضی نہ ہوئے۔ اور صاف انکار کیا جب امیرِ معاویہ خلوت سے باہر آئے۔ تو لوگوں نے پوچھا۔ کہ کیا بات قرار پائی۔ آپ نے مصلحتاً فرمایا۔ عبداللہ ابن عمر و عبداللہ ابن زبیر و عبداللہ ابن عباس نے خلوت میں یزید کی بیعت کی۔ اور امام حسینؑ نے وعدہ کیا ہے۔ کہ جس وقت عبدالرحمان ابن ابی بکر بیعت کریں گے ہم بھی بیعت کر لیں گے۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ پس قابل غور ہے۔ کہ امیر المومنین اور حاکم شرع کے لئے تو مصلحتاً جھوٹ بولنا جائز ہو۔ لیکن مظلوم شیعہ اگر اپنی جان بچانے کے لئے بھی تقیہ کریں۔ تو گنہگار!!

محی الدین۔ مگر یہ بات پھر رہ جاتی ہے کہ امام حسینؑ نے کیوں تقیہ نہ کیا۔

علی رضا۔ اس کا جواب تفصیلی ہم دوسری کھائی والے اعتراض میں دے چکے ہیں۔ وہی کافی ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کو صرف زبان سے کچھ کہہ کر جان بچانا نہ تھا۔ بلکہ حضرتؑ سے بیعت طلب کی جاتی تھی۔ اور اس کا نتیجہ ایسا خراب تھا۔ کہ ایک عالم کا ایمان بگڑ جاتا۔ اور شمع شریعت گل ہو جاتی ہے۔ پس وہ ہرگز محل تقیہ نہ تھا۔

محی الدین۔ سچ ہے۔ اس کو تو مَیں مان چکا ہوں۔ کہ سر دینا حضرت امام حسینؑ کا اپنی جگہ پر نہایت واجب تھا۔

علی رضا۔ حفاظت جان کی مثال مَیں نے مسئلہ تقیہ کے جلد سمجھ میں آنے کے لئے دی ہے۔ اسی سے اور مثالیں قیاس کرو۔

سابقاً مکہ معظمہ میں کوئی شخص سوائے سُنّی مذہب کے جا نہیں سکتا۔ اس لئے شیعہ تقیہ کرتے تھے۔ پس کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ ہاتھ باندھ کر جو انہوں نے نماز پڑھی اور اس کے ذریعہ سے مشرف بہ حج ہوئے۔ تو انہوں نے بُرا کیا؟ غور تو کرو۔ کہ اگر ایک شیعہ یہاں

سے مع عیال و اطفال براہ خشکی بمبئی جاتا اور بعدہ بحری جہاز پر ہر طرح کی مصیبتیں جھیلتا ہوا جدّہ پہنچتا۔ اور وہاں اونٹ کی سواری پر ٹھوکریں کھاتا ہوا۔ مکہ معظمہ میں داخل ہونا چاہتا۔ اس وقت وہاں کے دربان کہتے۔ کہ اگر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا قبول کرو۔ تو جاؤ۔ ورنہ واپس۔ اس وقت اگر یہ شخص اپنے جوش مذہب میں حج سے محروم سیدھا گھر پر آتا کیونکہ غیر سلطنت میں سوائے اس کے چارہ نہ تھا، تو لوگ اس کو کیا کہتے اور قوم اس کا استقبال کیونکر کرتے؟

محی الدین۔ ایسے آدمی کا تو سوائے پاگل خانہ کے اور کہیں گذر نہ ہوتا۔ اور ہم اس کا استقبال بغیر اس کے باسلیق کی فصد کے کبھی نہ کرتے۔

علی رضا۔ یہی مسئلہ تقیہ ہے۔ اور اسی کو لوگ اس قدر بُرا کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حفاظت جان تو ایک بہت بڑی چیز ہے۔ خفیف درجہ کی غلط بیانی فرقہ اسلام بلکہ شائستہ قوم کی تہذیب میں داخل ہے۔ کیا علمائے سنت والجماعت کے آپس کے خط و کتابت میں ڈیڑھ ڈیڑھ گز کے القاب نہیں لکھے جاتے۔ کیا ابلغ البلغاء اکمل الکملاء قبلۂ کونین و کعبہ دارین وغیرہ وغیرہ ہمیشہ سچ ہوتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ انگریزی میں جب ایک صاحب دوسرے کو باضابطہ چٹھی لکھتے ہیں۔ تو گو معاملہ بالعکس ہو۔ اپنے کو یوں لکھتے ہیں "مجھے فخر ہے کہ میں آپ کا فرمانبردار ملازم ہوں"۔ اس وقت اگر کوئی آپ سے کہے کہ آپ تو انگریزی میں بڑے فائق ہیں۔ تو آپ براہ انکساری ضرور کہیں گے کہ نہیں حضور میں تو کچھ بھی نہیں جانتا کیونکہ تہذیب قومی اسی کی مقتضی ہے۔ تب میں پوچھتا ہوں۔ کہ جب بے مضر غلط بیانی شائستہ قوموں کی تہذیب میں داخل ہے۔ تب وہ بے ضرر غلط بیانی جس سے بیگناہوں کی جان بچے۔ قابل الزام کیوں ہوگی؟

محی الدین۔ ہر گز نہیں! اب مجھے اس مسئلہ کے نہایت معقول ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن میں خیال کرتا ہوں۔ کہ ابتدائے تقریر سے آپ نے ہر مسئلہ متنازعہ فیہ کو آیات قرآنی سے ثابت کیا ہے۔ کیا دوبارہ مسئلہ تقیہ کے کسی آیت قرآنی سے تائید نہیں ہو سکتی ہے؟

علی رضا۔ قرآن میں تو نص صریح موجود ہے۔ لیکن آپ لوگ جنٹلمین انگریزی دان جب تک کسی مسئلہ کو عقل سے نہیں مانتے۔ تب تک کسی کی کب سُنتے ہیں۔ اس لئے میں نے ابھی تک اپنی تقریر کی تکمیل نص صریح سے نہ کی تھی۔ اب آپ کی فرمائش کے بموجب عرض کرتا ہوں۔ قبیلہ بنی مخزوم مسلمانوں کو بوجہ اسلام کے بہت ستاتے تھے۔ جب حضرت

عمار یاسرؓ کی والدہ معظمہ کو ظالموں نے نہایت بے حرمتی سے شہید کیا۔ اور حضرت عمار یاسرؓ نے یہ حال دیکھا۔ تو جو کچھ کفار نے کہنے کو کہا۔ زبان سے کہہ دیا۔ جب یہ خبر جناب رسول مقبول کو پہنچی۔ کہ عمار یاسرؓ کافر ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ عمار کا گوشت پوست اور خون ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ الغرض جب حضرت عمار یاسرؓ نے کفار کے ہاتھ سے رہائی پائی۔ تو نہایت غمگین و محزون اور شرمندہ خدمت بابرکت جناب رسول مقبول صلعم میں حاضر ہوئے۔ حضرتؐ نے اپنے دست حق پرست سے آنسو پونچھے۔ اور تسلی دی۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر ایسی حالت میں پھر بھی کفار تم سے اسی طرح پیش آئیں۔ تو تم وہی کرنا۔ چنانچہ اسی واقعہ کے متعلق یہ آیت شریف نازل ہوئی من کفر باللہ بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن۔ یعنی وہ شخص کہ بعد ایمان کے کفر کرے (وہ مستوجب عذاب ہے) الا وہ شخص جو ایسا امر یعنی کفر بکراہت یعنی بجبرا کرے درحالیکہ قلب اس کا مطمئن ہو۔ یعنی قلب میں پکا مسلمان قائم رہے (تو وہ گنہگار نہیں ہے) پس جب بحالت جبر زبان سے کلمہ کفر نکالنا جائز ٹھہرا۔ تو واسطے حفاظت جان کے کسی شیعہ کا اپنے کو سُنی کہنا کیوں ناجائز ہوگا؟ علاوہ اس کے حق تعالیٰ نے تو بحالت خوف کفار سے میل جول اور دوستی کو جائز رکھا ہے یعنی حق تعالیٰ سورۂ آل عمران پارہ تلک الرسل میں فرماتا ہے۔ لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ الا ان تتقوا منھم تقاۃ۔ یعنی مومنوں کو نہیں چاہیے کہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کریں۔ اور جو ایسا کریں گے۔ ان کے لئے خدا کے دربار میں کوئی حصہ نہیں۔ مگر ہاں اگر تم کو ان سے خوف ہو (تو البتہ جائز ہے) پس جب بحالت خوف کفار سے دوستی کرنے میں الزام نہیں۔ تو ایسی حالت خوف میں تقیہ کرنا یعنی اپنی جان مال۔ عزت۔ آبرو۔ بچانا کیوں ناجائز ہوگا

محی الدین۔ ان آیتوں سے تو سارا جھگڑا طے ہوتا ہے۔ لیکن مشہور یہ ہے۔ کہ شیعہ دو روٹیوں کے لئے بھی تقیہ کرتے ہیں۔

علی رضا۔ مشہور تو یہی تھا۔ کہ شیعہ جھوٹ بولتے ہیں۔ پس جیسا کہ وہ غلط ہے ویسا ہی یہ بھی بہتان ہے۔ شیعوں نے فقط ظالم بادشاہوں کی سلطنت میں البتہ تقیہ کیا ہے۔ تم اب سارے ہندوستان کو دیکھ لو۔ کہ چونکہ تم لوگ اب عادل سلطنت کے تحت حکومت میں رہتے ہیں۔ اس لئے شیعہ کہیں تقیہ نہیں کرتا۔ ہاں ہندوستان کے ایسے اشخاص سینکڑوں بلکہ ہزاروں ہیں۔ جو سُنی خاندان میں پیدا ہوئے۔ لیکن شیعوں کی کتابیں

پڑھ کر صدق دل سے شیعہ ہو گئے۔ مگر ماں۔ باپ۔ بھائی بند اور قبیلہ کے خوف سے اپنے کو شیعہ ظاہر نہیں کرتے۔ ایسے اشخاص اب بھی کم و بیش ہر شہر میں پائے جاتے ہیں اور خدا کے فضل سے کچھ ابھر بھی رہے ہیں۔ حقتعالے ان کو توفیق خیر عطا فرمائے۔ اور ہمیشہ ان کا حامی اور مددگار رہے۔ دور وڈیوں کے لئے یا کسی لالچ سے تقیہ کرنا کیسا ہیں تو کہتا ہوں۔ کہ شرعاً تقیہ محل امن سے محل خوف و ہلاکت میں پڑجانے سے بچنے کے لئے جائز ہے۔ حتی کہ جب محل خوف میں پڑ گئے یا مصیبت یا بلا میں مبتلا ہو گئے۔ تو اس وقت تقیہ کرنے سے صبر کرنا۔ اور راضی بر ضا رہنا احسن و انسب ہے۔ ہمارے آقا حضرت امام موسیٰ کاظم نے حالت اسیری میں کچھ اور دن قید کی مصیبت گوارا کی؟ لیکن صرف اس خیال سے تقیہ نہ کیا۔ کہ اس حالت میں خود حضرتؑ کی وجاہت خاندانی اور سلف رسپکٹ یعنی اعزاز شخصی پر دھبہ آتا تھا۔

منقول ہے کہ جب ہارون رشید نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو مدت دراز تک قید میں رکھا۔ تو اس کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے سمجھایا۔ کہ ایسے معصوم بے گناہ کے قید رہنے سے تیری رعایا بہت بگڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بہتر ہے۔ کہ تو ان کو فوراً رہا کر دے۔ ہارون نے کہا بہتر، میں ایک شرط پر ان کو رہا کرتا ہوں۔ کہ وہ میرے پاس آکر اقرار کریں۔ کہ جملہ معاملات میں جس قدر کارروائیاں ہوئیں ان سب میں وہی قصوروار تھے۔ اور میں بالکل بے خطا ہوں۔

یحییٰ ابن خالد برمکی غیرت فاطمی اور جلالت حیدری سے بالکل ناواقف تھا اس نے سمجھا کہ امام علیہ السلام مدت دراز سے قید ہیں۔ اسیری کی سختیاں جھیل رہے ہیں۔ اس خبر کو سن کر پھولے نہ سمائیں گے۔ اور فوراً خوش ہو کر قبول کر لیں گے۔ اس لئے اس نے اپنے خیال میں امامؑ کو بشارت دی۔ کہ حضورؑ ابھی رہا ہوتے ہیں۔ حضورؑ اپنی زبان سے فقط اقرار کر دیجئے۔ کہ جملہ معاملات میں آپ برسر خطا تھے اور ہارون بے قصور تھا۔ امام روحی و روحکم لہ الفدا نے فرمایا۔ کہ بھائی میں اب چند روزہ زندگی کے لئے کیوں ایسا ننگ گوارا کر دوں کہ باوجود بے خطا ہونے کے اپنے کو خطاوار کہوں۔ اور کیوں سب الزام جھوٹ اپنے اوپر لوں۔ اس ننگ سے تو اسی قید خانہ میں مرنا بہتر ہے۔ چنانچہ حضور اقدسؑ نے قید خانہ میں رہنا گوارا کیا۔ لیکن یہ ننگ گوارا نہ کیا۔ اور اسی حالت اسیری میں انتقال فرمایا انا للہ و انا الیہ راجعون دیکھو کتاب علوم کاظمیہ مؤلفہ مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی صفحہ ۸۶، ۸۷

محی الدین - اللّٰھم صل علیٰ محمدؐ و آلِ محمد ! ہزار افسوس کہ جب تک میں اپنے مذہب سابقہ پر تھا۔ ایسے امام اولوالعزم برگزیدۂ خدا آل نبی اولاد علی علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جانتا بھی نہ تھا۔ اور مجھ پر کیا موقوف ہے۔ کوئی سُنّی نہیں جانتا۔ وہ لوگ تو صرف امام ابوحنیفہ وغیرہ کو امام جانتے ہیں۔ اور انہیں کا اٹھتے بیٹھتے دم بھرتے ہیں۔ اور ان آفتاب بُرجِ امامت اور قمر سپہر رسالت کا تو نام تک نہیں جانتے خیر بہرکیف اب اُن (سُنّیوں کا) فقط ایک اعتراض باقی ہے۔ یعنی وہ لوگ تمسخر کے ساتھ کہتے ہیں۔ کہ تم لوگ زیارت میں انگلی کیوں اٹھاتے ہو؟

علی رضا۔ یہ امر نہایت ہی فروعی ہے۔ ایسے ایسے امور میں قیل وقال فضول ہے۔ ایسے ایسے امور ہر ملت و مذہب میں ہیں۔ مذہب سنت والجماعت میں ہے۔ کہ اگر نمازی لنگی پہنے ہو۔ تو اس کو پچھوا کھول دینا چاہیے۔ اب میں پوچھتا ہوں۔ کہ اگر بوقت زیارت انگلی اٹھانا بے معنی ہے۔ تو طاعت معبود کے وقت پچھوا کھولنا چہ معنی دارد؟ ان امور کو رواجِ عام پر چھوڑ دینا مصلحت ہے۔

محی الدین۔ بھائی حق تو یوں ہے۔ کہ نماز کے وقت پچھوا کھولنے میں مجھے فطرتی شرم آتی تھی۔ مگر حکم شرع سے مجبور تھا۔ خیر وہ جو کچھ ہو سو ہو۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ زیارت کے وقت انگلی کیوں اٹھاتے ہو؟

علی رضا - ایک اعتقادی بات ہے یعنی بوقت زیارت حضور قلب طرف روضۂ قدس جناب امام حسین علیہ السلام کے رہنا چاہیے۔ پس اسی حضور قلب کو روضۂ انوری طرف رجوع کرنے کے لئے جب دور سے زیارت پڑھتے ہیں۔ تو روضۂ اقدس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے جب روضۂ اقدس میں زیارت پڑھتے ہیں۔ تو اس کی ضرورت نہیں۔

محی الدین - جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ واللہ تمہارا کیا کہنا۔ حق تو یہ ہے۔ کہ دریا کو کوزہ میں بند کیا۔ اور کیسے کیسے مشکل اعتراضوں کو عقلاً و نقلاً و شرعاً کس آسانی سے حل کیا ہے۔ خداوند عالم دونوں جہاں میں تمہیں جزائے خیر دے۔ اور جمیع مقاصد دینی و دنیاوی تمہارے برلائے۔ الٰہی آمین ثم آمین۔

علی رضا۔ میں تہِ دل سے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لیکن جس قدر میں نے تقریر کی۔ اس میں میری کوئی تعریف نہیں ہے الحق یعلوا ولا یعلیٰ میں نے تمہارے سامنے واقعات

اصلی اور صحیح بیان کر دیئے ہیں۔ ان میں نہ کوئی عبارت آرائی ہے اور نہ کسی قسم کا مبالغہ ہے مجھے اس کا البتہ افسوس ہے۔ کہ میرا پاک مذہب کس قدر جھوٹے جھوٹے اتہامات اور الزامات سے بدنام کیا گیا ہے۔ ورنہ اگر کوئی بغور دیکھے۔ تو صاف معلوم ہو کہ اہلبیت طاہرینؑ کے طریقے پر چلنے والا شیعوں کے برابر کوئی فرقہ نہیں ہے۔ ان کے مذہب کا دار و مدار خدا اور رسولؐ و اہلبیت طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام و اقوال پر ہے۔ مگر ایسے فرقہ کی نسبت یہ اتہام کیا گیا ہے۔ کہ یہ فرقہ قائم کیا ہوا عبداللہ ابن سبا یہودی کا ہے۔

حضرت ابوبکر خلیفہ اول کو صرف چند ایسے خفیف الاوقات اشخاص نے جو رسول مقبول صلعم کی تجہیز و تکفین کی پرواہ نہ کر کے فساد کرنے کو تیار تھے۔ سقیفہ میں خلیفہ بنایا۔ اس کو مشہور کر دیا۔ کہ یہ خلافت جمہوری تھی!! تبرا کو ہم نے ثابت کیا ہے۔ کہ رکن مذہب اسلام ہے اور جس لفظ کو ہم استعمال کرتے ہیں۔ وہ لفظ قرآن میں سینکڑوں جگہ واقع ہے اس کو مشہور کر دیا۔ کہ تبرا گالی بکنے کو کہتے ہیں۔ گویا نعوذ باللہ قرآن گالیوں سے بھرا ہوا ہے!! تعزیہ داری کو ہم نے ثابت کیا۔ کہ ایک اچھا ذریعہ حصول مودت اہلبیت علیہم السلام کا ہے اس کو کہہ دیا۔ کہ تعزیہ داری بت پرستی ہے !!

تفسیر کبیر میں صاف مندرج ہے کہ ابتدائے اسلام میں متعہ جاری تھا۔ اس کو مشہور کر دیا۔ کہ متعہ رنڈی بازی کو کہتے ہیں۔ گویا رسول مقبول کی شریعت نے ابتدا میں رنڈی بازی کی تعلیم کی تھی!!

تقیہ کو ہم نے کس طرح عقلاً و نقلاً ثابت کیا۔ کہ نہایت معقول اصول ہے۔ اس کو مشہور کر دیا۔ کہ تقیہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں۔ حالانکہ کیمیائے سعادت کو خود نہیں دیکھتے کہ ان کے مذہب نے خود جھوٹ بولنے کو جائز بلکہ بعض جگہ واجب قرار دیا ہے !!

الغرض جہاں اس قدر کذب و بہتان کا تودہ طوفان ہے۔ وہاں کوئی آدمی کیا تقریر کر سکتا ہے۔ یہ بالکل فضل خدا تھا۔ کہ تم نے ہر امر کی خوب تحقیق کی۔ اور ہر بات کے صدق و کذب کو جانچتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ راہ راست پر آ گئے۔

محی الدین۔ لیکن انصاف شرط ہے۔ اگر وہ لوگ ایسی ایسی جھوٹی باتیں نہ گڑھیں اور بالکل سچائی پر آجائیں۔ تو پھر مذہب کا کہاں ٹھکانا رہے۔ مجھ کو اگر ابتدا ہی میں سچی سچی باتیں معلوم ہوتیں۔ تو میں کبھی اس مذہب کو نہ مانتا؟ ہرگز نہیں۔ مگر آپ دل تنگ نہ ہوں۔ دروغ کو کبھی فروغ نہ ہوگا۔ اور آخر میں انشاء اللہ تعالےٰ نور ایمان ہی مثل آفتاب عالمتاب

کے صفحۂ روزگار پر چمکے گا۔ اور دونوں جہان میں انشاء اللہ تعالے اسی کا بول بالا رہے گا۔ والسلام۔

مذہب سنّت والجماعت ختم کرنے کے لئے چٹکلے سات سوال

علی رضا۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مجھے یں سمجھتا ہوں۔ کہ ابھی تھوڑے دنوں تک تمہیں اور لوگ دق کریں گے۔ اس لئے میں تمہیں سات سوال بتا دیتا ہوں۔ جو صاحب تم سے چھیڑ چھاڑ کریں۔ ان سے کہنا۔ کہ جناب طول فضول گفتگو سے کیا نفع؟ آپ پہلے میرے سات سوالوں کے جواب معقول جو واقعات سے صحیح ہوں۔ دے لیجئے۔ تب آگے گفتگو کیجئے گا۔ لیکن میرے ساتوں سوال کے جواب دیجئے۔ ایک دو سوال کے جواب کی صحیح نہیں۔ تم دیکھ لینا۔ کہ چونکہ ان سوالوں کے واقعی جواب وہ نہ دے سکیں گے۔ اس لئے بہت پیچ وتاب کھائیں گے۔ اور ہر شخص نیا نیا جواب یعنی کوئی کچھ اور کوئی کچھ دے گا۔ لیکن دل میں شرما کر سب کے سب کنارہ ہو جائیں گے۔ اور پھر تم سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے گا۔ وہ سوال یہ ہیں

۱۔ اگر حضرات خلفائے ثلٰثہ کو حضرت علی علیہ السلام سے محبت تھی۔ اور جب حضرت علی جناب رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائق عزیز موجود اور جن میں کچھ نہیں۔ تو یہ صفت ضرور تھی۔ کہ بمصداق حدیث شریف من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور بموجب ایجاب صریح حضرت عمر ابن خطاب کے مثل رسُول خدا کے تمام مومنین ومومنات وکل صحابہ کرام کے مولیٰ تھے تو کیا وجہ ہے۔ کہ حضرات خلفائے ثلاثہ نے اس کی کوشش نہ کی۔ کہ حضرت علیؑ خلیفہ رسُول ہوں؟ اور کیوں سقیفہ میں ان حضرات میں سے کسی نے حضرت علیؑ کو نامزد تک تہ کیا؟

۲۔ کیوں حضرات خلفائے ثلٰثہ نے اس بات کی ذرا بھی کوشش نہ کی۔ کہ تا تجہیز وتکفین وتدفین جناب رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امر خلافت ملتوی

رہے ؟

۳- کیوں ان حضرات نے حضرت علی علیہ السلام کو خبر نہ کی۔ کہ یہاں (سقیفہ میں) خلافت کا مشورہ درپیش ہے۔ آپ تشریف لائیے۔ یا آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

۴- جس طرح پر حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے۔ اس کو اصولاً آپ کیا فرمائیے گا؟ ایلکشن (انتخاب) یہ ہو نہیں سکتا۔ (SUCCESSION) توریث یہ ہو نہیں سکتی۔ (NOMINATION) نامیشن (بذریعہ نامزد کرنے یا وصیت کرنے کے) یہ ہو نہیں سکتا۔ تو آخر یہ کیا معاملہ ہوا؟ اس کا کیا نام رکھا جائے؟ اور کس اصول سے یہ خلافت جائز قرار دی جائے۔

۵- جناب حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی دلی حالت (FEELING) مرتے مرتے دم تک حضرات خلفاء ثلثہ سے کیسی رہی؟ اگر آپ رضامند تھیں۔ تو آپ نے یا آپ کے شوہر بزرگوار نے آپ کی حیات تک خلیفہ اول کی بیعت کیوں نہ کی؟ اور اگر آپ آزردہ رہیں۔ اور آپ نے اسی حالت میں انتقال فرمایا۔ تو آپ کا اعتقاد مذہبی مرتے دم تک وہی رہا یا نہیں جو شیعوں کا ہے؟ اس لئے آپ شیعہ تھیں یا نہیں؟ اور اگر شیعہ تھیں۔ تو دوسرے شیعوں کا حشر ان کے ساتھ کیوں نہ ہوگا؟

۶- جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بمقام غدیر حضرت علی علیہ السلام کو مثل اپنے مولائے کائنات قرار دیا تھا۔ لیکن بمقام سقیفہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفۂ رسولؐ مقرر کیا۔ اب آپ اپنے علم ویقین سے فرمائیے تو کہ آپ سقیفہ کی کارروائی کو کس وجہ سے غدیر کی کارروائی پر ترجیح دیتے ہیں۔ یعنی حضرت عمرؓ کی کارروائی کو ناسخ اور جناب رسولِ مقبول صلعم کی کارروائی کو منسوخ قرار دیتے ہیں؟

۷- بفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ جناب رسولِ خدا صلعم نے فرمایا تھا۔ کہ آفتاب عمر سے کسی اچھے شخص پر طلوع نہیں کرتا۔ اگر ملل ونحل کی یہ روایت سچ ہو کہ ان عمر ضرب بطن فاطمة یوم البیعة حتیٰ سقط المحسن من بطنها یعنی بہ تحقیق عمرؓ نے بروز بیعت فاطمہؑ کے شکم پر ایسی ضرب لگائی۔ کہ حضرت کے بطن سے محسنؑ ساقط ہو گئے۔ تو آپ حضرت عمر کو کیسا اور کس قابل سمجھیں گے۔ اور آیا بروز محشر

جناب رسُول مقبولؐ صلعم حضرت عمرؓ سے خوش ہوں گے یا ناراض ؟ اور حق تعالےٰ نے رسُول صلعم کے ایذا دینے والوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے ؟

تمام شد کتاب نورِ ایمان ۔

پیش داورِ روزِ محشر عبد عاصی را چہ باک
او نقد آمرزش بکف من نورِ ایمان در بغل

بتاریخ ۱۵۔ جنوری ۱۹۳۹ء

احقر العباد

سیّد خیرات احمد محب عفی عنہ
(گیا)

نقل قطعہ تاریخ طبع ششم مصنّفہ خان بہادر

مولوی سیّد خیرات احمد صاحب مُصنّف کتاب ھٰذا

کر ادا خیرات احمد شکر ربِ ذوالمنن — حمد و نعت و منقبت سے رکھ ہمیشہ تر زبان

شکر ہے تصنیف تیری ہو گئی مقبولِ عام — نورِ ایمان سے منوّر ہو گیا ہندوستان

طبع اوّل میں جو تیرہ سو پہ تھے بارہ مزید — طبع سادس کے لئے یہ سال ہے اکیسوان

کچھ نہ دعوائے سخن ہے اور نہ کچھ دعوائے علم — امرِ حق جو دل میں اُترا کر دیا میں نے بیان

ہو گئی اس پر اگر کرسی نشین خادم کی بات — معنیٔ الحق یعلوا ہو گیا ہے بس عیان

فخر کیا ثابت کیا گر حقِ آلِ مصطفیٰؐ — جب مجھے شاہد ملے حور و ملائک انس و جان

دفترِ عالم کو پایا اُن کے حق کا جب ثبوت — کرتے ہیں تصدیق جسکی عرش پر کرّوبیان

پھر تردّد کیا ہو شرحِ قولِ فیصل میں مجھے — ہے مری تشریح مصداقِ عیاں را چہ بیان

معرکے میں ہاں اگر میں ہو گیا ہوں سُرخرو — ہے یہ سب فیضِ شہنشاہِ نجف عرش بیان

اور اگر مقبول محنت ہو مری سرکار میں — میں یہ سمجھوں مل گیا ہے مجھ کو گنجِ شائگان

ناز اس پر ہے کہ تھا ہر دم تعصب سے الگ — بلکہ تعظیم و ادب کا پاس رکھا ہر زمان

سوءِ ظن جوشِ غم و غصہ سے تھا ہر دم بری — گرچہ لکھنی تھی مجھے غیظ و غضب کی داستان

تا حدِ امکاں نہ لکھا ایک لفظِ دل شکن — ہاں بیانِ واقعہ میں ہو گئیں مجبوریان

میری بے نفسی متانت حلم اور تہذیب کے — بھائی سُنّی ہیں مقر بلکہ ہیں بعضے قدردان

سال طبعِ طبعِ سادس کی ہوئی جب مجھ کو فکر — گرچہ تھا فکرِ علائق سے ضعیف و ناتوان

آئی ہاتف کی سرِ طورِ تجلّے سے صدا
نورِ ایماں سے ہے بیشک رونقِ کون و مکان)

۹ + ۱۳۲۴ = ۱۳۳۳ ہجری

قطعہ تاریخ طبع دہم

آئینہ دِل نورِ ایمان

سمت ۱۹۸۳

واہ کیا محتشم لکھی ہے کتاب
مرحبا خلق پر یہ احساں ہے

فصلی ۱۳۳۴
بنگلہ ۱۳۳۳

دیکھ لیں جس سے راہِ حق مخلص
وہ منوّر چراغِ عرفاں ہے

الٰہی ۱۳۳۶
عیسوی ۱۹۲۷

ہے یہ صد شکر فیض کا چشمہ
منبعِ خیر نورِ ایماں ہے

بردسٹھ ۱۹۰۳
ہجری ۱۳۴۵

حرزہٗ قل الحاج فصیح عرشی

ہجری ۱۳۴۵

قطعۂ تاریخ

مؤلفہ عالیجناب معلی القاب فصیح البیان طلیق اللسان مولانا سید رضا علی صاحب

نقوی الجائسی زاد افضالہ اتالیق خاص بابو سید نجم الحسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ دوام اقبالہٗ

خان بہادر مولوی خیرات احمد ذوالفقار
ہو صدا اُن پر عنایت قادرِ قیوم کی

سیّد عالی حسب والا نسب ہمدردِ قوم
الغرض ہستی جانتے ہیں وہ سپر مظلوم کی

دیدۂ حق بیں نہوں کیونکر صدا انجام بیں
جانتے ہیں وہ حقیقت ہستی موہوم کی

نورِ ایمان کے مصنف ناظمِ روشن خیال
مرحبا کیا خوب شرح و بسطِ دیں مرقوم کی

رونمائے مذہب و ملت ہے یہ روشن کتاب
اس سے دُنیا نے حقیقت دین کی معلوم کی

پڑھ کے اعمالِ محرم دیکھ لو شانِ امامؑ
ہو گئی معراج ثابت سیّدِ مظلوم کی

نورِ ایمان سے ہے روشن اس قدر سارا جہاں
آج ہیں گلیاں منور اس سے شام و رُوم کی
چودھویں اس کی اشاعت اس لئے لازم ہوئی
ہر اشاعت نذر ہو جائے ہر اک معصومؑ کی
ذرّے ذرّے سے عیاں کیونکر نہ ہو اسکی چمک
یہ بھی ہے تاثیر نورِ چاردہ معصومؑ کی!
ہیں زمین و آسماں کے اس لئے چودہ طبق
ہر طبق پر سلطنت ہو اک نہ اک معصومؑ کی
ان سے وابستہ ہوا ہے دین و دُنیا کا نظام
رحمۃٌ للعالمین ہے ذات ہر معصومؑ کی!
قافیئے معصومؑ کے ہیں پنجتن کے ہم عدد
اس لیے کچھ اور زینت بڑھ گئی منظوم کی
فکرِ تاریخِ اشاعت جب ہوئی مجھ کو رضاؔ
ہو گئی امداد میرے خاطرِ مغموم کی!

یُوں سن ہجری سرِ طور تجلّے سے سُنا
روشنی ہر جا ہے دینِ چاردہ معصُومؑ کی

۱۳۵۲ھ

قطعہ تاریخ

چکیدۂ قلم فیض رقم جناب مولانا سیّد رضا علی صاحب رضا دام ظلّہ، نقوی الجائسی اتالیق خاص بابو سیّد نجم الحسن صاحب بی اے سامہ اللہ تعالیٰ دوام اقبالہ،

نورِ ایماں کتاب خوب لکھی
خاں بہادر نے جس کی شہرت ہے
حبّذا مرحبا جزاہ اللہ
یہ مصنّف کی قابلیت ہے
دل رُبا ہے کلام کی خُوبی
بات ایسی خدا کی نعمت ہے
اس سے ہوتی ہے چشمِ دل روشن
سُرمۂ دیدۂ بصیرت ہے
پھر نہ بھٹکے جو اک نظر دیکھے
خضرِ منزل یہ فی الحقیقت ہے
شمعِ روشن ہے راہِ عرفاں کی
نورِ ایمان و دین و ملّت ہے
روش اس کی جدا نیا انداز
طرزِ تحریر میں بھی نُدرت ہے
دِل نشیں ہر جواب ہے اس کا
کیا فصاحت ہے کیا بلاغت ہے

دِل شکن اس کا کوئی لفظ نہیں
شستہ و رُفتہ ہر عبارت ہے
ہے یہ بے شک معلّمِ تہذیب
اس لئے سب کو اس سے اُلفت ہے
فضلِ خالق سے یوں ہوئی مقبول
آج یہ پندرھویں اشاعت ہے
اپنے مذہب کی واقفیت کو
رہے ہر گھر میں یہ ضرورت ہے
سن ہجری کی جب ہوئی خواہش
کہا دِل نے یہ وقتِ فرحت ہے

کہہ دو تاریخِ نورِ ایماں کی
اے رضاؔ یہ خدا کی قدرت ہے
۱۳۵۴ھ ہجری

قطعہ دیگر

محسنِ قوم خان بہادر ہیں
جن کی تصنیف نورِ ایماں ہے
مجھ سے تعریف ہو نہیں سکتی
وصفِ عالی میں عقل حیراں ہے
کیسی نادر کتاب لکھی ہے
قومِ شیعہ پہ ان کا احساں ہے
اس کا لطفِ زبان و حُسنِ بیان
طرزِ تحریر سے نمایاں ہے
واقعی یہ کتاب نورانی
شمعِ راہِ نجات و عرفاں ہے
یہ فصیح و بلیغ ہے ایسی
جس کو دیکھو وہی ثنا خواں ہے
ایسی مقبولِ خاص و عام ہے یہ
دِل سے ہر شخص اس کا خواہاں ہے
اس کے سولہویں بار چھپنے کا
فضلِ خالق سے آج ساماں ہے
سنِ ہجری میں جب ہوئی کاوش
کہا دل نے عبث پریشاں ہے

اے رضاؔ کہہ دے راہِ عرفاں کی
شمع روشن یہ نورِ ایماں ہے
۱۳۵۴ھ

قطعۂ تاریخ

من تصنیف عالیجناب معلیٰ القاب مورخ بیمثال ناظم عرشی خیال جناب حاجی مولوی سید محمد صالح صاحب عرشی مدظلہ العالیٰ

قطعۂ تاریخ طبع جدید گنج نایاب نور ایمان ۲:۹ اسمت

نورِ ایماں کے مصنف مرحبا
واہ کیا تحریر کا انداز ہے

ہوتے جاتے ہیں مسخر غیر بھی
ہے بیاں میں سحر یا اعجاز ہے

حق کے طالب کا خدا کے فضل سے
ہو بخیر انجام وہ آغاز ہے

اس میں مقناطیس کی ہے خاصیت
کھینچ لے دِل کو یہ وہ آواز ہے

اور اس فن کی کتابیں ہیں مگر
ان کتابوں میں یہ سرافراز ہے

کر دیئے ہیں پیش دونوں آئینے
اک خدا ساز اور اک خود ساز ہے

دیکھ کر اس تیغِ براں کی برش
جو مخالف ہے سپر انداز ہے

طبع کا سن لکھ دے عرشی فی البدیہ
نور ایماں تحفہ ممتاز ہے

۱۳۵۴ھ

ذہین عرشی

۱۳۴۵ الہی

قطعۂ تاریخ طبع شانزدہم

از نتیجۂ فکر جناب مولوی سید رضا علی صاحب رضاؔ مدظلہ

اتالیق خاص جناب بابو سید نجم الحسن صاحب بی اے ممبر

لیجسلیٹو کونسل بہار پٹنہ دام اقبالہٗ

حضور خان بہادر مولوی خیرات احمد نے
جو کی تصنیف شہرہ ہو گیا اس نور ایماں کا

جہاں میں ہر گھڑی صبح و مسا ایسے مصنف پر
رہے دائم خدا کا فضل و سایہ شاہ مرداں کا

براہین قاطع و مسکت دلائل عقلی و نقلی
مہذب دل نشین مضمون سراپا اسکے عنواں کا

فصاحت پر بلاغت پر فصیحوں کی زبان قاصر
طلاقت وہ کہ جس سے ناطقہ ہے بند سحباں کا

خدا کے فضل سے ہے یہ اشاعت سترھویں اسکی
ہوئی مقبول خاص و عام ایسی شکر یزداں کا

کیا احسان قوم شیعہ کے ایمان و مذہب پر
جزاہ اللہ فی الدارین خیرا ایسے احسان کا

ندائے غیب یہ آئی رضاؔ کہہ دو سن ہجری
اُجالا ہر طرف ہے اب کتاب نور ایمان کا

۱۳۵۶ ہجری

قطعۂ تاریخ طبعِ شانزدہم

کتاب نورِ ایمان

از نتیجۂ فکر مورّخ بیمثال و مدّاح عرشی خیال جناب مولانا
حاجی سیّد محمد صالح صاحب عرشی زاد افضالہٗ

قطعۂ تاریخ اعجوبہ زمان "نورِ ایمان"

۱۹۳۸ء

پاکیزہ خصال نیک اعمال — خیراتِ احمد رئیس ذی شان
فیاضِ زمان و فیض گستر — بر ہستیٔ او زمانہ نازان
بنوشت عجب کتابِ معقول — باصد سند و دلیل و برہان
از جلوۂ شمس طلعتِ او — باطل رو پوش حق نمایان
ہر لفظ چو مہر و ماہ روشن — ہر نقطۂ او چو نجم تابان
حاصل متلاشیانِ حق را — صد گوہرِ معرفت بدامان

عرشی بنوشت سالِ طبعش
خیرے مقبول نورِ ایمان

۱۳۵۶ھ

تمّت بالخیر

(حمایت اسلام پریس لاہور)